لاتوذینی فی عائشۃ

(حدیث)

کَشفُ الغُمّۃ عَن عُمرِ اُمّ الاُمّۃ رض

یعنی

تحقیق عمر

عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہ

تصنیف

حکیم نیاز احمد

ملنے کا پتہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر A-1,7/3 ، ناظم آباد نمبر 1، کراچی 74600

فون: 6601449

لا تؤذینی فی عائشۃ (حدیث)

کَشْفُ الْغُمَّۃِ عَنْ عُمُرِ اُمِّ الْاُمَّۃِ رضی اللہ عنہا

یعنی

تحقیقِ عُمر

عائشۃ الصّدّیقۃ رضی اللہ عنہا

تصنیف

حکیم نیاز احمد

ناشر

مشکور اکیڈمی کراچی

جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم نیاز احمد صاحب فاضل دیوبند کی یاد میں۔۔۔از مفتی محمد طاہر مکی

ہمارے ایک بزرگ دوست جناب ضیاء الدین کرمانی صاحب کاکوری (لکھنو) کے سادات میں سے تھے۔یہ اتنے پرانے پاکستانی تھے کہ ابھی ۱۹۴۰ء کی قراردادِ لاہور بھی پیش نہیں ہوئی تھی کہ وہ لکھنؤ سے ہفت روزہ ''پاکستان'' نکالتے تھے(جنگ کراچی کے ایک پورے صفحہ پر اسکی تفصیلات آچکی ہیں)

کرمانی صاحب لکھنؤ کے گورنمنٹ کالج میں عربی کے لیکچرار تھے۔انگریزی کے بہترین ادیب اور امام اہلسنت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے معتقد تھے۔ہماری فرمائش پر کرمانی صاحب نے رسول اللہ کی سیرتِ طیبہ پر انگریزی میں ضخیم کتاب بھی لکھی ہے۔اس کے شائع ہونے سے پہلے مشہور قانون داں اے۔کے۔بروہی صاحب نے اس کے مطالعے کے بعد اس کی بلند علمی و تاریخی سطح اور شاندار انگریزی کی بہت کھل کر تعریف کی تھی۔بروہی صاحب کا چار صفحہ کا دیباچہ میں نے بھی دیکھا تھا لیکن اسے غالباً اُس وقت اس مصلحت سے کتاب میں درج نہیں کیا گیا کہ بروہی صاحب بھٹو کیس میں حکومت کے نمائندے تھے اور متنازعہ شخص بنے ہوئے تھے(یہ تحریر اب کرمانی صاحب کے صاحبزادے یا مرحوم کی اہلیہ کے پاس محفوظ ہوگی)

غرض کرمانی صاحب کی تحریر کردہ اس سیرتِ طیبہ کے ناشر جناب عتیق الرحمان تھانوی صاحب کے خالد بن ولید روڈ والے مکان میں ہر اتوار کو ہماری نشست ہوتی تھی جس میں، میں اور مولانا عمر احمد تھانوی ناظم آباد سے،مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی کورنگی سے،سید محمد عمر صاحب درخشاں سے۔ڈاکٹر پنجوانی اور اقبال احمد صاحب ایڈوکیٹ نارتھ ناظم آباد سے۔کرمانی صاحب اور حکیم نیاز احمد صاحب (جن کے صاحبزادے مشہود احمد ایڈوکیٹ کا مکان قریب ہی تھا)اور دیگر کئی اہلِ علم احباب شریک ہوتے تھے۔حکیم صاحب سے روابط میں اضافہ اسی زمانہ میں ہوا جو یہاں تک بڑھا کہ ان کی دوسری کتاب روایتِ افک ان کی (یعنی ان کے صاحبزادے کی) میری اور عثمانی صاحب کی مشترکہ رقم سے شائع ہوئی۔حکیم صاحب کا دستور تھا کہ یہاں کی نشست ختم ہونے کے بعد مجھے اور عثمانی صاحب کو اپنے ہاں ضرور لے جاتے۔وہاں کچھ دیر ٹھہر کر ہم رخصت ہوتے۔

ایک دن ہم حکیم صاحب کے ہاں پہنچ کر بیٹھے ہی تھے کہ حکیم صاحب کے صاحبزادے نے ایک صاحب کے آنے کی اطلاع دی، حکیم صاحب نے ہم سے کہا کہ یہ صاحب پہلے سے وقت لے کر نہیں آئے۔ اگر آپ حضرات اجازت دیں تو میں انہیں بلالوں ۔۔۔۔ ہم نے کہا ضرور! وہ صاحب اپنے دو احباب کے ساتھ تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ مولانا امین احسن اصلاحی کے شاگرد جناب جاوید احمد غامدی ہیں۔ وہ حکیم صاحب کی کتاب ''عمر عائشہ صدیقہؓ ''پر اپنے استاذ کا بڑا تعریفی تبصرہ سن کر اور اس کتاب کا مطالعہ کر کے ملاقات کے لئے آئے تھے۔۔۔۔ دوران گفتگو انہوں نے بتایا کہ مولانا اصلاحی سے دوران درس اس قدر تعریفی انداز میں کسی اور کتاب کا تذکرہ انہوں نے نہیں سنا۔ اصلاحی صاحب ہمیں بار بار توجہ دلاتے تھے کہ احادیث کو پرکھنے کا جو تاریخی انداز حکیم صاحب نے استعمال کیا ہے وہ بہت اہم اور نہایت کارآمد ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنے، اسے سمجھنے اور اسے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ (اس کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے مولانا اصلاحی کے جانشین جناب خالد مسعود صاحب کے قلم سے کئی صفحات پر مشتمل نہایت جاندار تبصرہ سہ ماہی تدبر میں بھی شائع ہو گیا تھا ۔ یہ رسالہ مولانا اصلاحی کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا) ؎

اس کے علاوہ اپنی یہ کتاب حکیم صاحب نے اپنے پرانے دوست مولانا عبدالرشید نعمانی استاذ جامعہ بنوری ٹاؤن کو بھی تبصرہ کے لئے پیش کی تھی جس پر نعمانی صاحب نے حکیم صاحب سے کہا کہ آپ کو تو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں بخاری اور اس کے رُواۃ پر تنقید کی وجہ سے عام مولویوں میں پہلے ہی مشہور ہوں؎۔ اب اگر آپ کی تائید کرتے ہوئے بخاری کی اس روایت پر بھی تنقید کروں تو مخالفوں کے وہ پرانے زخم پھر تازہ ہو جائیں گے جس سے میری ملازمت بھی چھوٹ سکتی ہے اس لئے میرا تبصرہ مصلحت کے خلاف ہے۔ آپ اس کا ایک نسخہ مفتی ولی حسن صاحب کو پیش کریں (مفتی صاحب نعمانی صاحب کے گہرے دوست تھے) اور ایک نسخہ محدثِ عصر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی (مؤ۔ بھارت) کو بھجوائیں۔ حکیم صاحب نے ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے مفتی ولی حسن صاحب کو تو ایک نسخہ براہ راست پیش کیا۔

؎ کتاب کے موجودہ ایڈیشن میں یہ تبصرہ بھی شائع کر دیا گیا ہے (ناشر)

؎ ان کی کتاب ابن ماجہ اور علم حدیث پر مولانا سعید احمد اکبرآبادی۔ نے اپنے ماہنامہ برہان (دہلی) میں تبصرہ کرتے ہوئے ان کے بخاری مخالف رویہ پر تنقید کی تھی۔ دراسات اللبیب کے حاشیہ میں بھی نعمانی صاحب دو تہائی بخاری کو غلط کہہ چکے ہیں۔

ایک نسخہ مولانا حبیب الرحمٰن کو بھجوایا اور مزید ایک نسخہ اپنے دورۂ حدیث کے ساتھی مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو بھجوایا جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے (حکیم صاحب اور مرغوب صاحب دونوں نے ایک ہی سال حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے دورۂ حدیث کیا تھا۔ بعد میں حکیم صاحب مولانا مدنی کے معالج بھی رہے)

حضرت اعظمی اور مولانا مرغوب الرحمٰن نے کتاب کی وصولی کی رسید بھیجی تھی اور ابتدائی مطالعہ کے تاثرات میں اسے زبردست علمی محنت قرار دیا تھا۔ (اگرچہ کھل کر تائید نہیں کی) مولانا سعید احمد اکبرآبادی شاگرد علامہ انور شاہ کشمیری اور رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔ مولانا محمد اسحاق سندیلوی سابق مفتی و مہتمم و شیخ دارلعلوم ندوۃ لکھنؤ۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی ڈائرکٹر موتمر عالم اسلامی کراچی اور مولانا سعید الرحمٰن علوی ایڈیٹر خدام الدین وغیرہ اہل علم نے کھل کر تائید کی (مولانا امین احسن اصلاحی کے تاثرات شروع میں پیش کئے جاچکے ہیں ۔۔۔۔۔۔ رہے مفتی ولی حسن صاحب اور بعض دیگر حضرات ،انہوں نے بار بار یاددہانی کے باوجود نہ تائید میں کچھ لکھا نہ اس پر تنقید کی۔ ویسے بھی کتاب اتنی عالمانہ ہے کہ عام مولویوں کی تو بات ہی کیا' موجودہ اساتذہ حدیث کے معیار سے بھی بلند ہے۔ ان کو بھی اس کے سمجھنے کے لئے پوری توجہ سے کئی بار مطالعہ کرنا پڑے گا (اس دشواری کے پیش نظر الرحمٰن ٹرسٹ والوں نے آسان زبان میں اس کا خلاصہ مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی سے کروا کر شائع کیا ہے)

صرف ایک صاحبِ علم نے اپنا تنقیدی تبصرہ حکیم صاحب کو بھیجا تھا۔ یہ بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس) تھے۔ حکیم صاحب نے ان کے جواب میں جو تحریر بھیجی' ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اسے بجنسہٖ یہاں درج کردیں اور حکیم صاحب سے اپنے تعلقات و تاثرات کی تفصیل کو کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھیں۔ حکیم صاحب ڈاکٹر صاحب کے جواب میں لکھتے ہیں:

محترمی ڈاکٹر صاحب!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

کل آپ کا گرامی نامہ باعث کرامت ہوا پڑھ کر افسوس ہوا کہ مشہود احمد ایڈوکیٹ نے کتاب بھیجنے کی زحمت اٹھائی اور آپ سے کتاب پڑھنے کی درخواست کی۔ میں دسمبر ۸۴ء میں یہاں آیا تھا۔ اپنے ہاتھ سے چند کاپیاں درست کر کے اُن کو دے گیا تھا آپ کا پتہ یہاں کراچی میں معلوم کرنے کی کوشش کی معلوم نہ ہوسکا یہاں سے سرگودھے جا کر بھاول پور یونیورسٹی سے پتہ معلوم کیا اور کتاب بھجوائی۔ میں نے آپ کو سرگودھے سے خط لکھا اور آپ نے مہربانی فرمائی اور کتاب پہنچنے سے پہلے ہی جواب دیا مگر کتاب کی رسید نہیں ملی انہوں نے حسب ہدایت دوسری کتاب بھیجی یہ کتاب بھی تصیح شدہ تھی اصل میں کتاب ہی میری عدم موجودگی میں طبع ہوئی اس لئے طباعت کی غلطیاں رہ گئیں مگر میرے خط میں سن طبع موجود تھا ۸۳ء کا آخر

۲۔ میرا اصرار تھا کہ کتاب آپ کو بھیجی جائے کیوں کہ آپ نے بھی ترکی سے روایات نقل کر کے بھیجنے کی زحمت اٹھائی تھی اور میرا فرض تھا کہ میں شکریہ ادا کروں چنانچہ دیباچہ میں بھی آپ کا ذکر موجود ہے۔

۳۔ عمر عائشہؓ ضروریات دین سے نہیں ہے کہ اس پر نجات موقوف ہو یہ ایمانیات میں شامل نہیں ہے صرف تاریخی مسئلہ ہے۔ جیسے یہ روایت مشہور ہے کہ حضرت سلیمانؑ ایک رات میں سو بیویوں سے تعلقات رکھتے تھے۔

۴۔ تمام امت نے تلقی بالقبول کے طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ وہ رخصتی کے وقت ۹ سال کی تھیں آج نہیں بارہ سو سال سے مانتے چلے آرہے ہیں۔ جیسے حضرت سلیمانؑ سے متعلق روایت مانتے چلے آرہے ہیں۔

۵۔ کوشش صرف اس روایت کی تاریخی حیثیت معلوم کرنے کے لئے تھی اہل علم کا کام ہے کہ اس مواد کو دیکھیں اور پھر رائے قائم کریں۔ آپ نے بھی تو الوثائق السیاسیہ میں یہی کیا ہے۔

۶۔ ہمارے تمام اہل علم اس دور میں تضاد کا شکار ہیں اور مہارت علم اب یہی رہ گئی ہے کہ عالم جمع بین الاضداد کا کمال دکھائے یہ قاعدہ اس لئے پڑا کہ مندرجہ ذیل تحریر میں یہی قاعدہ کارفرما ہے۔ آپ کی عبارت میں بھی اسی کی کوشش ظاہر ہے۔

اس خط کے جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر آپ کی مندرجہ ذیل عبارت نے مجبور کر دیا کہ اس پر لکھوں۔ آپ فرماتے ہیں ''میں آج تک سمجھ نہ سکا کہ نابالغ لڑکی سے نکاح کیوں شایان شان نبوت نہیں ہے (زفاف سے بحث نہیں) کیا قرآن مجید اس کی صراحت سے اجازت نہیں دیتا۔ سورہ طلاق میں ہے والّٰئی لم یحضن یعنی جس لڑکی کو ابھی حیض نہیں آیا ہے اس کو طلاق دیں جو نکاح کے بعد ہی ہوسکتا ہے تو عدت کتنی ہوگی۔

میری تمام کتاب میں یہ بحث نہیں ہے کہ نکاح صغیرہ ناجائز ہے۔ تمام فقہاء نکاح صغیرہ کو جائز قرار دیتے ہیں صرف ایک فقیہ مجتہد قاضی ابن شبرمہ اس کو جائز نہیں کہتے۔ تو ایک غیر واقعی قول کو میری طرف منسوب کرنا اور اس پر تعجب کرنا خود محل تعجب ہے۔ میری ساری بحث اس پر مرتکز ہے کہ بنائے صغیرہ جائز نہیں ہے اور یہ بات شایان شان نبوت نہیں ہے اور یہی بات غیر شعوری طور پر آپ کے قلم سے بھی نکل گئی ہے'' زفاف سے بحث نہیں ہے''؟۔ یہ آپ کے سلیم الفطرت ہونے کی دلیل ہے باقی والّٰئی لم یحضن سے آپ کا پورا استدلال نظر ثانی کا محتاج ہے ایک آپ ہی قلت تدبر کا شکار نہیں ہیں اکثر علماء نے اس جگہ ٹھوکر کھائی ہے اکثر مفسرین نے اس کی تفسیریں ومن الصغائر سے بات شروع کی ہے۔ وضاحتِ مسئلہ کے لئے تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ یہ امر واضح اور صریح ہے کہ نابالغ بچے احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں۔ تو ایک نابالغ بچی جس پر اس کے ولی نے یہ ظلم کیا ہو کہ بالکل کچی عمر میں اسے جوان خاوند کے سپرد کر دیا۔ اور اس کے خاوند نے یہ ظلم کیا کہ اُس کو کچی عمر میں خراب کر کے چھوڑ دیا اور شریعت اسے اس کچی عمر میں تین مہینے کی عدت کا مکلف قرار دے آخر کیوں؟

۲۔ اس عمر میں وہ کسی اور حکم شرعی کی مکلف ہی نہیں نہ اس پر نماز فرض ہے نہ روزہ نہ حج فرض ہے نہ زکوٰۃ اور نہ دیگر اوامر ونواہی کی مکلف ہے لیکن اس ظلم کے نتیجے میں تین مہینے کی عدت اس پر لازم ہے یا للعجب! اور پھر اس لڑکی کے لئے خیار بلوغ کا کون سا موقع رہیگا جس کا صغرسنی میں ستیاناس کر دیا گیا ہو۔

۳۔ محدثین نے اس آیت والّٰئی لم یحضن سے نکاح صغیرہ پر استدلال کیا ہے بنائے صغیرہ پر نہیں بلکہ بنائے صغیرہ کو حضرت عائشہؓ کی تزویج والی روایت بنائے تسع سے ثابت کیا ہے

۱؎ یعنی کم عمر بچی سے جنسی تعلق جائز نہیں ہے (ناشر)

اس غیر واقعی مفروضہ کی بنا پر کہ حضرت عائشہؓ ۹ سال میں بالغہ تھیں جب کہ ترمذی شریف کتاب النکاح باب ماجاء فی اکراہ الیتیمتہ علی التزویج میں ترمذیؒ نے حضرت عائشہؓ کا یہ غیر واقعی اور غیر مستند قول نقل کیا ہے وقد قالت عائشۃؓ اذابلقت الحاریۃ تسع سنین فھی امراۃ غالباً محدثین کے راستے میں یہی رکاوٹ تھی کہ نابالغہ تو مکلف باحکام ہے ہی نہیں اس لئے انہوں نے بناء تسع والی روایت کا سہارا لیا ہے اس روایت کو من مانے معنی پہنا کر بناء صغیرہ کا ثبوت مہیا کیا۔

۴۔ میرے نزدیک اس آیت سے نکاح صغیرہ اور بناء صغیرہ دونوں میں سے کسی کا جواز نہیں نکلتا۔

۵۔ اس آیت کے مفہوم میں نابالغ لڑکیاں شامل ہی نہیں کیوں کہ اس آیت میں مدت عدت کا بیان ہے اور مدت عدت مدخولہ کے لئے ہوتی ہے غیر مدخولہ کے لئے عدت نہیں ہوتی۔ نابالغ بچیوں سے مباشرت فطرت انسانی کے منافی، تعامل معاشرہ کے خلاف ہے اور طبع سلیم پر بار ہے عدم صلاحیت محل کی بنا پر داعیۂ وطی بیدار ہی نہیں ہوتا اسلئے وہ تو بداہت عقل سے اس آیت کے مفہوم سے خارج ہیں۔ اس لئے اس آیت سے نکاح صغیرہ کا جواز محل نظر ہے اور فقہائے حنفیہ نے اس سے استدلال نہیں کیا یہ تو روایت نکاح ستہ کا کمال ہے کہ محدثین نے اس آیت سے نکاح صغیرہ پر استدلال کیا اور بناء صغیرہ میں بہک گئے اور روایت تسعہ کو اپنے معنی پہنا کر سہارا لیا کیوں کہ عدت جب لازم ہوگی جب نکاح اور بناء متحقق ہو چکے ہوں اگر اس آیت سے نکاح صغیرہ جائز ہے تو بناء صغیرہ بھی جائز ہے پھر عدت لازم آئے گی۔ آیت سے یہ سارا استدلال ہی کم عقلی کا استدلال ہے اور اس کی شناعت بداہتہً ظاہر ہے ترتیب یہ ہے کہ نکاح صغیرہ بناء صغیرہ، عدت صغیرہ اس آیت سے ایک بھی ثابت نہیں۔

البتہ اس آیت کے مفہوم میں وہ جوان لڑکیاں شامل ہیں جو بلوغت کی عمر کو پہنچ چکی ہوں اور انہیں حیض بھی نہ آیا ہو مگر بھرپور شباب میں ہوں، صنفی کشش رکھتی ہوں، دواعی بلوغت سے بہرور ہوں ان کا نکاح ہو چکا ہو ان کے خاوند ان سے تقارب کر چکے ہوں اگر وہ انہیں طلاق دیدیں تو ان کی مدت عدت تین مہینے ہے۔ ایسی لڑکیوں پر احکام بلوغت عمر کے اعتبار سے جاری کئے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسی لڑکیوں کو جن کو جوان ہونے پر حیض نہ آئے بعض ائمہ کے نزدیک پندرہ سال کی عمر میں بالغ قرار دے دیا جائے گا اور امام مالکؒ کے نزدیک سترہ سال کی عمر میں، امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۱۸ سال کی عمر میں انہیں بالغ قرار دے دیا جائیگا۔ اس وقت وہ تمام احکام شرعیہ کی مکلف ہوں گی اُس عمر میں ان کا نکاح بالغوں کا

نکاح ہوگا اور طلاق بھی بالغوں کی طلاق ہوگی اور عدت بھی بالغوں کی عدت ہوگی مگر عدت کا شمار قروء سے نہیں ہوگا بلکہ مہینوں سے ہوگا اور تین مہینے عدت گزارنی ہوگی۔

اس توضیح اور تشریح کے بعد آپ اپنی مندرجہ بالا عبارت کو پڑھیں ''قرآن مجید اس کی صراحت سے اجازت نہیں دیتا''؟ کیا یہی اجازت ہے کہ نابالغ لڑکیوں سے ہم بستری کرو تو انہیں تین مہینے عدت گزارنی ہوگی کیوں کہ طلاق موقوف ہے نکاح پر اور عدت موقوف ہے ہم بستری پر تو دونوں باتیں نکاح صغیرہ بھی اور بناء صغیرہ بھی اس آیت سے ثابت ہوگئیں۔استغفر الله من سوء الفهم یہ قرآن فہمی نہیں کم فہمی ہے آپ میری کتاب کا صفحہ ۲۳۲ ملاحظہ فرمائیں۔

آیئے ہم اور آپ مل کے دعا کریں اهدنا الصراط المستقیم۔آپ کی آخری عبارت کے متعلق ضمناً عرض کرتا ہوں کہ ''میری حقیقی دادی آٹھ سال کی عمر میں ماں ہوگئی تھیں الی آخرہ''

یہ آپ کا خاندانی معاملہ ہے ہمیں تو اس پر رائے زنی کا کوئی حق ہی نہیں پھر آپ خود ناقل ہیں تو اس کی صداقت میں کیا تردد ہوسکتا ہے۔زمانہ ماضی میں صدر ایوب نے اپنی خود نوشت سوانح Friends notmarters شائع کی تھی اس میں تحریر کیا تھا کہ میری پیدائش مئی ۱۹۰۷ء ہے اور اپنی میٹرک کی سند کا حوالہ بھی دیا تھا میں نے ان کو لکھا تھا کہ مہینہ اور سنہ دونوں غلط ہیں آپ کی پیدائش نومبر ۱۹۰۶ء ہے تو انہوں نے تسلیم کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ آئندہ کے ایڈیشن میں درست کردوں گا۔مگر آئندہ کے ایڈیشن کی نوبت ہی نہیں آئی ۔۔۔۔ہاں آپ کے واقعہ میں اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے معاملہ میں مماثلت ضرور ہے۔

۱۔حضرت ہشام نے جب ۱۴۵ھ میں عراق کے گیارہ تلامذہ کے سامنے اپنی دادی اسماءؓ کی بہن عائشہؓ کی عمر کی روایت سنائی تو انہوں نے بھی آمنا وصدقنا ہی کہا۔کیوں کے گھر کے آدمی کی روایت تھی بظاہر کوئی بات نہیں تھی کہ کذب وضع کا احتمال ہو ظاہر ہے یہ روایت واقعہ کے ایک سو پینتالیس سال بعد کی ہے۔

۲۔آپ نے بھی دادی مرحومہ ہی کا قصہ سنایا اور اس واقعہ کو تقریباً ۱۲۵ سوا سو سال ہوگئے ہوں گے آپ کی عمر ۸۰ سال ہے۔

۳۔جب امت مسلمہ نے اُسکو درست مان لیا تو اِسکو ماننے میں کیا حرج ہے اور اس سے بھی بہت زیادہ تعجب خیز بات ہو تو مان لینے میں کیا حرج ہے؟

۴۔ویسے اصول یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ غیر معمولی ہوتو شہادت بھی غیر معمولی ہی ہونی چاہئے۔

۵۔آپ نے یہ اپنے بزرگوں سے سنا آپ کے لئے یقینی ہوگا۔ہم نے یہ سماعی شاہد بلکہ سامع غیر شاہد سے سنا ہمارے لئے یہ خبر واحد ظنی ہے۔

۶۔ہشام بن عروہ نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے بنی بیوی فاطمہ بنت منذر سے نو سال کی عمر میں بناء کی دیکھئے کتاب اثر ص ۱۹۴

۷۔اس واقعہ کے ذکر سے اگر یہ مراد ہے کہ دادی مرحومہ کا یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کے واقعہ کی نظیر بن سکے تو میرے لئے یہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

۸۔اس واقعہ کو اصول خبر پر پرکھنا ضروری ہے آپ میرے لئے بہت محترم ہیں آپ اپنے اس بیان میں صادق ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ واقعہ نفس الامری بھی ہو۔

۹۔آپ کا یہ بیان اس پر منحصر ہے کہ آپ نے اپنے قابل احترام بزرگوں سے سنا اور بچپن میں سنا اس عمر میں ذہن تقلیدی ہوتا ہے اسلئے بچپن میں ہی یہ بات تحت الشعور میں اتر گئی۔

۱۰۔آپ نے اپنے بزرگوں کو کہولت میں دیکھا اور یہ واقعہ ماصنیہ تھا جو آپ کے علم میں آیا صرف اجمال کے ساتھ کہ آٹھ سال کی عمر میں ماں ہوگئیں۔

۱۱۔اس واقعہ کے تمام کردار اللہ کو پیارے ہوگئے کوئی عینی شاہد موجود نہیں جب کسی واقعہ کا ایک بھی عینی شاہد موجود نہ ہوتو اس کو کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے۔

۱۲۔اب سے سوا سو سال پہلے ایسے ادارے موجود نہ تھے کہ ولادت اور وفات کا ریکارڈ رکھنا ضروری ہوتا ورنہ اس کو دیکھ کر عمر معلوم کی جاسکتی۔

۱۳۔نکاح کا اندراج بھی ضروری نہیں تھا کہ اُسے دیکھ کر ہی عمر کا تعین کرلیا جاتا۔

۱۴۔بادی النظر میں دیکھ کر ہی عمر کا اندازہ ہوتا تھا مگر وہ تخمین ہوتی تھی اور عورتوں میں تو وہ بھی مشکل ہوتا ہے ابتدائی تغیرات کے بعد ان کی عمر کا معلوم ہونا مشکل ہوتا ہے جب تک خارجی امور ساتھ نہ ملائے جائیں مثلاً شادی کو کتنے سال ہوگئے بچے کتنے ہیں۔

۱۵۔عورتیں اپنی عمر کے معاملے میں حساس ہوتی ہیں نادانستہ ان کی زبان سے کم عمری کا اظہار ہوتا ہے بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ عورت سے اس کی عمر معلوم کرنی ہی نہیں چاہئے۔

۱۶۔دادی مرحومہ کی جب ۷ سال کی عمر میں رخصتی ہوئی تو جوان عورت کے طور سے ہوئی تب ہی آٹھ سال کی عمر میں اولاد ہوئی اور دادا مرحوم نے بطور جوان بیوی کے رخصتی کرائی تھی۔

۱۷۔سات سال پہلے جو بچی پیدا ہوئی سات سال میں ہی پوری جوان ہوگئی تو اس کا نشو ونما ضروری بات ہے کہ غیر معمولی ہوگا وہ اپنے بچوں سے علیحدہ اور ممتاز ہوگی۔

۱۸۔کیا غیر معمولی حالات تھے کہ سات سال میں فوراً ہی شادی کر دی گئی مہذب معاشرے میں کچھ وقت لگتا ہے کہ اعضاء میں پختگی آجائے۔

۱۹۔تمام محلے اور برادری میں اُس وقت یہ نادر واقعہ سب کو معلوم ہونا چاہئے تھا کیوں کہ غیر معمولی تھا۔

۲۰۔قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخمین اور ظن سے عمر کا اندازہ ۸ سال کر لیا گیا ہوگا۔

۲۱۔اگر ایسا ہے اور سب باتیں اسی طرح ہوئیں تو ان کے غدۂ نخامیہ میں خرابی کی وجہ سے ترشح رطوبات زیادہ ہوا اور وہ قبل از وقت بالغہ ہوگئیں اور یہ حالت مرض تھی تندرستوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

۲۲۔چوں کہ اس وقت نظام غدود غیر ناقلہ نامعلوم تھا اس لئے سبب معلوم نہ ہوسکا۔

۲۳۔بہرحال آپ راوی غیر شاہد ہیں اسی حیثیت سے آپ کی روایت پر بحث کا حق بنتا ہے۔

۲۴۔محض ایک راوی سے صحت کا یقین کرنا مشکل ہے واقعہ غیر معمولی ہے اس لئے قرآنی قاعدے سے کم از کم دو راوی عادل شاہدین ہونے چاہئے۔

۲۵۔حضرت عمرؓ نے فاطمہؓ بنت قیس کی روایت اس لئے رد کر دی اور کہا لا نترک کتاب اللہ بقول امرأۃ حفظت ام نسیت۔یہاں بھی فطرت کے تدریجی ضابطے کے خلاف ہے اس لئے سماعی روایت کافی نہیں۔

۲۶۔اصول وفروع کی روایت اپنے گھر کے متعلق جو عقیدت پر مبنی ہو اور اصول روایت پر پوری نہ اترتی ہو اثبات مدعٰی کے لئے کافی نہیں قاضی شریح نے حضرت حسنؓ کی شہادت حضرت علیؓ کے حق میں رد کر دی تھی۔

۲۷۔بچپن میں سنی ہوئی بات ہے بھول چوک کے احتمال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

۲۸۔آپ کے تمام خاندان میں آپ کی برادری میں آپ کے محلے میں یہ واقعہ تواتر کے ساتھ منقول ہونا چاہئے تھا۔

۲۹۔آپ کے بزرگ لکھے پڑھے تھے تو اسی وقت سے آپ کے بزرگوں کی یادداشتوں میں یا کسی بیاض میں تحریر ہونا چاہئے تھا کہ اس واقعے کی صداقت پر غور کیا جا سکے۔

۳۰۔ہمارے اس دور میں نہایت مشہور رہنماؤں کی عمریں باوجود تعلیمی اسناد کے ہمیں صحیح معلوم نہیں قائداعظم محمد علی جناح کی عمر معلوم نہیں قیاسی عمر ہے مختلف لوگوں نے تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ عمرِ قائداعظم کے بارے میں قیاسی بیان ملتے ہیں۔

۳۱۔علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش ان کی قبر کے کتبے پر ۱۸۷۳ء لکھی ہوئی تھی بھٹو دور میں وہ بدلا گیا اور ۱۸۷۷ء بتائی گئی اور اب لوگ بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ یہ سرکاری عمر ہے۔علامہ کے صاحبزادے چیف جسٹس جاوید اقبال نے مختلف بیاناتِ خاندانی سے عمر کے مسئلے کو حل کرنا چاہا مگر سب دلائل قیاسی ہیں اور اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔

۳۲۔حالانکہ ان دونوں حضرات کی پیدائش کے وقت میونسپل ادارے بن چکے تھے۔

۳۳۔دادی مرحومہ کی عمر کا واقعہ سماعی تخمینی اور اندازے پر مبنی نیز ظنی ہے عام اصول روایت پر پورا نہیں اترتا۔

۳۴۔خاندان کے افراد کیلئے ان کے بزرگوں کے نادر واقعات ندرت کی وجہ سے مرغوب طبع ہوتے ہیں اور قابل فخر بھی ہوتے ہیں۔مگر غیر خاندان کے لئے تو وہ معمولی واقعات میں شامل ہوتے ہیں۔اس لئے یہ واقعہ ہمارے لئے قابل حجت نہیں ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ بغور مطالعہ کریں پھر رائے قائم فرمایئے۔۔۔۔آج سے بیس سال پہلے ماموں ظفر حسن صاحب کی تحریر سے نہ سمجھ سکا تھا کہ ''ڈاکٹر صاحب اس مسئلے پر تحقیق کو اضاعتِ وقت خیال کرتے ہیں۔'' اب معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک اس کا خاندانی پس منظر ہے۔میں اس بے باکی اور جرح کے لئے معافی کا خواستگار ہوں میں کسی ایسے عمل کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا جو انسان کامل کے عمل سے فروتر ہو حبط اعمال کا سبب گردانتا ہوں اعاذ نا اللہ۔۔۔۔۔۔ہم رسول ﷺ پر ایمان کے مکلف ہیں۔رواۃ اور رجال روایت کے مکلف نہیں ہیں الھم ارنا الحقائق کماھی۔ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمتہ۔

جولائی 1984ء
سلسلہ ۱۱
سہ ماہی تدبر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تذکرہ وتبصرہ

: خالد مسعود

تحقیقِ عمرِ عائشہ الصدیقہؓ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی شخصیت کا ایک رخ جس سے دین سے بہرہ مند ہونے والا ہر مسلمان شناسا ہے یہ ہے کہ وہ اس امت کی ایک عظیم محسنہ ہیں۔ دین کا ایک بڑا حصہ ان کے ذریعے امت کو منتقل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی کے متعلق تو تقریباً تمام تر معلومات انہی کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہیں۔ وہ بڑی زیرک، ذکی و فہیم خاتون تھیں جنہوں نے بڑے شوق اور انہماک کے ساتھ رموزِ دین سے آگاہی حاصل کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا ایک ایک لمحہ تحصیل علم میں گزارا اور اس علم کو زندگی بھر مسلمانوں کو منتقل کرتی رہیں۔ وہ اتنی بڑی فقیہہ تھیں کہ امت کے زعماء ان سے دینی معاملات میں فتویٰ لیتے۔ متعدد مسائل میں انہوں نے بڑے بڑے صحابہؓ کی رایوں سے اختلاف کیا اور اپنے موقف کے حق میں مسکت دلائل دیے۔ بعض صحابہؓ کی روایتِ حدیث پر انہوں نے گرفت کی اور واضح فرمایا کہ اصل معاملہ یوں پیش آیا تھا لیکن ان صحابی نے اس کی توجیہہ میں غلطی کر دی۔ ان کی اپنی روایت کردہ حدیثوں میں بھی ان کی ذکاوت و فطانت جھلکتی ہے۔ اس بات کے متعدد شواہد موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں حضرت عائشہؓ کا خاص مقام تھا۔ دوسری امہات المومنین بھی اس حقیقت سے واقف تھیں۔ وہ بھی ان کی قدر کرتیں اور ان کو مواقع فراہم کرتیں تاکہ وہ فیضِ نبوی سے زیادہ سے زیادہ متمتع ہو سکیں۔ ام المومنین کی شخصیت کے اس پہلو کا تقاضا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی رفاقت کا زمانہ ایسا ہو جس میں وہ اعلیٰ ذہنی اور فکری صلاحیتوں سے مالا مال ہوں اور ان کو بروئے کار لا کر حضورؐ سے فیض یاب ہوتی ہوں۔

تاریخ کی کتابوں اور حدیث کی بعض روایات کی روشنی میں دیکھیے تو یہی حضرت عائشہؓ ایک بالکل مختلف روپ میں نظر آتی ہیں۔ اس روپ میں چھ سال کی عمر میں ان کا نکاح ہو جاتا ہے۔ نو سال کی عمر میں رخصتی کی نوبت آتی ہے۔ اس وقت تک وہ سنِ شعور کو نہیں پہنچتیں۔ رخصت ہو کر جاتی ہیں تو اپنے کھلونے لے رسول اللہ

کے گھر میں اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ وہاں بھی کھیل کے ساتھ ان کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ کبھی مدینہ کی لڑکیوں بالیوں کو اپنے گھر بلا کر ان کے ساتھ کھیلتی ہیں اور کبھی گانے والیوں سے گانے سنتی ہیں۔ وہ اپنی زبان سے اس بات کا اظہار بھی کرتی رہتی ہیں کہ وہ کھیل کی بڑی رسیا ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی شخصیت کی اس تصویر کشی سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت کا زمانہ ان کے بچپن کا غیر ذمہ دارانہ اور غیر سنجیدہ دور تھا جس میں ان کی اصل دلچسپی تحصیلِ علم کے ساتھ نہیں بلکہ کھیل کے ساتھ رہی۔ جب وہ سنِ رشد کو پہنچیں تو آنحضرتؐ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

افسوس ناک امر یہ ہے کہ امّ المومنین کی شخصیت کے اوّل الذکر بیان سے تو صرف وہ لوگ واقف ہیں جو دین کے علوم سے بہرہ ور ہیں۔ گویا اہل علم کا ایک محدود طبقہ انہیں اس انداز سے دیکھتا ہے۔ عوام الناس میں ان کے بارے میں جو رائے قائم ہوئی ہے وہ موخر الذکر روپ ہی پر مبنی ہے جس کا خوب خوب چرچا کیا گیا ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ دو متضاد کردار ایک ہی شخصیت کے نہیں ہو سکتے۔ کسی المیہ کے نتیجہ میں بعض باتیں امّ المومنین کی طرف غلط منسوب ہو گئیں جو ان کی شخصیت کو داغدار کرتی ہیں تاکہ امتِ مسلمہ میں ان کو جو عظیم مرتبہ حاصل ہے اس کو مجروح کیا جائے۔ یہ المیہ کب اور کیسے پیش آیا؟ یہ بات جاننے کا کوئی آسان ذریعہ موجود نہیں۔ صدیوں پرانی باتوں کی تحقیق کے لیے وسائل اور صلاحیت دونوں چیزیں کی ضرورت ہے اور ان کا یکجا میسّر ہونا ایک مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنے کسی بندے کو توفیق دے دیتا ہے اور یہ مشکل بھی آسان ہو جاتی ہے۔ یہ توفیق سرگودھا کے جناب حکیم نیاز احمد صاحب کو حاصل ہوئی اور انہوں نے امّ المومنین کی عمر کے مسئلہ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ سالہا سال کی محنت کے بعد وہ یہ سراغ لگانے میں کامیاب ہو سکے کہ امّ المومنین کو کھلنڈری بچی بتلانے والی روایات کے ماخذ کیا ہیں، ان روایات میں ضعف کے کیا کیا پہلو ہیں اور کیوں یہ قابلِ اعتبار نہیں سمجھی جا سکتیں۔ انہوں نے اپنی یہ تحقیق ایک ضخیم کتاب "تحقیق عمر عائشہ الصدیقہؓ" میں بیان کی ہے جو "مشکور اکیڈیمی ۸۹/F بلاک ۲ پی ای سی ایچ-ایس۔ کراچی ۲۹" نے شائع کی ہے۔

فاضل مصنف نے کتاب کے پہلے حصہ میں ان تمام روایات پر جرح کی ہے جو امّ المومنین کو کم عمر بتاتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم روایت جو بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ، سب نے بیان کی ہے وہ تزوج عائشہ کی یہ روایت ہے کہ

نکح النبی عائشۃ وھی بنت ست	آنحضرتؐ نے عائشہؓ سے اس وقت نکاح کیا جب
سنین و بنیٰ بھا وھی بنت	وہ چھ برس کی تھیں، ان کی رخصتی کرائی جب وہ نو
تسع سنین ومات عنھا وھی	برس کی تھیں اور وہ اٹھارہ برس کی تھیں جب

بنتِ ثمانی عشر۔ حضورؐ کا انتقال ہو گیا۔

یہ ایک ایسی روایت ہے جس کے واحد راوی تمام معتبر کتب حدیث میں ہشام بن عروہؒ ہیں جو اپنے والد عروہ بن الزبیرؓ سے اسے روایت کرتے ہیں۔ نہایت فاضلانہ بحث کے بعد مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس نادر روایت کا ۱۴۵ھ سے پہلے کوئی راوی نہ تھا، اسی لیے وہ تمام کتب حدیث جو اس سے قبل مرتب ہوئیں اس روایت سے خالی ہیں۔ ہشام بن عروہؒ کی ساری عمر مدینہ منورہ میں گزری لیکن وہاں کے حفاظ حدیث نے ان سے یہ روایت بیان نہیں کی اس کے برعکس گیارہ حفاظِ حدیث جو تمام تر عراقی ہیں، ہشام سے اس روایت کے ذمہ دار ہیں اور انہی کی روایت کتب حدیث میں نقل ہوئی ہے۔ ہشام نے عراق کا ایک سفر ۱۴۵ھ میں ۸۴ برس کی عمر میں کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت وہ یہ روایت زبان پر لائے جسے عراقیوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس وقت اس روایت کی غلطی پر گرفت کرنے والے یا متبادل معلومات فراہم کرنے والے دنیا میں موجود نہ تھے اس لیے عمر عائشہؓ کے بارے میں ہشام کے بیان کو حرفِ آخر تسلیم کر لیا گیا اور جب اس روایت نے صحاح میں راہ پالی تو گویا پوری امت کے نزدیک اس کو پایۂ قبول حاصل ہو گیا اس سے الگ ہو کر تحقیق کی کسی نے زحمت ہی گوارا نہ کی۔ اس کے بعد بعض محدثین نے روایت کے متن کو مستحکم کرنے کے لیے اسے اپنی محبوب اسناد کے ساتھ منسلک کر دیا۔ اس طرح کی روایتیں بظاہر ہشام کی روایت کی شاہد معلوم ہوتی ہیں لیکن جرح و تعدیل سے کام لیا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ تمام اسناد تدلیس کا شاہکار ہیں۔ فاضل مصنف نے تمام کتب حدیث کی ایک ایک سند پر بحث کر کے دکھایا ہے کہ ان میں انقطاع اور تدلیس پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض راوی بالکل غیر ثقہ، کذاب اور وضاع ہیں۔

فاضل مصنف نے ان تمام روایات کو بھی پرکھا ہے جن سے حضرت عائشہؓ کی کم عمری کا تاثر ملتا ہے مثلاً صحاح میں حضرت عائشہؓ کا یہ بیان کہ میرے ساتھ گڑیاں کھیلنے کے لیے اڑوس پڑوس کی چھوکریاں آ جاتی تھیں۔ مصنف کی تحقیق میں یہ روایت بھی ہشام ہی سے مروی ہے۔ یہ ایک مستقل روایت ہے جس میں حضرت عائشہؓ کی مکی زندگی کے اس دور کا بیان تھا جب وہ فی الواقع کم عمر کی تھیں۔ لیکن اسے تزویج والی حدیث کے ساتھ مربوط کر دیا گیا تاکہ اس کا بیان حقیقی نظر آئے۔ اگر یہ مدینہ منورہ کا واقعہ ہوتا تو حضرت عائشہؓ کی یہ سہیلیاں غیر معروف نہ ہوتیں بلکہ تاریخ کا ایک حصہ بنتیں۔

عید کے موقعہ پر دو لونڈیوں کے جنگ بعاث کے گانے گانے اور حضرت عائشہؓ کے حبشیوں کے جنگی کرتب دیکھنے کی روایات کے بارے میں مصنف کی رائے یہ ہے کہ ان سے ام المومنین کا بچپن یا کھلنڈرا پن ثابت ہی نہیں ہوتا۔ نیز راویوں نے ان میں تلفیق کی ہے یعنی مختلف موقعوں کی باتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

جس سے ان واقعات پر ایک ایسا رنگ چڑھ گیا ہے جو ان کی اصل ماہیت کو واضح نہیں ہونے دیتا۔ مصنف نے اس بات کے بکثرت شواہد پیش کیے ہیں کہ بعض راویوں نے اپنی طرف سے اصل روایات پر اضافے کر کے ان کا حلیہ بگاڑ دیا۔ اس ضمن میں انہوں نے شیعہ راوی عبدالرزاق کو خاص طور پر ذمہ دار گردانا ہے۔ انہی عبدالرزاق کو فاضل مصنف نے واقعہ افک کی روایت میں ان جملوں کے اضافہ کا ذمہ دار قرار دیا ہے جو حضرت عائشہؓ کو کم عمر، کم عقل، غافل اور نہ جانے کیا کیا ثابت کرتے ہیں۔

تزوج عائشہ کی روایت میں ضعف کے پہلو بیان کرنے کے باوجود فاضل مصنف نے حسن ظن سے کام لیتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے کہ ہشام کی روایت میں نکاح اور رخصتی کی عمر میں چھ اور نو کے عدد کے ساتھ عشرۃ یا عشرین یعنی دہائی کے ہندسے بھی رہے ہوں گے یعنی عمر بوقت نکاح ۱۶ یا ۲۶ اور بوقت رخصتی ۱۹ یا ۲۹ برس بیان کی گئی ہوگی لیکن نقل کرتے وقت دہائی کے یہ ہندسے لکھنے سے رہ گئے بعد میں اس غلطی پر اور ردے چڑھائے گئے حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ اور ان کی کم عمری لازم و ملزوم بن گئی۔

ہمیں مصنف کے اس نتیجۂ تحقیق سے تو اتفاق ہے کہ ام المومنین کی عمر بوقت رخصتی ۱۹ یا ۲۹ برس رہی ہو۔ لیکن ہندسے چھوٹنے کی یہ توجیہہ محل نظر ہے۔ روایت میں اگر عدد ایک مرتبہ بیان ہوتا تو یہ توجیہہ بالکل فطری ہوتی لیکن یہاں عدد تین مرتبہ بیان ہوا ہے۔ نیز اس میں ثمانی عشرۃ کا عدد بھی ہے جس کے ساتھ مزید عشرۃ یا عشرین کا اضافہ بے معنی ہوگا۔ لہذا اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ خود ہشام کو ذہول ہوا ہو یا کسی نے باقاعدہ منصوبہ کے تحت اعداد میں رد و بدل کیا ہو اور ناقص صورت میں یہ روایت مشہور کر دی ہو۔ معاندین صحابہ کی اس طرح کی کارروائیوں سے ہماری کتابیں محفوظ نہیں رہی ہیں۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں فاضل مصنف نے وہ قرائن جمع کیے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رخصتی کے وقت ام المومنین کی عمر ۲۹ سال یا کم از کم ۱۹ سال تھی، اگرچہ خود مصنف یہ رائے رکھتے ہیں کہ عمر کا تعین ہمیں نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ثابت کرنا کافی ہے کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہؓ سن رشد کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اس کے قرائن و شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سیرت ابن ہشام میں محمد بن اسحاق (جو ہشام بن عروہ کے ہم عصر ہیں) کی روایت سے قبول اسلام میں سبقت کرنے والوں کی جو فہرست دی گئی ہے اس کے مطابق حضرت عائشہؓ نبوت کے پہلے سال میں اپنی بہن اسماءؓ کے ساتھ ایمان لائیں۔ قسطلانی کی مواہب لدنیہ، زرقانی کی شرح مواہب اور حیات سید العرب میں بھی ان کو سابق الایمان افراد میں شمار کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ۱ نبوی میں یہ اسلام لانا سن شعور میں ہونا چاہیے۔ اگر وہ دودھ پیتی بچی تھیں تو ایمان کی مکلف نہ تھیں۔

ب - سورہ قمر کی آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ کے بارے میں ان کی روایت موجود ہے کہ اس آیت کا نزول مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ سورہ قمر کا زمانہ نزول ۴ھ نبوی ہے گویا اس وقت وہ عمر کے اس دور میں تھیں جس میں آدمی چیزوں میں امتیاز کرنے کے قابل ہوتا ہے اور ان کو یاد بھی رکھ سکتا ہے۔

ج - صحیح بخاری میں ہجرت حبشہ کی روایت حضرت عائشہؓ سے ہے۔ اس روایت میں وہ اسلام کے تیرہ سالہ مکی دور پر جامع تبصرہ کرتی اور چشم دید واقعات بیان کرتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جس ہجرت حبشہ کا ذکر اس روایت میں ہے وہ ۵ھ نبوی میں پیش آئی۔ ظاہر ہے کہ ایک عاقل و بالغ آدمی ہی اپنے مشاہدات اس قدر تفصیل سے بیان کر سکتا ہے۔ لہذا ۵ھ نبوی میں امّ المومنین کی عمر ایسی ہونی چاہیے جس میں آدمی معاملات کو سمجھتا اور گہرے مشاہدہ پر مبنی رائے دینے کے قابل ہوتا ہے۔

د - حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضورؐ کو یہ مسئلہ درپیش تھا کہ آپ کا گھر سنبھالنے کے لیے کوئی خاتون موجود ہوں۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے حضرت خولہؓ بنت حکیم نے آپ کے لیے دو رشتے تجویز کیے، ایک حضرت سودہؓ کا اور دوسرا حضرت عائشہؓ کا۔ اس وقت اگر حضرت عائشہؓ چند برس کی بچی ہوتیں تو خولہ کی یہ تجویز انتہائی غیر موزوں تھی۔ کیونکہ آنحضرتؐ کو خانگی ذمہ داریاں اٹھانے والی بیوی کی ضرورت تھی نہ کہ گڑیوں سے کھیلنے والی ایک بچی کی۔ خولہ کی تجویز جب حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کی گئی تو اس کے جواب میں انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی کے حکم میں ہیں، یہ نکاح کے لیے کیسے موزوں ہو سکتی ہیں۔ اگر حضرت عائشہؓ اس وقت بچی ہوتیں تو حضرت ابوبکرؓ کا معقول عذر یہ ہوتا کہ آنحضرتؐ کے گھر کی ذمہ داریاں یہ بچی کیسے سنبھال سکتی ہے؟

ہ - مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کے نکاح کی تجویز کا مفصل بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات سے پہلے حضرت عائشہؓ کا نکاح جبیر بن مطعم بن عدی سے ہو چکا تھا۔ جبیر اسلام کا سخت دشمن تھا اختلاف عقیدہ کی بنا پر مطعم بن عدی لڑکی کی رخصتی کروانے سے گریز کر رہے تھے۔ جب خولہؓ نے آنحضرتؐ کے لیے حضرت عائشہؓ کا رشتہ تجویز کیا تو حضرت ابوبکرؓ مطعم کے پاس گئے اور رخصتی کے بارے میں دوٹوک فیصلہ کرنے کو کہا۔ اس خاندان کو اسلام سے جو کد تھی اس کی بنا پر انہوں نے معذوری ظاہر کی چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حسنِ تدبیر سے طلاق دلوائی۔ اس طرح حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ سے نکاح کے لیے آزاد ہو گئیں۔ اس زمانہ میں جبیر ایک جوان آدمی تھا اور اسلام کے خلاف سازشوں میں حصہ لیتا تھا۔ نیز وہ رئیس مکہ کا بیٹا تھا جس کے لیے جوان رشتوں کی کمی نہیں تھی۔ ایسا کوئی سبب موجود نہیں کہ وہ ایک چند سالہ بچی کے ساتھ نکاح کے لیے آمادہ ہو گیا ہو جس کی بلوغت کے انتظار میں اسے مزید دس گیارہ برس تجرد کی زندگی گزارنی پڑے۔ لہذا جبیر کا نکاح بھی حضرت عائشہؓ کی بلوغت کے بعد ہی ہوا ہو گا جو عرب کا معروف طریقہ تھا۔

و - طبقات ابن سعد میں ہجرت مدینہ کا واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ آنے کے بعد جب کچھ عرصے تک آنحضرتؐ نے رخصتی نہیں لی تو حضرت ابوبکرؓ نے خود پوچھا کہ رخصتی لینے میں کیا امر مانع ہے۔ آنحضرتؐ نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میں بچی کی بلوغت کا انتظار کر رہا ہوں بلکہ یہ فرمایا کہ میرے پاس مہر میں دینے کے لیے رقم نہیں ہے۔ گویا حضرت عائشہؓ کے بچپنے کا کوئی مسئلہ اس وقت نہ تھا۔

ز - کتب حدیث میں یہ روایت بیان ہوئی ہے کہ ۱ھ میں جب بہت سے مہاجرین بیمار پڑ گئے تو حضرت عائشہؓ ان میں سے بعض کی عیادت کو گئیں۔ واپس آکر انہوں نے آنحضرتؐ کے سامنے ان کی حالت کی صحیح تصویر کشی کی اور ان کی زبانوں سے جو حسب حال اشعار سنے تھے وہ بھی سنائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا کسی نو سالہ بچی کے بس میں نہیں ہوتا۔

ح - بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ غزوہ بدر واحد میں موقع جنگ پر موجود تھیں اور سخت ترین حالات میں انہوں نے زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمت سرانجام دی۔ ان غزوات میں نابالغ لڑکوں کو تو شرکت سے روک دیا گیا تھا۔ آخر کیا سبب تھا کہ حضرت عائشہؓ کی کم سنی اس میں رکاوٹ نہ بنی اور انہوں نے کام بھی وہ کیے جو بڑوں کے کرنے کے تھے۔ لہذا کم سنی کا قصہ ہی خلاف حقیقت ہے۔

ط - آپ انساب کی ماہر تھیں جو حضرت ابوبکرؓ کا خاص فن تھا۔ نیز آپ کو اشعار بکثرت یاد تھے جن کو وہ برمحل استعمال کرتی تھیں۔ انساب اور اشعار میں اس مہارت کے لیے ضروری ہے کہ انہیں اپنے والد سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا بھرپور موقع میسر آیا ہو۔ اگر وہ گڑیا کھیلتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آگئی تھیں تو یہ فنی کمال انہیں کہاں سے حاصل ہو گیا اور اس تربیت کا زمانہ کون سا ہے!

ی - احکام دین کی مصلحتوں، حکمتوں اور ان کے ارتقاء سے جس قدر باخبر آپ ہیں اتنا باخبر کوئی نہیں۔ ان کی فقیہانہ آراء سے کتب حدیث بھری ہوئی ہیں۔ کیا یہ فکری گہرائی اور گیرائی ایک کم سن بچی کی ہو سکتی ہے! ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کے ساتھ رفاقت کے دور سے پہلے حضرت عائشہؓ ذہنی و فکری اعتبار سے نہایت پختہ ہو چکی تھیں اور عمر کے اس حصہ میں تھیں جب ان کی فکری صلاحیتیں عروج پر تھیں۔ اس لیے وہ ہر معاملہ کو اس کے صحیح سیاق و سباق میں سمجھنے کے قابل ہوئیں اور اپنی صائب آراء سے امت کو فائدہ پہنچایا۔

اس فاضلانہ تصنیف میں علم حدیث سے متعلق بعض اہم مباحث بھی ملتے ہیں۔ اس میں ایک قابل قدر بحث میں درایت حدیث کے اصول بیان ہوئے ہیں۔ مصنف کے نزدیک تزوج عائشہ کے بارے میں ہشام کی روایت ان اصولوں پر پوری نہیں اترتی۔

مصنف نے صدر اول میں علم حدیث کے ارتقاء کے ادوار بھی متعین کیے ہیں ان کی تحقیق کے مطابق تابعین

اور تبع تابعین کے زمانے میں روایات کو پرکھنے کا رجحان تو پایا جاتا تھا لیکن نقدِ حدیث کا باقاعدہ فن ابھی وجود میں نہیں آیا تھا۔ اس لیے اس دور میں روایات میں بکثرت تلفیق ہوئی۔ یعنی مختلف روایتیں باہم گڈمڈ ہوگئیں۔ نقدِ حدیث کا فن نہ ہونے کے باعث حدیث کی ابتدائی کتابوں مثلاً مؤطا امام مالکؒ اور مسند امام ابی حنیفہؒ میں مرسل روایات بکثرت موجود ہیں اور ان ائمہ نے مرسلات ثقہ کی صحت کو تسلیم کرلیا۔ نقدِ حدیث کا فن ۱۸۰ھ کے بعد وجود میں آیا اور صحاح کی تدوین میں اس سے کام لیا گیا لیکن اس سے پہلے کی روایات میں جو تلفیق ہو چکی تھی وہ ثقہ کی روایت کی حیثیت سے صحاح میں بھی برقرار رہی۔

زیرِ نظر کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ ایک ذہین قاری اس سے تحقیقِ حدیث کا طریق کار بھی سیکھ سکتا ہے۔ امّ المومنین کی عمر کی تحقیق کی خاطر مصنف نے کس طرح ذخیرۂ حدیث کو کھنگالا، راویوں کی جرح و تعدیل کے لیے کون سے وسائل اختیار کیے، روایتوں کے اصل مضمون تک کسی طرح رسائی حاصل کی، راویوں کے اضافوں کا سراغ کیسے لگایا اور کس طرح ان راویوں کا متعین کیا جو ان اضافوں کا باعث بنے، یہ معلومات کتاب کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہیں جس سے تحقیق حدیث کی عملی تربیت ہوتی ہے۔

فاضل مصنف اس گراں قدر تصنیف پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے امّ المومنین کی حیثیت ہی کو واضح نہیں کیا بلکہ در اصل ان خلاف واقعہ باتوں کی بیخ کنی کی ہے جن کو دشمنانِ اسلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ اس دور میں ایسی کتاب کی ضرورت تھی جسے جناب حکیم نیاز احمد صاحب نے پورا کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

تحقیقِ عمرِ عائشہ صدیقہؓ

تصنیفِ حکیم نیاز احمد صاحب، پر

مشہور علماء، محقق، اور مصنف علماء کے تبصرے اور علمی جرائد کی آراء۔

1۔ علامہ مولانا سعید احمد صاحب مرحوم اکبرآبادی، ایم اے فاضل دیوبند، مدیر برہان دہلی، صاحبِ تصنیفات کثیرہ، رکن مجلس شوریٰ دیوبند ڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی، سابق صدر دینیات مدرسہ عالیہ کلکتہ و علی گڑھ یونیورسٹی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

مکرم و محترم جناب حکیم نیاز احمد صاحب (فاضل دیوبند) کی کتاب " کشف الغمہ عن

عمرِ ام الاُمہا"۔ خود حکیم صاحب کی جانب سے ارسال کردہ مجھے بھارت میں مل گئی تھی اسکا ایک نسخہ برصغیر پاک و ہند کے سب سے بڑے محدث جناب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب کیلئے بھی حکیم صاحب نے بھیجا تھا۔

اب میں اپنی بیماری کے علاج کیلئے کراچی آیا تو جناب مولانا طاہر مکی صاحب نے مجھ سے اس پر تبصرے کی فرمائش کی میں نے کتاب نہ ہونے کا عذر کیا تو وہ مجھے ایک نسخہ مزید دے گئے اور اس کے ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی کی سرپرستی میں شائع ہونے والے رسالہ "تدبر" کا اس کتاب پر کیا گیا تبصرہ بھی دے گئے بلکہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی نے اس پر جو تبصرہ کیا تھا اس کی فوٹو کاپی بھی مجھے دکھائی اتنی سہولتیں ہونے کے بعد میرے لیے اپنی بیماری کا عذر کرنا مشکل ہو گیا۔

یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حکیم صاحب نے اس موضوع پر کتاب لکھ کر اتمام حجت کر دی ہے۔ حکیم صاحب مجتہدانہ ذوق کے حامل صاحب علم ہیں انہوں نے وہی اصول حدیث جو ہمارے ہاں سب تسلیم کرتے ہیں اس روایت پر عملاً منطبق کر کے دو اور دو چار کی طرح دکھا دیا ہے کہ یہ روایت ہشام کے آخری دور کی ہے جبکہ ان کے حافظہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا پھر ستم یہ کہ اس بڑھاپے کی روایت کو بھی صرف کوفہ کے راوی ان سے روایت کرتے ہیں جن کا حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق جو رویہ ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے ایسی صورت میں اگر صحیحین کی روایت کے بجائے صحیحین سے باہر کی کسی ایسی روایت کو قبول کر لیا جائے جس سے آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات اور صحابہ اکرامؓ کے کردار پر حرف آتا ہو تو اس سے بہتر کیا بات ہو سکتی ہے؟

خود میں نے اپنی کتاب "صدیق اکبرؓ" میں یہی کیا ہے کہ امام بخاریؒ کی اس روایت کے بجائے، جس میں حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے چھ ماہ تک توقف ظاہر کیا گیا ہے میں نے مستدرک حاکم وغیرہ کی اس روایت کو ترجیح دی ہے جس سے بلا توقف بیعت ثابت ہوتی ہے کیونکہ پہلی روایت کے مقابلے میں دوسری روایت حضرت علیؓ جیسے محترم صحابی کے مزاج و کردار سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

ہمارے احناف کے ہاں تو صحیحین کی روایات پر غیر صحیحین کی روایات کو ترجیح دینے کی مثالیں جگہ جگہ نظر آتی ہیں اس لیے یہ اصول احناف کیلئے قطعاً اجنبی نہیں ہے۔

خدا تعالے حکیم صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور امت میں اس تحقیق کو قبول عام کا شرف بخشے (آمین)

سعید احمد اکبر آبادی

۱۰—۴—۸۵

2- از محقق مصنف علامہ مولانا عبد القدوس ہاشمی ندوی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

محترم مولانا حکیم نیاز احمد صاحب کی ضخیم کتاب "کشف الغمۃ عن عمر ام الامہ" کو بہت غور سے پڑھا۔ میں نے اس سے پہلے بعض تحریروں میں لکھا ہے کہ اگرچہ ہم صحیح طور پر ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رض کی عمر نہیں بتا سکتے اس لیے کہ مکہ مکرمہ میں تقویم حضری اور مدینہ منورہ میں تقویم بدوی رائج تھی اور ان دونوں کے مابین نسی اور کبیسہ کی وجہ سے بہت اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ روایۃً بھی ہشام بن عروہ کی روایت صحیح نہیں ہے اور درایۃً بھی قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ام المومنین کی جب رخصتی مدینہ منورہ سنہ ۲ھ میں ہوئی تو آپ کی عمر کم از کم سترہ برس ہو چکی تھی۔ حساب سے اس سے زیادہ ثابت ہوتی ہے کم نہیں ثابت ہوتی۔

حکیم نیاز احمد صاحب کی زیرِ نظر کتاب میں جس تفصیل کے ساتھ تمام روایتوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور جس محنت اور دیدہ ریزی کے ساتھ یہ علمی کارنامہ سرانجام دیا گیا ہے وہ لائق صد آفرین ہے حکیم صاحب ہم سب کیطرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ اس قدر مشکل بحث کو اس تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ مجھے یہ دیکھ کر طبعاً مسرت ہوئی کہ اتنے طویل اور تفصیلی مطالعہ کے ذریعہ اس غلط بیانی کی تردید ہو گئی کہ ام المومنین کی عمر نکاح کے وقت صرف چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔ جھوٹ بولنے والوں کا حافظہ درست نہیں ہوتا جو وقت نکاح کا اور

جو وقت رخصتی کا بتاتے ہیں ان دونوں کے درمیان پانچ سال کا فاصلہ پڑتا ہے پھر بھی چھ برس کی لڑکی کی عمر گیارہ سال نہیں ہوتی بلکہ نو سال ہی ہوتی ہے اور پھر ام المومنین سے محض فہمی کے جذبات کے ماتحت ام المومنین کے خلاف مجوسی اور یہودی نسب پرستوں نے اسے خوب پھیلایا۔ اور آج تک اہل ایمان بھی اس جعلسازی سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔
آخر میں میں دعا کرتا ہوں کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں اتنی محقق کتابیں روز روز تصنیف نہیں ہوا کرتیں۔
بڑی محرومی ہوگی کہ اگر لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

والسلام
عبدالقدوس ہاشمی
کراچی ۱۷ر جنوری ۱۹۸۵ء

3- محقق علامہ مصنف مولانا مفتی محمد اسحاق صدیقی ندوی صاحب، سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ۔

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ جب ام المومنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا عقد نکاح نبی اکرمؐ کے ساتھ ہوا تو آں محترمہؓ کی عمر ۶ سال تھی اور بوقت رخصتی عمر مبارک ۹ برس تھی، اس قدر کم سنی میں شادی اور رخصتی۔ جبکہ آنحضورؐ کی عمر مبارک کم و بیش ۵۰ برس ہو چکی تھی۔ اہل بصیرت کے قابل فہم نہ تھی۔ چنانچہ متعدد حضرات نے اس روایت کو جس سے آں معظمہؓ کی مندرجہ بالا عمر ظاہر ہوتی ہے، رد کر دیا اور اوقات مذکورہ میں عمر کا زیادہ ہونا ثابت کیا۔

محترم حکیم نیاز احمد صاحب کو اس مسئلے کی تحقیق کی توفیق ہوئی، موصوف نے "کشف الغمہ عن عمر ام الامہ" کے نام سے ایک ضخیم اور محققانہ کتاب اس

موضوع پر تحریر فرمائی اور قوی دلائل سے یہ بات بالکل ثابت اور واضح کردی کہ ام المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رض کی عمر رخصتی کے وقت ۱۹۔ ۲۰ سال تھی۔ حق بات یہ ہے کہ اس موضوع پر اتنی تفصیلی اور محققانہ بحث میرے علم میں اب تک کسی نے نہیں کی تھی اس مسئلہ پر یہ کتاب بہترین تصنیف ہے جو کشفِ حقیقت خدمتِ حدیث ہے۔

بعض مسیحی اور یہود مشرکین اس قدر اصغر سنی میں ام المومنین رض کے ساتھ آنحضور ص کے رشتۂ ازدواج پر معترض تھے علماء اہلسنت نے ان کے اعتراض کا مسکت جواب بھی دیا لیکن حکیم صاحب نے یہ کتاب لکھ کر اس اعتراض کی بالکل بیخ کنی کردی اب اعتراض مذکورہ کی ادنیٰ گنجائش بھی باقی نہیں رہی، اس نقطۂ نظر سے خدمتِ اسلام اور نصرتِ دین کی قدر و قیمت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

خداوند کریم موصوف کے اس عملِ صالح کو قبول فرما کر اس کا اجر جزیل دنیا و آخرت میں عطا فرمائے (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ
۱۵ شعبان ۱۴۰۵ھ، ۶ مئی ۱۹۸۵ء

از خدام الدین لاہور

۲ دسمبر ۱۹۸۳ء

تحقیقِ عمرِ سیّدہ عائشہ رض

تصنیف: حکیم نیاز احمد — قیمت ۱۰۰/- روپے

ملنے کا پتہ: پاک اکیڈمی دوکان نمبر ۲۲، مسجد باب الاسلام آرام باغ، کراچی

بڑے سائز کے ۵۹۶ صفحات کی یہ کتاب حکیم نیاز احمد صاحب کی تصنیف ہے۔ جو مولانا عبیداللہ سندھی کے مشہور شاگرد ظفر حسن ایبک کے بھانجے اور ایک علمی گھرانے کے فرد ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی صاحب علم ہیں اس کتاب کی تصنیف و ترتیب

میاں موصوف کے بیس برس خرچ ہوئے حضرت مولانا لقاء اللہ عثمانیؒ کے صاحبزادے اور مشہور عالم مولانا الیف اللہ فاضل دیوبند اور مولانا عظمت اللہ جھنگ اس محنت میں ان کے ساتھ پورے پورے شریک تھے گویا تین صاحب علم بزرگوں کے مجموعی طور پر ساٹھ برس خرچ ہوئے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان حضرات نے کس قدر محنت کی ہوگی۔ سیدہ حضرت عائشہؓ حضور اکرمؐ کی محبوب ترین اہلیہ تھیں واحد کنواری زوجہ محترمہ آپ تھیں ۶ سال کی عمر میں آپ کی شادی اور ۹ برس کی عمر میں رخصتی کی بات اتنی مشہور رہی ہے کہ عام لوگ شہرت کی بنا پر خاموش ہو جاتے ہیں لیکن شہرت دلیل صداقت نہیں۔ کئی ایک اہل قلم اس عنوان پر گفتگو کر چکے ہیں جن میں ہمارے فاضل دوست میاں محمد سعید صاحب (صاحب حیات النبیؐ و سیرت عائشہؓ) بھی شامل ہیں جنہوں نے بڑی تحقیق سے یہ کتابیں مرتب کیں۔ تاہم سب حضرات کے یہاں وہ بحث ضمنی ہوتی ہے جبکہ اس کتاب کی تمام تر بحث کا انحصار ہی اس پر ہے، کتاب کے دو حصے یا دو باب ہیں پہلے حصہ میں ان مشہور چھ روایات پر بحث ہے جن میں حضرت عائشہؓ کی کم عمری کی بات سامنے آتی ہے اور دوسرے حصہ میں بلوغت اور سنِ رشد کے معاملہ میں محققانہ اور مدققانہ گفتگو ہے اہل علم و تحقیق کیلئے یہ کتاب ایک تحفہ سے کم نہیں۔ اس کی اشاعت و طباعت کا اہتمام کرنے والے حضرات مستحق تبریک ہیں، ہمیں یقین ہے کہ اہلِ علم اس کا خوشدلی سے خیر مقدم کریں گے۔

مقدمہ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین ۔ (تقریب الکتاب)

مسلمان کتاب و سنت کا مکلف ہے ۔ قرآن شریف پر ایمان لانا ۔ اس کی ہدایت پر عمل کرنا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا ہی مقصود و مطلوب مومن ہے ۔ قرآن شریف بین الدفتین محفوظ ہے ۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے اب تک تواتر کے ساتھ ایک نسل سے دوسری نسل تک نقل ہوتا آرہا ہے ۔ اس میں ایک شوشے اور ایک نقطے کی بھی تبدیلی نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی لاکھوں حفاظ قرآن ہر دور میں موجود رہے ہیں اور اب تک ہیں ۔ عملی سنت پر بھی صحابہ رضؓ کے دور سے اب تک عمل ہو رہا ہے ۔ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث چونکہ بہت سے امور پر مشتمل ہے ۔ علم الاخلاق ، علم المعیشت ، علم المعاشرت وغیرہ ذالک قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر ۔ احکام کے اجمال کی تفصیل آپ صلعم سے منقول ہے ۔ مختلف صحابہؓ نے مختلف اوقات میں بعض مسائل آپ صلعم سے دریافت کئے آپؐ نے جو جوابات دیئے ان پر صحابہ رضؓ نے عمل کیا ۔ اور انہیں یاد رکھا اور آئندہ ضرورت مندوں کی رہنمائی کی ۔ آپ کے قیمتی اقوال کو صحابہ رضؓ نے حرز جان بنایا اور ان کو ذریعہ سعادت و نجات خیال کیا ۔

صحابہ رضؓ کے دور میں ہی تابعین نے آپؐ کے اقوال کو کوشش سے جمع کیا اور ان کو قلم بند کر لینا ضروری سمجھا ۔ صحابہ رضؓ غزوات کی وجہ سے اور ملکی انتظام و انصرام کی وجہ سے متفرق ممالک محروسہ میں منتقل ہو گئے تھے ۔ طلاب علم نے سفر کر کے ان صحابہ رضؓ سے ان علوم کو حاصل کیا جو ان کے سینوں میں محفوظ تھے ۔ پھر ان اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ائمہ مجتہدین نے اپنے اجتہاد کی بنیاد رکھی شروع میں تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دینا کافی تھا مگر جب فتنے شروع ہو گئے ۔ طبیعتوں میں زیغ آگیا ۔ کھرے اور کھوٹے میں تمیز مشکل ہو گئی تو ضرورت پیش آئی کہ روایت کو قبول کرنے کے لئے کچھ اصول اور ضابطے بنائے جائیں ۔ روایت کو قبول کرنے کے ضابطے بنائے گئے ان ضابطوں سے علم اصول حدیث مرتب ہوا ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اقوال و اعمال جو ہم تک پہنچے ہیں ۔ سب سے پہلے انہیں قبول کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے صحابہ رضؓ ہیں ۔ صحابہؓ کے متعلق تمام اہل علم نے بطور کلیہ مسلمہ مان لیا ہے ۔ الصحابۃ کلھم عدول ۔ اس لئے صحابہ رضؓ پر جرح و تعدیل کے قواعد جاری نہیں ہوتے ۔ علماء رجال نے صحابہ رضؓ کو رجال کے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے اور انہیں جرح و تعدیل سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ۔

صحابہ رضؓ میں خود فرق مراتب ضرور ہے اگر ان کے بیان میں باہم تضاد ہو تو تطبیق و تاویل و ترجیح سے اسے دور کیا جائے گا ۔ لیکن ان کے کردار پر ہم بحث کرنے کے مجاز نہیں ہیں ۔ یہ درست ہے کہ صحابہ رضؓ

معصوم نہیں ہیں۔ مگر نبی کریم صلعم کی وجہ سے اور مثالی کردار کے سبب محفوظ و مامون ضرور ہیں۔ نیز انہیں رضی اللہ عنہم کی قرآنی سند عطا ہوئی ہے اس کے علاوہ دین کی پوری عمارت کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ صحابہؓ کو جرح و تعدیل سے ماورا تسلیم کریں۔

ان حضرات نے اپنی جان سے مال سے دین کے پودے کو پالا پوسا۔ کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر ہدایت دنیا کے منظم لشکروں سے ٹکرا گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال تربیت سے ایسا مثالی معاشرہ وجود میں لائے کہ چشم فلک سے کبھی روئے زمین پر اس سے بہتر معاشر نہیں دیکھا تھا اگر ہم صحابہؓ پر جرح و قدح شروع کردیں تو دین کی ہر ایک چیز مشکوک ہو جائے گی۔ قرآن شریف کی صحت مشکوک صلوٰۃ کی ہیئت مشکوک۔ روزے کی کیفیت مشکوک زکوٰۃ کی مقدار مشکوک۔ غرض ہر چیز مشکوک ہی مشکوک نظر آئیں گی۔

متشککین اور اباحیین اور منافقین کا حربہ یہ ہوتا ہے کہ امت کے اولین افراد کے کردار کو داغدار بنا دو۔ دین کی ساری عمارت خود بخود زمین بوس ہو جائیں گی۔ اس لئے اسلام کے بنیادی احکام اور اعمال کو اگر بچانا ہے تو صحابہؓ کو محفوظ تسلیم کرنا لابدی ہے اور ان کے کردار کو پختہ اور مستحکم ماننا ضروری ہے۔ اس حقیقت کو ابتدا میں علماء امت نے معلوم کر لیا تھا اور الصحابۃ کلھم عدول کا قاعدہ بنا دیا تھا۔

خطاء و نسیان انسانی فطرت میں شامل ہے۔ مگر اس امکان کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا وقوع بھی لازم ہو۔ اس لئے مشاجرات و محاربات کی روایات یکسر محل تامل ہیں بلکہ قابل ترک ہیں۔ جن لوگوں نے تاریخی روایات کی بناء پر صحابہ کے کردار پر جرح کی ہے وہ غلط رو اور مزاج دین سے ناآشنا ہیں۔

شعوری یا غیر شعوری طور سے بغض صحابہ میں گرفتار ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس مرض سے نجات دے اور ان کی تقصیرات کو معاف فرمائے علماء اصول حدیث نے روایات کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) احکام کی روایات
(۲) تاریخ اور سیرت کے درجے کی روایات۔

احکام کی روایات کی بہت چھان بین کی گئی لیکن تاریخ اور سیر کی روایات کو سہل انگاری سے قبول کر لیا گیا۔

اکثر تاریخی اور سیرت کی روایات کو محمد بن السائب کلبی سے محمد ابن اسحاق سے اور محمد بن عمر واقدی سے بلا تکلف قبول کر لیا گیا۔ لیکن احکام کی روایات ان سے قبول نہیں کی گئیں۔

تمام جامعین احادیث نے بالاتفاق یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر روایت کے ساتھ اسکی سند ضرور ذکر کرتے ہیں ہر روایت کے دو حصے ہوتے ہیں۔

(۱) سند روایت
(۲) متن روایات

صحاح ستہ کی ہر روایت کے رجال سند کے حالات کتب رجال میں مذکور ہیں ہر مصنف نے سند اسی لئے ذکر کی ہے کہ اس سے روایت کا درجہ متعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے ۔ بسند بیان کر کے خود بری الذمہ ہو جاتا ہے ۔ ۔

میں نے ابتدا میں صرف صحاح ستہ کی روایات لی تھیں ۔ پھر اس روایت تزوج کا استیعاب کرنے کے لئے دوسری کتب حدیث کو بھی شامل کر لیا ۔ مثلاً جامع معمر موطا امام مالک موطا امام محمد مصنف عبدالرزاق کتاب الام ۔ کتاب الآثار امام ابو یوسف کتاب الآثار امام محمد طبقات ابن سعد ۔ سیرت نبویہ لابن ہشام سنن دارمی مسند ابو داؤد طیالسی ۔ مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ مسند امام احمد اور دوسری کتب سیر وغیرہ ۔

میری اس کتاب میں طویل مباحث ہیں اہل علم تو جن کی نظر اصول حدیث پر ہے ان مباحث پر غور فرمائیں گے ۔ مگر متوسط درجہ کے اصحاب استعداد گھبرا کر چھوڑ بیٹھیں گے مسئلہ زیر بحث کے اس طریق استنتاج کو میں یہاں مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے عام قاری بھی استفادہ کر سکے ۔ ہشام بن عروہ کی یہ روایت تزوج عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تین جملوں پر مشتمل ہے ۔

(۱) نکح النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ وھی بنت ست سنین ۔

(۲) وبنی بھا وھی بنت تسع سنین ۔

(۳) ومات عنھا وھی بنت ثمانی عشر

اس روایت کی ترتیب کے وقت معلوم ہوا کہ روایت ہشام بن عروہ کو صحاح ستہ کے ہر مصنف نے بیان کیا ہے مگر صحاح ستہ میں سے ترمذی نے اسے بیان نہیں کیا ۔ یعنی کسی سند سے اسے ذکر نہیں کیا ۔ موطا امام مالک ۔ موطا امام محمد اور کتاب الآثار للامامین میں اس روایت کا ذکر ہی نہیں

امام شافعی رح امام دارمی امام بخاری، امام ابو داؤد رحمہم اللہ نے صرف روایت ہشام بن عروہ کو ذکر کیا ہے ۔ مصنف میں عبدالرزاق نے بطور قول عروہ دو سندوں سے ذکر کیا ہے مگر حدیث عائشہ رض کے طور سے ذکر نہیں کیا ۔

ہر مصنف اپنی کتاب میں بہتر سند سے روایت لاتا ہے ۔ اس لئے عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں اسے قول عروہ تک محدود رکھا ہے ۔

امام مسلم نے ہشام بن عروہ کی روایت کی تائید میں اسی روایت کو ابو معاویہ عن الاعمش عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ رض دوسری سند سے ذکر کیا ہے ۔

امام ابن ماجہ نے ہشام بن عروہ کی تائید میں یہی روایت احمد بن سنان ۔ ابو احمد زبیری اسرائیل بن یونس ابو اسحاق ابو عبیدہ کی سند سے ذکر کی ہے ۔

امام نسائی نے ہشام بن عروہ کی روایت کی تائید میں یہی روایت اسود کی سند سے ۔ ابو عبیدہ کی سند سے ذکر کی ہے ۔ اس لئے میں نے ہشام بن عروہ کی روایت کو اصل خیال کیا کیونکہ سب مصنفین نے اس باب میں پہلے

اس روایت کو ذکر کیا اور کسی نے اسے ترک نہیں کیا اور دوسری اسناد سے جو بھی روایت لائے ہیں روایت ہشام کے بعد لائے ہیں۔ اس ترتیب سے یہ ظاہر ہے کہ روایت ہشام اصل ہے اور دوسری روایات متابع ہیں۔
ہمارے طریقہ استنتاج کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ طبقات رجال حدیث پر روشنی ڈال دی جائے۔

رواۃ کے طبقات

الطبقة الاولى۔ صحابہؓ۔ جرح وتعدیل سے مستثنیٰ ہیں۔ الطبقة الثانیة تابعین سے شروع ہوتا ہے اور یہیں سے جرح وتعدیل کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس طبقہ ثانیہ میں کبار تابعین ہیں جیسے سعید بن المسیب عروہ بن زبیر وغیرہ۔

الطبقة الثالثة۔ تابعین کا طبقہ وسطیٰ۔ اس میں حسن بصری و ابن سیرین ہیں۔

الطبقة الرابعة تابعین کا وہ طبقہ جن کی تمام روایات کبار تابعین سے ہوں جیسے امام زہری۔

الطبقة الخامسة تابعین کا طبقہ صغریٰ جنہوں نے ایک دو صحابی کو دیکھا ہو صحابہ سے سماع برائے نام ہو۔ جیسے الاعمش ہشام بن عروہ۔

الطبقة السادسة۔ تابعین کا وہ طبقہ جو پانچویں طبقے سے متصل ہو اور کسی صحابی سے ان کا لقاء نہ ہو۔ جیسے ابن جریج۔

الطبقة السابعة۔ کبار اتباع تابعین جیسے امام مالک وثوری۔

الطبقة الثامنة۔ تبع تابعین میں سے طبقہ وسطیٰ جیسے ابن عیینہ

الطبقة التاسعة۔ تابعین کا طبقہ صغریٰ جیسے امام شافعی ابوداؤد طیالسی وعبدالرزاق وغیرہ۔

الطبقة العاشرة۔ تبع تابعین سے روایت بیان کرنے والا اکثر طبقہ جنہوں نے تابعین کو نہیں پایا جیسے امام احمد۔

الطبقة الحادیة عشر۔ تبع تابعین سے روایت کرنے والا درمیانہ طبقہ۔ جیسے الذہلی وامام بخاری۔

الطبقة الثانیة عشر۔ تبع تابعین سے بیان کرنے والا چھوٹا طبقہ جیسے امام ترمذی۔

میں نے طبقات کی یہ ترتیب حافظ ابن حجرؒ کی تقریب التہذیب سے لی ہے۔

طبقہ ثانیہ سے طبقہ سادسہ تک تابعین کے طبقے ہیں۔

طبقہ سابعہ سے طبقہ تاسعہ تک تبع تابعین کے طبقے ہیں۔

طبقہ عاشرہ سے طبقہ ثانیہ عشر تک تبع تبع تابعین کے طبقے ہیں۔ تو گویا تابعین کے پانچ طبقے ہیں تبع تابعین کے تین طبقے ہیں اور اتباع تبع تابعین کے تین طبقے ہیں۔

سنہ ۱۰۰ھ تک طبقہ ثانیہ کے تمام افراد وفات پا گئے تھے۔
اور سنہ ۱۰۰ھ سے سنہ ۲۰۰ھ تک طبقہ ثانیہ سے طبقہ ثامنہ تک کے تمام افراد وفات پا گئے تھے۔
سنہ ۲۰۰ھ کے بعد طبقہ تاسعہ سے ثانیہ عشر تک کے حضرات ہیں طبقات کی یہ قدرے تفصیل مجھے اس لئے بیان کرنی پڑی کہ مسئلہ زیر بحث میں طبقات کی ترتیب ذہن میں ہوگی تو استدلال سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ میں واشگاف طور پر واضح کر دوں کہ میں قرآن کے ساتھ سنت رسول ؐ کو ضروری خیال کرتا ہوں۔ ما اتا کم الرسول فخذوہ نص صریح ہے۔ ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ وسنتی۔ سنت کے بغیر قرآن معمہ ہے۔ سنت وحدیث کے بغیر نہ قرآن سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے ہر کتاب کے ساتھ نبی ضرور آیا۔

بلکہ نبی پہلے بھیجا جاتا ہے کتاب بعد میں اتاری جاتی ہے اسی لئے میں نے اس روایت تزوج پر اصول حدیث کو سامنے رکھ کر بحث کی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ ہشام بن عروہ سے سہو ہوا ہے اور اس کی نشاندہی کی ہے میں نے کتاب میں متابعات پر پہلے بحث کی ہے۔

سند کے ہر راوی کے متعلق اہل نقد نے جو بیان کیا ہے وہ بیان کر دیا ہے۔ پوری سند کے کسی ایک راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے روایت ضعیف قرار دیدی گئی۔

اگر محض یہی سند ہوتو اثبات مدعی کے لئے کافی نہیں اور اصل میں تدلیساً اس روایت کو ان اسانید سے متعلق کیا گیا پہلے میں نے متابعات پر بحث کی اور اصل روایت کو بعد میں لیا مگر سیدھا اور مختصر راستہ یہ ہے کہ اصل روایت پر بحث کر کے واضح کر دوں کہ ہشام بن عروہ سے سہو ہوا ہے اور انہوں نے نسیان زدہ روایت پر اپنے قیاس اور استنباط کی بنیاد رکھی ہے اور اپنا وہی استنباط بشکل روایت عائشہ رضی اللہ عنہا آٹھویں اور نویں طبقے کے کوفی و بصری حفاظ حدیث کے سامنے بیان کیا اور ان کوفی اور بصری حفاظ نے اسے قبول کر لیا اور پھر وہی آگے بیان ہوتا چلا گیا۔ یہ روایت گیارہ حفاظ حدیث نے ہشام بن عروہ سے سنی اسی وقت یہ روایت مشہور ہوگئی۔ اب کسے حوصلہ ہے گیارہ حفاظ حدیث کی روایت کے خلاف لب کشائی کرے مگر یا ایں ہمہ صرف ہشام بن عروہ پر بحث کرنے سے عقیدہ حل ہو جاتا ہے اور گیارہ حفاظ حدیث پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

ہشام بن عروہ مدینے کے رہنے والے ہیں۔ محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہیں امام مالک ؒ نے موطا میں ان سے روایات لی ہیں مگر آخر میں امام مالک ؒ ان سے بدظن ہو گئے تھے اور ان کی کذب بیانی کی وجہ سے ان کو ترک کر دیا تھا۔ کان لا یرضاہ مالک اور اہل مدینہ بھی ہشام بن عروہ سے خفا ہو گئے تھے ونقم علیہ اھل بلدہ منقول ہے۔ ہشام بن عروہ نے اپنی زندگی میں تین دفعہ عراق کا سفر کیا۔ پہلے وہ اسطرح روایت بیان کرتے تھے سمعت ابی قال سمعت عائشہ رضی اللہ عنہا عراق کے پہلے سفر میں انہوں نے اسی طرح روایات بیان کیں۔

عراق کا دوسرا سفر کیا تو روایت اسطرح بیان کی سمعت ابی یا قال ابی عن عائشۃ رضہ
جب تیسرا سفر عراق کیا تو روایت اس طرح بیان کی عن ابی عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسس طرز روایت سے امام مالکؒ ان سے ناراض ہو گئے اور مدینے والوں نے اسے پسند نہ کیا پھر ہشام بن عروہ کی یہ عادت ہو گئی تھی کسی سے بھی کوئی روایت سنتے اُس روایت کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے۔ یعنی عروہ کی روایت کہتے۔

— یہ روایت تزوج عائشہ تیسرے سفر عراق کی ہے۔
میں نے تلاش کیا کہ ہشام بن عروہ نے تیسرا سفر عراق کب کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سفر عراق ۱۴۵ سنہ ہ میں کیا ہے ابوجعفر منصور اپنے باپ کی ہدایت کے مطابق ہشام بن عروہ کی تعظیم کرتا تھا۔ وہ منصور سے عطیہ لینے عراق گئے تھے اسی وقت منصور کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ وہ بغاوت فرد کرنے کے لئے دار الخلافہ سے غیر حاضر تھا ہشام بن عروہ سال بھر اس کے انتظار میں عراق میں رہے۔ منصور سال بھر میں اس بغاوت سے فارغ ہوا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے دس ہزار ہزار روپیہ ہشام کو دیا۔ ابھی انعام لے کر مدینے واپس نہیں ہوئے تھے کہ پیغام اجل آ گیا اور ۱۴۶ سنہ ہ میں عراق میں وفات پا گئے۔

تاریخ بغداد

اسی سفر عراق میں ہشام نے کوفے اور بصرے والوں کو یہ روایت تزوج اپنے باپ کی نسبت کر کے سنائی اور کوفے کے حفاظ حدیث نے یہ روایت ان سے لی اور بصرے کے چار حفاظ حدیث نے۔ کوفے کے حفاظ میں سے دو طبقہ ثامنہ کے رواۃ ہیں اور ۵ طبقہ تاسعہ کے رواۃ ہیں۔ بصرے کے چاروں رواۃ طبقہ ثامنہ کے رواۃ ہیں۔ ان سب رواۃ کی پیدائش دوسری صدی ہجری کی ہے ان گیارہ عراق کے رواۃ کے علاوہ ہشام بن عروہ سے اس روایت تزوج کا کوئی راوی نہیں علے ——— ہشام بن عروہ خود طبقہ خامسہ کے راوی ہیں ان کی پیدائش ۶۱ سنہ ہ کی ہے ان کی وفات ۱۴۶ سنہ ہ میں ہوئی۔
اپنی وفات سے ایک سال پہلے جب عراق میں انہوں نے یہ روایت کوفی و بصری حفاظ تلامذہ کو سنائی اس وقت ہشام بن عروہ کی عمر ۸۴ سال تھی اور ۱۴۵ سنہ ہ تھا۔ ان تلامذہ نے ایک نادر روایت سمجھ کر قبول

کتاب علے میں کوفے کے رواۃ میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ کو اس روایت کا راوی بیان کیا گیا ہے یہ حافظ حجر کی تصریح پر مبنی تھا مگر بعد میں تحقیق ہوا سفیان ثوری اس روایت کے راوی نہیں ہیں۔

کر لیا اور چونکہ حضرت عائشہ رضہ کے متعلق گھر کے آدمی کی ہدایت تھی - جو ان کے باپ کے ذریعے تھی اور وہ حضرت عائشہ رضہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ پھر بعد کے رواۃ نے اس روایت کی تشہیر کا وہ اہتمام کیا کہ حضرت عائشہ اور کم عمری کی روایت لازم وملزوم ہو گئے۔

جو لوگ ۱۴۶ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے وہ اس روایت کے علم سے محروم ہو گئے اور جو بڑی عمر کے اصحاب علم تھے۔ انہوں نے اس نادر روایت کو یا تو قبول نہیں کیا یا ان تک پہنچی نہیں - جو روایت ۱۴۵ھ میں ایک دم منصہ شہود پر آئی ہو - اس سے پہلے کسی کو معلوم نہ ہو - کون اس غلطی کی گرفت کرتا - گرفت کرنے والے تو اللہ کو پیارے ہو چکے تھے چونکہ واقعہ ۱ھ تھا - اس لئے ہشام کا بیان ہی حرف آخر سمجھا گیا - جب یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ یہ قیاس ہشام ہے جو غلط یاد اور ناقص علم پر مبنی ہے اور لوگوں کے علم میں یقیناً ۱۴۵ھ میں متین جملوں کی مرتب روایت کی شکل میں آیا -

(۱) نکح النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ وھی بنت ست سنین -

(۲) وبنی بھا وھی بنت تسع سنین -

(۳) مات عنھا وھی بنت ثمانی عشر -

تمام رواۃ ہشام اسی طرح بیان کرتے ہیں (تفصیل کتاب میں دیکھئے) اس لئے اب جہاں بھی یہ روایت پائی جائے گی۔ ہشام کی روایت ہو گی یا اس کا متفتی ہو گی -

جب اصل روایت ہشام پہلے ہی مرحلے میں مشہور ہو گئی تو بعد کے رواۃ نے اسے مزید مستحکم کرنے کے لئے اس میں دوسری اسناد مہیا کیں اور اپنی محبوب اسناد سے اس متن کو متعلق کر دیا - سوائے اس راوی کے جس نے اس روایت کو اپنی سند سے متعلق کیا اس سند کے اوپر کے راوی اس روایت سے بے خبر ہیں مثلاً ابو معاویہ نے اس متن کو اپنی محبوب سند سے روایت کیا -

ابو معاویہ عن الاعمش عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ اس متن کے لئے دوسری سند مہیا کر دی - یہ ہم اس لئے کہتے ہیں - ۱۴۵ھ سے پہلے ابھی روایت کا وجود ہی نہیں جو لوگ ۱۴۵ھ سے پہلے مر گئے ان تک یہ روایت پہنچی ہی نہیں مگر اس سند کے مہیا ہونے سے ابو معاویہ سے اوپر کے راوی بھی اس روایت کے راوی بن گئے - یہ ابو معاویہ کوئی خود بھی ہشام بن عروہ سے اس روایت کے راوی ہیں اور طبقہ تاسعہ کے رواۃ میں شمار کئے جاتے ہیں -

اسی طرح طبقہ عاشرہ یا بعد کے رواۃ نے اس متن کے لئے اور اسناد مہیا کیں - متابع ابو عبیدہ کے لئے یہ خدمت انجام دی احمد بن سنان نے جو اس سند کے آخری راوی ہیں - اور الطبقہ الحادیۃ عشر کے رواۃ میں سے ہیں - اس سند کے طبقہ تاسعہ تک تمام رواۃ اس روایت سے بے خبر ہیں - علی ہذا النسائی میں جو متابع ابو عبیدہ ہے اس نے متن کو اس سند سے متعلق کیا ہے قتیبہ نے جو طبقہ عاشرہ کے راوی ہیں اسی طرح نسائی میں متابع

ابومسلمہ ہے اس متن کو اس سند سے متعلق کیا ہے احمد بن سنان نے یا ان کے چچا سعید بن حکم نے جو علی الترتیب گیارہویں اور دسویں طبقے کے راوی ہیں مسلم شریف میں متابع زہری ہے اس روایت کے لئے زہری کی سند عبد الرزاق نے مہیا کی ہے اور مسلم کے استاد عبد بن حمید نے اس مرسل عروہ کو موصول بنا دیا ورنہ مصنف عبدالرزاق میں مرسل عروہ ہے یعنی قول عروہ ہے غرض آٹھویں اور نویں طبقے میں یہ روایت سامنے آئی اس لئے ساتویں طبقے تک رواۃ اس روایت سے بے علم ہیں جب مجھے یقین ہوگیا کہ روایت حضرت عائشہ رضہ سے منقول نہیں حضرت عائشہ نکاح کے وقت بالغہ راشدہ تھیں اور یہ روایت استخراج و استنباط ہشام ہے جو ۱۴۵ھ میں بشکل روایت آٹھویں، نویں کو معلوم ہوا۔ تو میں نے اس روایت کے متن پر بھی بحث کی اور ظاہر کیا کہ ایک تاریخی استنباط ہے اور کس طرح اسے بنایا گیا ہے۔

اگرچہ یہ متن صحاح خمسہ وغیرہ کتابوں میں آیا ہے مگر اصل میں قیاس ہشام ہے۔ پھر میں نے وہ روایات جمع کیں جن میں حضرت عائشہ رضہ کے لئے صغر سنی کے الفاظ آئے ہیں مثلاً جاریۃ حدیثۃ السن آیا ہے اور بیان کیا کن رواۃ نے مستقل روایات میں یہ جملہ اضافہ کیا اور حضرت عائشہ کی کم عمری کی روایات پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس روایات پر تاریخی حیثیت سے عظمت اور احترام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تفصیلی بحث کی ہے۔

اس روایت تزوج پر طویل وعمیق تحقیق کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی طالب علمی ہی کے زمانے سے مجھے یہ عجیب معلوم ہوتا تھا کہ ۹ سال کی بچی جس میں ازدواجی صلاحیت ہی نہیں ہوتی کیسے ازدواجی عمل برداشت کر سکتی ہے۔ میں لاحول پڑھ کر اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیتا تھا اور سوچتا تھا جب تمام حدیث کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے اور متداول کتب تاریخ نے اس روایت کو بیان کیا ہے تو بلوغ قبل از وقت کی تاویل کر کے ذہن کو مطمئن کر لیتا تھا ایک روز قرآن شریف تلاوت کرتے ہوئے یا ایھا الذین اٰمنوا لاترفعوا اصواتکم الی آخرہ پوری آیت پڑھ کر ذہن میں آیا۔ کیا احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم رفع صوت تک محدود ہے۔ ذہن نے جواب دیا نہیں ہرگز نہیں یہ تو اقل قلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو احترام کی انتہا کے مستحق ہیں۔ نادانستہ کوتاہی بھی اس میں حبط اعمال کا سبب ہو سکتی ہے۔ بقول غالب

معلوم ہے تجھ کو کہ مخاطب ہے تیرا کون
یاں جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے

آپ کے اقوال و افعال بنی نوع انسان کے اقوال و افعال سے بہتر ہیں آپ کی ذات تو مکارم اخلاق اور مکارم افعال کا منبع ہے۔ آپ مثالی کردار کا کامل نمونہ ہیں قرآن شریف میں آپ کی ذات کو اسوہ حسنہ فرمایا گیا ہے۔ آپ کا ہر عمل بلا چون وچرا لائق اتباع ہے۔ بنا ر صغیرہ میں فطری طور سے ایسا استکراہ ہے کہ فطرت سلیمہ اس سے ابا کرتی ہے۔ ہرگز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اور لطیف اعمال میں شامل

ہونے کے قابل نہیں ہے ایسے فعل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا موہم استخفاف شانِ رسولؐ ہے اعاذنا اللہ نادانستہ حبط اعمال کا سبب ہے ہم احترام وعظمت رسولؐ کے مکلف ہیں۔ یہ ایک شرعی فریضہ ہے نص قطعی سے ثابت ہے۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے دل کی گہرائیوں سے لے کر ظاہری اعمال تک احترام وعظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کرے۔ یہ روایت منافی احترام ہے۔ استخفاف رسولؐ پر حبط اعمال وعید نص قطعی ہے۔ یہ روایت ایک تاریخی بیان ہے جز واحد ہے۔ نص بہرحال نص ہے اس کا اتباع واجب ہے۔ صحابہؓ کی عمروں کا معلوم کرنا واجبات دین سے نہیں ہے نہ بھی معلوم ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

علاوہ ازیں یہ انداز روایت ذوق لطیف پر بار ہے۔ ہر بالغ جانتا ہے کہ توالد وتناسل کیا ہے۔ لیکن انسان اپنی ماں کے زفاف اور زہ کے واقع کو بے تکلف بیان نہیں کرتا۔ اگر کبھی طبی ضرورت کے پیشِ نظر بیان کرے گا تو اشارۃً ذکر کریگا اور اسے ذکر کرتے ہوئے ناگواری محسوس کرے گا۔

ان رواۃ نے بنا ر صغیرہ اور حضرت عائشہ کو لازم وملزوم بنا دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضہ ام المومنین ہیں ان کے متعلق کچھ کہتے ہوئے ان کے مقام کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ لطف یہ ہے تمام ازواج مطہرات ہیں سے بلکہ تمام صحابیات میں سے کسی کے متعلق ایسا بیان نہیں ملتا۔ واقعہ کی یہ صورت معجزہ بھی نہیں کہی جا سکتی۔ معجزہ اسے کہتے ہیں دوسرے لوگ جسے کرنے سے عاجز ہوں۔ بنا ر صغیرہ کو کسی نے معجزات میں شمار نہیں کیا۔ اور یہ عمل بالکل مقام نبوت سے کم تر فعل ہے جو لوگ لطافت مزاج نبوت کا شعور رکھتے ہیں وہ اسے معجزہ شمار نہیں کر سکتے البتہ بلید الذہن لوگوں کے لیے راستہ صاف ہے ہم اس زمانے میں دیکھتے ہیں۔ معاشرے کے بگڑے افراد چھوٹی بچیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔ پکڑے جائیں تو سزا پاتے ہیں۔

یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بنا پر اس روایت تزوج کو پرکھا گیا۔ ہمارے علماء مدارس احکام کی روایات پر بحث کرتے ہیں اور اپنا مسلک ثابت کرنے کے لیے رجال سند سے لے کر متون روایات کے لفظ لفظ پر بحث کرتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ غیر منقح روایات پر ہم بحث نہ کریں جب کہ ان تاریخی روایات میں وہ زہر بھرا ہوا ہے کہ صحابہؓ کے متوازن اور پختہ کردار کو بازیچہ اطفال بنا کر رکھ دیا ہے۔ دین کے بنیادی اصول کردار صحابہ کو بے وقعت اور بے حیثیت بنا کر پیش کیا ہے۔

تاریخی روایات اگر صحاح میں موجود ہیں تو اس سے اُن کی ماہیت نہیں بدل گئی۔ البتہ بعض فنکار لوگوں نے دانستہ ان تاریخی روایات میں زہر بھرا ہے اور بعض سادہ لوح رواۃ نے نادانستہ ان روایات کو قبول بھی کیا اور ان کی اشاعت بھی کی۔ بہرحال یہ مسموم روایات حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔ کتنے ہی خلوص اور نیک نیتی سے ہم ان کا ذکر کریں اور بے حد خلوص سے ہم ان کے صحیح ہونے کا یقین کریں مگر ان کی ماہیت میں جو زہر ہے وہ اپنا اثر ضرور کرتا ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ کے متعلق جو روایات ان کتابوں میں مذکور ہیں اور

خلاف واقعہ ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رض سلسہ بنوت میں حاملہ بالغہ تھیں۔ لیکن ان روایات مذکورہ کتب سے حضرت عائشہ رض کا جو تشخص ابھرتا ہے ایک بچی کا تصور ذہن میں آتا ہے جو کھلنڈری گڑیوں اور کھیلوں کی دلدادہ ضدی مزاج نابالغہ لڑکی کا تصور سامنے آتا ہے۔ ان روایات کے زہر نے تاریخ کے ذہن کو مسموم کر دیا ہے۔ حالانکہ واقعہ میں وہ سن رشد کو پہنچی ہوئی بالغۃ الذہن۔ نابغۃ الزمن عبقری الفطرت ذکیہ عورت تھیں امہات المؤمنین میں انہیں خاص مقام حاصل تھا۔ ان کی خوبیوں کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر خاص توجہ تھی۔ حضرت عائشہ ہمہ صفت موصوف تھیں مگر ہمارے رواۃ کا ذہن مسموم ہو گیا تھا۔ ان رواۃ کے ذہن پر تطفل اور تلعب طاری ہو گیا تھا۔ میں نے مندرجہ بالا اصول کو سامنے رکھ کر بہت سی غیر واقعی تاریخی روایات

پر بحث کی ہے۔ اور رجال کی تصریح کی روشنی میں انکا مقام متعین کیا ہے۔ جن روایات میں متضاد مضمون پائے جاتے ہیں وہاں میں نے وہ روایات تلاش کی ہیں جن میں متضاد مضمون نہیں پایا جاتا وہ ایسی روایات میں ادراج کو ظاہر کیا ہے اگر ہو سکا مدروح کو بھی متعین کیا ہے پھر یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ روایات میں تلفیق کی گئی۔ یعنی دو روایتیں تھیں پھر ان کو جمع کر کے ایک سند سے بیان کرنا شروع کر دیا گیا۔ غرض یہ ہے کہ صحابہ کی کردار کشی جن رواۃ نے بلطائف الحیل کی ہے ان رواۃ پر ہم نے کھل کر بحث کی ہے۔ اب تک علماء نقد نے نقد کو نرم رکھا تھا ہم نے اصول نقد کو سختی سے برتا ہے اور کھل کر جرح کی ہے۔

۱۹۶۳ء میں سے مواد جمع کرنا شروع کیا تھا۔ مسلسل دو سال تک مواد جمع کیا۔ قدیم کتابوں کی تلاش جاری رکھی حتیٰ کہ ترکی کے قدیم کتب خانوں کی قدیم کتابوں سے اقتباسات منگوائے۔

میرے ماموں ظفر حسن مصنف "آپ بیتی"، جو ترکی میں مقیم ہیں ان سے جامع معمر کے کئی اقتباسات منگوائے۔ انہیں بزرگ کی وجہ سے جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مدظلہٗ نے مہربانی فرمائی اور مصنف عبدالرزاق سے کئی روایات نقل کر کے ترکی سے روانہ فرمائیں۔ اس وقت تک مصنف عبدالرزاق شائع نہیں ہوئی تھی۔

روایت کو پرکھنے کے لئے محدثین نے جو ضابطے بنائے ہیں بیشتر ان کی بنیاد قبول روایات پر رکھی ہے۔ روایت کو قبول کرنے کا معمولی سا سہارا چاہتے ہیں، " لعنۃ اللہ علی الکاذبین وعید ہے مسلمان سے یہ توقع نہیں کہ جھوٹ بولے من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار کی موجودگی میں راوی حدیث بیان کرنے میں آپ کی طرف غلط بات منسوب نہیں کرے گا۔ پھر نقد روایات میں احکام کی روایات بن بال کی کھال نکلتی ہے۔ سیرت کے درجے کی روایات قبول کرنے میں ہر رطب و یابس قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ مشاجرات و محاربات صحابہ میں بلا نقد روایات قبول کرتے ہیں۔

اس لئے میں نے کردار صحابہ کو قبول روایت کی مستقل بنیاد تسلیم کیا ہے۔ اس بنیاد کے پیش نظر کچھ ضابطے اضافہ کئے ہیں۔

(۱) اگر کوئی روایت کردار صحابہ کو داغدار کرتی ہو تو وہ روایت قابل رد ہے ہمارے نزدیک راوی کا بیان غلط ہے۔ کیونکہ اصل میں صحابی اور راوی کا تقابل ہے ہم صحابی کو محفوظ قرار دیں گے۔ کیونکہ دین کی بنیاد صحابہ پر ہے اور راوی کو مجروح قرار دیں گے۔ صحابہ کے متعلق رضی اللہ عنہم نص قرآنی ہے۔ راوی کے صدق کی کوئی سند ہمارے پاس نہیں ہے۔

اس قاعدے کی روشنی میں ہم نے روایت کو پرکھنے کے چند مزید ضابطے بنائے ہیں۔ روایت کے قبول و رد میں ہم انہیں ملحوظ رکھیں گے۔

(۱) جو روایت تباغض صحابہؓ کے مضمون پر مشتمل ہو ہم قرآن کی روشنی میں قبول نہیں کریں گے۔

(۲) جو روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کو بے اثر یا محدود اثر کو ظاہر کرے وہ محل تامل ہے۔

(۳) آپؐ کی تعلیم و تربیت کے باوجود صحابہؓ میں جاہلی اثرات کو ظاہر کرنے والی روایت کو ہم قبول نہیں کریں گے۔

(۴) جو روایت صحابہؓ کے کردار کو ناہموار ظاہر کرے وہ قابل ترک ہے۔

(۵) جو روایت صحابہؓ کی تنقیص یا مخصوص ناقص کردار کو ظاہر کرے قابل رد ہے، رواۃ کی تحقیق عام طور سے احکام کی روایات کی وجہ سے ہوتی ہے مگر ہم نے رواۃ کو سیرت کے درجہ کی روایات میں بھی تحقیق کرنا ضروری خیال کیا۔ سہل انگاری کی وجہ سے بہت کچھ رطب یابس سیرت اور تاریخی روایات میں پایا جاتا ہے اسے ہم نے مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں رد کر دیا ہے جو تاریخی اور تفسیر کی روایات صحاح ستہ میں پائی جاتی ہیں ہم نے ان پر بھی نقد کیا ہے اور یہ خیال نہیں کیا رواۃ صحاح ستہ پر بحث مناسب نہیں ہے۔ جب ان روایات کی تنقیح نہیں ہوئی ہمیں حق ہے ان روایات اور ان کے رواۃ پر بحث کریں۔ یہ رجال سند روایات معصوم و محفوظ نہیں ہیں۔

میں جتنا مواد اکٹھا کرتا تھا۔ اس کو اپنے عزیز و ساتھی مولانا حافظ الیف اللہ عثمانی صاحب فاضل دیوبند کے سامنے رکھتا تھا۔ ہم دونوں اس کو ترتیب دیتے تھے۔ میں لکھتا تھا پھر مولانا موصوف اصلاح کرتے تھے۔ دو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے دوران پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری سے بھی استفادہ کرتا رہا مہینے میں ایک دفعہ ضرور جانا ہوتا تھا دو سال کی محنت شاقہ کے بعد اس مضمون کو موجودہ صورت میں ترتیب دینے میں کامیاب ہوئے۔ کسی گوشے سے بھی ہمیں رہنمائی نہ ملی۔ اب بھی بعض مباحث تشنۂ تکمیل تھے۔

مثلاً حضرت عائشہ کی کم عمری کا پانچواں ماخذ روایات رنگ ہے اس روایت میں کنت جاریۃ حدیثۃ السن لا اقرء کثیرا من القرآن درج ہے۔ یہ امام زہری کی روایت ہے۔ زہری ۱۲۴ھ میں وفات اور یہ روایت تزوج ۱۴۵ھ میں ہشام بن عروہ نے اپنے تیسرے سفر میں بیان کی

تو زہری اس روایت کے جنم لینے سے بائیس سال پہلے وفات پا چکے تھے اس لئے روایت افک پر غور و فکر شروع کیا۔ کیونکہ اس روایت میں انا جار یہ ہے۔ مختلف روایات افک میں یہ اضافہ عبد الرزاق نے کیا ہے۔ اور زہری اس اضافے سے لاعلم ہیں محمد بن اسحاق کی روایات افک میں یہ اضافہ نہیں ہے مگر مندرجات روایات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ افک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ زہری پر تنقید مشکل ہو گئی۔ چھ مہینے زہری کی ذوجہات شخصیت پر تحقیق میں لگ گئے اور بحث مشکل معلوم ہوئی۔ آخر روایات افک کا استقصا کیا اور اس پر بحث کی دو سو صفحے اس پر لکھے گئے ہم دو آدمی چار سال میں معلوم کر سکے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت ہمارے حساب سے ۲۸ سال تھی اور رخصتی کے وقت ۲۹ سال تھی حسب بیان کتب رجال و تاریخ نکاح کے وقت ۱۷ سال تھی اور رخصتی کے وقت ۱۹ سال تھی یہ دو آدمیوں کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔

علمی مواد جو ہم نے اکٹھا کیا بہت زیادہ تھا مگر تہذیب و ترتیب کے وقت آٹھ سو صفحے رہ گیا اس میں سے دو سو صفحے جو روایات افک پر لکھے گئے تھے کم کر دیئے گئے اسے علیحدہ کتاب کی صورت میں حضرت عائشہ اور افک کے عنوان سے بعد میں شائع کروں گا۔

یہ مسودہ ہمارے فاضل دوست مولانا عظمت اللہ صاحب فاضل دیوبند مہتمم مدرسہ تفہیم القرآن جھنگ کے لئے وہ خوش ذوق ادیب اور بہترین کاتب ہیں انہوں نے دو تین سال محنت کر کے کتاب کی شکل میں لکھا مضامین کے لحاظ سے عنوانات قائم کئے ان کی فہرست بنائی وہ ۱۹۷۲ء میں اس سے فارغ ہوئے اب یہ کتاب تین آدمیوں کی کوشش کا نتیجہ ہے اس لئے عبارت میں اکثر جگہ پر لکھا ہے۔ "ہم نے یہ کہا" "ہماری یہ رائے ہے" لیکن اس کتاب کی پوری ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں چونکہ روایات میں نے تلاش کر کے جمع کیں۔ نتائج میں نے اخذ کئے کتاب کی تمام عبارت میری ہے الا ما شاء اللہ ترتیب میری ہے عربی عبارات کے ترجمے میرے ہیں اس کتاب میں اگر کوئی غلطی ہے تو اس کا ذمہ دار میں ہوں اس میں اگر کوئی خوبی ہے تو ہم تین آدمیوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ خصوصیت سے میرے عزیز ساتھی مولانا حافظ لطیف اللہ صاحب عثمانی کی ژرف نگاہی عمیق بصیرت اور ادبی کاوش کا ثمرہ ہے پہلے خیال تھا اسے شائع نہ کیا جائے کیونکہ اس سے احادیث کی صحت پر حرف آئے گا اور منکرین حدیث کو تقویت ملے گی۔ مختلف علماء سے تبادلہ خیال کیا اکثر کی رائے یہی تھی۔ کتاب کے مسودے میں بار بار ترمیم کرنی پڑی۔

روایت کو پرکھنے کا راستہ بھی خود ہی پیدا کیا۔ منقول ذخائر میں اس کے لئے مواد بہت ہی کم ملا جب ہم عصر علماء سے مشورہ لیا تو بعض نے فرمایا جب سابق علماء نے کچھ نہیں لکھا تو اب گڑے مردے نکالنے کی کیا ضرورت وغیرہ وغیرہ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ علماء سے مشورہ لینا خود ہمارے لئے بڑا دشوار مرحلہ تھا۔ پہلے ان کے سامنے

اس طویل الذیل کو پیش کرنا پھر ان سے رائے لینا عجیب معلوم ہوتا تھا۔ شروع میں تو اپنے اطمینان قلب کے لیے اس تاریخی روایت کو دیکھا اور پرکھا مگر اب جب اس روایت پر محنت کو دیکھا اور شرح صدر ہو گیا تو ارادہ کر لیا اہل علم کے سامنے اپنی اس کاوش کو پیش کیا جائے۔ عند الامتحان یکرم المرء او یہان ہم کتابوں کے تاجر نہیں ہیں۔ ہمیں تو طباعت کا بھی تجربہ نہیں اس لیے کتاب کے لکھوانے میں کئی نمونے بدلنے پڑے یہ ہماری ناتجربے کاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ابتدا میں صرف عربی عبارتیں تھیں اہل علم پیش نظر تھے بعد میں خیال کیا ان عربی عبارتوں کے ترجمے بھی ہونے چاہئیں۔ میں نے تگ لیٹ کر ترجمے کئے ترجموں سے کتاب کی ضخامت ڈیوڑھی ہو گئی اس سے یہ نقصان ہوا کتابت اور طباعت کا خرچ بھی بڑھ گیا، کاغذ کا خرچ بھی بڑھ گیا۔ قیمت کتاب خود بخود زیادہ ہو گئی۔

دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

اس کتاب میں ہشام بن عروہ پر رجال کے نقطہ نظر سے بحث کی ہے نیز ان کے ایک تلمیذ علی بن مسہر کوفی پر بحث کی ہے باقی رواۃ پر ضمناً بحث کی ہے۔ جو کچھ لکھا ہے رجال کی کتابوں سے لکھا ہے حوالہ لکھا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ حوالے ساتھ کے ساتھ لکھتا رہا۔ مگر مسودات کے بار بار نقل کرنے کی وجہ سے بعض بعض جگہ حوالہ نقل نہیں ہوا۔ اب ہمت نہیں رہی کتابوں کو جمع کر کے دوبارہ حوالوں کی تصدیق کروں۔ جو کچھ پہلے کر لیا اسی پر اکتفا کیا۔ اب یہ کام کرنے کی ہمت نہیں رہی۔ کئی سال سے ہاتھ میں رعشہ ہے تحریر میں دقت ہوتی ہے۔

میں نے کتاب کے دو حصے بنا دیئے ہیں۔

پہلے حصے میں ان چھ ماخذ پر مفصل بحث کی ہے جو حضرت عائشہ کی رخصتی کے وقت کم عمری کو ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی (۱) روایت تزوج (۲) لعب بالبنات کی روایات (۳) حبشیوں کے کھیل روایات (۴) غناء جواری کی روایات۔ فاقدروا قدر الجاریۃ کی روایات (۵) روایت افک میں رنا جارتہ۔ (۶) حدیث خواب نکاح۔

کتاب کے دوسرے حصے میں ان قرائن و شواہد کا ذکر کیا ہے جو حضرت عائشہ رضہ کے نکاح کے وقت ان کے سن رشد کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً وہ ۵ نبوت میں اپنے کنبے کے ساتھ ایمان لائیں۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ کی واحد راویہ ہیں۔ ابتداء وحی فرضیت صلوٰۃ کی کیفیت انہیں سے منقول ہے۔ ۲ ہجری میں ان کی رخصتی، غزوہ بدر میں انکی شرکت غزوۂ احد میں شرکت وغیرہ وغیرہ۔

اپنے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے۔ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال یہ کتاب ہی میرا سب سے بڑا تعارف ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

حکیم نیاز احمد بلاک ۹ سرگودھا۔

حضرت عائشہؓ کی کم عُمری

کا

مأخذِ اوّلُ

روایاتِ نکاح

(ب)

نزاکت موضوع

روایات کے انبار میں گم شدہ موضوع پر قلم اٹھانا مشکل ہے۔

ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھانا جو روایات کے انبار میں گم ہو چکا ہو نہایت مشکل کام ہے کسی واقعہ کے متعلق " صاحب واقعہ کی اپنی زبان سے جو بیان ہو اس سے زیادہ یقینی بیان اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضہ کے بارے میں یہی صورت درپیش ہے۔ آپ خود بیان فرماتی ہیں کہ نکاح کے وقت میری عمر ٦ سال رخصتی کے وقت ۹ سال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ۱۸ سال تھی۔

حدیث کی کتب متداولہ میں روایت مذکورہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

سیر اور حدیث کی کتب متداولہ میں جزوی لفظی اختلاف کے ساتھ یہ واقعہ مذکور ہے۔ سیرت یا حدیث کے کسی مصنف سے کوئی ضعیف قول بھی صراحۃً اس بیان کے خلاف مذکور نہیں۔ زرقانی علی المواھب میں ایک ضعیف قول رخصتی کے وقت کا ساڑھے دس سال کا بیان کیا گیا ہے لیکن اس کی حیثیت بھی محض ایک قول سے زیادہ نہیں ہے۔

کتب حدیث کے مصنفین کے نزدیک یہ روایت اصول روایات پر پوری اترتی ہے۔

کتب حدیث، تاریخ اسلام کی نہایت معتبر کتابیں ہیں ان کے مصنفین نے حتی المقدور پوری چھان بین کے بعد انہیں روایات کو قبول کیا ہے جو ان کے نزدیک روایت کے اصولوں پر پوری اترتی ہیں۔ بخاری اور مسلم تو استناد میں سند ہیں۔ ان میں کسی واقعے کا آنا ہی اس بات کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہے۔ پھر ان اکابر نے تو یہ مہربانی بھی فرمائی ہے۔ کہ سند بھی ساتھ ہی ذکر کر دی ہے۔

حضرت عائشہ رضہ کی کم عمری کے چھ مآخذ اس کی تفصیل۔

ہم چاہتے ہیں کہ پہلے وہ تمام روایات معتبرہ بیان کر دی جائیں جو اس سلسلے میں خود حضرت عائشہ رضہ سے منقول ہیں اور جو ان کی کم عمری پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری کے چھ ماخذ ہیں۔

۱۔ روایات تزوج عائشہ رضہ

۲۔ لعب بالبنات و صواحب کی روایات

۳۔ لونڈیوں کے گانے کی روایات

۴۔ حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی روایات میں اپنے متعلق الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو فرمانا

(ج)

۵ - واقعۂ افک بیان کرتے ہوئے کنتُ جاریۃً حدیثۃ السن) لا احفظ کثیراً من القرآن فرمانا

۶ - حدیث خواب

یہ تمام روایات صحاح ستہ اور دوسری معتبر کتابوں میں مذکور ہیں ۔ ہم ان روایات پر علیحدہ علیحدہ اصول حدیث کی روشنی میں روایۃً اور درایۃً ہر طرح سیر حاصل بحث کریں گے ۔ اور صحیح نتائج نکالنے کی کوشش کریں گے ۔

اس کے بعد ان قرائن کا ذکر کریں گے جو صحیح واقعات کی نقاب کشائی کرتے ہیں

روایات تزوج مندرجہ ذیل کتب حدیث سے لی گئیں ۔

ہم نے اپنے غور و فکر میں عموماً صحاح ستہ ۔ مسند امام احمد ۔ بیہقی ، امام شافعی کی کتاب الام اور رسالہ " اختلاف حدیث " کے مواد پر انحصار کیا ہے اور توضیح و تصریح کے لئے دوسری معتبر کتابوں سے بھی روایات لی ہیں اور افسانوی خرافات کو تو بالکل ہی ترک کر دیا ہے ۔

کتب احادیث میں اس کے متعلق جو مواد ملتا ہے وہ حسب ذیل ہے :۔
ہم پہلے روایاتِ تزوج نقل کریں گے اور اس کے بعد مالہٗ وما علیہ پر مفصل بحث کریں گے

بخاری سے پہلی روایت ہشام موصول۔

۱ . حدثنی فروۃ بن ابی المغراء قال حدثنی علی بن مسھر عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت تزوجنی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین . فقدمنا المدینۃ فنزلنا فی بنی الحارث بن الخزرج فوعکت فمزق شعری فوفی جمیمۃ . فاتتنی امی ام رومان وانی لفی ارجوحۃ ومعی صواحب لی . فصرخت بی امی فاتیتھا ما ادری ما ترید بی فاخذت بیدی حتی اوقفتنی علی باب الدار وانی لانھج حتی سکن بعض نفسی ثم اخذت شیئا من ماء فمسحت بہ وجھی وراسی ثم ادخلتنی الدار فاذا نسوۃ من الانصار فی البیت فقلن علی الخیر والبرکۃ وعلی خیر طائر ۔ فاسلمتنی الیھن فاصلحن من شانی فلم یرعنی الا ورسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحی فاسلمتنی الیہ وانا یومئذ بنت تسع سنین ۔ (بخاری باب تزویج النبی م عائشۃ رض ص۵۶۱)

حضرت عائشہ رض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا اور میں چھ سال کی تھی . پس ہم مدینے آئے بنی حارث بن خزرج میں اترے ۔ میں بیمار ہو گئی میرے بال گر گئے صرف جمیمہ رہ گئے . میری ماں ام رومان میرے پاس آئی اور میں جھولا جھول رہی تھی . اور میرے ساتھ میری سہیلیاں تھیں میری ماں نے مجھے پکارا میں اُن کے پاس آئی ۔ اور میں نہیں جانتی تھی . کہ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہیں ۔ پس انہوں نے مجھے ہاتھ سے پکڑا (اور مجھے لے چلی) یہاں تک کہ وہ گھر کے دروازے پر آ کر رکیں مجھے تھوڑی دیر ٹھہرایا جبکہ مجھے سانس چڑھا ہوا تھا یہاں تک کہ میرا کچھ سانس تھک گیا . پھر انہوں نے کچھ پانی لیا اور میرے چہرے اور سر پر گیلا ہاتھ پھیرا . پھر مجھے گھر کے اندر لے گئیں . میں نے دیکھا گھر کے اندر انصار کی کچھ عورتیں ہیں . انہوں نے کہا خیر و برکت ہو (اور پھلے پھولے) پس مجھے ان کے سپرد کر دیا ۔ انہوں نے میرا بناؤ سنگار کیا . میں بالکل نہ گھبرائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے . اور چاشت کا وقت تھا ۔ انہوں نے مجھے آپ کے سپرد کر دیا ۔ اور میں اس وقت نو ۹ سال کی تھی ۔

عائشہ	ولادت سنہ	وفات ۵۸ھ
طبقہ ثانیہ عروہ بن زبیر	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ ہشام بن عروہ	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶

ثامنہ علی بن مسہر	سنہ ۱۱۶	سنہ ۱۸۹
عاشرہ فردہ بن ابی المغراء	سنہ	سنہ ۲۲۵
الحادی عشر بخاری	سنہ ۱۹۴	سنہ ۲۵۶

بخاری سے دوسری مرسل روایت ہشام

ب . حدثنا عبید بن اسماعیل قال حدثنا ابو اسامۃ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ قال توفیت خدیجۃ قبل مخرج النبی ﷺ الی المدینۃ بثلاث سنین فلبث سنتین او قریبًا من ذلک و نکح عائشۃ . وھی بنت ست سنین ثم بنی بھا وھی بنت تسع سنین .

(بخاری . باب التزویج عائشہ ص ۵۶۱)

حضرت خدیجہ رض کی وفات حضور کے مدینے کی طرف ہجرت کرنے سے تین سال پہلے ہوئی . پس آپ نے تقریبًا دو سال تک نکاح نہیں کیا . پھر عائشہ رض سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھیں پھر رخصتی ہوئی . اور وہ ۹ سال کی تھیں .

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸
ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶
تاسعہ	ابواسامہ حماد کوفی	سنہ ۱۲۱	سنہ ۲۰۱
عاشرہ	عبید بن اسماعیل	سنہ ۱۴۵	سنہ ۲۵۰
الحادی عشر	بخاری	سنہ ۱۹۴	سنہ ۲۵۶

بخاری سے تیسری روایت موصول

ا . حدثنا محمد بن یوسف (الفریابی) قال حدثنا سفیان (الثوری) عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت ست سنین وادخلت علیہ وھی بنت تسع ومکثت عندہ تسعًا.

(بخاری . کتاب النکاح . باب نکاح الرجل ولدہ الصغار)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھیں . اور جب رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال کی تھیں . اور وہ آپ کے پاس ۹ سال رہیں .

(بخاری کتاب النکاح ص ۷۷۱)

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸
ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶

سابعہ	سفیان الثوری	سنہ ۹۷	سنہ ۱۶۱
تاسعہ	محمد بن یوسف الفریابی	سنہ	سنہ ۲۱۲
الحادی عشر	بخاری	سنہ ۱۹۴	سنہ ۲۵۶

بخاری سے چوتھی ہشام کی روایت موصول

ب حدثنا معلی بن اسد قال حدثنا وھیب عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجہا وھی بنت ست سنین وبنی بہا وھی بنت تسع سنین. قال ھشام وانبأت انہا کانت عندہ تسع سنین۔ (بخاری جلد ۲ کتاب النکاح. باب نکاح الرجل ولدہ)

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض سے نکاح کیا۔ اور وہ چھ سال کی تھیں اور رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال کی تھیں۔ ہشام نے کہا اور مجھے بتلایا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رض آپ کے پاس ۹ سال رہیں۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸
ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶
سابعہ	وہیب بن خالد	سنہ ۱۰۷	سنہ ۱۶۵
	معلی بن اسد	سنہ ۱۴۵	سنہ ۲۱۸
	بخاری	سنہ ۱۹۴	سنہ ۲۵۶

مسلم سے پہلی روایت ہشام موصول

۱ حدثنا ابوکریب محمد بن العلاء قال حدثنا ابو اسامۃ ح وحدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ قال وجدت فی کتابی عن ابی اسامۃ عن ھشام عن ابیہ عن عائشۃ قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لست سنین وبنی بی وانا بنت تسع سنین۔ قالت تقدمنا المدینۃ

حضرت عائشہ رض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا چھ سال کی عمر میں اور میری رخصتی ہوئی ۹ سال کی عمر میں۔ حضرت عائشہ رض نے کہا ہم مدینے پہنچے اور میں ایک مہینہ بیمار رہی میرے بال گر کر صرف جمیمہ کی حد تک رہ گئے میرے پاس ام رومان آئیں اور میں جھولے پر تھی

ودعكت شهرا فوفى جميمة فاتتني ام رومان وانا على ارجوحة ومعي صواحبي فصرخت بي فاتيتها وما ادري ما تريد بي فاخذت بيدي فاوقفتني على الباب فقلت هه هه حتى ذهب نفسي فادخلتني بيتا فاذا نسوة من الانصار فقلن على الخير والبركة وعلى خير طائر. فاسلمتني اليهن فغسلن رأسي واصلحنني فلم يرعني الا ورسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى فاسلمنني اليه.

(مسلم. کتاب النکاح. جلد اول صفحہ ۴۵۶) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اور میرے ساتھ میری سہیلیاں تھیں ۔ ام رومان نے مجھے پکارا میں ان کے پاس آئی اور میں نہیں جانتی تھی ۔ وہ مجھے کس لئے بلا رہی ہیں انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور دروازے پر تھوڑی دیر ٹھہرائے رکھا اور مجھے سانس چڑھا ہوا تھا یہاں تک میرا سانس ٹھہر گیا ۔ انہوں نے مجھے گھر میں داخل کیا ۔ اس وقت میں نے دیکھا انصار کی کچھ عورتیں ہیں ۔ انہوں نے کہا خیر و برکت ہو ۔ انہوں نے مجھے ان کے سپرد کر دیا ۔ پھر انہوں نے میرا سَر دھویا ۔ اور میرا بناؤ سنگار کیا ۔ میں بالکل نہ گبھرائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے ۔ چاشت کا کچھ وقت تھا پس ان عورتوں نے مجھے آپ کے سپرد کر دیا ۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸
ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶
تاسعہ	ابواسامہ	سنہ ۱۲۱	سنہ ۲۰۱
عاشرہ	محمد بن العلاء ابوکریب کوفی	سنہ ۱۶۶	سنہ ۲۴۸
عاشرہ	ابوبکر بن ابی شیبہ کوفی	سنہ ۱۶۴	سنہ ۲۳۵
الحادی عشر	مسلم	سنہ ۲۰۴	سنہ ۲۶۱

مسلم سے دوسری ہشام کی روایت موصول

ب حدثنا يحيى بن يحيى قال حدثنا ابو معاوية عن هشام ابن عروة ح قال وحدثنا ابن نمير واللفظ له قال وحدثنا عبدة عن هشام عن ابيه عن عائشة رض

حضرت عائشہ رض نے کہا نکاح کیا مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور میں چھ سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو ۹ سال کی تھی ۔

قالت تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین وبنی بی وانا بنت تسع سنین
(مسلم جلد اول صہ ۴۵۶)

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸ھ	ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶	تاسعہ	ابو معاویہ کوفی	سنہ ۱۱۳	سنہ ۱۹۵
عاشرہ	یحییٰ بن یحییٰ	سنہ ۱۴۲	سنہ ۲۲۶				

خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶	ثامنہ	عبدہ	سنہ ۱۲۰	سنہ ۱۸۷
عاشرہ	ابن نمیر محمد بن عبداللہ بن نمیر	سنہ	سنہ ۲۳۴				

مسلم سے تیسری زہری کی روایت موصول

ج حدثنا عبد بن حمید قال حدثنا عبدالرزاق قال حدثنا معمر عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجہا وہی بنت سبع سنین وزفت الیہ وہی بنت تسع سنین ولعبہا معہا ومات عنہا وہی بنت ثمان عشرۃ
(مسلم جلد اول صہ ۴۵۶)

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض سے نکاح کیا اور وہ سات سال کی تھیں۔ وہ آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں اور وہ ۹ سال کی تھیں اور ان کے کھلونے ان کے ساتھ تھے، اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی وہ ۱۸ سال کی تھیں۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ	سنہ	سنہ ۵۸	ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
رابعہ	زہری	سنہ ۵۰تا۵۸	سنہ ۱۲۳تا۱۲۵	سابعہ	معمر	سنہ ۹۶	سنہ ۱۵۳
تاسعہ	عبدالرزاق	سنہ ۱۲۶	سنہ ۲۱۱	عاشرہ	عبد بن حمید	سنہ ۱۸۵	سنہ ۲۴۹
الحادی عشر	مسلم	سنہ ۲۰۴	سنہ ۲۶۱				

مسلم سے چوتھی روایت اسود موصول

د حدثنا یحییٰ بن یحییٰ واسحاق بن ابراھیم وابو بکر بن ابی شیبۃ وابو کریب قال یحییٰ واسحاق اخبرنا وقال الآخران

حضرت عائشہ رض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھیں اور ان کی رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال

حدثنا ابو معاویۃ عن الاعمش عن ابراهیم عن الأسود عن عائشۃ رض قالت تزوجها رسول الله صلی الله علیه وسلم وهی بنت ست وبنی بها وهی بنت تسع ومات عنها وهی بنت ثمان عشر (مسلم جلد اول ص۴۵۶)

کی تھیں . اور جب آپ کی وفات ہوئی تو وہ ۱۸ سال کی تھی

تفصیل سند مع سنن رواۃ

	عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸	ثانیہ	اسود	سنہ	سنہ ۷۵
خامسہ	ابراہیم	سنہ ۵۰	سنہ ۹۵	خامسہ	الاعمش	سنہ ۵۹	سنہ ۱۴۷
تاسعہ	ابومعاویہ	سنہ ۱۱۳	سنہ ۱۹۵	عاشرہ	اسحاق بن ابراہیم	سنہ ۱۶۶	سنہ ۲۳۸
عاشرہ	ابوبکر بن ابی شیبہ	سنہ ۱۶۴	سنہ ۲۳۵	عاشرہ	یحیٰی بن یحیٰی	سنہ ۱۴۲	سنہ ۲۲۶
عاشرہ	ابوکریب	سنہ ۱۶۶	سنہ ۲۴۸	الحادی عشر	مسلم	سنہ ۲۰۴	سنہ ۲۶۱

ابوداؤد سے ہشام کی روایت موصول

حدثنا سلیمان بن حرب وابو کامل قالا حدثنا حماد بن زید عن هشام بن عروۃ عن ابیه عن عائشۃ رض قالت تزوجنی رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا بنت سبع . قال سلیمان او ست . ودخل بی وانا بنت تسع . (ابوداؤد ص۲۱۰ باب تزویج الصغار) نور محمد ، کارخانہ تجارت کراچی)

حضرت عائشہ رض نے کہا مجھ سے نکاح کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور میں سات سال کی تھی ۔ سلیمان نے کہا یا چھ سال کی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی.

تفصیل سند مع سنن رواۃ

	عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸	ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶	ثامنہ	حماد بن زید	سنہ ۱۰۶	سنہ ۱۸۱
تاسعہ	سلیمان بن حرب	سنہ ۱۴۰	سنہ ۲۲۴	عاشرہ	ابوکامل	سنہ ۱۵۸	سنہ ۲۳۷
الحادی عشر	ابوداؤد	سنہ ۲۱۲	سنہ ۲۷۵				

ابن ماجہ سے ہشام کی پہلی روایت موصول

۱۔ حدثنا سوید بن سعید قال حدثنا علی بن مسہر عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین فقدمنا المدینۃ فنزلنا فی حارث بن الخزرج فوعکت فتمزق شعری حتی وفی لی جمیمۃ فاتتنی امی ام رومان وانی لفی ارجوحۃ ومعی صواحبات لی فصرخت بی فاتیتہا وما ادری ما ترید بی ؟ فاخذت بیدی فاوقفتنی علی باب الدار وانی لانہج ثم اخذت شیئا من ماء فمسحت علی وجہی و رأسی۔ ثم ادخلتنی الدار فاذا نسوۃ من الانصار فی البیت فقلن علی الخیر والبرکۃ وعلی خیر طائر ۔ فاسلمتنی الیہن فاصلحن من شانی فلم یرعنی الا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحی فاسلمننی الیہ وانا یومئذ بنت تسع سنین

(ابن ماجہ صـ۱۳۶ مجتبائی دہلی)

حضرت عائشہ رضؓ نے کہا مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور میں چھ سال کی تھی۔ پس ہم مدینے آئے حارث بن خزرج میں اترے، میں بیمار ہوگئی، میرے بال گر گئے۔ صرف جمیمہ کی حد تک رہ گئے میری ماں ام رومان میرے پاس آئی۔ اور میں جھولے میں تھی، اور میرے ساتھ میری سہیلیاں تھیں، انہوں نے مجھے پکارا۔ میں ان کے پاس آئی اور مجھے معلوم نہ تھا وہ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا پھر گھر کے دروازے پر مجھے ٹھہرایا، اور مجھے سانس چڑھا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے تھوڑا سا پانی لیا، میرے سر اور چہرے پر گیلا ہاتھ پھیرا پھر مجھے گھر کے اندر لے گئیں، میں نے دیکھا انصار کی کچھ عورتیں گھر میں ہیں، انہوں نے کہا خیر و برکت ہو۔ میری ماں نے مجھے ان کے سپرد کر دیا انہوں نے میرا بناؤ سنگار کیا، میں بالکل بے خوف تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، چاشت کا وقت تھا، ان عورتوں نے مجھے آپ کے سپرد کر دیا اور میں اس وقت ۹ سال کی تھی۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رضؓ	سنہ	سنہ ۵۸	ثانیہ عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶	ثامنہ علی بن مسہر	سنہ ۱۱۶	سنہ ۱۸۹

		ولادت	وفات				
عاشرہ	سوید بن سعید	سنہ ۱۶۲	سنہ ۲۴۰		ابن ماجہ	سنہ ۲۰۹	سنہ ۲۷۳

ابن ماجہ دوسری روایت ابوعبیدہ موصول

ب حدثنا احمد بن سنان قال حدثنا ابو احمد قال حدثنا اسرائیل عن ابی اسحاق عن ابی عبیدة عن عبداللہ قال تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشة رضؓ وھی بنت سبع سنین وبنی بھا وھی بنت تسع وتوفی عنھا وھی بنت ثمان عشر (ابن ماجہ ص۱۳۶)

اس نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح کیا اور وہ سات سال کی تھیں اور رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال کی تھیں آپ کی وفات ہوئی تو وہ ۱۸ سال کی تھیں۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عبداللہ	سنہ	سنہ ۳۲	ثالثہ	ابواسحاق	سنہ ۳۲	سنہ ۱۳۴
ثالثہ	ابوعبیدہ	سنہ ۲۸	سنہ ۸۲	سابعہ	اسرائیل	سنہ ۱۰۰	سنہ ۱۶۰
تاسعہ	ابواحمد زبیری	سنہ	سنہ ۲۰۳	الحادی عشر	احمد بن سنان	سنہ	سنہ ۲۵۰ تا ۲۵۹

نسائی سے روایت ہشام موصول

ا. حدثنا اسحاق بن ابراھیم قال اخبرنا ابومعاویة قال حدثنا ھشام بن عروة عن ابیہ عن عائشة رضؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت ست وبنی بھا وھی بنت تسع (نسائی کتاب النکاح)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھیں اور رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال کی تھیں۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ رضؓ	سنہ	سنہ ۵۸	ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶	تاسعہ	ابومعاویہ	سنہ ۱۱۳	سنہ ۱۹۵
عاشرہ	اسحاق بن ابراہیم بن مخلد	سنہ ۱۶۶	سنہ ۲۳۸				

نسائی سے دوسری روایت ہشام موصول

ب حدثنا محمد بن نضر بن مساور قال حدثنا جعفر بن سلیمان عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رض قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لسبع سنین و دخل علی تسع سنین۔
(نسائی)

حضرت عائشہ رض نے کہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا سات سال کی عمر میں اور میری رخصتی ہوئی ۹ سال کی عمر میں۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ	سنہ	٥٨ سنہ	ثانیہ	عروہ	٢٣ سنہ	٩٤ سنہ
خامسہ	ہشام	٦١ سنہ	١٤٦ سنہ	ثامنہ	جعفر بن سلیمان	١٠٤ سنہ	١٧٨ سنہ
عاشرہ	محمد بن نضر بن مساور	سنہ	٢٣٩ سنہ		احمد بن شعیب نسائی	٢١٥ سنہ	٣٠٣ سنہ

نسائی سے تیسری روایت ابو عبیدہ موصول

ج اخبرنا قتیبۃ قال حدثنا عبثر عن مطرف عن ابی اسحاق عن ابی عبیدۃ قال قالت عائشۃ رض تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتسع سنین وصحبتہ تسعا (نسائی)

حضرت عائشہ رض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا ۹ سال کی عمر میں اور میں آپ کے ساتھ ۹ سال رہی

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ رض	سنہ	٥٨ سنہ	ثالثہ	ابو عبیدہ	٢٨ سنہ	٨٢ سنہ
ثالثہ	ابو اسحاق	٣٢ سنہ	٩٣٤ سنہ	سادسہ	مطرف	سنہ	١٤٣ سنہ
ثامنہ	عبثر	سنہ	١٧٢ سنہ	عاشرہ	قتیبہ	١٥٠ تا ١٦٨ سنہ	٢٤٠ سنہ
	احمد بن شعیب نسائی	٢١٥ سنہ	٣٠٣ سنہ				

نسائی سے چوتھی روایت اسود موصول

د اخبرنا محمد بن العلاء واحمد بن حرب قالا حدثنا ابومعاویة عن الاعمش عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة رض قالت تزوجها رسول الله صلی الله علیه وسلم وهی بنت تسع ومات عنها وهی بنت ثمان عشرة سنة (نسائی ص)

حضرت عائشہ رض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا وہ ۹ سال کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی تو وہ ۱۸ سال کی تھیں ۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ	سنہ	سنہ ۵۸	ثانیہ	الاسود	سنہ	سنہ ۷۵
خامسہ	ابراہیم	سنہ ۵۰	سنہ ۹۴	خامسہ	الاعمش	سنہ ۵۹	سنہ ۱۴۷
تاسعہ	ابومعاویہ	سنہ ۱۱۳	سنہ ۱۹۵	عاشرہ	احمد بن حرب	سنہ ۲۶۳	سنہ ؟
عاشرہ	محمد بن العلاء	سنہ ۱۶۷	سنہ ۲۴۸		نسائی	سنہ ۲۱۵	سنہ ۳۰۳

نسائی سے پانچویں روایت ابوسلمہ موصول

ھ اخبرنا احمد بن سعد بن حکم بن ابی مریم قال حدثنی عمی قال حدثنا یحیی بن ایوب قال اخبرنی عمارة بن غزیة عن محمد بن ابراهیم عن ابی سلمة بن عبد الرحمان عن عائشة رض قالت تزوجنی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهی بنت ست سنین وبنی بها وهی بنت تسع سنین (نسائی ص)

حضرت عائشہ رض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھیں اور ان کی رخصتی ہوئی اور وہ ۹ سال کی تھی ۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

	عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸	ثالثہ	ابوسلمہ مدنی	سنہ ۲۴	سنہ ۹۴ تا ۱۰۴

رابعہ محمد بن ابراہیم مدنی سنہ ۱۲۰ھ سادسہ عمارہ بن غزیہ مدنی سنہ ۱۴۰ھ
سابعہ یحیی بن ایوب مصری سنہ ۱۶۸ھ عاشرہ سعید بن حکم مصری سنہ ۲۲۴ھ
الحادی عشر احمد بن سعد بن حکم سنہ ۲۵۳ یا ۲۵۹ھ نسائی ۲۱۵ھ ۳۰۳ھ

کتابُ الامّ

کتاب الام سے روایت ہشام موصول

اخبرنا سفیان بن عیینة عن ہشام بن عروة عن ابیہ عن عائشة رض قالت نکحنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست او سبع و بنی بی وانا بنت تسع - الشک من الشافعی رح

(کتاب الام ص۱۱ جلد ۵ دار المعرفة بیروت)

حضرت عائشہ رض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا میں چھ یا سات سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی اور یہ شک حضرت امام شافعی رح کو ہے ۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رض سنہ — ۵۸ھ ثانیہ عروہ ۲۳ھ ۹۴ھ
خامسہ ہشام ۶۱ھ ۱۴۶ھ ثامنہ سفیان بن عیینہ ۱۰۷ھ ۱۹۸ھ
تاسعہ محمد بن ادریس الشافعی ۱۵۰ھ ۲۰۴ھ

مُسند سے روایت ہشام موصول

۱ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا حسن بن موسی قال حدثنا حماد ابن سلمة عن ہشام بن عروة عن ابیہ عن عائشة رض قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتوفی خدیجة قبل مخرجہ الی المدینة بسنتین او ثلث وانا بنت سبع سنین فلما قدمنا المدینة جاءتنی نسوة وانا

حضرت عائشہ رض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا خدیجہ کی وفات کے بعد مدینے کی ہجرت سے دو یا تین سال پہلے اور میں سات سال کی تھی پس جب ہم مدینے آئے میرے پاس کچھ عورتیں آئیں ۔ اور میں جھولے میں کھیل رہی تھی اور میرے چھوٹے چھوٹے بال تھے ۔ پس وہ مجھے لے گئیں

العب فی ارجوحتہ دانا مجمعتہ فذھبن بی فھیاتنی وصنعتنی ثم اتین بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبنی بی وانا بنت تسع سنین ۔

اور مجھے تیار کیا اور میرا بناؤ سنگار کیا پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئیں (اور آپ نے خلوت فرمائی) اور میں و سال کی تھی ۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رض	سنہ	۵۸ھ	ثانیہ عروہ مدنی	۲۳ھ	۹۴ھ
خامسہ ہشام مدنی	۶۱ھ	۱۴۶ھ	ثامنہ حماد بن سلمٰی البصری	۱۰۲ھ	۱۶۳ھ خلافت مہدی
تاسعہ حسن بن موسیٰ		۲۱۰ھ	عاشرہ امام احمد رح	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ
الثانی عشر عبداللہ بن امام احمد	۲۱۵ھ	۲۹۰ھ			

مسند سے دوسری روایت اسود موصول

ب حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا ابو معاویۃ حدثنا الاعمش عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ رض قالت تزوجھا وھی بنت تسع سنین ومات عنھا وھی بنت ثمان عشر ۔

حضرت عائشہ رض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا وہ و سال کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی تو وہ اٹھارہ [۱۸] سال کی تھیں ۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رض	سنہ	۵۸ھ	ثانیہ الاسود	سنہ	۷۵ھ
سادسہ ابراہیم	۵۰ھ	۹۵ھ	سادسہ الاعمش	۵۹ھ	۱۴۷ھ
تاسعہ ابو معاویہ	۱۱۳ھ	۱۹۵ھ	عاشرہ امام احمد	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ
الثانی عشر عبداللہ	۲۱۵ھ	۲۹۰ھ			

مسند سے تیسری روایت ابو سلمہ و یحیی مرسل

ج حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا

ابو سلمہ اور یحییٰ نے ہم سے حدیث بیان کی ان

محمد بن بشر قال حدثنا محمد بن عمرو قال حدثنا ابو سلمة و یحییٰ قالا لما هلکت خدیجة جاءت خولة بنت الحکیم امرأة عثمان ابن مظعون قلت یا رسول الله صلی الله علیه وسلم الا تزوج قال من ؛ قالت ان شئت بکرا و ان شئت ثیبا . قال فمن البکر قالت ابنة احب خلق الله عزوجل الیك عائشة رض بنت ابی بکر قال ومن الثیب قالت سودة بنت زمعة قد امنت بك و اتبعتك علی ما تقول . قال فاذهبی فا ذکرهما ؛ فدخلت بیت ابی بکر فقالت یا ام رومان ما ذا ادخل الله علیکم من الخیر والبرکة ؛ قال وما ذاك قالت ارسلنی رسول الله صلی الله علیه وسلم وخطب علیه عائشة قالت انتظری ابا بکر حتی یاتی فجاء ابوبکر فقالت یا ابا بکر ماذا ادخل الله علیکم من الخیر والبرکة قال وما ذاك قالت ارسلنی رسول الله صلی الله علیه وسلم اخطب عائشة رض علیه . قال وهل تصلح له انما هی ابنة اخیه . فرجعت الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکرت له ذلك قال ارجعی الیه فقولی له انما ؛ انا اخوك وانت اخی فی الاسلام وابنتك تصلح لی فرجعت فذکرت ذلك له قال انتظری وخرج ـ قالت ام رومان ان مطعم بن عدی قد کان ذکرها علی ابنه فوالله ما وعد وعدا قط فاخلفه فدخل ابو بکر علی مطعم بن عدی

دونوں نے کہا جب حضرت خدیجہ رض کی وفات ہو گئی تو عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم آئی . اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نکاح نہیں فرمائیں گے . آپ نے فرمایا کس سے . اس نے کہا کیا آپ کنواری چاہتے ہیں یا بیوہ چاہتے ہیں آپ نے فرمایا کنواری کون ہے . اس نے کہا مخلوق میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب شخص کی لڑکی عائشہ رض بنت ابی بکر آپ نے فرمایا اور بیوہ کون ہے اس نے کہا سودہ بنت زمعہ جو آپ پر ایمان لائی ہے اور جس نے آپ کے ہر قول کا اتباع کیا ہے . آپ نے فرمایا جاؤ ان دونوں سے میرے متعلق ذکر کرو . وہ حضرت ابوبکر رض کے گھر گئی اور کہا اے ام رومان اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کس قدر خیر و برکت کا سامان کر دیا . انہوں نے پوچھا وہ کیا ؛ اس نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا اور حضرت عائشہ رض کا رشتہ طلب کیا ام رومان نے کہا تو حضرت ابوبکر رض کا انتظار کرو کہ وہ آ جائیں پس حضرت ابوبکر رض آئے تو خولہ نے کہا اے ابوبکر رض اللہ کریم نے تمہارے لئے کس قدر خیر و برکت کا سامان کر دیا . آپ نے پوچھا وہ کیا ؛ اس نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے اور عائشہ رض کا رشتہ طلب کیا ہے آپ نے کہا کیا یہ ہو سکتا ہے؛ وہ تو ان کے بھائی کی بیٹی ہے . خولہ اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئی اور حضرت ابوبکر رض کی یہ بات آپ کے سامنے

وعنده امرأته ام الفتی فقالت یا ابن ابی قحافة لعلک مصب صاحبنا تدخله فی دینک الذی انت علیه ان تزوج الیک فقال ابوبکر اتقول هذه تقول قال انها تقول ذلک فخرج من عنده وقد اذهب الله عزوجل ماکان فی نفسه من عدته التی وعدها. فرجع فقال لخولة ادعی لی رسول الله صلی الله علیه وسلم فدعته فزوجها ایاه وعائشة یومئذ بنت ست سنین. ثم خرجت فدخلت علی سودة بنت زمعة فقالت ماذا ادخل الله عزوجل من الخیر والبرکة. قالت وما ذاک. قالت ارسلنی رسول الله صلی الله علیه وسلم اخطبک علیه قالت وادن؟ ادخلی الی ابی فاذکری ذلک له وکان شیخا کبیرا قد ادرکه السن قد تخلف عن الحج فدخلت علیه فحییته تحیة الجاهلیة فقال من هذه فقالت خولة بنت حکیم قال فما شانک قالت ارسلنی محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب اخطب علیه سودة قال کفو کریم ماذا تقول صاحبتک قالت تحب ذالک قال ادعیها الی فدعتها قال ای بنیة ان هذه تزعم ان محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب قد ارسل لخطبتک. وهو کفو کریم اتحبین ان أزوجک له. قالت نعم قال ادعیه لی. فجاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فزوجها ایاه فجاءها اخوها عبدالله بن

بیان کی آپ نے فرمایا تو ان کے پاس واپس جا اور ان سے کہو کہ میں تیرا بھائی ہوں اور تو میرا بھائی ہے اسلام میں (نسب میں نہیں) تمہاری بیٹی سے میرا نکاح ہو سکتا ہے۔ وہ اسی وقت واپس ہوئی اور حضرت ابوبکر رضؓ کو یہ بات بتائی حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا تو انتظار کر۔ اور وہ باہر نکل گئے۔ ام رومان نے کہا مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے کے لئے حضرت عائشہ رضؓ کا رشتہ طلب کیا تھا واللہ حضرت ابوبکر رضؓ کی یہ عادت ہے۔ جب انہوں نے کوئی وعدہ نہیں کیا کہ اسے پورا نہ کیا ہو۔ پس حضرت ابوبکر رضؓ گھر سے نکل کر مطعم بن عدی کے ہاں پہنچے وہاں لڑکے کی ماں مطعم کی بیوی بھی موجود تھی۔ اس کی بیوی نے کہا ابی قحافہ کے بیٹے شاید تم ہمارے بیٹے کو صابی بنانا چاہتے ہو۔ تم اسے اس دین میں داخل کرنا چاہتے ہو جس پر تم ہو۔ اگر اس نے تمہارے ہاں شادی کر لی تو (ایسا ہی ہوگا) پس حضرت ابوبکر رضؓ نے مطعم سے کہا تم بھی یہی بات کہتے ہو جو تمہاری بیوی کہہ رہی ہے۔ اس نے کہا جو یہ کہہ رہی ہے (صحیح ہے)۔ پس حضرت ابوبکر وہاں سے اٹھ آئے اور اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کا بوجھ حضرت ابوبکر رضؓ کے دل سے اتار دیا۔ (جو آپ نے مطعم سے کیا تھا) پس حضرت ابوبکر رضؓ لوٹ آئے۔ اور خولہ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لاؤ وہ آپ کو بلا لائی۔ ابوبکر رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اور عائشہ رضؓ اس وقت چھ سال کی تھیں

زمعة من الحج فجعل يحثى فى راسه
التراب فقال بعد ان اسلم لعمرك
انى لسفيه يوم احثى فى راسى التراب ان
تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم سودة
بنت زمعة قالت عائشة فقدمنا المدينة
فنزلنا فى حارث بن الخزرج فى السنح قالت
فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخل
بيتًا واجتمع اليه رجال من الانصار والنساء
فجاءتنى امى وانى لفى ارجوحة بين عذقين
ترجع بى فانزلتنى من الارجوحة ولى جميمة
ففرقتها ومسحت وجهى بشىء من ماء
ثم اقبلت تقودنى حتى وقفت بى عند الباب
وانى لانهج حتى سكن من نفسى ثم دخلت
بى فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم
جالس على السرير فى بيتنا وعنده رجال
ونساء من الانصار فاجلستنى فى حجره ثم
قالت هؤلاء اهلك فبارك الله لك فيهم
وبارك الله لهم فيك فوثب الرجال والنساء
فخرجوا وبنى بى رسول الله صلى الله عليه وسلم
فى بيتنا ما نحرت على جزور ولا ذبحت
على شاة حتى ارسل الينا سعد بن عبادة
بجفنة كان يرسل بها الى رسول الله صلى
الله عليه وسلم اذا دار الى نسائه وانا
يومئذ بنت تسع (مسند امام احمد
جلد ۶ - ص ۲۱۰)

پھر خولہ نکلی اور سودہ بن زمعاء کے پاس گئی اور
اس سے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کس قدر
خیرو برکت کا سامان کیا ہے۔ اس نے کہا وہ کیا
ہے؟ خولہ نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے بھیجا ہے تم سے نکاح کرنا چاہتے
ہیں۔ سودہ نے کہا تو میرے ابا کے پاس
جاؤ اور یہ مطالبہ ان سے کرو اور وہ بہت
بوڑھے تھے۔ عمر پوری کئے بیٹھے تھے اسی لئے
حج سے رہ گئے تھے۔ پس میں ان کے پاس
گئی۔ میں نے ان سے جاہلیت کے انداز میں
سلام کیا۔ ابا نے پوچھا یہ کون ہے خولہ نے
کہا خولہ بنت حکیم۔ ابا نے کہا تمہارا کیا
حال ہے۔ (کیسے آنا ہوا) اس نے کہا
مجھے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے بھیجا
سودہ کے نکاح کے لئے کہا ہے۔ اس نے
کہا ہاں، شریف رشتہ ہے۔ پوچھا تیری سہیلی
کا کیا خیال ہے۔ خولہ نے کہا اسے یہ رشتہ
پسند ہے۔ اس نے کہا اسے میرے پاس
لاؤ میں اسے بلا کر لے گئی۔ اس نے کہا
اے میری پیاری بیٹی یہ خولہ کہہ رہی ہے
کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے اسے تیرے
رشتے کے لئے بھیجا ہے اور وہ شریف کفو
ہے کیا تو پسند کرتی ہے کہ میں تیرا نکاح
ان سے کردوں سودہ نے کہا بیشک بڑے
میاں نے مجھے کہا انہیں بلا لاؤ پس رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس نے
سودہ کا نکاح حضورؐ سے کر دیا۔ بعد ازاں

سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ حج سے واپس آئے اور اپنے سر میں خاک ڈالنے لگے پھر بعد میں اسلام لانے کے بعد کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم میں بہت ہی سفیہ تھا جب اس غصے میں اپنے سر میں مٹی ڈال رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بہن سودہ بنت زمعہ سے نکاح کرلیا۔

حضرت عائشہ رض نے کہا۔ پس ہم مدینے آئے اور حارث بن الخزرج کے قبیلے میں سنخ میں اترے، حضرت عائشہ رض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انصار کے مرد و عورتیں آپ کے پاس جمع ہو گئے میری ماں میرے پاس آئی اور میں جھولے میں تھی۔ عذقین کے درمیان مجھے پکڑ کر جھولے سے اتارا۔ میرے جمیمہ تھے۔ انہیں درست کیا میرے منہ پر گیلا ہاتھ پھیرا پھر مجھے کھینچتی ہوئی چلی، حتی کہ گھر کے دوران پر مجھے ٹھہرایا مجھے سانس چڑھا ہوا تھا۔ جب میرا سانس ٹھہر گیا تو مجھے گھر میں لے کر داخل ہوئی۔ پس میں نے دیکھا کہ ہمارے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر بیٹھے ہیں۔ اور آپ کے پاس انصار کے مرد و عورتیں جمع ہیں۔ انصار کی عورتوں نے مجھے ایک کمرے میں آپ کے پاس پہنچا دیا۔ پھر انہوں نے کہا یہ آپ کی بیوی ہے۔ اور اس کے گھر والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں آپ کے لئے برکت عطا فرمائے اور ان کے لئے آپ میں برکت عطا فرمائے

اس کے بعد مرد و عورتیں فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور گھر سے چلے گئے . ہمارے گھر میں ہی آپ نے خلوت فرمائی ، اس موقع پر میرے لئے نہ اونٹ ذبح کئے گئے اور نہ بکرے . حسبِ عادت حضرت سعد بن عبادہ نے دودھ کا بادیہ بھیجا جو وہ ہمیشہ حضورؐ کے لئے بھیجا کرتے تھے آپ کسی بھی بیوی کے گھر ہوں اور میں اس وقت ۹ سال کی تھی .

تفصیل سند مع سنین رواۃ

ثالثہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن	سنہ ۲۴	سنہ ۹۴	ثالثہ یحیی بن عبدالرحمٰن بن حاطب		سنہ ۱۰۴
سادسہ محمد بن عمرو بن علقمہ	سنہ ۶۰	سنہ ۱۴۵	تاسعہ محمد بن بشر العبدی الکوفی		سنہ ۲۰۳
عاشرہ امام احمد	سنہ ۱۶۴	سنہ ۲۴۱	الثانی عشر عبداللہ	سنہ ۲۱۵	سنہ ۲۹۰

بیہقی (کتاب النکاح)

بیہقی سے روایت ہشام موصول

اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ وابو سعید بن ابی عمرو قالا حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب حدثنا احمد بن عبدالجبار حدثنا یونس بن بکیر عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ رضی اللہ عنہا بعد موت خدیجۃ بثلاث سنین وعائشۃ یومئذ بنت ست سنین وبنی بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی بنت تسع سنین ومات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائشۃ بنت ثمانیۃ عشرۃ سنۃ . رواہ البخاری فی الصحیح عن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ سے نکاح کیا حضرت خدیجہ کی وفات کے تین سال بعد اور حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت ۶ سال تھی اور رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال کی تھیں اور جب آپؐ کی وفات ہوئی تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی . بخاری نے اپنی صحیح میں اسے عبید بن اسماعیل سے اس نے ابواسامہ سے مرسل بیان کیا . اور مسلم نے ابوکریب سے موصولاً اِن کیا اور اسی روایت کو سفیان ثوری وسفیان بن عیینہ وعبدۃ بن سلیمان وعلی بن مسہر و ابومعاویہ وغیرہ نے موصول بیان کیا . اور پھر

عبید ابن اسماعیل عن ابی اسامة مرسلا۔ ورواہ مسند عن ابی کریب موصولا وقد وصلہ السفیان الثوری و سفیان بن عیینة وعبدة بن سلیمان وعلی بن مسهر و ابو معاویة وغیرهم واخرجاه موصولا عن اوجه (نکاح آبادالا بکار جلد ۷ ص ۱۱۴)

دونوں نے (بخاری و مسلم) اپنی صحیحین میں مختلف طریقوں سے موصول بیان کیا۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ		سنہ ۵۸	ثانیہ عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶	تاسعہ یونس بن بکیر		سنہ ۱۹۹
عاشرہ احمد بن عبدالجبار	سنہ ۱۶۷	سنہ ۲۷۲	محمد بن یعقوب		سنہ

بحث اسناد

عبداللہ بن مسعود اس روایت کے راوی نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا تمام روایات کو اکٹھا کر کے دیکھا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس روایت کے رواۃ صرف چار ہیں۔

۱۔ عروہ ۲۔ ابوسلمہ ۳۔ اسود ۴۔ ابوعبیدہ۔ ان میں سے دو پہلے مدنی ہیں اور دو آخر کے کوفی ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ابوعبیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بلا واسطہ روایت نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے باپ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں اس لیئے اس روایت کی رو سے حضرت عبداللہ بھی ایک مستقل روایت کے راوی بن جاتے ہیں۔

لیکن حقیقت میں وہ اس روایت کے راوی نہیں ہیں۔ بلکہ اصل میں ابن ماجہ کی سند میں ابوعبیدہ بن عبداللہ تھا۔ بعد کے کسی کاتب نے اسے سہواً ابوعبیدہ عن عبداللہ لکھ دیا

بن عبداللہ کو عن عبداللہ بنا دیا

یعنی بن کو عن بنا دیا۔ پھر بعد کے لوگوں نے

اس روایت کے کثرتِ طرق کی بنا پر اسے ایک علیحدہ شاہد تصور کر لیا۔

ہمارے یقین کے شواہد

ہمارے اس یقین کی بنیاد مندرجہ ذیل شواہد ہیں۔

۱۔ ہم نے مسند عبداللہ بن مسعود رضہ کو مسند امام احمد میں بہت غور اور تحقیق سے دیکھا لیکن ان کے مرویات میں یہ روایت نہیں ملی۔

۲۔ نسائی کتاب النکاح میں یہی روایت اسی سند سے بروایت مطرف آئی ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ابوعبیدہ بن عبداللہ خود حضرت عائشہ رضہ سے روایت بیان کرتے ہیں۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم عصر بھی ہیں۔ اس لئے یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ یہ خود حضرت عائشہ رضہ سے نقل کریں۔ جیسا کہ نسائی کی سند میں ہے۔ اور درجہ کے لحاظ سے نسائی ابن ماجہ پر مقدم ہے۔

۳ مطرف سے اوپر کے رواۃ دونوں کتابوں میں ایک ہیں۔ ابواسحاق کے تلمیذ دو ہیں ایک مطرف۔ دوسرے اسرائیل۔ مطرف ابو اسحاق سے جو روایت کرتے ہیں اس میں حضرت عبداللہ کا نام نہیں ہے۔ اسرائیل کی روایت میں عبداللہ ہے۔ تو ایک استاد ایک ہی سلسلے میں ایک شاگرد کو ایک بات کہتا ہے اور دوسرے کو دوسری بات جو قطعاً بعید از فہم ہے۔

۴ ابن سعد نے اسی سلسلہ میں ابوعبیدہ سے حضرت عائشہ رضہ کی جو روایات بیان کی ہیں ان میں حضرت عبداللہ کا نام نہیں بلکہ ابوعبیدہ عن عائشہ رضہ ہے۔

۵ ابن ماجہ کے سوا کسی محدث نے اس سند کے ساتھ یہ روایت بیان نہیں کی۔ خود ابن ماجہ نے بھی اس سند کو اصلی قرار نہیں دیا۔ بلکہ متابعۃً ذکر کیا ہے۔ یعنی شاہد کے طور پر ذکر کیا ہے۔

۶ ابوعبیدہ ابھی پانچ چھ سال ہی کے تھے۔ کہ ان کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کا اپنے والد سے نہ سماع ثابت ہے اور نہ انہیں اپنے والد کی کوئی بات یاد ہے۔ سند کی تحقیق میں ہم اس پر گفتگو کریں گے۔ اس صورت میں یہ روایت مرسل اور منقطع ہو جاتی ہے۔ بیچ کا کوئی آدمی تلاش کرنا پڑے گا۔ اور وہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے صحیح یہی ہے کہ یہ روایت ابوعبیدہ کی حضرت عائشہ رضہ سے تسلیم کی جائے۔ کیونکہ مسلم کی شرائط کے مطابق کم از کم معاصرہ تو موجود ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے بداہۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ قطعاً اس روایت کے راوی نہیں ہیں، یہ کتابت اور نسخ کی غلطی ہے جس کی تصحیح نہیں ہو سکی۔ اور بعد کے لوگوں نے کثرتِ طرق کی بنا پر اسے

مستقل علیحدہ روایت تصور کر لیا ۔

بن کو غلطی سے عن لکھ دینے کی مثال

اس قسم کی غلطیاں اکثر و بیشتر کتابت میں ہو جاتی ہیں ، مثلاً محدثین میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ آیا امام مالک رح نے امام ابوحنیفہ رح سے علمی استفادہ کیا یا نہیں ۔ محققین اس کے قائل ہیں کہ امام حنیفہ رح امام مالک رح کے شیوخ میں سے ہیں ۔ لیکن بعض متاخرین نے امام ابوحنیفہ رح کو امام مالک رح کا تلمیذ قرار دیا ۔

مسند شاہین میں ایک روایت اس سند سے ہے ۔

" اسماعیل بن حماد عن ابی حنیفة عن مالك "

اس سے بعض متاخرین نے فتوٰی لگا دیا کہ امام ابوحنیفہ امام مالک کے تلمیذ ہیں ۔ حالانکہ اصل سند یوں ہے :۔

" اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفة عن مالك "

کاتب نے غلطی سے " بن ابی حنیفہ " کو " عن ابی حنیفہ بنا دیا ۔ اور محض سہو کاتب کی وجہ سے امام ابوحنیفہ امام مالک کے شاگرد قرار پاگئے ۔

اگر ہمیں تاریخ سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ امام ابوحنیفہ امام مالک سے تقریباً پچیس سال بڑے ہیں اور امام مالک نے آپ سے علمی استفادہ کیا ہے ۔ تو یہ غلطی حقیقت بن جاتی ۔

(ماخوذ از مقدمہ انوار الباری صہ ۱۲۹)

چار راوی اور ان سے سماع کی نوعیت

خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ اس روایت کے راوی نہیں ہے ۔ اور یہ کسی سے نسخ کی غلطی ہوئی ہے ۔ لہٰذا روایات تزوج کا دارومدار صرف مندرجہ ذیل چار رُواۃ پر رہ گیا ہے ۔

۱ ۔ عروہ	عن	عائشہ رض	
۲ ابوسلمہ	"	"	
۳ اسود	"	"	
۴ ابوعبیدہ	"	"	

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان چار رُواۃ کے روایت کرنے کی پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں ۔

۱ ۔ ان چاروں نے ایک مجلس میں حضرت عائشہ رض سے بیک وقت یہ روایت سُنی ہو ۔

۲ یا بعض نے یہ روایت ایک مجلس میں بہ یک وقت سُنی ہو ۔

۳ یا ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ وقت میں ایک دوسرے کی عدم موجودگی میں حضرت عائشہ رض سے یہ روایت سُنی ہو ۔

۴ یا صرف ایک راوی نے یہ روایت سُنی ہو ۔ باقی مرسلاً بیان کر رہے ہوں

۵ یا ان میں سے کسی نے بھی یہ روایت حضرت عائشہ رض سے نہ سنی ہو بلکہ ان

کے نیچے کے کسی راوی نے تدلیس سے یا کسی سہو کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کی طرف یہ قول منسوب کر دیا ہو۔

ہمارے نزدیک پہلی چار صورتیں باطل ہیں اور آخری صورۃ درست ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے۔

اجتماعی سماع ثابت نہیں۔

۱ بعض واقعات فطرۃً ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی نفسِ ماہیت ہی میں اجتماع ہوتا ہے۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن یزید ایک روایت بیان کرتے ہیں۔ صلی عثمان بمنیٰ اربعًا فقال عبداللہ بن مسعود صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنی رکعتین ومع ابی بکر رکعتین ومع عمر رکعتین (مسند امام احمد مسند عبداللہ بن مسعود ص ۴۲۵)

اس روایت کا راوی اگرچہ ایک ہے لیکن نفس روایت سے ظاہر ہے کہ اس کے دیکھنے اور جاننے والے بہت زیادہ ہیں۔ حج کے موقع پر منیٰ میں ازدحام ہوتا ہے۔ اور امام وقت ہی نماز پڑھاتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس واقع کو دیکھنے والے ہزار ہا اشخاص ہوں گے۔

یا مثلاً حضرت عبداللہ کی یہ روایت کہ عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاما زاد واما نقص۔ فقلنا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدث فی الصلوۃ شیء۔ قال وما ذاک۔ قلنا صلیت قبل کذا وکذا۔ قال انما انا بشر انسیٰ کما تنسون فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین ثم تحول و سجد سجدتین (مسند احمد جلد ۱ ص ۴۲۴)

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، نماز میں کچھ زیادہ کر دیا یا کم کر دیا ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ نماز میں کوئی نئی چیز پیش آئی۔ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ ہم نے کہا آپ نے ابھی جو نماز پڑھائی وہ اس طرح ادا فرمائی۔ آپ نے فرمایا۔ میں بھی بشر ہوں بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو۔ جب تم سے کوئی نماز میں بھول جائے تو دو سجدے کرے (سجدہ سہو) آپ نے قبلہ رُخ ہو کر دو سجدے کئے (مسند امام احمد جلد اول ص ۴۲۴)

ان روایات میں راوی اگرچہ ایک ہے لیکن نفس خبر کی ماہیت ہی میں یہ ہے کہ اس کے جاننے والے بہت سے ہیں۔

۲ یا بعض دفعہ راوی کے الفاظ ہی کسی اجتماعی عمل کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً

حضرت عبداللہ کی یہ روایت کہ

کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنا بمکۃ قبل ان نأتی ارض حبشۃ فلما قدمنا من ارض حبشۃ اتیناہ وسلمنا علیہ فلم یرد فأخذنی ما قرب وما بعد حتی قضوا الصلوۃ فسألتہ فقال ان اللہ عزوجل یحدث فی امرہ ما یشاء وانہ قد احدث من امرہ ان لا نتکلم فی الصلوۃ۔ (مسند ص۳۷۷ جلد ۱ (المکتب الاسلامی بیروت)

ہم پہلے نماز کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا کرتے تھے۔ جب ہم مکے میں تھے حبشہ میں ہجرت کرکے آنے سے پہلے۔ پھر ہم جب حبشہ سے لوٹ آئے۔ اور آپ کے پاس آئے اور ہم نے نماز کی حالت میں سلام کیا تو آپ نے جواب نہ دیا۔ میرے ذہن میں قسم قسم تردوات پیدا ہوئے۔ یہاں تک نماز پوری ہوگئی تو میں نے آپ سے اس کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا اللہ عزوجل اپنے کام میں جو چاہیں طریقہ اختیار فرمائیں۔ اب اس نے یہ حکم دیا کہ ہم نماز میں بات نہ کریں۔

---

۳ یا بعض دفعہ مجمع عام میں یا برسر منبر آپ نے جو خطاب فرمایا۔ مثلاً فاطمہ بنت اسود مخزومی کی چوری کے سلسلہ میں جب اسامہ بن زید کی معرفت آپ سے سفارش کرائی گئی تو آپ نے مسجد میں برسر منبر فرمایا۔

ما بال قوم یلعبون بکتاب اللہ۔

قوم کو کیا ہوگیا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلتے ہیں۔

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا

نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث۔ (منہاج السنۃ جلد دوم ص۱۵۸)

ان روایات کے راوی خواہ ایک ایک ہوں یا بہت سے ہوں۔ یہی خیال کیا جائے گا کہ ان سب نے ایک ہی وقت میں یہ روایت سنی ہے۔ یا یہ عمل دیکھا ہے۔

۴۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ روایت کی ماہیت کسی اجتماعی عمل یا قول پر مشتمل نہیں ہوتی نہ راوی کا بیان کسی اجتماعی عمل یا قول کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اتفاق سے یا ضرورۃً چند آدمی ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اور وہاں کوئی واقعہ ہو جاتا ہے۔ یا بات چل نکلتی ہے۔ تو ایسا واقعہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے کسی اجتماعی قول یا عمل سے متعلق نہیں ہوتا۔ لیکن اتفاقی اجتماع کی وجہ سے ایک ہی وقت میں اس واقعے کے کئی راوی بن جاتے ہیں۔ اور ہر راوی

یا بعض راوی اپنے بیان میں کوئی نہ کوئی ایسا اشارہ کرجاتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راوی اس واقعے کے وقت اکیلا نہیں تھا بلکہ کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ یا تو صراحۃً نام لے گا کہ فلاں فلاں میرے ساتھ تھے یا اجمالاً کہے گا کہ کوئی اور بھی ساتھ تھا۔ مثلاً

ب عن مالک بن انس عن ابن شہاب عن مالک بن اوس بن حدثان النصری انه قال بینا انا جالس فی اهلی حین فتح النهار اذ رسول عمر بن الخطاب فقال اجب امیرالمومنین فانطلقت معه فبینا انا جالس عنده اتاه حاجبه یرفأ فقال هل لک فی عثمان و عبدالرحمن بن عوف والزبیر و سعد بن ابی وقاص یستاذنون قال نعم فاذن لهم ثم جلس یرفأ یسیرا ثم قال هل فی علی و عباس قال نعم۔ فاذن لهما فدخلا فسلما فجلسا فقال عباس اقض بینی و بین هذا وهما یختصمان فی ما افاء الله علی رسوله من بنی نضیر فقال الرهط عثمان و اصحابه اقض بینهما ارح احدهما من الاخر۔ فقال عمر تید کم انشدکم الله الذی باذنه تقوم السماء والارض۔ هل تعلمون ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا نورث وما ترکنا صدقة یرید رسول الله صلی الله علیه وسلم نفسه۔ قال الرهط قد قال ذلک فاقبل علی علی و عباس فقال انشدکم الله اتعلمان ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد قال ذلک قالا قد قال ذلک۔

میں اپنے گھر میں اپنے بال بچوں میں بیٹھا ہوا تھا، دن چڑھا ہوا تھا کہ حضرت عمر بن الخطاب کا پیغام بر آیا کہ امیرالمومنین نے بلایا ہے۔ میں اس کے ساتھ ہولیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ دربان نے آکر قریب ہو کر اطلاع دی کہ عثمان رض اور عبدالرحمٰن بن عوف رض اور زبیر رض اور سعد بن وقاص رض آئے ہیں اجازت چاہتے ہیں۔ امیرالمومنین نے کہا اجازت ہے۔ اس نے ان کو اندر آنے دیا اور بیٹھ گیا۔ پھر قریب آکر کہا علی رض اور عباس رض آئے ہیں۔ حضرت عمر رض نے کہا انہیں بھی اجازت ہے۔ ان کو بھی دربان نے اندر آنے دیا وہ دونوں آئے اور سلام کیا اور بیٹھ گئے پھر حضرت عباس رض نے کہا میرا اور اس کا فیصلہ کیجئے اور وہ دونوں جھگڑ رہے تھے۔ بنی نضیر کی ان املاک کے متعلق جو فئے میں آنحضرت صلعم کو حاصل ہوتی تھیں۔ حضرت عثمان رض اور دوسرے موجود اصحاب نے حضرت عمر رض سے کہا ان دونوں کا فیصلہ کر دیجئے اور ایک کو دوسرے کے گلے پڑنے سے بچائیے۔ حضرت عمر رض نے کہا

ابصر وچشم ؛ ذرا ٹھہرو نرمی سے بات کرو۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے یہ آسمان و زمین قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم ورثہ نہیں چھوڑتے جو ہم چھوڑ جاتے ہیں صدقہ ہوتا ہے۔ یعنی رفاو عام کے لئے حکومت کا ہوتا ہے۔ اس گروہ صحابہ نے کہا بیشک آپ نے ایسا ہی فرمایا پھر حضرت عمر رض نے حضرت عباس رض اور حضرت علی رض کی طرف متوجہ ہو کر کہا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا آپ دونوں کو معلوم ہے رسول اللہ صلعم نے یہ فرمایا تھا ان دونوں نے کہا یقیناً آپ نے یہ فرمایا تھا۔ ـــــــــ

اس روایت کے سننے اور جاننے والے بہت سے لوگ ہیں۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مجمع عام میں اعلان فرمایا ہوگا۔ حضرت علی رض اور عباس رض کے مطالبۂ میراث کے وقت چند اصحاب حضرت عمر رض کے پاس بیٹھے تھے جو کسی اور ضرورت کے لئے حضرت عمر رض کے پاس آئے تھے یا آپ نے ان کو بلایا تھا۔ حضرت علی رض اور عباس رض بھی تشریف لے آئے۔ ان دونوں نے اپنا مطالبہ ان سب لوگوں کی موجودگی میں حضرت عمر رض کے سامنے رکھا۔ اس واقعہ کے یہ سب راوی ہیں۔ اب مالک بن اوس نے اس مطالبہ کا ذکر کیا۔ اگرچہ یہ راوی ایک ہے لیکن اس نے یہ ظاہر کر دیا کہ اس واقعہ کے وقت اتنے لوگ وہاں موجود تھے۔

اسی طرح :-

عن علقمة كنت امشی مع عبداللہ بمنیٰ فلقيه عثمان فقام معه يحدثه فقال له عثمان يا ابا عبدالرحمان الا نزوجك جارية شابة لعلها ان تذكر ما مضى من زمانك فقال لئن قلت ذالك لقد قالها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه اغض للبصر و احصن للفرج ومن لم يستطع فعليه الصوم فانه له وجاء۔

(مسند امام احمد ص۴۲۱ جلد اول)

علقمہ سے روایت ہے اس نے کہا۔ میں حضرت عبداللہ کے ساتھ منیٰ میں جا رہا تھا کہ راستے میں حضرت عثمان رض سے ملاقات ہو گئی وہ کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ حضرت عثمان رض نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن ہم کیوں نہ تمہاری شادی ایک جوان دوشیزہ سے کر دیں۔ شاید وہ تمہارے گذرے ہوئے زمانے کی تلافی کر سکے حضرت عبداللہ نے جواب میں کہا۔ اگر آپ اب یہ بات کہہ رہے ہیں تو کوئی نئی بات تو نہیں یہ تو رسول اللہ صلعم نے پہلے ہی فرمایا ہے۔ اے نوجوان گروہ تم میں سے جو استطاعت رکھتا ہے نکاح کرے۔ یہ غض بصر ہے اور فواحش سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے اور جس میں استطاعت نہ ہو تو اسے روزے رکھنے چاہئیں یہ اسکے لئے صیانت ہے

یہ روایت بتلا رہی ہے کہ اس وقت وہاں تین آدمی تھے ۔

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیر بحث روایت میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جو ظاہر کرے کہ اس روایت کے وقت یہ تمام رواۃ یا بعض رواۃ وہاں موجود تھے ۔ ان رواۃِ مذکورہ بالا میں سے بھی کسی کا بیان ایسا نہیں ہے جو یہ ظاہر کرے کہ اس روایت کے وقت کوئی اور بھی ان کے ساتھ تھا ۔ بلکہ اس روایت کے ساتھ سرے سے کوئی سیاق و سباق بھی ایسا نہیں ہے جو یہ ظاہر کرے کہ حضرت عائشہ رضہ نے کسی سوال کے جواب میں یہ فرمایا ہے ۔ یا از خود یہ روایت بیان کی ہے ۔ یا کوئی مسئلہ درپیش تھا ۔ جس کے ضمن میں آپ نے یہ فرمایا ۔

غرض کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے ۔ جو اس خیال کی تائید کرے کہ ان سب رواۃ نے یا ان میں سے بعض نے ایک ہی مجلس میں حضرت عائشہ رضہ سے یہ روایت سُنی ہو ۔ جبکہ ان چار میں سے دو تو کوفے کے رہنے والے ہیں ۔ اور ان کا مدینہ کا سفر بھی ثابت نہیں ہے ۔ ؟

انفرادی سماع

اسی لئے محدثین نے ان کے سماع کو علیحدہ علیحدہ خیال کر کے اصل روایت ہشام بن عُروۃ عن ابیہ ہی کو تصور کیا ہے ۔ جسے کسی نے ترک نہیں کیا اور باقی روایات کو **متابعات و شواہد** میں شمار کیا ہے ۔

ہیں ۔ اگر ایک سے نیچے تعدد اسناد ہو اور روایت ایک ہی ہو ۔ اور بوجوہ ایک روایت کو اصل قرار دیا جائے تو دوسری روایت اس کی متابع ہو گی ۔ مثلاً روایت تزوج عن ہشام عن عروہ اصل ہے اور روایت زہری عن عروہ اس کی متابع روایت ہے ۔ اور اگر ایک شیخ سے اوپر تعدد ہو یا پوری سند ہی صحابی سے مختلف ہو تو ایسی روایت شاہد کہلائے گی روایت تزوج اسود بن یزید روایت ہشام بن عروہ کے لئے شاہد ہے ۔ مگر ہم نے بیشتر تائیدی روایات پر متابع کا اطلاق کیا ہے ۔ اور بعض جگہ تائیدی روایت کو شاہد کہا ہے ۔ اور اس مقررہ اصطلاح کی پابندی نہیں کی ۔ اور محدثین بھی تائیدی روایات پر متابع اور شاہد کا اطلاق کر دیتے ہیں ۔ غرض ہماری عبارت میں متابع اور شاہد سے مراد صرف تائیدی روایت ہے ۔

اصل روایت کا تعین اور اس کے متابعات

قاعدہ یہ ہے کہ باب میں سب سے پہلے جو روایت بیان کی جاتی ہے ۔ وہ سب سے بہتر ہوتی ہے ۔ اس کے بعد جو روایتیں ذکر کی جاتی ہیں ۔ وہ پہلی روایت کی تائید ہوتی ہیں ۔ صحاح میں سے ترمذی نے تزوج کی کسی روایت کو قبول نہیں کیا ۔ ترمذی کے سوا باقی صحاح میں سب سے پہلے ہشام بن عروہ کی روایت کو ذکر کیا گیا

نوٹ :۔ متابع اور شاہد ۔ اصول حدیث کی اصطلاح

ہے اور پھر اس کے بعد اس کی تائید میں دوسری روایات لائی گئی ہیں ۔

امام بخاریؒ کے نزدیک

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے محض ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ رض کی روایت کو قبول کیا ہے ۔ باقی روایات کو ترک کر دیا ہے ۔ یعنی ابو سلمہ اسود اور ابو عبیدہ کی روایات کو بطور متابعات بھی قبول نہیں کیا ۔

اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ بخاری نے ہشام بن عروہ کی واحد روایت پر اس باب میں اعتماد کیا ہے ۔ اور اسی روایت کو حاصل باب خیال کیا ہے اور متابعات میں ہشام بن عروہ کے مختلف تلامیذ ہی کی روایات لائے ہیں ۔ جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں

بخاری باب الہجرۃ میں پہلی روایت

علی بن مسھر عن ھشام بن عروہ

ہے ۔

پھر اسی باب میں دوسری روایت ابو اسامہ عن ھشام بن عروہ ہے ۔ لیکن یہ روایت عروہ مرسل ہے ۔

پھر کتاب النکاح میں

سفیان الثوری عن ھشام بن عروہ ہے

اس کی متابعت میں وھب کی روایت ہشام سے ذکر کی ہے ۔

غرض امام بخاری رح نے ھشام بن عروہ کو اس باب میں اصل قرار دیا ہے ۔ اور متابعات میں ان کے تلامیذ کو ایک دوسرے کی تائید میں پیش کیا ہے ۔

امام شافعیؒ کے نزدیک

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ھشام بن عروہ کی روایت کو اصل قرار دیا ہے ۔ جو اپنے استاد سفیان بن عیینہ سے ذکر کی ہے ۔ اور کسی تابع کا ذکر نہیں کیا ۔

امام ابو داؤدؒ کے نزدیک

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب میں محض ہشام بن عروہ کی روایت حماد بن زید کے واسطے سے لائے ہیں

اور متابعات میں تو انہوں نے ہشام کے کسی دوسرے تلمیذ کی روایت بھی ذکر نہیں کی ۔

امام مسلمؒ کے نزدیک

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہشام بن عروہ کی روایت کو ابو اسامہ کے واسطے سے لائے ہیں ۔

اس کی متابعت میں ہشام بن عروہ کے دو اور تلامیذ سے روایات لائے ہیں ۔ ایک ابو معاویہ کی ۔ اور دوسری عبدہ بن سلیمان کی ۔ پھر تیسری روایت عروہ سے بذریعہ زہری لائے ہیں ۔

یعنی عروہ سے محض ہشام ہی نقل نہیں کرتے بلکہ ہشام ایک اور مؤید بھی ہیں ۔ اور وہ ہیں امام زمان محمد بن مسلم ابن شہاب زہری مدنی ۔

اس طرح یہ روایت عروہ سے محض ہشام ہی کے ذریعہ سے نہ رہی بلکہ عروہ سے دوسرے راوی زہری بھی ہیں۔ گویا عروہ سے بیان کرنیوالے دو ہو گئے ایک نہ رہا۔

اب اس کے بعد امام مسلم رح نے عروہ کا ایک اور مؤید ڈھونڈ نکالا۔ اور وہ ہے اسود بن یزید کوفی۔

اس طرح حضرت عائشہ رض سے بیان کرنے والے محض عروہ ہی نہیں رہے بلکہ اسود نے بھی یہ روایت حضرت عائشہ رض سے بیان کی۔

امام نسائی رح کے نزدیک

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہشام بن عروہ کی روایت ابومعاویہ کے واسطے سے ذکر کی ہے پھر اس کی تائید میں ہشام بن عروہ کے دوسرے تلمیذ جعفر بن سلیمان کی روایت بیان کی ہے۔ پھر مزید تائید میں حضرت عائشہ رض سے تین روایتیں ذکر کی ہیں۔ ایک ابوعبیدہ بن عبداللہ کی روایت دوسری ابوسلمہ کی روایت۔ تیسری اسود بن یزید کی روایت۔

نسائی رح میں حضرت عائشہ رض سے بیان کرنے والے علاوہ عروہ اور اسود کے دو نئے راوی اور بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۔ ابوسلمہ مدنی۔ (۲) ابوعبیدہ کوفی۔

نسائی رح کے نزدیک بھی ان روایات میں سے محض ہشام بن عروہ کی روایت ہی اصل روایت ہے (گو ناقص ہے) اور باقی تین روایتیں اسی کی صدائے بازگشت ہیں۔

امام ابن ماجہ رح کے نزدیک

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ پہلی روایت ہشام بن عروہ کی علی بن مسہر کے واسطہ سے لائے ہیں۔ جو بخاری میں آ چکی ہے۔ دوسری ابوعبیدہ کی ہے جو نسائی میں آ چکی ہے۔

ابوعبیدہ کے راوی ابواسحاق ہیں اور ان کے دو شاگرد ہیں۔

۱۔ مطرف اور (۲) اسرائیل۔

نسائی میں ابواسحاق کے شاگرد مطرف بن طریف سے یہ روایت منقول ہے۔ مگر ابن ماجہ میں یہی روایت ابواسحاق کے پوتے اسرائیل سے منقول ہے۔

تو گویا اصل روایت تو ہشام ہی کی ہے اور ابوعبیدہ والی روایت متابع ہے۔

ابن ماجہ والی سند میں بن عبداللہ کے بجائے عن عبداللہ سہواً لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی عن عبداللہ کی صحت پر اصرار کرے تو یہ حضرت عبداللہ پر افتراء ہے اور ساری سند نظرانداز کر دینے کے قابل ہے۔ جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔

امام احمد بن حنبل رح کے نزدیک

مُسند میں فقہی ترتیب نہیں ہے۔ اس لیئے اصل اور متابع کا فیصلہ دوسری روایات کے تقابل سے کیا جائے گا۔

اصل روایت ہشام بن عروہ کی حماد بن سلمہ

کے واسطے سے ہے۔ پھر اس کی متابعت میں اسود والی روایت لائے ہیں۔ اس کے بعد ایک اور مرسل روایت ابوسلمہ اور یحییٰ سے ذکر کی ہے۔

بیہقیؒ کے نزدیک

بیہقی نے ہشام بن عروہ کی روایت کو یونس بن بکیر کے واسطے سے ذکر کیا ہے۔ اور دوسری کتبِ حدیث کی روایات پر ارسال و وصل کے لحاظ سے چند کلمات کہے ہیں۔

غرض کتبِ حدیث میں ہشام بن عروہ کی روایت کو اصل تسلیم کیا گیا ہے۔ باقی روایات کو متابعات میں شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض نے تو صرف ہشام کی روایت کو ذکر کیا ہے اور باقی روایات کو ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ

۱ بخاریؒ، کتاب الام اور ابوداؤدؒ نے محض ہشام کی روایت کو قبول کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس روایت کا صرف ایک راوی ہے۔ اور وہ ہے ہشام بن عروہ کا۔

ان کے نزدیک ہشام سے اوپر عروہ سے بھی کوئی اور اس روایت کا متابع نہیں ہے۔ اور ہمارے نزدیک بھی یہی بات اقرب الی الصواب ہے۔ لیکن یہ روایت ایک ناقص روایت ہے۔

۲ مسلم، امام احمد اور بیہقی کے نزدیک اس روایت کے راوی صرف دو ہیں — جن کا حضرت عائشہ رضؓ سے سماع ثابت ہے۔ ایک عروہ بروایت ہشام، دوسرے اسود بن یزید۔ البتہ مسلم نے عروہ سے ہشام کے علاوہ زہری کے سماع کو بھی تسلیم کیا ہے۔

۳ ابن ماجہ کے نزدیک بھی صرف دو راوی ہیں

۱۔ عروہ بروایت ہشام

۲۔ اور ابوعبیدہ۔

۴۔ نسائی کے نزدیک حضرت عائشہ رضؓ سے سننے والے چار راوی ہیں۔

عروہ[۱]۔ ابوسلمہ[۲]۔ اسود[۳] اور ابوعبیدہ[۴]

ان محدثین کرام رحمہم اللہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان مذکورہ بالا رُواۃ نے یہ روایت علیحدہ علیحدہ حضرت عائشہ رضؓ سے سُنی ہے۔ لیکن اس کے باوجود سند میں یا ان کے بیان میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جو ان کے براہِ راست سماع کو حضرت عائشہ رضؓ سے ثابت کر سکے:۔

اس لئے کہ

"حدثنا" اور "اخبرنا" سے جو روائتیں بیان کی جاتی ہیں، ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ متکلم نے مخاطب سے براہِ راست یہ روائت سنی ہے۔ لیکن "عنعنے" میں یہ گنجائش ہے کہ متکلم نے براہِ راست مخاطب سے نہ سُنا ہو۔

غرض اصلی روایت محض ہشام کی ہے۔ لیکن ناقص ہے۔ باقی روایات ہشام کے علاوہ

دوسرے رواۃ نے ارسال و تدلیس کے طور پر بیان کی ہیں۔ بلکہ اختلاطاً بھی بیان کی گئی ہیں۔

دورِ نقلِ روایات

صدرِ اول میں شوقِ علم کی فراوانی کی وجہ سے قرآن کے مطالب معلوم کرنے اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل کرنے کے لئے لمبے لمبے سفر کئے جاتے تھے۔ اور جہاں کہیں بھی ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ چلتا تھا۔ اس کے حامل سے اُسے حاصل کرتے تھے۔

اس دور میں پوری توجہ قول و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی اور خیر کا زمانہ تھا۔ اس لئے یہ احتمال بہت کم تھا کہ بیان کرنے والا غلط بیانی کر رہا ہے۔ اس قرن میں جب ایک جگہ سے لوگ دوسری جگہ حصولِ علم کے لئے سفر کرتے تھے تو انہیں کے ذریعے ایک جگہ کی روایات دوسری جگہ پہنچ جاتی تھیں۔ ملک کے اِس سرے سے لیکر اُس سرے تک برابر اسی طرح روایات کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔

یہ روایات بے تکلف مجالس میں انفرادی طور پر بغیر راوی کا نام بتائے بیان کی جاتی تھیں اور یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ روایت میں کھوٹ ہے اس دور میں علم نام ہی اس کا تھا کہ لوگ قرآن کو سمجھیں اور اقوال و افعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم کر کے اس پر عمل کریں۔

جب اس طرح کثرت سے روایات ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگیں۔ اور روایات کا حجم بڑھ گیا اور زمانہ فتن بھی شروع ہو گیا اور اس چشمۂ صافی میں اِدھر اُدھر کی کثافتیں شامل ہونے لگیں۔ تو ضرورت پیش آئی کہ خبر کی پرکھ کا کوئی معیار اور طریق مقرر کیا جائے۔

چنانچہ تابعین کے آخری دَور میں اس کا احساس بڑھ گیا کہ خبروں کے قبول کرنے کے لئے ضرور کوئی ضابطہ ہونا چاہئیے۔ اس لئے اُس وقت کے عُلماء نے اپنے اپنے طور پر کچھ ضابطے بنا لئے جن کے مطابق وہ روائتوں کو پرکھتے اور رد و اخذ کرتے رہے۔

اس سلسلہ میں جہاں اور معیار مقرر کئے گئے جن کا ذکر آئندہ صفحات میں اپنے موقع پر کیا جانے والا ہے وہاں سب سے پہلا اور بنیادی معیار یہ مقرر کیا گیا کہ خبر بیان کرنے والے نے یہ خبر کس سے سُنی۔ اس کا نام بتائے تاکہ مُخبر عنہ اور مُخبر کو جانچ کر خبر کو قبول کیا جائے۔

لیکن اس سے پہلے جو خبریں شائع ہو چکی تھیں ان کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مُخبر عنہ اور مُخبر میں معاصرت کافی ہے۔ جیسا کہ امام مُسلمؒ فرماتے ہیں۔

یا کم از کم ایک ملاقات ثابت ہونی چاہئیے جیسا کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں

یا اخذِ علم کا ثبوت بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ بعض

دوسرے علماء فرماتے ہیں .

دورِ قرآن

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا پہلا دور قرآن کا دَور ہے . جمع قرآن ، حفاظتِ قرآن ، مشکلاتِ قرآن ، مطالبِ قرآن لغاتِ قرآن ، متشابہاتِ قرآن ، ومحکماتِ قرآن کا علم ، مصطلحاتِ قرآن وغیرہ اُس دور کے مشاغل تھے . اس دور میں بھی لوگ سُنّت سے غافل اور بے نیاز نہیں تھے . لیکن سنت کی طرف پوری توجہ بعد کے دور میں منعطف ہوئی .

دورِ حدیث

دوسرا دَور دورِ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ، آپ کے فیصلے ، روزے نماز کے مسائل کی تشریح ، زکوٰۃ کی تفاصیل ، اس کی شرائط . حصول کے طریقے . احکام کی روایات اخلاقی ہدایات ، جن امور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں واسطہ پیش آیا . سب کے متعلق آپ کے افعال و اقوال کو معلوم کرنا اور ان کو محفوظ کرنا اس دور کے مہمات و مسائل تھے .

بعثت کے بعد آپ کی پوری زندگی قرآن شریف کی عملی تفسیر ہے . حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن .

قرآن کو سمجھنے کے لئے آپؐ کی پوری زندگی کا مطالعہ ضروری ہے . آپ کا ہر قول اور آپ کا ہر عمل آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر اور اس کی عملی توضیح ہے . قرآن اور انسانی زندگی کے انطباق کا کامل عملی نمونہ آپؐ کی زندگی ہے . اس لئے اُس دور میں آپ کی زندگی سے متعلق چھوٹی سے چھوٹی بات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے . حتیٰ کہ نجی گھریلو زندگی ، اٹھنے بیٹھنے ، سونے جاگنے ، کھانے پینے ، بول و براز کے آداب تک میں آپ کی زندگی سے نمونہ لیا گیا ہے . اور یہ دور حدیث ہے .

اس کے ساتھ ساتھ دورِ تفقہ بھی تدریجاً ترقی کرتا رہا . جن امور کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی تصریح موجود نہیں تھی . اُن کے لئے قیاس ورائے سے کام لیا گیا . اور اس قیاس ورائے کے لئے بھی کچھ ضابطے بنائے گئے . جن کا مفصل بیان اصولِ فقہ میں موجود ہے .

صحابہ رض کا دور بیشتر دور قرآن پر مشتمل تھا دورِ تابعین دورِ حدیث ہے . اور تبع تابعین کا ابتدائی دَور بھی دورِ حدیث ہے .

اس کے بعد دورِ نقد حدیث شروع ہو جاتا ہے .

مصنفین صحاح ستہ کا دور نقد حدیث کا دور ہے .

دورِ نقدِ روایات

ہمارے نزدیک تقریباً ۱۸۰ھ تک دور حدیث تھا۔ اس کے بعد دورِ نقد شروع ہو گیا ائمہ جرح و تعدیل جتنے ہیں وہ سب ۱۸۰ھ کے بعد کے لوگ ہیں۔

دورِ حدیث میں بھی نقدِ حدیث کا رجحان ضرور تھا۔ لیکن وہ اُس وقت تک باقاعدہ فن نہیں تھا اور اصولِ حدیث کی اصطلاحات وضع نہیں کی گئی تھیں۔

دورِ نقلِ حدیث میں محض حدیث بیان کی جاتی تھی۔ راوی کا نام بیان کرنا ضروری نہ تھا۔ محض۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ہوتی تھی۔ اگر کسی صحابی سے کوئی بات منقول تھی تو اس کے لئے عن عمر عن عثمان کہہ دینا کافی تھا۔

اس لئے امام ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح نے مرسلاتِ ثقہ کو علی الاطلاق حجت تسلیم کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ دورِ حدیث کے لوگ ہیں۔ لیکن امام شافعی رح اور امام احمد رح نے مرسلاتِ ثقہ کو علی الاطلاق حجۃ تسلیم نہیں کیا اس لئے کہ یہ دونوں امام دورِ نقدِ حدیث سے تعلق رکھتے ہیں۔

بحث متابعات

روایت زیرِ بحث پر غور کرتے ہوئے ہم سب سے پہلے اُن روایات پر بحث کریں گے جو بطور متابعات اس باب میں آئی ہیں۔ اور ھشام بن عروہ کی روایت پر آخر میں بحث کریں گے جو اس باب کی اصل روایت ہے۔

۱۔ متابع ابو سلمہ (نسائی)

سب سے پہلے نسائی کی روایت جو ابوسلمہ سے مروی ہے اُس کو لیجئے:۔

۱۔ اخبرنا احمد بن سعد بن حکم بن ابی مریم قال حدثنی عمی قال حدثنا یحیی بن ایوب قال اخبرنی عمارۃ بن غزیۃ عن محمد بن ابراھیم عن ابی سلمۃ عن عائشۃ رضہ قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی بنت ستا و بنی بھا وھی بنت تسع سنین۔

۱۔ حضرت عائشہ رضہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا اور میں چھ سال کی تھی۔ مجھ سے بنا کی اور میں ۹ سال کی تھی۔

بحثِ متن

اول تو اس روایت کے متن میں اضطراب ہے

التفات من التکلم الی الخطاب بلاضرورت ہے ۔ خطاب کے دونوں طریقے ایک ہی کلام میں لائے گئے بالواسطہ اور بلا واسطہ یعنی متکلم کے صیغے سے بھی اور غائب کے صیغے سے بھی ۔

یا تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ

تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست وبنی بی وانا بنت تسع سنین ۔ یا یہ ہونا چاہیے تھا کہ

تزوجہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی بنت ست وبنی بہا وھی بنت تسع سنین ۔

ب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھی اور اس سے بنا کی اور وہ نو ۹ سال کی تھی ۔

اس طرح کا خطاب عام کلام میں بھی مستحسن نہیں ہے ۔ چہ جائیکہ روائت کے کسی ستُہ پارسے میں اس طرح بیان کیا جائے ۔

یہ روائت محض نسائی میں آئی ہے ۔ حدیث کی کسی اور کتاب میں مذکور نہیں ہے نہ اس کا کوئی متابع ہے اور نہ شاہد ۔

بحث سند

اس سند کے اوپر کے تین راوی مدنی ہیں اور آخری تین راوی مصری ہیں

مدینہ مرکز علم تھا ۔ مگر تعجب ہے کہ مدینہ میں اس کا کوئی متابع ہے اور نہ مصر میں ۔

یہ روائت کچھ اس طرح سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آئی ہے کہ چھ درجوں تک کسی کو اس کا علم نہ ہوا ۔ اور پھر ایک دم دو سو سال کے بعد منظر عام پر آگئی ۔

اب فرداً فرداً اس روائت کے رواۃ کو پرکھئے ۔

۱۔ احمد بن سعد

یہ مصری ہیں اور ان کے حالات مستور ہیں امام نسائی کے استاد ہیں ۔ نسائی نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ لا باس بہ ۔ یعنی ان کی روایت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے میزان الاعتدال ۔ لسان المیزان اور تذکرۃ الحفاظ ان کے ذکر سے خالی ہیں صرف تہذیب التہذیب نے ثقہ کہہ کر باقی حالات سے خاموشی اختیار کی ہے ۔

۲۔ سعید بن حکم بن ابی مریم

یہ دوسرے راوی پہلے راوی کے چچا ہین ۔ مصری ہیں ۔ محض تہذیب التہذیب نے ان کا ذکر کیا ہے ۔ لسان المیزان اور میزان الاعتدال ان کے ذکر سے خاموش ہیں ۔ تذکرۃ الحفاظ نے بھی ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا ۔

صاحب تہذیب التہذیب نے واقدی کے بیان میں لکھا ہے ۔

کہ حدیث نبہان ا۔

یونس عن الزھری عن نبھان عن ام سلمۃ قالت کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعندہ میمونۃ فاقبل ابن ام مکتوم وذلک بعد ان امر بالحجاب فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلنا یا رسول اللہ الیس اعمی لا یبصرنا ولا یعرفنا قال افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ .

ام سلمہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اور آپ کے پاس حضرت میمونہؓ بھی تھی ۔ پس ابن ام مکتوم (نابینا) آئے یہ آیت حجاب اترنے کے بعد کا واقعہ ہے ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں اس سے پردہ کرو ہم دونوں نے کہا کیا وہ نابینا نہیں ہے ۔ وہ ہمیں نہیں دیکھ رہا اور نہ ہمیں پہچان رہا ہے ۔ آپ نے فرمایا کیا تم دونوں اندھی ہو اور اسے نہیں دیکھ رہی ہو ——————

درحقیقت حدیث یونس ہے ۔ لیکن اس حدیث کو واقدی نے معمر سے بیان کیا ہے ۔ اور معمر زہری کے خاص راوی ہیں ۔ یہ روایت معمر سے بیان کرنے کے بعد واقدی نے تبسم کیا ۔ اس تبسم کا یہ مطلب تھا کہ یہ حدیث نبہان معمر سے منقول نہیں ہے ۔

احمد بن منصور کا بیان ہے کہ علی ابن المدینی مشہور ناقد حدیث انہی ایام میں بغداد میں ہمارے پاس آئے واقدی اس وقت بغداد میں قاضی تھے ۔ علی ابن المدینی نے امام احمد کو لکھا کہ واقدی سے روایت قبول کی جا سکتی ہے جو حدیث نبہان کو معمر سے نقل کرتا ہو ۔ حالانکہ یہ حدیث یونس ہے اور یونس کے سوا کسی اور نے اسے بیان نہیں کیا ۔

احمد بن منصور کا بیان ہے کہ مجھے کسی کام سے انہی دنوں مصر جانا پڑا ۔ وہاں سعید بن مریم نے یہ حدیث نبہان مسلسل سند کے ساتھ زہری سے بواسطہ معمر بیان کی ۔ جب وہ اس حدیث کے ذکر سے فارغ ہوئے تو میں ہنس پڑا ۔ سعید نے تعجب سے پوچھا ہنستے کیوں ہو ؟ میں نے ان کو علی ابن المدینی اور امام احمد کی خط و کتابت کا قصہ سنایا تو سعید نے کہا ہمارے مصری اساتذہ تو زہری کی حدیث کے شیدائی ہیں ۔ اس لئے میں نے یہ حدیث اس سند کے ساتھ بیان کی ہے ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بنا پر امام احمد نے واقدی کو ناقابلِ قبول قرار دیا وہ سعید میں بھی موجود ہے :

اس واقعہ سے ان کی احتیاط کا بھی اندازہ ہوتا ہے ۔

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ سعید بن مریم کسی ثابت شدہ روایت کو دوسری سند سے متعلق کرنے میں حرج نہیں سمجھتے تھے ۔ آگے چل کر ہم اس کو بیان کریں گے ۔

۳ ۔ یحیی بن ایوب

یہ اس سند کے تیسرے راوی ہیں اور مصری ہیں ۔ عبداللہ بن احمد نے اپنے والد امام احمد سے یہ

رائے نقل کی ہے کہ انہ مسیء الحفظ) یہ حافظے کا برا ہے۔ امام احمد نے دوسرے موقع پر فرمایا یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ ان کی حدیث لکھی جاسکتی ہے۔ اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

نسائی نے فرمایا

لیس بالقوی۔ یہ مستند نہیں۔

ابن یونس نے فرمایا

حدث عنہ الغرباء الاحادیث

لیس عند المصریین منہا حدیث

اجنبی لوگ ان سے ایسی احادیث نقل کرتے ہیں جو اہل مصر کو معلوم ہی نہیں ہیں۔

ابن سعد نے فرمایا

ھو منکر الحدیث۔ یہ اوپری حدیث والے ہیں۔

دارقطنی کہتے ہیں

فی بعض احادیثہ اضطراب

ان کی بعض احادیث میں کچھ کا کچھ ہے۔

اسماعیل نے کہا

لا یحتج بہ۔ یہ قابل تمسک نہیں۔

ابوزرعہ نے کہا

ربما خلط فی حفظہ۔ بسااوقات ان کے حافظے کا خلل ظاہر ہوا۔

ابن صالح نے کہا

لہ اشیاء یخالف فیہا۔ ان کی ایسی چیزیں ہیں جن سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔

امام احمد نے یہ بھی فرمایا

یخطیء خطأ کثیرًا۔ بہت غلطیاں کرتے ہیں۔

حاکم نے فرمایا

اذا حدث من حفظہ یخطیء

جب زبانی کوئی روایت بیان کرتے ہیں تو غلطی کرتے ہیں۔

عقیلی نے ان کو اپنی کتاب ضعفاء میں رکھا عقیلی نے ہی ان کے متعلق امام احمد کا قول نقل کیا ہے۔

انہ انکر حدیثہ۔ امام صاحب نے ان کی حدیث کا انکار کر دیا ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۸۶)

میزان الاعتدال نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی عجیب وغریب حدیثوں میں سے ایک یہ ہے۔ جو انہوں نے ابن عباس سے مرفوعًا ذکر کی ہے المونثون اولاد الجن۔ یعنی مونثات جن کی اولاد ہیں۔ ابن عباس سے دریافت کیا گیا یہ کیسے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی ایام حیض میں اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے تو شیطان آدمی سے سبقت کرتا ہے اور حمل ہوجاتا ہے تو عورت پیدا ہوتی ہے۔

صاحب میزان نے بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔ جو انہوں نے غلط بیان کی ہیں۔

(میزان الاعتدال ص ۲۸۲)

۴ عمّارہ بن غزیہ

یہ اس حدیث کے چوتھے راوی ہیں ۔ یہ حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت بیان کرتے ہیں لیکن اربابِ نقد کا ان کے متعلق فیصلہ ہے کہ

بقول دارقطنی لم یلق انسًا ۔ یہ حضرت انس سے ملے ہی نہیں

بقول ترمذی لم یرَ انسًا ۔ انہوں نے حضرت انس کو دیکھا ہی نہیں

عقیلی نے ان کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے ۔

بقول عبدالحق ضعفہ المتاخرون متاخرین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے

بقول ابن حزم ضعیف ہیں ۔

بقول سفیان بن عیینہ ۔ باوجودیکہ میں اکثر عمارہ کے پاس جاتا تھا لیکن میں نے ان سے کوئی روایت یاد نہیں کی ۔

امام احمد نے فرمایا
ان کی حدیث میں کچھ کمی ہے ۔
(تہذیب التہذیب ص۲۲۳ جلد ۸)

۵ محمد بن ابراہیم مدنی

یہ پانچویں راوی ہیں ۔ ان کے بارے میں امام احمد رح نے فرمایا

یروی احادیث مناکیر ۔ اوپری حدیثیں بیان کرتے ہیں ۔ انہوں نے اپنے باپ سے جتنی احادیث بیان کی ہیں سب مُرسل ہیں ۔ حالانکہ یہ ان روایات کو موصولاً بیان کرتے ہیں ۔

اس کے علاوہ یہ جابر اور ابوسعید سے روایات بیان کرتے ہیں ۔ مگر ابوحاتم کہتے ہیں کہ لم یسمع من جابر ولا من ابی سعید شیئًا ۔ انہوں نے نہ جابر سے کچھ سنا نہ ابوسعید سے ۔

ان کی ایک حدیث مؤطا میں حضرت عائشہ رضؓ سے منقول ہے ۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضؓ جابر سے پہلے وفات پاچکی ہیں ۔

۶ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف مدنی

یہ چھٹے راوی ہیں ۔

علی بن المدینی ، امام احمد ، ابن معین یعقوب ، ابوداؤد بالاتفاق فرماتے ہیں کہ یہ اپنے باپ سے مرسل ذکر کرتے ہیں ۔ ۔

امام احمد کہتے ہیں ۔
مات ابوہ وھو صغیر ۔ جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو یہ چھوٹے ہی تھے ۔

بقول ابن عبدالبر
لم یسمع من ابیہ ۔ انہوں نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سُنا ۔

بقول امام احمد
لم یسمع عن ابی موسی الاشعری ابوموسیٰ اشعری سے کچھ نہیں سُنا ۔

بقول ابوزرعہ ۔ لم یسمع من ابی بکر شیئًا

ابوبکر سے کچھ نہیں سُنا

بقول بخاری

ابوسلمة عن عمر منقطع

حضرت عمر رضہ سے ابوسلمہ کی روایت منقطع ہوتی ہے ۔

نضر بن شیبان کا بیان ہے کہ ابوسلمہ نے جو اپنے باپ سے سُنا اسے محدثین تسلیم نہیں کرتے ۔

ابوسلمة لم یسمع من ام حبیبة وانہ لم یسمع من عمر ابن امیة

ابوسلمہ نے نہ ام حبیبہ سے کچھ سُنا اور نہ عمر بن امیہ سے ۔

المعزی نے کہا

لم یسمع من طلحة ولا من عبادة بن الصامت

نہ انہوں نے طلحہ سے کچھ سُنا اور نہ عبادہ سے ۔

ابوخیثمہ نے صراحۃً ان کا طلحہ اور عبادہ سے عدم سماع ثابت کیا ہے ۔ اور جب ان دونوں سے عدم سماع ثابت ہے تو ابودرداء سے بدرجہ اولیٰ سماع ثابت نہیں ۔ اسی طرح حضرت عثمان سے بھی سماع ثابت نہیں ۔ غرض یہ ابوسلمہ ان سب سے بے تکلف روایت بیان کرتے ہیں ۔ حالانکہ مندرجہ بالا تصریحات کے بعد ان کا کسی سے بھی ثابت نہیں ۔

ابوسلمہ کے بھائی حمید بن عبدالرحمٰن جو قاضی مدینہ رہ چکے ہیں ۔ تزویج عائشہ رضہ کی روایت بیان نہیں کرتے ۔

ابوسلمہ کے دوسرے بھائی مصعب بن عبدالرحمٰن یہ بھی قاضی مدینہ رہ چکے ہیں ۔ اس روایت کو بیان نہیں کرتے ۔

ابوسلمہ کی اولاد سلمہ ، حسن ، حسین ، ابوبکر ، عبدالجبار ، عبدالعزیز عبدالملک عمر ۔ ان آٹھ میں سے کوئی بھی اس روایت کو بیان نہیں کرتا ۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس متبرک روایت کو باہر کے لوگ تو بیان کرتے ہیں ۔ لیکن گھر کا کوئی آدمی ذکر نہیں کرتا ۔

(تہذیب التہذیب وابن سعد ذکر ابوسلمہ)

نتائج بحث

اس پوری سند پر نظر ڈالنے سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوتے ہیں ۔

۱ ۔ یہ روایت واحد عن واحد چلی آرہی ہے جو بجائے خود ضعف کی دلیل ہے ۔

۲ ۔ اتنے عجیب واقعے کو بیان کیا جائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو یہ بات قابل قبول نہیں ہے ۔

۳ ۔ اس روایت کے بعض راوی سخت ناقابل اعتبار ہیں ۔ خصوصیت سے نیچے کے تین مصری رواۃ ۔

۴ ۔ تابعی بے تکلف صحابی سے روایت کرتاہے

خواہ اس سے لقاء بھی نہ ہو اور سماع بھی نہ ہو۔ ابوسلمہ صحابہ سے بے تکلف نقل کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا صحابہ کے متعلق تو ہمیں اس لئے کچھ معلوم ہوگیا کہ یہ حضرات ابوسلمہ کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی وفات پاچکے تھے۔ لیکن جو زندہ تھے اُن سے بھی مرسل بیان کرنے میں ابوسلمہ کو کوئی تکلف نہیں تھا۔ اور اس معاملے میں ان کی گرفت بھی مشکل ہے۔

۵۔ اگر اس باب میں یہی روایت ہوتی تو کسی طرح بھی اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

۶۔ یہ روایت تدلیساً اس سند کے ساتھ لگائی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

ان وجوہ کی بنا پر یہ روایت اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کچھ بھی استدلال کیا جائے۔

۲ متابع ابوعبیدہ (نسائی)

نسائی کی دوسری متابع روایت ہے:-

اخبرنا قتیبة قال حدثنا عبثر عن مطرف عن ابی اسحاق عن ابی عبیدة قال قالت عائشة رض تزوجنی رسول الله صلی الله علیه وسلم لتسع سنین وصحبته تسعًا۔

یہ روایت بھی سنداً و متناً دونوں حیثیت سے بحث کے قابل ہے

بحث متن

اس روایت کے متن کا آخری جملہ صحبته تسعًا۔ بالکل واضح ہے۔ یعنی ۹ سال آپؐ کے ساتھ رہیں۔ لیکن پہلا جملہ دوسری روایات کے خلاف ہے۔ کیونکہ تمام روایات میں تزوج کے متعلق دو[2] ہی قول ہیں۔ ۶ سال۔ یا ۷ سال یہ ۹ سال کی روایت سب سے الگ اور منفرد ہے۔

اگر تزوج ۹ سال میں ہوا تو بنا ۱۲ سال میں ہوگی۔ کیونکہ تزوج اور بنا میں تین سال کا فرق ہے۔ اس کے بعد ۹ سال حضرت عائشہ رض حضور کی خدمت میں رہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ۲۱ سال ہو جاتی ہے۔ جسے کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔

لہذا یہ بالکل ایک نئے مضمون کی روایت بن جاتی ہے۔ اور ایسی حالت میں نہ یہ کسی روایت کی شاہد بن سکتی ہے اور نہ متابع۔

اس بناء پر یا تو یہ قابل ترک ہے یا اس میں تاویل کی جائے کہ تزوج سے مراد بناء ہے لیکن اس صورت میں علاوہ اس خرابی کے کہ تزوج کے متعارف معنی کو بدلنا پڑا۔ دوسری

خرابی یہ ہے کہ روایت کا پہلا حصہ حذف ہوگیا
اور روایت مختصر ہو کر صرف دو ٹکڑوں پر مشتمل
رہ گئی ۔ یعنی ربنا ۹ سال اور معیت ۹ سال

بحث سند

اس روایت کے رجال سند پانچ ہیں ۔
اور پانچوں کے حالات مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱۔ قتیبہ بن سعید

قتیبہ بن سعید امام مالکؒ کے شاگرد ہیں
ابن لہیعہ ۔ جعفر بن سلیمان اور وکیع سے روایت
کرتے ہیں ۔ ابن لہیعہ سے روایت کرنے والے
یہ آخری راوی ہیں ۔

محمد بن حمید کا بیان ہے کہ قتیبہ سے میں
نے خود سنا کہ ۱۸۲ھ میں جب حصولِ علم کیلئے
وہ عراق گئے تو ان کی عمر ۱۴-۱۵ سال تھی ۔

حاکم کا بیان ہے کہ قتیبہ مامون ہے ۔ لیکن
جو روائت جمع بین الصلوٰتین معاذ بن جبل سے بیان
کی ہے وہ موضوع ہے ۔

حاکم کہتے ہیں کہ میں نے قتیبہ سے پوچھا
تم نے لیث سے جمع بین الصلوٰتین کی یہ حدیث کس
کی معیت میں سنی ۔ اس نے کہا خالد بن مدینی
کی معیت میں ۔ حالانکہ لیث کی وفات ۱۷۵ھ
میں ہو چکی تھی ۔ اس وقت قتیبہ کی عمر ۳-۴ سال
ہوگی ۔

امام بخاریؒ اس خالد کے متعلق فرماتے ہیں
کہ وکان خالد بن مدائنی هذا یدخل
الاحادیث علی الشیوخ ۔
خالد حدیثیں وضع کر کے بزرگوں کی طرف
منسوب کیا کرتا تھا ۔

ابوسعید بن یونس کہتے ہیں ۔
لم یحدث به الا قتیبة ۔
ابوطیب کہتے ہیں
هو منکر جدا من حدیثه
اس کی روایات میں سے یہ روایت بہت
ہی اوپری ہے ۔

امام بخاریؒ کا خیال ہے کہ خالد نے اس جمع
بین الصلوٰتین والی روایت کو مرویات لیث میں
شامل کر دیا ۔ اور وہاں سے یہ روائت چل نکلی ۔
اور اگر یہ روایت ابن زبیر کی روائت تھی ۔ جیسا کہ
بعض دوسرے محدثین کا خیال ہے اور قتیبہ نے اسے
خود مرویات لیث میں داخل کر دیا ۔
تو جو شخص سند میں غلط بیانی کر سکتا ہے ۔
وہ متن میں بھی کر سکتا ہے ۔
(تہذیب التہذیب)

۲۔ عبثر

اس راوی کے ذکر سے لسان المیزان ۔ میزان
الاعتدال اور تذکرۃ الحفاظ خالی ہیں ۔ تہذیب
التہذیب میں نہایت مختصر بیان ہے ۔ اور اس میں
بھی نہ جرح ہے نہ تعدیل حسبِ دستور "ثقة"
کے مختصر سے جملے پر اکتفا کیا گیا ہے ۔

۳۔ مطرف بن طریف

مذکورہ بالا کتابیں ان کے ذکر سے بھی خاموش ہیں ۔

تہذیب التہذیب میں چند روائتی جملے ان کے متعلق ملتے ہیں ۔

عثمان بن ابی شیبہ کا قول ہے

صدوق ولیس بحجۃ

سچے ہیں لیکن حجت نہیں ہیں ۔

۴ ابواسحاق سبیعی ہمدانی کوفی

ان کا نام عمرو بن عبداللہ ہے ۔ ولادت سنہ ۳۲ھ یا سنہ ۳۲ ہجری ہے ۔ وفات سنہ ۱۳۴ یا اس کے قریب ہے ۔ حضرت علی اور مغیرہ بن شعبہ سے روایت بیان کرتے ہیں ۔ لیکن ان سے سُنا کچھ نہیں ۔

اسود بن یزید ، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود اور علقمہ سے ، اور ان کے علاوہ تین سو کے قریب اور اساتذہ سے روایت کرتے ہیں ۔

پھر ابواسحاق سے بیان کرنے والے ان کے تلامیذ چار سو کے قریب ہیں ۔

اور مطرف اسرائیل بن یونس ان کا پوتا ہے ۔ ایک دوسرا پوتا ابن یوسف ہے ۔ اعمش ، سفیان ثوری اُن کے مشہور تلامیذ ہیں ۔ ثوری تو ان کے بارے میں مسند ہیں ۔ مطرف بن طریف نے ان سے آخر میں سُنا ۔

ابواسحاق کے ستر، اسّی کے قریب ایسے استاد ہیں جن سے صرف یہ اکیلے روایت کرتے ہیں ۔

کسی نے ان سے کہا کہ شعبی جو آپ کا تلمیذ ہے کہتا ہے کہ آپ نے علقمہ سے کچھ نہیں سُنا ، حالانکہ آپ علقمہ سے روایت بیان کرتے ہیں ۔ ابواسحاق نے کہا سچ کہتا ہے ۔

ابن سعد نے کہا کہ ابواسحاق نے حضرت علی رضؓ کے پیچھے نماز بھی پڑھی ۔ حضرت علی رضؓ سے ملے بھی لیکن سُنا کچھ نہیں ۔

ابن عیینہ کی روایت

عن ابی اسحاق عن ذی الجوشن

مرسل ہوتی ہے ۔

لم یسمع ابواسحاق عن ذی الجوشن شیئًا ۔ (تہذیب التہذیب)

ابوزرعہ کہتے ہیں ۔ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ ابواسحاق کی روایت حضرت انس رضؓ سے درست ہے یا نہیں ۔ تو انہوں نے فرمایا نہ روایت ثابت ہے نہ سماع ثابت ہے ۔

ابن ابی حاتم نے مراسیل میں لکھا ہے ، کہ میں نے اپنے باپ سے سُنا کہ ابواسحاق نے ابن عمر سے کچھ نہیں سُنا ۔ حجر بن عدی کو ابواسحاق نے دیکھا تو ہے لیکن سُنا کچھ نہیں ۔

امام ابوحنیفہ رح نے فرمایا ۔

ابواسحاق نے حذیفہ سے کچھ نہیں سُنا ۔

ابوزرعہ نے کہا ہے ۔ کہ حضرت انس رضؓ

سے ابو اسحاق نے کچھ نہیں سُنا ۔
بردیجی نے مراسیل میں لکھا ہے کہ
ابو اسحاق نے سلیمان بن صرد سے کچھ نہیں سنا ۔
نعمان بن بشیر سے اور جابر بن سمرہ سے کچھ نہیں
سُنا ۔ اور نہ عطا بن ابی رباح سے کچھ سُنا ۔

شعبہ کہتے ہیں
ابو اسحاق نے ابو وائل سے صرف دو حدیثیں سُنی
ہیں ۔

ابن حبان نے کہا ۔
کان مدلسا ۔ یہ تو مدلس تھے ۔

حسین کرادی نے کہا
کان من المدلسین

ابن مدائنی نے علل میں لکھا ہے کہ شعبہ نے
ابو اسحاق سے پوچھا کہ تم نے حارث سے خود سُنا ۔
تو کہا مجھے مجالد نے حارث سے نقل کیا ۔

شعبہ ہی کا بیان ہے کہ میں ہمیشہ ابو اسحاق
سے پوچھ [illegible] وہ آدمی جس سے تم نقل کر رہے
ہو کیا وہ تم سے [illegible] ۔ اگر جواب دے کہ
ہاں وہ مجھ سے بڑا ہے تو حدیث لیتا ہوں ورنہ
ترک کر دیتا ہوں ۔

ابو اسحاق جوز [illegible] کہ کوفہ میں
اہل کوفہ کی ایک ایسی جماعت ہے ۔ جن کے
مذہب کو بنظر استحسان نہیں دیکھا جاسکتا ۔ یعنی
ان کے تشیع کی وجہ سے ۔ یہ لوگ کوفہ کے
محدثین میں سربرآوردہ اصحاب ہیں ۔ (هم
رؤوس محدثی الکوفة) جیسے ابو اسحاق
منصور ۔ الاعمش ۔ زبیدی وغیرہ ۔ اور ان کے
اقران ۔ لوگ ان کو حدیث کی عظمت کی بناء
پر برداشت کر لیتے ہیں ۔ لیکن جب یہ لوگ
مرسل احادیث بیان کرتے ہیں تو اہل علم ان کے
قبول کرنے میں توقف کرتے ہیں ۔ کیونکہ ڈر ہوتا
ہے کہ ان احادیث کا ماخذ نہ معلوم کیسا ہے ۔ اور
یہ ابو اسحاق تو ایسے لوگوں سے بھی روایت بیان
کرتے ہیں جنہیں کوئی جانتا ہی نہیں ۔ ان غیر
معروف لوگوں کے علاوہ ابو اسحاق کے ذریعے
ہی معلوم ہوئے ہیں ۔ جب ابو اسحاق نادر روائتیں
نامعلوم لوگوں سے بیان کریں توقف بہتر ہے ۔

انہیں جوزجانی کا قول ہے ۔
افسد حدیث اهل الکوفة الاعمش
وابو اسحاق یعنی للتدلیس ۔

اہل کوفہ کی روایات کو بگاڑنے والے اعمش
و اسحاق ہیں ۔ ان کی تدلیس ہی فساد کا سبب
ہے ۔ (میزان الاعتدال)

یحیی بن معین کا بیان ہے کہ ابن عیینہ نے ابو
اسحاق سے اُس وقت سُنا اور روائت کی جب
ان کا حافظہ خراب ہو چکا تھا ۔
(تہذیب التہذیب)

حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے
کہ شیخین نے ابو اسحاق کی کوئی روائت ابن عیینہ
کے واسطے سے قبول نہیں کی ۔

میزان الاعتدال میں ہے ۔
انه شاخ ونسي ۔ وہ بوڑھے ہوگئے
تھے اور بھول گئے تھے ۔

بغوی کا بیان ہے کہ بعض اہل علم نے فرمایا

کہ انہیں اختلاط پیدا ہو گیا تھا ۔ یعنی متون اور اسناد میں تبدیلیاں کرنے لگ گئے تھے۔ اس اختلاط کی وجہ سے ان کو معہ ابن عیینہ کے ترک کر دیا گیا تھا ۔ (میزان الاعتدال)

وہب بن زمعہ کا بیان ہے کہ ابن المبارک فرمایا کرتے تھے ۔ انما اھلک حدیث اھل کوفتنا ابو اسحاق و اعمش لکم۔ یعنی اہل کوفہ کی احادیث کو تباہ کرنے والے ابو اسحاق اور تمہارے اعمش ہیں ۔

(میزان الاعتدال)

مغیرہ فرمایا کرتے تھے

اھلک اھل کوفتنا ابو اسحاق و اعمشکم ھذا ۔

یعنی کوفہ والوں کو تباہی تک پہنچانے والے ابو اسحاق اور تمہارا یہ اعمش ہے ۔

(میزان الاعتدال ۔ تہذیب التہذیب)

اس کے علاوہ یہ ابو اسحاق ابو عبیدہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث اخذ کرنے میں تکلف بارد کا ثبوت دیتے ہیں ۔ ان کی عمر اور ابو عبیدہ کی عمر میں بہت تھوڑا فرق ہے ۔ یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیدا ہوئے اور ابو عبیدہ بھی ۔ ان دونوں کی عمر میں محض دو تین سال کا فرق ہے ۔ نہ ابو عبیدہ نے حضرت عبداللہ سے کچھ سنا اور نہ ابو اسحاق نے ۔ جب حضرت عبداللہ کی روایت مرسل ہی بیان کرنی ہے تو ابو عبیدہ کو بیچ میں لانے کی کیا ضرورت ہے ۔ خود ہی حضرت عبداللہ سے مرسل بیان کر دیتے ۔ کہیں کہیں یہ حضرت ابن مسعود رض سے بلا واسطہ بھی بیان کرتے ہیں ۔ اور ابو عبیدہ کا واسطہ بیچ میں نہیں لاتے ۔ مثلاً

قال عبدالرزاق حدثنا معمر عن ابی اسحاق عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا احدا خلیلا لاتخذت ابا بکر رض خلیلا

(مسند امام ص۴۰۸)

اسی طرح حضرت عائشہ رض کے بارے میں ان کا معاملہ ہے ۔ ان کی خود حضرت عائشہ رض سے اسی طرح معاصرت ہے جس طرح حضرت ابو عبیدہ کی حضرت عائشہ رض سے معاصرت ہے ۔ اور یہ ابو عبیدہ کے واسطہ کے بغیر بھی حضرت عائشہ رض سے روایت کر سکتے ہیں ۔ چونکہ ان کی پیدائش سنہ ۳۰ یا ۳۲ سنہ ہے اس لئے حضرت عائشہ رض کی وفات کے وقت ان کی عمر ۲۶ یا ۲۷ سال تھی ۔ اس عمر میں ان کا سماع ہو سکتا ہے۔ اور وہ اس روایت کو براہ راست حضرت عائشہ رض سے نقل کر سکتے تھے ۔ لیکن روایت میں اعتبار پیدا کرنے کے لئے شاید ابو عبیدہ کو سند میں شامل کیا گیا ۔

الملل والنحل ص۲۹۱ جلد اول میں مذاہب شیعہ بیان کرتے ہوئے رجال شیعہ کی ایک فہرست دی گئی ہے ۔ اس میں ابو اسحاق کے متعلق لکھا ہے کہ

ابو اسحاق السبیعی الکوفی کان من

متشیعی الکوفۃ و محدثیہم۔

ابواسحاق کوفہ کے شیعوں میں سے تھے اور شیعہ محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ شیعہ حضرات کذب بیانی سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ منشا یہ ہے کہ چونکہ حضرت عائشہ رضہ کے بارے میں ان حضرات کے ذہن میں کچھ تلخ یادیں پیوست ہیں اس لئے حضرت عائشہ رضہ کے بارے میں ان کا بیان جرح کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس تحت الشعوری تلخی کی وجہ سے حضرت عائشہ رضہ کے بارے میں احتیاط کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ رطب و یابس جو سنتے ہیں نقل کر دیتے ہیں۔

غرض اس سند کے اس راوی ابواسحاق کوفی کی جلالت شان کے باوجود حضرت عائشہ رضہ کی عمر کی یہ روایت ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے۔

ویسے آگے چل کر ہم ثابت کریں گے کہ ابواسحاق اس روایت سے قطعاً بے خبر ہیں۔ نیچے کے ایک راوی نے اس سند کے ساتھ تزوج عائشہ رضہ کا مضمون متعلق کر دیا ہے۔

۵۔ ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ کوفی

یہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن ان سے سنا کچھ نہیں۔

شعبہ نے بتلایا کہ عمرہ بن مرہ نے ایک دفعہ ابوعبیدہ سے دریافت کیا کہ تمہیں اپنے والد عبداللہ سے کچھ یاد ہے۔ تو جواب دیا کہ نہیں۔

ترمذی نے کہا کہ ان کے نام کا پتہ نہیں۔ اور نہ انہوں نے اپنے والد سے کچھ سنا ہے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب مراسیل میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا۔ کیا ابوعبیدہ نے اپنے والد سے کچھ سنا۔ فرمایا کہ نہیں سنا۔ میں نے کہا کہ عبدالواحد بن زیاد ابو مالک اشجعی سے روایت بیان کرتا ہے اور ابومالک عبداللہ بن ہند سے اور عبداللہ ابوعبیدہ سے بیان کرتا ہے کہ ابوعبیدہ نے کہا۔

خرجتُ مع ابی لصلوٰۃ الصبح

یعنی میں صبح کی نماز کے لئے اپنے والد کے ساتھ نکلا۔ تو انہوں نے فرمایا۔

لا ادری۔ مجھے معلوم نہیں۔ اور مجھے یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ عبداللہ بن ہند کون ہے۔ میں نے کہا ترمذی نے علل میں لکھا ہے کہ میں نے بخاری سے دریافت کیا کہ ابوعبیدہ کا کیا نام ہے اور یہ کیا ہیں؟ بخاری نے جواب دیا کہ هو کثیر الغلط۔ ان کی غلطیاں کثیر الوقوع ہیں۔ میں نے کہا عثمان بن ابی حاتم کی روایت ہے کہ ان ابا عبیدۃ سمع ابن مسعود ابوعبیدہ نے اپنے باپ ابن مسعود سے روایتیں سنیں تو میرے والد نے فرمایا

الله الله ابو عبیدۃ

عبداللہ کی وفات (۳۲ھ) کے وقت صرف پانچ چھ سال کے تھے

(تہذیب التہذیب)

نتائج بحث

خلاصہ یہ کہ نسائی شریف کی مذکورہ بالا روائت پر مندرجہ بالا بحث سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوتے ہیں ۔

۱ ۔ قتیبہ اس روایت کا پہلا راوی وضعِ حدیث تک سے دریغ نہیں کرتا ۔ اور بعض ایک راوی کی وجہ سے یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہے ۔ گمانِ غالب یہی ہے ۔ کہ اس قتیبہ نے ہی یہ روایت اس سند سے متعلق کر کے پھیلائی ہے ۔ کیونکہ سنہ ۱۴۳ ہجری سے پہلے اس روایت کا وجود ہی نہیں تھا ۔ اس سے پہلے کے رواۃ اس روایت سے بری الذمہ ہیں ۔ یہ روایت قتیبہ نے اپنے اساتذہ میں سے سفیان ثوری ، یا وکیع ، یا جعفر بن سلیمان سے سنی ہو گی ۔ اور اپنی انفرادیت ظاہر کرنے کیلئے اسے اس سند سے متعلق کر دیا ۔

۲ ۔ عبثر اور مطرف نامعلوم الحال رواۃ ہیں ۔ نہیں کہا جا سکتا کہ ان ہی کا یہ عمل ہو۔[۱]

۳ ۔ ابو اسحاق سبیعی سو سال کی عمر میں فوت ہوئے ہیں ۔ آخر میں قوئ جواب دے گئے تھے ۔ نسیان کا غلبہ ہو گیا تھا ۔ اور اختلاط شروع ہو گیا تھا ۔ مزید برآں ۔ یہ تدلیس فرماتے تھے ۔ عقیدۃً شیعہ تھے ۔ ان کی روایت حضرت عائشہ رضؓ کے بارے میں مجروح ہے ۔ یہ حضرت عائشہ رضؓ کے بارے میں سچی بات بھی کہیں گے تو تنقیص کے پہلو کو نہ بچا سکیں گے ۔

۴ ۔ آخری راوی ابو عبیدہ بڑے باپ کے بیٹے ہیں ۔ اس لئے تبرکاً ابو اسحاق بھی اس سے روایت کر سکتے ہیں ۔ ارسال اور تدلیس تو کرنے والوں کی خاص صنعت ہے ۔ ابو عبیدہ کے متعلق امام بخاری رحؒ کا یہ فتوٰے کہ کثیر الغلط ہیں اس روایت کو متروک قرار دینے کے لئے کافی ہے ۔

ہم ابتدا میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ کی روایت نہیں ہے ۔ مسند عبداللہ بن مسعود اس روایت سے خالی ہے ۔ ابو عبیدہ نے اسے مرسلاً بیان کیا ہے اس لئے یہ ارسال حضرت عبداللہ کے علاوہ کسی اور ہی سے ہو سکتا ہے ۔

---

[۱] مطرف بن طریف کے متعلق تصریح ہے کہ انہوں نے ابو اسحاق سے بالکل آخر میں سنا ۔ جب ان کا حافظہ خراب ہو چکا تھا شیخین نے ابو اسحاق کی کوئی روایت ابن عیینہ کے ذریعے قبول نہیں کی ۔ کیونکہ ابن عیینہ نے ان سے اس وقت سنا جب یہ بھول چکے تھے ۔ تو مطرف کی یہ روایت صرف اسی سبب سے قابلِ رد ہے ۔

٣۔ متابع شاہد ابوعبیدہ بن عبداللہ (ابن ماجہ)

ابن ماجہ میں بھی یہ روایت اسی سند سے مذکور ہے۔ مگر ابواسحاق سے نیچے بجائے مطرف کے اسرائیل یعنی ابواسحاق کا پوتا اسرائیل بیان کرتا ہے۔ سند یہ ہے۔

حدثنا احمد بن سنان قال حدثنا ابواحمد زبیری حدثنا اسرائیل عن ابی اسحاق عن ابی عبیدۃ عن عبداللہ قال تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ رضی اللہ عنہا وھی بنت سبع سنین وبنی بھا وھی بنت تسع وتوفی عنہا وھی بنت ثمان عشر۔

١ احمد بن سنان

یہ گیارھویں طبقہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ ابو اسامہ زید بن ہارون اور امام شافعی رح کے شاگرد ہیں۔ اور نسائی وغیرہ کے شیخ ہیں۔ صحاح میں ان سے بہت کم احادیث مذکور ہیں۔ بخاری نے ان سے محض ایک حدیث نقل کی ہے۔ رجال کی کتابیں ان کے حالات سے خاموش ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ کیا عمر پائی۔ کب پیدا ہوئے۔ وفات ۲۵۰ھ سے ۲۶۰ھ تک ہوئی ہے صحیح سن معلوم نہیں ہے۔

(تہذیب التہذیب)

٢ ابواحمد زبیری

سفیان ثوری۔ مالک بن انس اور اسرائیل سے روایت بیان کرتے ہیں۔ اور ان سے ابوبکر بن ابی شیبہ۔ احمد بن سنان۔ محمد بن یونس کدیمی وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

ان کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں کہ

کان کثیر الخطاء فی حدیث سفیان۔ سفیان سے روایت کرنے میں کثیر الخطاء ہیں۔

ابن دارمی فرماتے ہیں۔

لیس بہ بأس۔ ان کی بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں۔

نسائی نے کہا

لا بأس بہ۔ یہ قابل برداشت ہیں

عجلی کہتے ہیں

کوفی ثقۃ یتشیع۔ کوفی ہیں ثقہ ہیں۔ لیکن شیعہ ہیں۔

ابوحاتم فرماتے ہیں

لہ اوھام۔ یہ وہم میں مبتلا ہیں۔

(تہذیب التہذیب)

۳ اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق

اعمش اور ہشام بن عروہ کے شاگرد ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے مہدی، ابواحمد اور عبدالرزاق وغیرہ روایت کرتے ہیں

صالح بن احمد کہتے ہیں کہ اسرائیل کی جو روایتیں ابی اسحاق سے ہیں ان میں کمزوری ہے۔
اسرائیل نے ابو اسحاق سے بالکل آخر میں سنا جبکہ ان کے قوی جواب دے چکے تھے۔

یحییٰ القطان کہتے ہیں۔
روی عنہ مناکیر ، یہ اسرائیل اپنے دادا سے مناکیر بیان کرتے ہیں۔

امام احمد فرماتے ہیں
ماحدث عنہ لیس بشیٍٔ ۔ جو کچھ ابواسحاق سے بیان کرتے ہیں بے کار ہیں۔

یحییٰ فرماتے ہیں
کان اسرائیل لا یحفظ ثم حفظ بعد ۔ اسرائیل پہلے یاد نہیں کرتے تھے بعد میں یاد کرنا شروع کیا۔

یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں۔
لیس فی الحدیث بالقوی ولا بالساقط ۔ یہ حدیث میں نہ قوی ہیں نہ بالکل چھوڑ دینے کے قابل۔

علی بن مدائنی فرماتے ہیں
اسرائیل ضعیف ۔ اسرائیل حدیث میں کمزور ہیں۔

عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں
اسرائیل لص یسرق الحدیث
یہ چور ہیں۔ حدیث کی چوری کرتے ہیں یعنی ایک حدیث دوسری سے چپکا دیتے ہیں۔ دوسروں کی روایات کو اپنی محبوب اسناد میں لگا دیتے ہیں۔
(تہذیب التہذیب)

۴ ابواسحاق اور ابوعبیدہ

ان دونوں کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

نتائج بحث

احمد بن سنان، ابواحمد، اسرائیل، ابواسحاق۔
یہ تمام رواۃ ایسے ہیں، جن کی وجہ سے یہ روایت قابل قبول نہیں [1]۔

---

[1] خصوصیت سے جب یہ مصرح ہے کہ اسرائیل نے اپنے دادا ابواسحاق سے بالکل آخر میں سنا۔ صرف اس وجہ سے ہی یہ روایت قابلِ رد ہے نیز عبدالرحمٰن کا بیان ہے
اسرائیل لص سرق الحدیث ۔

اس کے علاوہ اس روایت میں بنیادی ضعف وہی ہے۔ جس کو ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں لہذا اس روایت کو تو بغیر کسی بحث کے رد کر دینا چاہیئے تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ روائت حضرت عبداللہ پر افتراء ہے۔ اور روائت بیان کرنے والوں کے قلتِ تدبر کو ظاہر کرتا ہے۔

محض نسخ سند میں بجائے ابوعبیدہ بن عبداللہ کے ابوعبیدہ عن عبداللہ نقل ہوگیا ہے۔ جسکی تصحیح بعد میں کسی نے نہ کی۔ اور پھر یہ غلطی بھی تعددِ طرق میں شامل ہوگئی۔

یہ روائت احمد بن سنان نے ابو اسامہ سے سُنی ہوگی۔ لیکن اسے ابواحمد والی سند سے متعلق کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ایک کھلی ہوئی تدلیس ہے۔ یہ کام تو احمد بن سنان کا تھا بعد میں کسی کاتب نے ابن ماجہ کو نقل کرتے ہوئے "جن" کو "عن" بنا دیا۔ اور یہ روائیت ابوعبیدہ کی مرسلات سے نکل کر حضرت عبداللہ کی موصول روایات میں شامل ہوگئی۔ اور اس سلسلہ کی سب سے زیادہ مستند روایت شمار کی جانے لگی۔

حقیقت میں ہشام بن عروہ ہی کی روایت کو احمد بن سنان نے ابوعبیدہ کی مرویات میں رکھ دیا ہے۔ اگر اس باب میں صرف ایک ہی روایت ہو تو اس پر اعتماد نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم من وعن اسے تسلیم ہی کر لیں۔ تو یہ مرسلات ابوعبیدہ میں سے ایک مرسل ہوگی۔ ہمیں اسے موصول کرنے کے لئے کسی دوسری طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

الغرض یہ روایت بھی اس باب میں ساقط الاعتبار ہے۔

۴۔ متابع۔ شاہد اسود بن یزید (نسائی)

نسائی کی متابع۔ شاہد روایات میں سے ایک روائت اسود بن یزید والی ہے۔ یہ روایت اسی سند کے ساتھ، مسلم۔ نسائی اور مسند امام احمد بن حنبل میں مذکور ہے۔

حدثنا ابو معاویہ عن الاعمش عن ابراھیم عن اسود عن عائشۃ رض

یہ سند ابومعاویہ سے لے کر تک قابل غور ہے۔

۱۔ ابومعاویہ ضریر

یہ حافظ حدیث تھے۔ نہایت ضبط کے مالک تھے لیکن آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے اور حافظہ میں بھی خرابی آگئی تھی۔ عقیدۃً مرجیہ میں سے تھے۔ انہوں نے اعمش۔ حجاج بن ارطاۃ اور ہشام بن عروہ سے روائت اخذ کی ہیں۔ اور ان سے ابن جریج نے جو عمر میں ان سے بڑے تھے اور یحییٰ بن قطان نے جو ان کے ہم عمر تھے اور امام احمد بن حنبل اور

اسحاق وغیرہ نے روایت کی ہے ۔

ابن معین نے کہا

اعمش کے تلامیذ میں سے شعبہ اور سفیان کے بعد ابو معاویہ قابل اعتماد ہیں ۔

ابن سعد کہتے ہیں

کان یدلس وکان مرجئا

تدلیس کرتے تھے ۔ ارجائی عقیدہ رکھتے تھے ۔

ابو زرعہ کہتے ہیں

کان یری الارجاء قیل وکان یدعوا الیہ ۔

ان کا مسلک ارجاء تھا اور وہ اس مسلک کے داعیوں اور مبلغوں میں سے تھے ۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ

ابو معاویہ ہشام بن عروہ سے جو روایات بیان کرتے ہیں ان میں اضطراب ہے ۔ وہ مرسل احادیث کو مرفوع بنا دیتے ہیں

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں

میں نے اپنے باپ امام احمد سے سنا کہ غیر اعمش میں ان کی روایت مضطرب ہے ۔

لا یحفظها حفظاً جیداً ۔ وہ ان احادیث کو اچھی طرح یاد نہیں رکھتے ۔ وہ عبداللہ بن عمر سے مناکیر بیان کرتے ہیں ۔

یعقوب بن ابی شیبہ نے فرمایا

ثقات میں سے تھے لیکن تدلیس کرتے تھے ۔

ابو داؤد کہتے ہیں

کان رئیس المرجئۃ فی الکوفۃ

یہ کوفے کے سب سے بڑے ارجائی تھے ۔

ابن حبان نے فرمایا

کان ثقۃ ولکن کان مرجئا خبیثا.

یہ بھروسے کا تھا ۔ لیکن خبیث حد تک مرجی تھا (تہذیب التہذیب ۔ ذکر محمد بن خازم ابو معاویۃ الفرید)

میزان الاعتدال ۳۵۸۳ میں ہے ۔ وقد اشتھر عنہ غلوا التشیع ۔

تشیع میں غلو کی حد تک مشہور ہیں ۔ وکیع اسی لئے ان کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے

---

۳ ۔ سلیمان بن مہران الاعمش کوفی

یہ حضرت انس رض سے روایت کرتے ہیں ۔ لیکن ان سے سماع ثابت نہیں ۔

عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت بیان کرتے ہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ سب مرسلات ہیں ۔

ابراہیم نخعی سے روایت لیتے ہیں ابو اسحاق وغیرہ سے روایت بیان کرتے ہیں ۔ ابو اسحاق نے شیخ ہوتے ہوئے ان سے روایت بیان کی ہے ۔ سلیمان تیمی ان سے روایت بیان کرتے ہیں ۔ جو ان کے ہم عمر ہیں ۔ سفیانان ، ابن مبارک وغیرہ ان کے تلمیذ ہیں ۔ وکیع کی بیشتر روایات اعمش ہی سے ہیں ۔

اعمش فرماتے ہیں ۔

رأیت انسا دما یمنعنی من أن اسمع

منه إلا استغنائی ۔

میں نے انس کو دیکھا ۔ ان سے روایت میں میرے استغناء کے سوا کوئی چیز آڑے نہیں آئی ۔ یہ بہت بڑے قاری بھی ہیں ۔

عجلی فرماتے ہیں ۔

اہل کوفہ کے محدث ہیں ۔ لیکن شیعہ ہیں ۔ اعمش جن اساتذہ سے حدیث اخذ کرتے ہیں ۔ اس کے متعلق آئمہ نقد کی آراء یہ ہیں ۔

امام احمد فرماتے ہیں

اعمش نے شمر بن عطیہ سے کچھ نہیں سنا ۔ ابوصالح موہانی سے کچھ نہیں سنا ۔ یہ کلبی سے تدلیس کرتے ہیں ۔

ابوحاتم فرماتے ہیں

عکرمہ سے کچھ نہیں سنا ۔ مطرف سے ملے ہی نہیں ۔ عبدالرحمٰن ابن مزید سے کچھ نہیں سنا ۔ حالانکہ ان سے روایات بیان کرتے ہیں

ابوبکر بزار بیان کرتے ہیں کہ

ابوسفیان سے کچھ نہیں سنا ۔ حالانکہ ابوسفیان سے سنو کے قریب احادیث بیان کی ہیں ۔

ابن حبان نے کہا کہ

حضرت انس سے اعمش نے پچاس کے قریب احادیث بیان کی ہیں لیکن براہ راست صرف چند حرف ہی سنے ہیں اعمش نے حضرت انس کو مکے اور واسط میں دیکھا ہے وہیں کچھ سنا ہو گا ۔ کدیمی سے اعمش نے خود کہا میں نے حضرت انس سے صرف ایک حدیث سنی ہے ۔ وہ ہے طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة ۔

حالانکہ ان کی حضرت انس رض سے کافی روایات منقول ہیں ۔

عطاردی نے اعمش سے یہ قول نقل کیا ہے ۔ کہ " میں نے حضرت انس رض کو دیکھا ہے ۔ پہلے انہوں نے پیشاب کیا پھر خوب طہارت کی پھر مسح علی الخفین کیا ۔ پھر ہمیں نماز پڑھائی ۔ اور اپنے گھر میں روایات سنائیں ۔

انه بال فغسل ذكره غسلا شديدا ثم توضأ ومسح على الخفين ۔ ثم صلى بنا فحدث في داره ۔

عبداللہ بن امام احمد نے فرمایا

ابن صالح سے اعمش کی احادیث منقطع ہیں ۔

یعقوب بن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں لکھا کہ اعمش کی مجاہد سے دس کے قریب حدیثیں صحیح ہیں ۔ اور باقی احادیث جو وہ مجاہد سے بیان کرتے ہیں وہ اصل میں ابویحییٰ القتات سے لی ہیں ۔

ابن معین نے کہا اعمش کی محض ایک حدیث ابواصغر سے صحیح ہے ۔ یعنی صرف ایک حدیث سنی ۔ اعمش نے ابوعمر شیبانی سے کچھ نہیں سنا

خلیل نے کہا

اعمش نے حضرت انس کو دیکھا تو ہے ۔ لیکن سماع سے فیض یاب نہیں ہوئے ۔ وہ جو کچھ حضرت انس سے نقل کرتے ہیں سب ارسال ہے ۔

ابن المنادی کا یہ قول کہ اعمش نے ابوبکرہ ثقفی

کے گھوڑے کی رکاب پکڑی، بالکل غلط ہے ابوبکرہ ۵۱ھ میں فوت ہو گئے۔ اعمش ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ تو جو شخص ان کی پیدائش سے دس سال پہلے فوت ہو چکا ہو۔ اس کے گھوڑے کی رکاب کیسے پکڑ سکتے ہیں۔

اعمش کے بارے میں بہترین سند یہ خیال کی جاتی ہے۔

الاعمش عن ابراهيم عن علقمة عن عبداللّٰه۔

یہ تمام اقوال تہذیب التہذیب جلد چہارم ص۲۲۳ سے لئے گئے ہیں۔

اعمش کا تشیع اس درجہ مشہور تھا کہ بڑے سے بڑے معتقد کو بھی اقرار کرتے ہی بنا تدریب الراوی ص۱۲۳

میزان الاعتدال بیان سفیان بن عیینہ میں مذکور ہے۔ میں نے مشہور محدث ابن مبارک کو کہتے سنا ہے کہ حدیث کو بگاڑنے والے ابواسحاق اور اعمش ہیں۔

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں۔

مرسلات ابی اسحاق والاعمش والتیمی ویحیی ابن کثیر شبہ لا شیء

یعنی مرسلات ابی اسحاق اعمش وغیرہ بالکل بے کار ہیں (تدریب الراوی ص۱۲۳)

سیر اعلام النبلاء جلد دوم ص۲۸۲۔ ذکر ابی موسی اشعری میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے۔

الاعمش عن شقیق قال کنا مع حذیفۃ جلوسا فدخل عبداللّٰہ وابو موسی مسجدا فقال احدھما منافق

ثم قال ان اشبہ الناس ھدیا ودلا وسمتا برسول اللّٰہ عبداللّٰہ۔

اس کے بعد حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔ اس قول کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ عبداللہ نے اعمش سے خود سنا ہے۔ پھر شقیق نے اعمش سے کہا کہ ہم نے جب یہ بات صحابہ رضؓ کو سنائی تو وہ ابوموسیٰ سے بگڑ گئے۔ یہ حضرت حذیفہؓ وہ صحابی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند منافقین کے نام کسی مقصد کے لئے بتلا دیئے تھے۔ صحابہ رضؓ ان سے دریافت کیا کرتے تھے کہ ہمارا نام تو منافقین میں نہیں ہے۔ ذہبی فرماتے ہیں۔

رمی الاعمش بیسیر تشیع۔

یعنی اعمش کو ہلکا سا شیعہ کہا گیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں

لا ریب ان غلاۃ الشیعۃ یبغضون ابا موسی لکونہ ما قاتل مع علی ثم لما حکمہ علی نفسہ عزلہ وعزل معاویۃ۔

اس میں شک نہیں کہ غالی شیعہ حضرت ابوموسیٰ سے بغض رکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی سے مل کر معاویہ سے جنگ میں حصہ نہیں لیا اور پھر جب حضرت علی نے ان کو حکم بنایا تو ابوموسی نے حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں کو معزول کر دیا۔ یہ بغض ان لوگوں کے بارے میں کتنا ہو گا جو حضرت علی کے مقابلہ میں تلوار لے کر کھڑے ہوئے۔

الملل والنحل جلد اول ص ۲۹۱ میں اعمش کو رجال شیعہ میں شمار کیا ہے۔

منتہی المقال فی اسماء الرجال۔ رجال شیعہ کی معتبر کتاب ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵۷ پر سلیمان بن مہران الاعمش کے بیان میں لکھا ہے۔

له مذهب ورای خاص فی الفقه لكن بعد وضوح تشيعه لا يضر۔ واثنوا عليه مع اعترافهم بتشيعه۔ وتركوا ذكره لحاله بالمدح۔ وقد ذكره الشيخ فی كتاب الرجال ورايت ذكره فی قاف۔ الاعمش وهو سليمان بن مهران الاعمش وهو معروف بالفضل والثقة والجلالة والتشيع والاستقامة۔ اقول بالحديث المروی المشهور المروی عنه فی كتب الخاصة والعامة انه سئله المنصور العباسی كم تحفظ من الحديث فی فضائل علی۔ قال له عشرة الاف۔

اس کا ایک مسلک اور فقہ میں ایک خاص نقطۂ نظر ہے۔ لیکن یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ وہ حقیقت میں شیعہ تھا۔ اس کا کوئی قول و فعل ہمیں مضر نہیں۔ ہمارے اکابر نے اس کی تعریف کی ہے اور اس کے تشیع کا بھی اعتراف کیا ہے۔ اور شیخ نے اپنی کتاب رجال میں اس کا ذکر کیا ہے۔ میں نے اس کا ذکر "قاف" میں دیکھا الاعمش وہ سلیمان بن مہران الاعمش ہے۔ وہ معروف ہے۔ عقل میں ثقاہت میں جلالتِ شان میں تشیع میں اور استقلال میں۔ میں کہتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اس روایت مشہورہ کی جو اعمش سے خواص اور عوام کی کتاب میں مذکور ہے۔ کہ منصور عباسی نے اعمش سے پوچھا کہ حضرت علی رضؓ کے فضائل میں تمہیں کتنی روایات یاد ہیں۔ اس نے جواب دیا دس ہزار یاد ہیں۔ وہ اسی خیال میں رہے یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔ اس کی بزرگی اور عادات کی پختگی ایسی چمکتی ہے جیسے طور کی چوٹی پر روشنی۔

پھر اسی کتاب میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ مرضِ وفات میں اعمش کے پاس ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ اور امام ابوحنیفہ عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ پہلے طبیعت کا حال دریافت کیا۔ اعمش نے اپنے ضعف اور نقاہت کا ذکر کیا۔ امام ابوحنیفہ نے از راہِ ہمدردی کہا اب دنیا کی زندگی کا تمہارا آخری دن ہے۔ اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن۔ اب تم ان بے سر و پا حدیثوں سے رجوع کر لو جو حضرت علی رضؓ کی تعریف میں بیان کرتے رہے ہو۔ اعمش نے پوچھا کونسی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا مثلاً عبایہ بن ربعی کی یہ حدیث انا قسیم النار۔ اعمش نے بگڑ کر امام اعظم سے کہا اے یہودی مجھ سے یہ بات کہتا ہے۔ پھر فوراً ہی امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کو حضرت علی رضؓ کی تعریف

میں کئی حدیثیں سنائیں ۔ امام صاحب مع اپنے ساتھیوں کے اُٹھ آئے اور فرمایا ہم نے اپنا فرض پورا کر دیا ۔

اس کے بعد لکھا ہے

فاسی حتی فارق الدنیا وھو حبلالتہ و تاشمتہ فی الظھور کالنور علی شاھق الطور ۔

مسانید امام اعظم مطبوعہ حیدر آباد صـ ۲۸۴ میں مذکور ہے ۔

قال ابو حنیفۃ انہ دخل علی سلیمان بن مھران الاعمش مع ابن ابی لیلی وابن شبرمۃ فی مرضہ الذی مات فیہ. فقال لہ ابو حنیفۃ یا ابا محمد انك فی اول یوم من ایام الآخرۃ واٰخر یوم من ایام الدنیا فقد کنت تحدث عن علی بن ابی طالب احادیث ان سکت عنہا کان خیرا ۔ فقال الاعمش اکمثلی یقال ھذا ۔ اسندونی ۔ اسندونی ۔ حدثنی ابو المتوکل الناجی عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیمۃ یقول اللہ تبارک وتعالیٰ لی ولعلی ادخلا الجنۃ من احبکما وادخلا النار من ابغضکما. وذلك قولہ تعالیٰ ۔ القیانی جہنم کل کفار عنید الآیۃ ۔ فقال ابو حنیفۃ قوموا لایجیئ باعظم من ھذا ۔

ابو حنیفہ نے کہا کہ وہ ابن لیلیٰ اور ابن شبرمہ کے ساتھ سلیمان بن مہران الاعمش کے پاس اس کے مرض وفات میں عیادت کیلئے گئے ۔ امام ابو حنیفہ نے اس سے کہا اے ابو محمد اب تو آخرت کے ایام میں سے پہلے دن میں ہو اور دنیا کے ایام میں سے آخری دن میں ہو ۔ یعنی اب تمہارے آخری سانس ہیں ۔ تم حضرت علی رضہ سے وہ روایات بیان کرتے رہے ہو کہ اگر تم ان روایات کے بارے میں خاموش رہتے تو اچھا تھا ۔ الاعمش نے کہا مجھ جیسے آدمی سے یہ بات کہی جا رہی ہے ۔ یعنی مجھے نصیحت کی جا رہی ہے ۔ ذرا مجھے سہارا دے کر بٹھاؤ کہا مجھ سے ابو متوکل ناجی نے ابو سعید خدری سے حدیث بیان کی اس نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ مجھے اور علی سے کہے گا تم دونوں ان لوگوں کو جنت میں داخل کر دو جو تمہارے چہیتے ہیں اور دوزخ میں ان لوگوں کو جھونک دو جنہوں نے تم سے مخاصمت رکھی ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے تم دونوں پھینک دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو یہ سن کر امام ابو حنیفہ نے کہا اٹھو ۔ اس سے بڑھ کر یہ اور کیا لا سکتا ہے ۔

۳۔ ابراہیم نخعی

ابراہیم نخعی ثقہ اور معتبر راوی ہیں۔ تھوڑی عربانی ہے زاہد اور عابد آدمی تھے۔ حکام سے گریز کرتے تھے۔

۴۔ اسود بن یزید

صوام و قوام تابعی ہیں۔ طبقہ ثانیہ میں سے ہیں۔ صاحب تذکرہ نے لکھا ہے کہ ۸۰ حج کئے۔ پچھتر ۷۵ھ میں وفات ہوئی۔ گویا ہجرت سے پانچ سال پہلے حج کرنے شروع کر دئیے تھے۔ بعض نے کہا کہ چالیس حج کئے۔ یہ قرین قیاس ہے۔ نہایت عابد تھے۔

سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے۔ کہ فقہاء میں سے نہیں تھے۔

ابن سعد نے کہا

لم یرد عن عثمان شیئًا

(طبقات ابن سعد)

ان کے متعلق ہمیں یہ بات کھٹکتی ہے کہ خلفاء راشدین سے انہوں نے روائتیں بیان کی ہیں۔ مگر حضرت عثمان سے کوئی روایت نہیں لی۔ یہ بزرگ ہر سال حج کو جاتے تھے۔ وہیں ان کی ملاقات اُن صحابہ سے ہو جاتی تھی جو مدینے کے رہنے والے تھے۔ اور حج کے لئے آتے تھے۔ یہ مکے ہی میں اکابر صحابہ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ بارہ سال زمانہ خلافت عثمان رضؓ میں حج کو جاتے رہے مگر ان سے کوئی روایت بیان نہیں کی۔ ان کا یہ بائیکاٹ تبلاتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے کچھ تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انتخاب عثمان رضؓ کے وقت سے کچھ تکدر پیدا ہوا ہوگا اور ابن مسعود رضؓ کے واقعۂ قرآن سے اس قدر خفا ہوئے کہ حضرت عثمان رضؓ سے کچھ بیان کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اس روائت کے بارے میں یہ بالکل بے خبر ہیں۔ یہ تو ابومعاویہ نے یہ روایت تدلیسًا اپنی محبوب سند کے ساتھ متعلق کر دی ہے آگے چل کر ہم اس کی تحقیق کریں گے۔

نتائج بحث

اگر اس روایت کو دوسری روایات سے الگ کر کے دیکھا جائے تو محض اس سند پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصیت سے حضرت عائشہ رضؓ کے بارے میں شیعہ حضرات کی روایت فطرۃً مجروح ہوتی ہے۔

اور اس سند میں اعمش ہیں جو مدلس مرسل اور غالی شیعہ ہیں۔ ابومعاویہ خود مدلس ہیں۔ میرے نزدیک انہوں نے اس روایت کو اس سند سے متعلق کیا۔

یہ نکتہ قابل لحاظ ہے کہ اسود سے لیکر ابومعاویہ تک اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔ البتہ ابومعاویہ ہشام سے بھی اس روایت کے

راوی ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان سے اس روایت کے انتساب میں غلطی ہو گئی۔ بجائے ہشام سے نقل کرنے کے اعمش سے نقل کر گئے آخری عمر میں اختلال حفظ کے باعث ایسا ہوا ہو یا تدلیساً خود ایسا کیا ہو تاکہ تعدد طرق پیدا ہو جائے

علاوہ ازیں ابو معاویہ نابینا ہونے کے بعد جو زبانی بیان کرتے تھے اس میں بیشتر غلطیاں ہوتی تھیں۔ ممکن ہے اس زمانہ میں ان سے یہ غلطی ہوئی ہو۔ اور میزان الاعتدال کے بیان کے مطابق ان میں غلو فی التشیع بھی تھا۔ ممکن ہے اس کے زیر اثر ایسا ہوا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

۵ متابع زہری عن عائشہ رضہ

(مسلم)

اب متابع روایات میں سے ایک روایت زہری عن عروہ بذریعہ عبدالرزاق ہے۔ جو مسلم میں ہے جس کی سند یہ ہے۔

۱۔ عبد بن حمید بن نصر

یہ گیارھویں طبقہ کے راوی ہیں۔ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ پیدائش تقریباً ۱۸۵ھ وفات ۲۴۹ھ ہے۔ مسند کبیر کے مصنف ہیں۔ دوسری صدی کے اختتام پر نوجوانی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ یزید بن ہارون محمد بن بشر عبدی، علی بن عاصم۔ ابو اسامہ اور عبدالرزاق سے اور ان کے طبقے سے روایات لیں۔ عبدالرزاق سے اس روایت کے محض یہ ایک راوی ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی عبدالرزاق سے اس روایت کو بیان نہیں کرتا۔ حالانکہ عبدالرزاق کے دوسرے معتمد رواۃ مثلاً امام احمد وغیرہ ہیں جو اس روایت سے خاموش ہیں۔

امام احمد نے فرمایا

جن لوگوں نے ۲۰۰ھ سے پہلے سنا وہ درست ہے کیونکہ اس کی نظر درست تھی۔ ۲۰۰ھ کے بعد عبدالرزاق سے سنا۔ وہ درست نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے ۲۰۰ھ سے پہلے

حدثنا عبد بن حمید حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت سبع سنین وزفت الیہ وھی بنت تسع سنین ولعبھا معھا ومات عنھا وھی بنت ثمان عشر۔

ترجمہ:۔ اس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضہ سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھی اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو وہ نو سال کی تھی اور اس کے کھلونے اس کے ساتھ تھے اور جب آپ کی وفات ہوئی تو وہ اٹھارہ سال کی تھی۔ عبدالرزاق سے معمر سے ہشام بن عروہ سے عروہ سے ایسی ہی روایت منقول ہے۔

سُنا وہ درست ہے کیونکہ ان کی نظر درست تھی۔ اس روایت میں علاوہ اس خرابی کے کہ یہ معمر کی روایت ہی نہیں ہے عبدالرزاق کا اس میں اوراج بھی شامل ہے۔

یہ خرابی بھی ہے کہ عبد بن حمید نے عبدالرزاق سے اگر موصولاً سُنا ہے تو ان کے اندھا ہونے کے بعد سُنا ہے لہذا کسی طرح سے بھی قابل قبول نہیں ہے۔ عـلـه

عـلـه حالانکہ عبدالرزاق کے معتمد تلمیذ امام احمد ہیں۔ ویسے بھی امام احمد کا بیان ہے کہ جو روایت میری مسند میں نہ آئے وہ مجروح ہے

امام احمد نے مسند میں اس روایت کو بیان نہیں کیا خود مصنف عبدالرزاق میں اس کا ذکر ہے۔ لیکن وہاں یہ مرسل عُروہ ہے موصول نہیں ہے۔ سند یہ ہے۔

باب نکاح الصغیر۔

عن عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن عروة قال نكح النبي صلى الله عليه وسلم عائشة وهي بنت ست واهديت اليه وهي بنت تسع ولعبها معها ومات عنها وهي بنت ثمان عشرة ۔ عبدالرزاق عن معمر عن هشام بن عروة عن ابيه مثله (مصنف ص۳ ۱۲۱/ب ۱۲۲/ا غیر مطبوعہ. کتب خانہ مراد ملا نمبر ۶۰۲ تا ۶۰۷

استنبول . ترکی . عـلـه

عـلـه اب مصنف عبدالرزاق طبع ہو کر آ گئی ہے، اس میں یہ روایت اسی طرح منقول مگر ہم نے جب یہ لکھا تھا اس وقت تک یہ کتاب نہیں چھپی تھی۔ اور ہم نے استنبول کے کتبخانہ سے بڑی محنت سے یہ حوالہ حاصل کیا تھا۔

اس روایت کا ذکر معمر بن راشد کی کتاب الجامع میں نہیں ہے۔ حالانکہ یہ روایت معمر سے ہے۔ اور بہت اہم روایت ہے۔ عبدالرزاق نے اسے اپنے مصنف میں ذکر کیا۔

اول تو یہ روایت زہری کے باقی تلامیذ سے بھی ہونی چاہیئے تھی۔ اور اگر معمر سے تھی تو ان کی جامع میں ہونی چاہیئے تھی۔ پھر عبدالرزاق کے معتمد رواۃ سے منقول ہونی چاہیئے تھی. مثلاً امام احمد وغیرہ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عبدالرزاق سے صرف عبد بن حمید اس کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کی پیدائش ہی ۱۸۵ھ کے قریب ہے۔ انہوں نے عبدالرزاق سے مائتین کے بعد موصولاً سُنا ہوگا۔ جبکہ وہ نابینا ہو چکے تھے۔ اور اس بنا پہ ان کی روایت کا اعتبار نہیں رہا۔

یا خود ان عبد بن حمید نے اسے مرسل سے موصول بنا دیا۔ اس کے علاوہ اس روایت میں اهديت اليه کا لفظ بھی قابل غور ہے یعنی كأنها كانت جارية اهديت اليه

اس سے حضرت عائشہ رض کی توہین اور استخفاف مقصود ہے۔ اس قسم کی تعبیر بہت کھٹکتی ہے پھر لعبہا معہا کا اضافہ اس لئے ہے کہ بالکل ہی بچی تھیں۔ یہ روایت معمر اور زہری اور عروہ اور حضرت عائشہ رض پر افتراء ہے

پھر اس باب میں ہشام کی اصل روایت کی سند ذکر کر کے مثلہ پر ختم کر دیا۔ اور وہ بھی مرسل تاکہ یہ تاثر پیدا ہو کہ ہشام کی روایت میں بھی لعبہا معہا ہے۔ اور اس میں بھی اهديت اليه ہے۔ حالانکہ ہشام کی روایت میں ان کے کسی تلمیذ نے ان سے ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ معمر اور ہشام پر صریح بہتان ہے۔

غرض عبد بن حمید کی یہ روایت بے سر و پا ہے۔ اور مسلم کا اسی موضوع مدلس روایت کو عبد بن حمید سے موصول قبول کرنا اور اپنی صحیح میں درج کرنا اس سے بھی زیادہ قابل اعتراض ہے جبکہ صحاح کے مصنفین نے اسے قبول نہیں کیا بلکہ پورا ذخیرۂ حدیث اس روایت سے خالی ہے۔ مصنف عبدالرزاق اس وقت موجود تھی۔ مسلم اسی میں دیکھ لیتے۔ امام احمد اور امام بخاری زندہ تھے۔ ان سے پوچھ لیتے۔ مگر اس روایت کو نئی سند سے معلوم کرنے کے شوق میں اور اپنی صحیح میں ایک منفرد روایت درج کرنے کی دُھن میں ادنیٰ سا بھی احتیاط کا پہلو اختیار نہیں کیا۔

امام مسلم ہوں یا عبدالرزاق ہوں یا زہری جہاں ان کی روایات توہین صحابہ رض کی متضمن ہوں یا استخفافِ عظمت رسول تک منجر ہوتی ہوں وہاں ہم ان کو ہرگز معاف نہیں کریں گے۔ عظمتِ رسول اور عظمتِ صحابہ رض ہمیں ان روایات سے زیادہ عزیز ہیں۔

مصنف کی اصل روایت میں ہے۔

عن عروة قال نكح النبي صلى الله عليه وسلم عائشة الخ

مسلم میں عبد بن حمید سے ہے۔

عن عروة عن عائشة رض ان النبي ؐ تزوجها

مصنف کی اصل روایت میں ہے

وهي بنت ست

مسلم میں ہے

وهي بنت سبع سنين

اصل روایت میں ہے۔

اهديت اليه

مسلم میں ہے

زفت اليه

اصل میں ہے

وهي بنت تسع

مسلم میں ہے

بنت تسع سنين

مسلم کے شیخ نے مرسل سے مرفوع بنایا

〃 ست کو سبع بنایا

〃 سنین کا لفظ بڑھایا

〃 اهديت کو زفت بنایا

صرف تین جلدوں کی روایت میں استاد اور شاگرد میں اتنا اختلاف پیدا ہوگیا. حالانکہ یہ حدیث کا دورِ کتابت ہے . یہ لوگ اس قدر غیر محتاط اور نڈر ہیں کہ مرسل کو مرفوع بنا دیا. ست کو سبع بنا دیا احدیث کو زفت بنادیا اور یہ مسلم کے معتمد شیوخ کا حال ہے . پھر یہ کہا جاتا ہے کہ رجالِ شیخین کو مامون تسلیم کرو.

یہ کوفے کے محدثین جو اخیر دور ہارون الرشید میں تھے اور جو مامون کے دور میں ہوئے ہمارے نزدیک اکثر غیر محتاط ہیں ۔ ان کی کوئی بھی روایت ہو اسے نہایت احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے .

۴۔ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی

یہ روائیت کرتے ہیں اپنے باپ ہمام سے. اپنے چچا وہب سے . معمر بن راشد سے. امام مالک سے . ہر دو سفیان سے ۔ جعفر بن سلیمان اور اسرائیل سے اور ابن جریج سے .

پھر آگے ان سے روایت کرنے والے سفیان بن عیینہ اور معمر بن سلیمان ہیں . یہ دونوں ان کے شیخ بھی ہیں . ان کے ساتھی وکیع اور ابواسامہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں ۔ امام احمدؒ اور اسحاق اور یحییٰ وغیرہ بھی ان کے راوی ہیں. عبد بن حمید . محمد بن رافع . محمود غیلان بھی ان سے روایت کرتے ہیں . عبید بن موسی . ابوعاصم، قبیصہ اور ان کا طبقہ سفیان سے روایت کرنے میں برابر برابر ہی ہیں لیکن یہ لوگ یحییٰ بن سعید بن مہدی ، وکیع ، ابن المبارک سے مرتبے میں کم ہیں .

ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ

عبدالرزاق احد من ثبت حدیثه

عبدالرزاق ان میں سے ایک ہیں جن کی حدیث ثابت ہے .

ابن السدی عبدالوہاب بن ہمام کا بیان ہے کہ میں معمر کے پاس رہتا تھا . اس وقت ہمارے ہاں چار آدمی معمر سے اخذِ علم کے لئے آیا کرتے تھے . ہشام بن یوسف . عبدالرزاق بن ہمام . رباح بن زید . محمد بن ثور . رباح تو عبادت کے لئے موزوں تھا . اس میں لگ گیا. ہشام کا رجحان حکام کی طرف تھا . اُدھر چلا گیا. ابن ثور کثیر النسیان تھا . ہاں عبدالرزاق کے متعلق خیال تھا کہ یہ عالم ہوگا . اور مرجعِ خلائق بنے گا ۔ اور ایسا ہی ہوا ۔

امام احمد فرماتے ہیں

حدیث عبدالرزاق احب الی من حدیث هولاء البصریین. کان یتعاهد کتبه وینظر فیها بالیمن. وکان یحدثهم حفظا بالبصرة یعنی معمرا

عبدالرزاق کی حدیث مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت ان تمام بصری محدثوں کی روایت کے . اس لئے کہ عبدالرزاق اپنی کتابوں کی حفاظت کرتا تھا .

اور ان میں غور و فکر کرتا رہتا تھا۔ یمن میں وہ
یہ زبانی حدیث بیان کرتا تھا بصرہ میں یعنی معمر۔

عبدالرزاق ۱۲۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے
بیس سال کی عمر میں علم حاصل کرنا شروع کیا۔
یعنی ۱۴۶ھ میں ان کا اپنا بیان ہے کہ میں سات
سال معمر بن راشد کے پاس بیٹھا۔ یعنی ۱۵۳ھ
تک۔ اور ۱۵۳ھ ہی میں معمر کی وفات ہو
گئی۔ معمر کی وفات کے بعد یہ تجارت کے
سلسلہ میں شام گئے۔ حج کیا۔ ابن جریج
وغیرہ سے روایات لیں۔ پھر اوزاعی کی
خدمت میں بیروت پہنچے اور ان سے سُنا
اور وہاں کے اہل علم سے مذاکرے رہے۔
پھر وطن واپس آ گئے۔ ان سے آئمہ فن نے
حدیث سنی ہے۔ ان کے ہاں صنعاء میں حاضر
ہوتے ہیں۔ اسی لئے زید بن المبارک صنعانی
کا بیان ہے کہ جو ان کے ہاں سے واپس آیا
یہی خیال لے کر آیا کہ عبدالرزاق سے حدیث
بیان کرنے میں محتاط رہنا چاہیے۔

ابن عدی کا بیان ہے کہ عبدالرزاق کے
پاس قسم قسم کی احادیث ہیں اور مناکیر
نادرہ ہیں۔

ابو زرعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد
سے پوچھا عبدالرزاق حدیث معمر کے حافظ تھے
فرمایا ہاں۔

معمر کے تعلق کو خود عبدالرزاق اس
طرح بیان کرتے ہیں کہ

صار هليلجة في فمي

امام احمد نے فرمایا

دو سو ہجری سے پہلے عبدالرزاق کی بینائی
درست تھی۔ جن لوگوں نے اس سے پہلے اُن
سے سنا درست ہے۔ اور جن لوگوں نے
نابینا ہونے کے بعد سُنا درست نہیں۔
آخر میں تو نابینا ہونے کے ساتھ ساتھ اونچا
بھی سننے لگے تھے

عبدالرزاق کی مشہور حدیث النار جبار
کے متعلق امام احمد سے اثرم نے پوچھا۔ آپ
نے فرمایا۔ کون اس حدیث کو عبدالرزاق سے
بیان کرتا ہے۔ اثرم نے کہا ابن سیبویہ۔
امام احمد نے جواب میں فرمایا یہ حدیث
باطل ہے۔ احمد بن سیبویہ نے یہ روایت
ان سے نابینا ہونے کے بعد سُنی ہو گی۔
عبدالرزاق اس قسم کی احادیث زبانی بیان کر
دیتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں یہ احادیث
نہیں ہیں۔ بہت سے لوگ ان سے وہ کچھ
منسوب کرتے ہیں۔ جو ان کی کتابوں میں نہیں

کہ اگر کسی
مصنف کی اپنی کتاب میں روایت مذکور نہ
ہو تو مشکوک ہے۔

یحییٰ کا بیان ہے کہ میں نے کبھی عبدالرزاق
کی زبانی روایت قبول نہیں کی۔ سوائے ایک
روایت کے۔ کیونکہ ان کی زبانی روایات
کا اعتبار نہیں تھا۔

نسائی کا بیان ہے کہ آخر میں جن لوگوں

نے ان سے روایات بیان کی ہیں سب مناکیر ہیں۔ فضائل میں عبدالرزاق نے جو کچھ نقل کیا ہے۔ اس کی کوئی دوسرا موافقت نہیں کرتا۔ کوئی اس کا متابع نہیں ہے۔ مثالب بیان کرنے میں وہ متفرد ہیں

یحییٰ فرماتے ہیں

میں نے عبدالرزاق کو کئی میں احادیث بیان کرتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ احادیث سنی بھی ہیں یا نہیں؟ کہا بعض سنی ہیں اور بعض ویسے ہی بیان کر رہا ہوں۔

دارقطنی نے کہا کہ عبدالرزاق معمر سے بعض احادیث بیان کرنے میں غلطی پر ہیں۔

عبداللہ مسندی نے بتلایا کہ ایک دن سفیان بن عیینہ میرے پاس تشریف لائے۔ میں ان کو رخصت کرنے کے لئے ان کے ساتھ تھا۔ راستے میں میں نے اُن سے پوچھا عبدالرزاق سے ملنا ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ یہ تو ان لوگوں میں سے ہے کہ

الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

یہ عبدالرزاق عقیدۃً غالی شیعہ تھے۔

مخلد شعیری کا بیان ہے کہ

میں عبدالرزاق کے پاس تھا۔ ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو کہنے لگے ہماری مجلس کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندا نہ کرو۔

محمد بن عثمان نے بیان کیا کہ

جب عباس بن عظیم صنعاء سے واپس آئے تو ہم ان سے ملنے گئے۔ ان سے عبدالرزاق کے متعلق میں نے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ میں صنعاء میں عبدالرزاق ہی کی وجہ سے گیا تھا۔ اور اسی کے پاس ٹھہرا تھا۔

فواللہ الذی لا الہ الا ھو عبدالرزاق کذاب والواقدی اصدق منہ۔

خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ عبدالرزاق بے حد جھوٹا ہے۔ اور واقدی اس کے مقابلے میں سچا ہے۔ محمد بن عثمان کہتے ہیں کہ جو کچھ عباس کہتا ہے بالکل صحیح ہے۔

زید بن المبارک صنعانی کا بیان ہے کہ وہ عبدالرزاق کے پاس ہی رہتے تھے۔ اور ہر وقت عبدالرزاق کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ ایک وقت آیا کہ زید بن المبارک نے عبدالرزاق کی کتابیں جلا دیں۔ یعنی عبدالرزاق سے جو لکھا تھا وہ جلا دیا۔ اور ابن ثور کے پاس چلے گئے وہاں علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ محمد بن عثمان نے زید بن المبارک سے اس کا سبب دریافت کیا کہ تم نے کیوں ترک کر دیا۔ تو زید نے جواب دیا کہ جب حدیث ابن الحدثان آئی اور حضرت علی اور عباس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پڑھا کہ تو اپنی بیوی کی میراث لینے آیا اور یہ اپنے بھتیجے

کی میراث لینے آگیا تو عبدالرزاق نے حضرت عمرؓ کے متعلق کہا۔

انظر الی ھذا الانوک۔

(اس پرلے درجے کے احمق کو دیکھو)

ابن اخ کہتا ہے

رسول اللہ ﷺ نہیں کہتا۔ میں نے اسی دن سے عبدالرزاق کو چھوڑ دیا اُس سے کوئی روایت بیان نہیں کی۔

زید بن المبارک کا قول ہے۔

عبدالرزاق کان کذاباً یسرق الحدیث عبدالرزاق زیادہ جھوٹا تھا اور حدیث کا چور تھا۔

ابن معین کا بیان ہے کہ میں نے ایک روز عبدالرزاق سے پوچھا تیرے تمام اساتذہ اہل سنت ہیں مثلاً معمر، ابن جریج۔ اوزاعی، سفیان وغیرہ۔ تو نے یہ مذہب کہاں سے قبول کیا تو کہنے لگا۔ ایک دن ہمارے پاس جعفر بن سلیمان آیا۔ میں نے دیکھا کہ زہاد کی ہیئت ہے۔ چنانچہ میں نے اس کا مذہب قبول کر لیا۔

امام احمد کا قول ہے کہ

عبیداللہ بن موسیٰ کی حدیث اس کے تشیع کی وجہ سے رد ہے۔

مشہور ناقد حدیث ابن معین نے اس کے بارے میں کہا۔

ھو واللہ الذی لا الہ الا ھو۔

عبدالرزاق تو اس تشیع میں عبیداللہ بن موسیٰ سے سو گنا زیادہ ہے۔ میں نے تو عبدالرزاق سے وہ سُنا جو عبیداللہ بن موسیٰ کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔

ابوالازہر کا بیان ہے کہ

عبدالرزاق کہتا ہے کہ میں فضیلتِ شیخین کا اس لئے قائل ہوں کہ حضرت علیؓ نے ایسا فرمایا اگر حضرت علیؓ ان کی فضیلت کے قائل نہ ہوتے تو میں بھی نہ ہوتا۔ میرے لئے بڑے عیب کی بات ہے کہ میں علیؓ سے محبت کروں اور ان کے قول کو ترک کر دوں۔

محمد بن ابی السری نے عبدالرزاق سے پوچھا تفضیل کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کہنے لگے سفیان کہا کرتے تھے۔ ابوبکر و عمر۔ پھر چپ ہو رہتے تھے۔ ایسے ہی امام مالکؒ کہا کرتے تھے۔ ابوبکر و عمر۔ پھر خاموش ہو جایا کرتے تھے۔

عبدالرزاق سے ایک حدیث منقول ہے

حدثنا محمد بن سہل بن عسکر حدثنا عبدالرزاق قال ذکر الثوری عن ابی اسحاق عن زید بن النقیع عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ولوا علیا فہادیا مہدیا۔

حذیفہؓ نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر لوگوں نے علی کو والی بنایا تو ہادی اور مہدی کو بنائیں گے۔

عبدالرزاق سے کہا گیا تو نے ثوری سے سنا؟ کہنے لگے کہ

حدثنا النعمان بن ابی شیبة ویحیٰی بن العلاء عنه.

یعنی الثوری۔ یہ نعمان مجہول ہے اور یحیٰی وفات پا چکے تھے۔

امام ابوعمرو بن الصلاح صاحب مقدمہ ابن صلاح نے امام احمد کے اس قول کے بعد کہ "من سمع عن عبدالرزاق بعد العمی لا شیء"

یہ تبصرہ فرمایا کہ میں نے طبرانی میں الدبری کے واسطے سے عبدالرزاق کی بہت سی احادیث دیکھی ہیں۔ جو مجھے بہت ہی اوپری معلوم ہوئیں۔ یا تو ان میں الدبری نے تحریف اور تصحیف کی ہے۔ کیونکہ الدبری ابھی سات سال ہی کے تھے کہ عبدالرزاق کا انتقال ہو گیا تھا۔ یا پھر عبدالرزاق خود ایسی مستنکر روایات بیان کیا کرتے تھے۔

احمد بن ازہر ثقہ راوی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ عبدالرزاق نے اپنی یاد سے یہ احادیث سنائیں۔ اور اس مجلس میں میں اور وہ دو ہی آدمی تھے:۔

حدثنا معمر عن الزهری عن عبید الله عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نظر الی علی فقال له انت سید فی الدنیا و سید فی الاخرة من احبك فقد احبنی ومن ابغضك فقد ابغضنی . و حبيبك حبيب الله وبغيضك بغيض الله فالويل لمن ابغضك

کہ رسول اللہ صلعم نے علی رض کی طرف دیکھا اور ان سے فرمایا تو دنیا میں بھی سید ہے اور آخرت میں بھی سید ہے

۲۔ جس نے تجھ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا

۹۔ جس نے تجھ سے محبت کی۔ اس نے مجھ سے محبت کی۔ تیرا دوست اللہ کا دوست ہے۔ تیرا مبغوض اللہ کا مبغوض ہے۔ ہلاکت ہے اس کے لئے جو تجھ سے بغض رکھے۔

ل۔ انبأنا معمر عن ابن نجيح عن مجاهد عن ابن عباس قالت فاطمة عليها السلام يا رسول الله صلى الله عليه وسلم زوجتنی عائلا لا مال له . فقال اما ترضين ان الله اطلع على اهل الارض فاختار منها رجلين جعل احدهما اباك والآخر بعلك .

کہ فاطمہ علیہا السلام نے کہا یا رسول اللہ صلعم آپ نے میرا نکاح ایک مفلس سے کر دیا جس کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں آپ نے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر نظر ڈالی۔ اور ان میں سے دو کو منتخب کر لیا ایک کو ان میں سے تیرا باپ بنا دیا دوسرے کو

تیرا نا دند بنا دیا

حدثنا ابن راھویہ حدثنا عبد الرزاق عن ابن عیینۃ عن ابن زید بن جدعان عن ابی النضرۃ عن ابی سعید مرفوعا ۔ اذا رأیتم معاویۃ منبری فاقتلوہ ۔

(میزان الاعتدال جلد دوم بحث عبدالرزاق و تھذیب التھذیب جلد ۶)

ب ۔ جب تم معاویہ رض کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کردو ۔

صاحب تہذیب التہذیب کہتے ہیں اگر کہا جائے کہ کذاب تھا تو اس کے علم کی نفی ہے ۔ اور اگر کہا جائے مبتدع تھا تو عمل کی نفی ہے ۔ غرض دو امور سے اس کا معاملہ باہر نکل گیا ہے ۔

عبدالرزاق پر مزید بحث آگے آرہی ہے ۔

۴۔ معمر بن راشد بصری

معمر بن راشد بصرے میں پیدا ہوئے چونکہ یہ غلام تھے ۔ اس لئے ان کے ابتدائی حالات مستور ہیں ۔

یہ معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے غلامی سے کب نجات حاصل کی ۔

قتادہ سے انہوں نے بہت کم سُنا ۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق محض ایک حدیث سنی ۔ حالانکہ قتادہ بصرے میں رہتے تھے اور یہ بھی بصرے ہی میں تھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کی وجہ سے اہل علم کے پاس بیٹھنے کا اور حصول علم کا وقت بہت ہی کم ملتا ہوگا ۔

ان کا اپنا بیان ہے کہ جس سال حسن بصریؒ کی وفات ہوئی ۔ میں نے پڑھنا شروع کیا ۔ میری عمر اس وقت چودہ سال تھی ۔ خود فرماتے ہیں ۔ جلست الی قتادۃ وانا ابن اربعۃ عشر سنۃ ۔ فما سمعت منہ الاحدیثا ۔

میں قتادہ کے پاس بیٹھا ۔ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی ۔ میں نے ان سے سوائے ایک حدیث کے کچھ نہیں سُنا ۔

قتادہ کی وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی ۔ اس وقت معمر کی عمر ۲۲ سال تھی ۔

اس کے بعد ان کے آقا نے ان کو ریشم کی تجارت کیلئے بھیجا ۔ مدینہ سے یہ رصافہ میں جا کر زہری سے ملے اور ان سے کچھ سنا اور بصرے واپس آ گئے ۔

میزان الاعتدال میں ہے

کیف سمعت عن ابن شھاب قال کنت مملوکا لقوم من طاحیۃ فارسلونی ببز ابیعہ ۔ فقدمت المدینۃ فرایت شیخا والناس یعرضون

علیہ العلم نعرمنت معمر علیہ ولقیت الزھری بالرصافۃ ۔

تو نے ابن شہاب سے کیسے سُنا اس نے کہا میں طاحیہ کی قوم کا غلام تھا ۔ انہوں نے مجھے ریشم دے کر بھیجا کہ میں اسے فروخت کر آؤں ۔ مَیں مدینہ میں آیا میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ لوگ اس کے سامنے اپنی روایات پیش کر رہے تھے ۔ میں نے اس پر اپنا علم پیش کیا اور میں زہری سے (بھی) رصافہ میں جاکر ملا ۔

معلوم نہیں انہوں نے مکاتبت سے آزادی حاصل کی یا ان کے آقا نے ویسے ہی آزاد کر دیا ۔ ۱۲۴ھ میں زہری کی وفات ہوگئی ۔ قتادہ کی وفات کے بعد سے زہری کی وفات تک چھ سال کا عرصہ ہے ۔ اسی میں انہوں نے یہ سفر کیا ہوگا ۔

بہرحال زہری سے ان کی ملاقات بہت مختصر معلوم ہوتی ہے ۔ اور زہری سے ان کا مبلغ علم یہی کچھ ہے ۔ یا زیادہ سے زیادہ زہری نے حسب عادت ان کو کوئی صحیفہ دے کر اجازت دیدی ہوگی ۔

آزادی کے بعد یہ یمن میں صنعاء چلے گئے ۔ وہاں کے لوگوں نے ان کو وہیں رکھنے کی کوشش کی ۔ کسی عقلمند نے کہا ۔ ان کو قید کر لو ۔ چنانچہ وہاں ان کا نکاح کر دیا گیا اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صنعاء کے ہو رہے ۔ کبھی کبھی اپنی والدہ سے ملنے بصرے آیا کرتے تھے ۔ انہوں نے ایک کتاب مرتب کی تھی جس کا نام **الجامع** رکھا تھا اور جس کے راوی صرف عبدالرزاق ہیں ۔ بلکہ معمر کے علوم کے وارث ہی عبدالرزاق قرار پائے

معمر ، زہری ، ھمام بن منبہ ، ھشام بن عروہ اور قتادہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے روایت کرنے والے یحییٰ بن کثیر ، ابواسحاق سبیعی اور ایوب ہیں ۔ یہ سب ان کے شیوخ بھی ہیں ۔ ابن جریج ثوری شعبہ ان سے روایت کرتے ہیں ۔ یہ ان کے ساتھی اور ہم عمر ہیں ۔ ابن عیینہ ، ابن المبارک ، عبدالرزاق ، فلیح بن سلیمان ، عیسیٰ بن یونس ، ہشام بن یوسف صنعانی اور بیشتر صنعانی ان سے روایت کرتے ہیں ۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ جب معمر عراق والوں سے حدیث بیان کریں ، تو قابل اعتماد نہیں ، زہری اور ابن طاؤس سے ان کی حدیث قبول کی جا سکتی ہے ۔ لیکن اہل بصرہ سے جو بیان کریں قابلِ ترک ہے ۔

یحییٰ بن معین نے دوسرے موقع پر فرمایا ۔

حدیث معمر عن عاصم ابن ابی النجود وثابت وھشام ابن عروۃ وھذا الغرب مضطرب کثیر الاوھام ۔

معمر کی حدیث عاصم بن ابی النجود سے اور ثابت سے اور ہشام بن عروہ سے مضطرب اور کثیر الاوہام ہوتی ہے ۔

بصرہ میں انہوں نے جو کچھ بیان کیا اس میں اغلاط ہیں کیونکہ یہ بصرہ میں زبانی بیان کرتے تھے۔ ان کی کتابیں صنعاء میں رہتی تھیں۔ اس لئے ان میں اغلاط ہوتی تھیں۔

اسی لئے حافظ نے تہذیب التہذیب صفحہ ۵۰۴ میں فرمایا:-

ان فی روایته عن ثابت والاعمش وهشام ابن عروة شيئا مرا فيما حدث به بالبصرة .

اس کی روایت میں ثابت اور اعمش سے اور ہشام بن عروہ سے جسے اس نے بصرہ میں بیان کیا کچھ خرابی ہوتی ہے۔

انہوں نے ۱۵۳ھ میں بمقام صنعاء بعمر ۵۷ سال وفات پائی۔ بعد میں ان کی بیوی نے قاضی صنعاء سے نکاح کرلیا۔

عبدالرزاق کے پاس ان کی روایات امالی کی صورت میں بھی تھیں اور **الجامع** بھی انہی کے ذریعے آگے چلی۔

معمر کی کتاب جامع معمر میں ان کی زندگی ہی میں معمر کے بھتیجے نے جو رافضی تھا کچھ روائتیں اپنی حسبِ منشاء داخل کردی تھیں معمر کو ان روایات کا پتہ نہ چلا۔ وہ خود ان کو اپنی روایات سمجھ کر بیان کرتے رہے۔ پھر آگے عبدالرزاق نے ان روایات کو استاد معمر کی روایات خیال کرکے بیان کیا۔ اس طرح یہ غیر واقعی روایات معمر کے نام پر چل نکلیں جو ان کے سب سے معتبر تلمیذ عبدالرزاق کے واسطے سے منقول ہیں۔

(تہذیب التہذیب وتدریب الرادی)

ان روایات کے بارے میں علماء اہل سنت نے یا معمر کے بھتیجے کو موردِ الزام قرار دیا۔ یا عبدالرزاق سے نیچے کے کسی راوی کو مجروح گردانا۔ اور اس طرح درمیان میں سے عبدالرزاق کو بچالیا۔ لیکن ہم اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے۔

ہمارے خیال میں اس ساری خرابی کے ذمہ دار عبدالرزاق ہیں۔ ہم آگے روایات لعب میں اس پر تفصیلی بحث کریں گے۔ اور ثابت کریں گے۔ اور ثابت کریں گے کہ عبدالرزاق اساتذہ کی معتبر روایات میں من مانے اور غیر واقعی جملے بڑھایا کرتے تھے۔ اور وضع کی اُس خاص قسم کے مرتکب تھے جس کو اصطلاح محدثین میں ادراج کہتے ہیں۔ اور جو زیادتی ثقہ کے نام پر قبول کرلی جاتی ہے۔

۴ ۔ محمّد بن مُسلم بن شہاب زُہری
مدنی

یہ عبداللہ بن عمر سے روایت بیان کرتے ہیں۔ اور عبداللہ بن جعفر۔ سعید بن المسیب عبداللہ بن عمر کے تینوں بیٹوں۔ عبیداللہ سالم۔ عبداللہ۔ عروہ بن زبیر۔ عبداللہ بن عباس اور قاسم بن محمد سے بھی روائت کرتے؛

ان سے روایت بیان کرنے والے عمر بن عبدالعزیز، اوزاعی، ہشام بن عروہ، مالک بن انس، معتمر بن سلیمان، معمر بن راشد اور سفیان بن عیینہ ہیں۔ ان کے بعد ایک خلق کثیر راوی ہے۔

زُہری ائمہ فن کی نظر میں

چونکہ زہری امام سیر و روایات ہیں اس لئے ان کے متعلق ائمہ فن کی آراء کا ذکر ضروری ہے۔

امام احمد نے کہا
زہری نے ابن عمر سے کچھ نہیں سُنا
ابوحاتم نے کہا
ان کا سماع ابن عمر سے ثابت نہیں۔
معمر سے خود زہری نے کہا
" میں نے ابن عمر سے صرف دو حدیثیں سُنیں " حالانکہ بیان بہت زیادہ کی ہیں۔ عبداللہ بن جعفر سے انہوں نے کچھ نہیں سُنا۔

علی بن المدائنی نے کہا
ابی سے ان کی حدیث وہم ہے۔ اور غیر مستقل ہے۔ یحییٰ بن سعید اور قتادہ زہری کی مراسیل کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔

ھو بمنزلة الریح۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ حفاظ کی قوم جو سنتے ہیں اُسے معلق بیان کرتے ہیں۔
زہری کا عروہ سے عدم سماع ثابت ہے۔

ا وقد ادرك وادرك من هو اكبر منه لكن لا يثبت له السماع من عروة وان كان قد سمع ممن هو اكبر منه

(تہذیب التہذیب۔ ذکر ابن شہاب)

زہری نے عروہ کا زمانہ پایا اور جو عروہ سے عمر میں بڑے تھے۔ ان کا زمانہ بھی پایا لیکن عروہ سے اس کا سماع ثابت نہیں ہے اگرچہ عروہ سے بڑی عمر کے لوگوں سے اس نے سُنا ہے۔

ب۔ قال ابن ابی حاتم فی علل الحديث قال ابی حديث الزهری عن عروة وهمٌ . ولم يقع فی طريق من طرق روايات الزهری التصريح بسماع الزهری عن عروة بل رواه معنعنا

ابن ابی حاتم نے علل حدیث میں بیان کیا کہ میرے باپ نے کہا عروہ سے زہری کی حدیث وہم ہے۔ زہری کی روایات کے طریقوں میں سے کسی طریقے میں بھی زہری کے عروہ سے سماع کی تصریح نہیں ملتی بلکہ معنعن ہی روایت ملتی ہے۔

ج۔ وقد ذكر ابن ابی حاتم عن ابيه

حدیث الزهری عن عروة وَهْمٌ

ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ عروہ سے حدیث زہری وَہم ہے۔

د۔ وقد ذکر ابن ابی حاتم ایضاً اتفاق المحدثین علی عدم سماع الزهری عن عروة ۔ وان کان قد سمع ممن هو اکبر منه ۔

(امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار ص۳۴۱)

اور ابن ابی حاتم نے یہ بھی بیان کیا کہ عروہ سے عدم سماع پر محدثین کا اتفاق ہے اگرچہ زہری نے عروہ سے بڑی عمر والوں سے سُنا۔

حدیث بُسرہ اور زُہری

علامہ طحاوی نے معانی الآثار میں باب مس الفرج هل یجب فیه الوضوء ام لا میں ایک عمدہ بحث کی ہے۔ اس بحث میں زہری اور عروہ پر جاندار تبصرہ ہے اس سے ناظرین کو زُہری اور عروہ کا اندازہ ہو جائے گا۔

عُلماء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ آیا مَسِّ ذکر سے وضو لازم آتا ہے یا نہیں اس مسئلے میں صحابہ کرام رضہ سے لیکر تابعین تک دو گروہ ہیں عله

عله ایک فریق کہتا ہے مس ذکر سے وضو ضروری نہیں ہے۔ صحابہ میں سے حضرت علی رضہ حضرت ابن مسعود رضہ اس کے قائل ہیں اور یہی مسلک امام ابوحنیفہ کا ہے۔ اسی کو طحاوی نے ترجیح دی ہے۔

دوسرا فریق کہتا ہے کہ مس ذکر سے وضو ضروری ہے۔ صحابہ میں سے بسرہ رضہ ابوہریرۃ رضہ وغیرہ اس کے قائل ہیں۔ زہری اور ان کے متبعین کا یہی مسلک ہے۔ ائمہ حدیث نے بھی زہری کی روایت کی بناء پر یہی مسلک قبول کرلیا ہے۔ اور وہ روایت جس کی بنا پر یہ مسلک اختیار کیا گیا ہے۔ اسی سند سے بیان کی گئی ہے جس سے تزوج عائشہ رضہ کی روایت زہری کے واسطہ سے مذکور ہے اس لئے جو بحث طحاوی نے اس سند پر کی ہے اُسے مختصراً ہم یہاں پیش کرتے ہیں اسی سلسلہ کے کچھ ایسے تاریخی مباحث بھی جنہیں امام طحاوی نے چھوڑ دیا ہے۔ ہم بیان کریں گے۔

وہ آثار جن کی وجہ سے عُلماء حدیث وضو کو لازم قرار دیتے ہیں۔ کتبِ حدیث میں مفصل مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک اثر یہ بھی ہے۔

د حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن الزهری عن عروة عن بسرة من مس ذکره فلیتوضاء ۔

کہ جس نے اپنے عُضوِ مخصوص کو چھُوا اسے چاہیئے کہ وضو کرے۔

۱۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ
عروہ مروان سے گفتگو کرنے سے پہلے اس کے قائل تھے کہ مس ذکر سے وضو لازم نہیں آتا لیکن مروان سے گفتگو کے بعد اس کے قائل ہوگئے کہ مس ذکر سے وضو لازم آتا ہے۔

۲۔ مروان نے جب مس ذکر کی روایت عروہ کو سنائی تو عروہ نے سر جھکا لیا۔ مروان نے فوراً ایک شرطی کو بلایا اور بسرہ کی طرف روانہ کیا کہ جاؤ بسرہ سے پوچھ کر آؤ کہ تم نے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ شرطی گیا اور جواب لایا کہ وہ کہتی ہیں کہ ہاں سنی ہے۔ اس کے بعد عروہ اس روایت کے قائل ہوگئے اور بسرہ سے روایت بیان کرنی شروع کر دی۔

۳۔ اس روایت کی پہلی راوی یہ بسرہ بنت صفوان ہیں۔ یہ صحابیہ ہیں لیکن زیادہ معروف نہیں ہیں۔ جس وقت مروان اور عروہ کی گفتگو ہوئی، اس وقت زندہ تھیں، چنانچہ یہ روایت عروہ نے بسرہ سے نقل کی۔ پھر عروہ سے زہری نے۔ پھر علماء نے اسے قبول کر لیا۔

امام طحاوی نے مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ یہ سند قابل اعتماد نہیں ہے۔ یہ سند مرسل اور منقطع ہے۔ اور دوسری روایات کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ عروہ نے یہ روایت بسرہ سے نہیں سنی۔

۴۔ اس روایت میں بسرہ اور عروہ کے درمیان ایک راوی ہے۔ یعنی مروان یا اس کا شرطی۔ شرطی تو مجہول ہے معلوم نہیں کون تھا۔ کس درجہ کا آدمی تھا۔ معلوم نہیں بسرہ تک پہنچا بھی یا نہیں۔ اور مروان اس معاملہ میں ہمارے نزدیک مجروح ہے۔

یہ بسرہ مروان کی حقیقی چچی ہے اور مروان کی بیوی عائشہ کی ماں ہے یا دادی ہے۔ علماء انساب کا اس میں اختلاف ہے۔

وکانت بسرة زوج المغيرة فولدت له عائشة فزوجها مروان فولدت له عبدالملك. كذا قاله. وهو غلط. فان ام عبدالملك بنت معاوية اخي المغيرة قاله الزبيري بن بكار وهو اعرف نسبا قومه.

(الاصابه جلد ۴ صـ۲۴۴)

بسرہ مغیرہ کی بیوی تھی۔ اس سے عائشہ پیدا ہوئی۔ مروان نے عائشہ سے شادی کی۔ اس سے عبدالملک پیدا ہوا ایسے ہی بیان کیا اور یہ غلط ہے اس لئے کہ عبدالملک کی ماں (عائشہ) معاویہ مغیرہ کے بھائی کی بیٹی ہے۔ یہ زبیر بن بکار کا قول ہے۔
اور وہ اپنی قوم کے نسب کا سب سے بڑا عالم ہے۔

الف وكانت بسرة عند المغيرة بن العاصی فولدت له معاوية وعائشة وكانت عائشة تحت مروان فهی ام عبد الملک وقال الزبير وطائفة من اهل العلم بالنسب ان بسرة بنت صفوان هی ام معاوية بن المغيرة بن العاصی وجدة عائشة بنت معاویه . وعائشة ام عبد الملک .

(الاستیعاب جلد ۔ بحث بسرہ بنت صفوان)

بسرہ مغیرہ بن العاصی کی بیوی تھی ۔ اس سے معاویہ پیدا ہوا اور عائشہ پیدا ہوئی اور عائشہ مروان کی بیوی تھی اور یہ عبدالملک کی ماں ہے ۔ اور زبیر اور علماء نسب کے ایک گروہ نے کہا کہ بسرہ بنت صفوان یہ ماں ہے معاویہ بن مغیرہ بن العاصی کی اور عائشہ بنت معاویہ کی دادی ہے اور عائشہ عبدالملک کی ماں ہے ۔

ب وكانت بسرة عند المغيرة بن ابی العاصی فولدت له معاوية بن المغيرة ۔ وهو الذی قتله صبرا رسول الله صلعم منصرفا من احد وهو جد عبد الملک وام عبد الملک عائشة بنت معاوية

(ابن سعد جلد ۴ ص ۲۴۵)

بسرہ مغیرہ بن العاصی کی بیوی تھی اس سے معاویہ پیدا ہوا ۔ اور یہ وہی شخص ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد سے واپسی میں گرفتاری کی حالت میں قتل کرا دیا تھا ۔ اور وہ عبدالملک کا نانا تھا اور عبدالملک کی ماں عائشہ بنت معاویہ ہے ۔

وكانت بسرة عند المغيرة فولدت له معاوية وعائشة وكانت عائشة ام عبد الملک ۔

(اسد الغابہ جلد ۵ بحث بسرہ)

بسرہ مغیرہ کی بیوی تھی اس سے معاویہ پیدا ہوا اور عائشہ ۔ پس عائشہ عبدالملک کی ماں تھی ۔

روت عن بسرة ام كلثوم بنت عقبة وروى عنها ايضا مروان و سعيد بن المسيب وعروة و غيرهم ۔

(ابن سعد جلد ۴ ص ۲۴۵)

ام کلثوم بنت عقبہ نے بسرہ سے روایت نقل کی اور مروان نے بھی بسرہ سے روایت بیان کی اور سعید بن المسیب اور عروہ وغیرہ نے بھی ۔

مذکورہ بالا روایات متضاد بیانات پر مشتمل ہیں ۔ اصابہ کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ عائشہ بسرہ کی لڑکی ہے ، اور مغیرہ کے صلب سے ہے ۔ لیکن صاحبِ اصابہ اسے غلط قرار دیتے ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ عبدالملک کی ماں عائشہ معاویہ کی لڑکی ہے جو مغیرہ کا بھائی تھا ۔ اور زبیر بن بکار کا حوالہ دیتے ہیں ۔ حالانکہ مغیرہ کا کوئی

بھائی معاویہ نہیں تھا۔ مغیرہ کے دو بھائی اور تھے جن سے اولاد ہوئی ہے۔ عفان بن ابی العاصی اور حکم بن ابی العاصی
(دیکھئے جمہرۃ انساب العرب لابن حزم بیان بنوامیہ)

صاحب اصابہ کے سامنے جو ابن بکار کا بیان ہوگا اس میں نسخ میں غلطی ہوگئی ہوگی صاحب الاستیعاب نے زبیر بن بکار کا بیان صحیح نقل کیا ہے۔ صاحب استیعاب نے شروع میں تو وہی مشہور قول نقل کر دیا ہے کہ معاویہ اور عائشہ بھائی بہن ہیں۔ بُسرہ اور مغیرہ کی اولاد ہیں۔ لیکن پھر ابن بکار اور دوسرے علمائے انساب کے حوالہ سے اس کی تصحیح کر دی ہے۔ کہ معاویہ تو بُسرہ اور مغیرہ کا بیٹا ہے۔ لیکن عائشہ ام عبدالملک معاویہ کی بیٹی اور بُسرہ کی پوتی ہے۔

ابن سعد نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ معاویہ عبدالملک کا نانا ہے۔ یہ جنگِ اُحد میں مشرکین کے ساتھ شریک تھا گرفتار ہوا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد سے واپسی میں اسے صبراً قتل کروا دیا اور عائشہ معاویہ کی لڑکی، البُسرہ کی پوتی اور عبدالملک کی ماں ہے۔

محض یہ ایک روایت اس بسرہ سے مروی ہے اور کوئی روایت منقول نہیں ہے اس بسرہ سے آگے یہی روایت بیان کرنے والے سعید بن المسیب، ام کلثوم بنت عقبہ، مروان اور عروہ ہیں۔

یہ بُسرہ مبائعات میں سے ہیں۔

بُسرہ غالباً فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان کے خاندان کے ساتھ ایمان لائی ہیں۔ اور اسی وقت بیعت کی ہے۔

عُلماء نے اس روایت کے متن پر عمدہ مباحث بیان کئے ہیں۔ لیکن ہم یہاں اس روایت کو محض تاریخی حیثیت سے جانچ رہے ہیں۔ بات تو محض اتنی تھی کہ آپ نے نظافت کے لئے فرمایا تھا۔

من مس ذکرہ فلیتوضأ

مروان اور بنو مروان نے اسے حکومت کے زور پر ایک فقہی مسلک کی صورت دے دی۔ گویا اس دور میں یہ بنو مروان کا سرکاری مذہب تھا۔ جیسا کہ عباسی دور میں خلقِ قرآن کا مسئلہ سرکاری مذہب تھا یہ محض اس لئے کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت کی سعادت تو ان کے خاندان کی بزرگ عورت کو بھی نصیب ہوئی ہے: اور وہ اس میں منفرد ہیں۔

ان سے روایات بیان کرنے والے مندرجہ ذیل رشتہ رکھتے ہیں۔
بسرہ سعید بن المسیب کی خالہ ہیں۔
ام کلثوم بنت عقبہ کی پھوپھی ہیں۔
مروان کی چچی اور ساس یا بیوی کی دادی

ہیں۔
عروہ مروان کے بہنوئی ہیں اور حکم کے داماد ہیں۔
مروان عروہ کا سالا ہے۔
حکم بن ابی العاصی کی لڑکی ام یحییٰ عروہ کی بیوی تھیں۔
(جمہرۃ انساب العرب لابن حزم بنو زبیر بن العوام ص۱۵)

ولد عروۃ یحیی بن عروۃ و محمد او عثمان و ابا بکر و عائشۃ و خدیجۃ و امھم ام یحیی بنت الحکم بن ابی العاصی بن امیۃ بن عبد الشمس و ہشام ابن عروہ و صفیۃ لام ولد
(ابن سعد جلد ۵ ص۱۷۸)

اور پیدا ہوئے عروہ کے یہاں یحییٰ بن عروہ محمد، عثمان، ابوبکر، عائشہ، خدیجہ اس کی ماں ام یحییٰ بنت الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس ہے۔ اور ہشام بن عروہ اور صفیہ یہ ام ولد سے ہیں۔

عروہ سے زہری کا سماع ثابت نہیں

امام طحاوی نے روایات سے ثابت کیا ہے کہ زہری نے یہ روایت عروہ سے نہیں سُنی بلکہ عروہ اور زہری کے درمیان عبداللہ بن ابی بکر بن محمد ایک راوی ہے۔ زہری نے یہ روایت عبداللہ سے۔ عبداللہ نے عروہ سے نقل کی ہے۔

زہری جب کبھی ضعفاء سے روایت لیتے ہیں تو ان کو ترک کر کے خود اپنی نسبت اوپر کے راوی سے براہِ راست قائم کر لیتے ہیں۔ تاکہ ضعیف کا واسطہ درمیان سے نکل جائے۔ چنانچہ اس روایت میں زہری نے عبداللہ کو ترک کر دیا۔

بعض محدثین کا خیال ہے کہ زہری اور عروہ کے درمیان عبداللہ کا واسطہ نہیں بلکہ ابوبکر بن محمد کا ہے۔

طحاوی نے مختلف روایات پیش کر کے اسے ثابت کیا ہے اور زہری کی تدلیس ظاہر کی ہے ساتھ ہی عروہ کی تدلیس بھی بیان کی ہے۔

مس ذکر سے وضو کے وجوب کے قائلین نے اس سند کو جرح سے بچانے کے لئے یہ کیا کہ ہشام بن عروہ براہِ راست اپنے باپ عروہ سے اس روایت کو بیان کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ روایت منقطع نہیں ہے۔ حضرت ہشام ثقہ اور سب کے نزدیک قابلِ اعتماد ہیں۔

امام طحاوی نے اس خیال پر بھی جرح کی اور ثابت کیا کہ ہشام بن عروہ نے بھی یہ روایت براہِ راست اپنے باپ عروہ سے نہیں سُنی بلکہ ابوبکر بن محمد کے ذریعہ سے

سنی ہے ۔ اور اپنے اس دعوے کو مختلف روایات کی مدد سے ثابت کیا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے ۔

امانی الاحبار شرح معانی الآثار میں مولٰنا محمد یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ طبرانی نے کبیر میں یہ بحث اٹھائی ہے کہ اس روایت کے علاوہ عروہ سے دو اور روائتیں ہیں جن میں ہشام نے عنعنے کا سہارا نہیں لیا بلکہ صراحۃً کہا ہے ۔

"سمعت ابی" "اخبرنی ابی"

توانہوں نے کہا ۔ اخبرنی ابی ۔

یہ روایت مسند امام احمد میں موجود ہے لیکن ان تمام امور کے باوجود نسائی نے ہشام کی تصریح کو قبول نہیں کیا ۔ اور اس روائت پر انقطاع کا حکم لگا دیا ۔

ہم اپنے مدعا کی وضاحت کے لیئے نمبروار اسناد پیش کرتے ہیں ۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ عنعنے سے کس طرح تدلیس کی جاتی ہے ۔

زُہری کی تدلیس

۱۔ حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن عروۃ عن بسرۃ قالت۔ ۔ ۔ ۔

بظاہر دیکھنے میں یہ روایت متصل اور مرفوع معلوم ہوتی ہے ۔ لیکن حقیقت میں منقطع ہے ۔ عروہ اور بسرہ کے درمیان ایک راوی متروک ہے ۔ اور وہ ہے مروان یا شرطی مروان ۔ اور پوری سند اس طرح ہے

۲۔ حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن عروۃ عن مروان او شرطی مروان عن بسرۃ قالت ۔۔۔

اس صورت میں یہ روایت موصول ہو گئی ۔ لیکن اب بھی اس روایت میں انقطاع موجود ہے ۔ عروہ اور بسرہ کے درمیان کا راوی تو معلوم ہو گیا لیکن زہری اور عروہ کے درمیان کا راوی معلوم نہیں ہوا ۔ اور وہ ہے عبداللہ بن ابی بکر یا ابوبکر بن محمد ۔ اب روایت یوں ہو گی :-

۳۔ حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن عبداللہ بن ابی بکر عن مروان او شرطی مروان عن بسرۃ قالت ۔ ۔ ۔ ۔

۴۔ یا حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن ابی بکر بن محمد عن عروۃ عن مروان او شرطی مروان عن بسرۃ قالت ۔ ۔ ۔ ۔

۵۔ اس کی تائید میں طبرانی نے یہ روایت

پیش کی ہے ۔

حدثنا حماد بن سلمۃ عن ہشام بن عروۃ عن مروان عن بسرۃ ۔ مگر یہ روایت بھی منقطع ہے اس میں ہشام اور عروہ کے درمیان ایک راوی متروک ہے ۔ اور وہ ہے ابوبکر ۔ صحیح سند وہی ہے جو ہم نے لکھی ہے یعنی

حدثنا حماد بن سلمۃ عن ہشام ابن عروۃ عن ابی بکر عن عروۃ عن مروان او شرطی مروان عن بسرۃ ....

غرضیکہ حق وہی ہے جس کی امام طحاوی نے معانی الآثار میں وضاحت کی ہے کہ زہری کا عروہ سے سماع ہی ثابت نہیں ہے ۔ اس لئے جب بھی زہری عروہ سے کوئی روایت بیان کریں گے منقطع ہوگی ۔

ایک واقعہ

زہری اور عروہ کے درمیان جو راوی عبداللہ بن ابی بکر ہے اس کے متعلق ایک حکایت سن لیجئے ۔ جو امام طحاوی نے نقل کی ہے ۔

امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ میرے استاد سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ دورانِ تعلیم جب ہم کسی آدمی کو چند آدمیوں سے حدیث حاصل کرتے دیکھتے تھے جن میں سے ایک عبداللہ بن ابی بکر بھی تھا تو ہم اِن احادیث حاصل کرنے والوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے ۔ کیونکہ عبداللہ بن ابی بکر جیسے لوگ تو جانتے ہی نہ تھے کہ حدیث کیا ہے ۔

اصل مروی عنہ کے متعلق احتمالات

چونکہ حضرت عائشہ رضہ کے تزوج کی روایت بھی اسی سند سے منقول ہے اس لئے ہم نے اِس سند پر تفصیل سے گفتگو کی ہے ۔ ورنہ جب زہری کا عروہ سے سماع ثابت ہی نہیں تو زہری نے عروہ سے تو سُنا ہی نہیں ۔ اب اگر سُنا ہوگا تو کسی اور سے سنا ہوگا ۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہشام بن عروہ ہوں ۔ لیکن یہ احتمال بھی باطل ہے ۔ اس لئے کہ زہری کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی ہے اور اس وقت تک اس روایت تزوج کا وجود ہی نہیں تھا ۔ اس لئے یہ روایت بعد میں زہری کے ذمہ لگائی گئی ۔

حقیقتاً واقعہ یہ ہے کہ عبدالرزاق نے آخر عمر میں (ضعف دماغ کی وجہ سے) سہواً یا تدلیساً یا اقتضائے طبعی سے مجبور ہو کر دانستہ اس روایت کو

مرویاتِ معمر میں رکھ دیا ہے ۔ آخری صورت زیادہ قرینِ قیاس ہے ۔ جیسا کہ ہم اس روایت کے متن پر بحث کے دوران بتلائیں گے ۔

لیکن تعجب یہ ہے کہ زہری بھی مدینہ میں رہنے والے ہیں اور عروہ بھی ۔ پھر ان دونوں کا سماع ایک دوسرے سے ثابت نہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زہری کے زمانہ تعلیم کے دوران عروہ مدینے میں نہ ہوں گے ۔ چونکہ ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر مکے میں تھے اور وہیں سے انہوں نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تھا ۔ اس لئے وہ انہی کے پاس ہوں گے یا ان کی سیاسی پوزیشن کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گئے ہوں گے کہ کسی آفت میں نہ پھنس جائیں ۔ ان کی شہادت کے بعد مصر چلے گئے تھے ۔ مصر میں سات سال رہے ۔ وہاں شادی کر لی ۔ وہیں سکونت اختیار کر لی ۔ مصر میں ان کے والد زبیر کی جائیداد تھی ۔ ان کے حصے میں بھی آئی ہو گی ۔ جب عروہ مصر سے مدینے واپس آئے تو زہری طلب معاش میں شام جا چکے تھے ۔ عبدالملک کے دربار سے منسلک ہو چکے تھے ۔ زہری شام کی طرف ۸۰ھ میں گئے ہیں اور آخر تک بنی مروان کی حکومت سے متعلق رہے ۔ اس لئے عروہ سے کچھ نہ سُن سکے ۔ اسی لئے زہری کی روایت عروہ سے منقطع ہوتی ہے اور مرسل خیال کی جاتی ہے ۔

مُحدثین اور مُرسلاتِ زُہری

امام شافعی رح اور دوسرے محدثین نے زہری کے ارسال کا انکار کیا ہے ۔

طبقات الشافعیہ الکبریٰ صنا میں تحریر ہے کہ زہری کثیر الارسال ہیں ۔ ارسال کے بعد وہ اسناد بھی ذکر کر دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود امام شافعی رح نے مرسلاتِ زہری کو ترک کر دیا ہے ۔

امام شافعی رح نے زہری کے ان طریقوں میں سے ان کی کتاب الصلوٰۃ کی ایک حدیث کا ذکر کیا ہے جو مرسل ہے ۔ امام شافعی رح نے معلوم کر لیا ہے کہ اصل میں یہ حدیث زہری نے سلیمان بن ارقم سے لی ہے ۔ سلیمان بن ارقم بعض کے نزدیک متروک ہے ۔ باقی کے نزدیک ضعیف ہے ۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد اول صنا)

۱ ۔ المرسل حدیث ضعیف

ارسال الزھری لیس بشیٔ
ثم المرسل حدیث ضعیف عند

جماهير المحدثين والشافعي وكثير
من الفقهاء واصحاب الاصول . و
قال السيوطي ضعيف لا يحتج به . وقال
ابوحنيفة ومالك صحيح مقبولا
بشرائطه .

تدریب الراوی ص ۱۱۸، ۱۱۹

زہری کا ارسال لاشی ہے . بھر مرسل حدیث
امام شافعی رح اور تمام محدثین کے نزدیک اور
اکثر فقہا اور اصحاب اصول کے نزدیک
ضعیف شمار ہوتی ہے .

سیوطی نے کہا
مرسل ضعیف ہوتی ہے . قابل احتجاج نہیں
ہوتی . امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے
کہا .
مرسل مقبول ہوتی ہے معروف شرائط
کے ساتھ .

بیہقی نے یحییٰ بن سعید سے نقل کیا
ہے کہ

مرسل الزهري شر من مرسل
غيره

امام زہری آخر میں نسیان کا شکار ہوگئے
تھے . چنانچہ

ايما امراة نكحت بغير اذن
وليها فنكاحها باطل باطل

جو عورت بلا اذن ولی نکاح کرے
اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے .
والی حدیث ابن جریج نے سلیمان بن موسیٰ
سے اور اس نے زہری سے بیان کی ہے .

ابن جریج کہتے ہیں کہ
میں نے زہری سے اس حدیث کے متعلق
دریافت کیا تو انہوں نے اس حدیث کا
انکار کر دیا . کیونکہ نسیان ہوگیا تھا .

قال ابن جرير ان التابعين
اجمعوا على قبول المرسل وان
الشافعي اول من اباه وقد تنبه
البيهقي لذلك فقال في "المدخل"
مايستدل به على ضعف المراسيل
بعد تغير الناس وظهور الكذب
والبدع . واورد فيه ما اخرجه
مسلم عن ابن سيرين فقال
لقد اتى على الناس زمان مايسئل
عن اسناد حديث . فلما وقعت
الفتنة سئل عن اسناد الحديث
فمن كان من اهل السنة
يوخذ من حديثه ومن كان
من اهل البدع ترك حديثه

(تدریب الراوی ص ۱۲۳)

ابن جریر نے کہا
تابعین کا قول مرسل پر اتفاق ہے , شافعی
پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کے قبول کرنے
سے انکار کیا . بیہقی نے اس پر متنبہ کیا
اس نے اپنی کتاب مدخل میں ان امور کا
ذکر کیا جن سے ضعف مراسیل پر استدلال
کیا جاتا ہے یعنی لوگوں میں تغیر آگیا ہے

بدعتیں اور کذب پھیل گیا ہے۔ اور اسی میں وہ روایت بھی بیان کی جو مسلم نے مسلم میں ابن سیرین سے بیان کی ہے لوگوں پر ایسا وقت بھی تھا۔ جب اسناد حدیث سے سوال نہیں کیا جاتا تھا جب فتنے کا دور آگیا اسناد حدیث کا سوال کیا جانے لگا جو اہل سنت سے ہوتا اس کی حدیث قبول کی جاتی اور جو اہل بدعت سے ہوتا اس کی حدیث ترک کر دی جاتی

تدلیس کیا ہے اور مدلس کون ہے۔

تدلیس کا چونکہ بار بار ذکر آرہا ہے اس لئے تدلیس کے متعلق اصحابِ حدیث کی بحث مختصراً بیان کی جاتی ہے۔

تدلیسِ اسناد

تدلیس یہ ہے کہ آدمی جس سے ملا ہو اور کچھ نہ سنا ہو اس وہم میں مبتلا ہو کر اس سے نقل کر دے کہ میں نے اس سے یہ روایت سُنی ہے۔

بعض نے تدلیس کی یہ تعریف کی ہے کہ ان یروی عمن قد سمع منہ ما لم یسمع منہ من غیر ان یذکر انہ سمعہ

تدلیس۔ جس سے کوئی روایت سُنی ہو اس سے غیر مسموع کو روایت کرنا بغیر اس تصریح کے کہ اسی سے یہ روایت سنی ہے۔

بزار نے یہی تعریف کی ہے۔

یا وہ اس معاصر سے نقل کرے۔ جس سے اس کا لقاء نہ ہو اور یہ خیال کرتے ہوئے نقل کرے کہ اس سے ملاقات ہوئی ہے، یہ تدلیس اسناد ہے۔ اس میں راوی یہ نہیں کہتا کہ حدثنا یا اخبرنا وغیرہ بلکہ یوں کہتا ہے کہ

عن فلان عن فلان

یا ایسے ہی الفاظ سے ذکر کرتا ہے۔

اقسام تدلیس

تدلیس کی مختلف قسمیں ہیں۔

١ تدلیس قطع ٢۔ تدلیس ابہام
٣ تدلیس تسویہ ٤ تدلیس بالمجہول
٥ تدلیس بالبدل ٦ تدلیس بالعطف

تدلیس قطع :-

کبھی راوی اور مروی عنہ میں ایک واسطہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور کبھی ایک سے زیادہ واسطے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔

مثلاً علی بن خشرم کا بیان ہے کہ ہم سفیان بن عیینہ کے پاس تھے۔ ابن عیینہ نے کہا قال الزھری۔ ان سے پوچھا گیا تم نے خود زہری سے سُنا تو ابن عیینہ نے

جواب دیا نہیں ۔ نہ میں نے خود زہری سے سُنا۔ اور نہ میں نے اس سے سُنا جس نے زہری سے سُنا۔ پھر کہا

حدثنی عبدالرزاق عن معمر عن الزھری ۔

اس تدلیس کو تدلیس قطع کہتے ہیں ۔
(التقیید والایضاح مقدمہ ابن صلاحؒ صہ ۷۹)

تدلیس ابہام

ایک قسم تدلیس کی یہ ہے کہ غیر معروف کنیت یا نام سے راوی کو ذکر کیا جائے اور مقصد اس کو چھپانا ہو ۔

تدلیس تسویہ

ایک اور قسم تدلیس کی یہ ہے کہ ثقہ شیخ سے روایت بیان کرے ۔ مگر اس ثقہ شیخ سے اوپر جو راوی ہے وہ چونکہ ضعیف اور کمزور اور ناقابل اعتبار ہے ، اس لیئے اس کو درمیان میں سے ترک کردے ۔ اور اس ضعیف سے اوپر جو ثقہ شیخ ہے اس سے براہ راست نسبت قائم کردے یعنی دو ثقہ رواۃ کے درمیان جو ایک ضعیف ہے اس کو نکال دے ۔ یا اس ضعیف کی جگہ ثقہ کو رکھ دے ۔ اس کو تدلیس تسویہ کہتے ہیں ۔ اور یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے ۔

اس تدلیس میں اوزاعی کے ایک تلمیذ ولید بن مسلم مشہور ہیں ۔

ابومسہر کہتے ہیں کہ ولید اوزاعی کی وہ احادیث بیان کرتے تھے جو اوزاعی نے کذابین سے نقل کی ہیں ۔ لیکن تدلیس کر کے کذابین کو درمیان سے نکال دیتے تھے ۔

صالح جزرہ کا بیان ہے کہ میں نے ہیثم بن خارجہ کو ولید سے یہ کہتے سُنا ہے کہ تو نے اوزاعی کی احادیث کو تباہ کردیا ۔

۱۔ یعنی الاوزاعی عن نافع
۲۔ وعن الاوزاعی عن الزھری
۳۔ وعن الاوزاعی عن یحیی ابن سعید

کہتا ہے ، دوسرے راوی تو ان اسناد کو یوں بیان کرتے ہیں کہ

۱۔ عن الاوزاعی عن عبداللہ بن عامر الاسلمی عن نافع
۲۔ عن الاوزاعی عن الھیثم بن مرۃ عن الزھری

ولید نے جواب دیا میں تو اوزاعی کو ان ضعفاء سے نجات دلاتا ہوں ۔

خطیب کا بیان ہے ۔ الاعمش اور ثوری اس تدلیس کے مرتکب تھے ۔

علاقی نے کہا ۔

وھذا النوع افحش انواع ا

التدلیس مطلقا وشرھا

تدلیس بالمجہول

ایک تدلیس کی قسم یہ ہے کہ مجہول لوگوں سے روایت بیان کی جائے اس طرح کہ یہی نہ معلوم ہو کہ یہ لوگ کون ہیں ۔ علی بن المدائنی نے اس تدلیس کی ایک مثال پیش کی ہے ۔

قال حدثنی حسین الاشقر حدثنا شعیب بن عبداللہ عن ابی عبداللہ عن نوف قال بت عند علی فذکر کلاما ۔

ابن المدینی نے حسین سے پوچھا یہ کس سے سنا ۔ اس نے کہا مجھے شعیب نے ابو عبداللہ سے سنایا اور اس نے نوف سے سنا پھر میں نے شعیب سے دریافت کیا کہ تو نے یہ حدیث کس سے سنی تو اس نے کہا ابو عبداللہ حصاص سے ۔ میں نے کہا اس نے کس سے ۔ حصاص نے کہا حماد القصار سے پھر میں حماد سے جا کر ملا ۔ اس سے پوچھا تو نے یہ حدیث کس سے سنی اس نے کہا فرقد السبخی سے پہنچی ہے اور اس نے نوف سے سنی ہے ۔

یہ تدلیس شعیب نے تین آدمیوں سے کی ہے ۔ ابو عبداللہ مجہول ہے ۔ حماد کا پتہ نہیں کون ہے ۔ حماد کو فرقد سے پہنچی

اور فرقد نے نوف کو دیکھا ہی نہیں ۔

تدلیس بالبدل

مدلسین کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو بعض اساتذہ سے کثرت سے روایات لیتے ہیں ۔ لیکن ان روایات کو دوسرے مشہور اساتذہ کی طرف نسبت کر دیتے ہیں (جن سے یہ روایات سنی ہی نہیں ۔

یہ سب اقسام تدلیس اسناد ہیں ۔ (تدریب الرادی ص۱۴۲)

اگر راوی لفظ محتمل سے بیان کرے تو مرسل ہے اور قابل قبول نہیں ہے ۔ اور اگر **سمعت** وغیرہ سے بیان کرے تو حجت ہے ۔ اور قابل قبول ہے ۔ اس قسم کی تدلیس صحیحین میں بھی پائی جاتی ہے ۔ مثلاً قتادہ سے سفیان سے ۔ ان کے علاوہ اوروں سے بھی ۔ جیسے عبدالرزاق سے ۔ ولید بن مسلم سے (تدریب الرادی ص۱۴۶)

ابن مندہ نے تو امام بخاریؒ کو بھی مدلس قرار دیا ہے ۔ مثلاً قال لنا فلان یہ اجازت ہے ۔ وقال فلان ۔ یہ تدلیس ہے ۔ لیکن علماء نے ابن مندہ کے قول کو قبول نہیں کیا ۔

اس کے بعد صاحب التقیید والایضاح نے کہا

لکن سیاتی فی النوع الحادی عشر

ما يدلك على ان البخاري قد يذكر الشيء عن بعض شيوخه ويكون بينهما واسطة . وهذا هو التدليس

(مقدمہ ابن صلاح ص۹۹)

عنقریب ہی گیارھویں نوع میں آئے گا جو تم پر عیاں کر دے گا کہ بخاری کبھی اپنے بعض شیوخ سے کسی روایت کا ذکر کرتے ہیں اور بخاری میں اور اس کے شیخ میں کوئی واسطہ ہوتا ہے۔ جس کا بخاری ذکر نہیں کرتے اسی کو تو تدلیس کہتے ہیں۔ ص

تدلیس تلفیق

دو روایتیں دو استادوں سے ہوں ان کو ملا کر ایک استاد سے بیان کیا جائے۔

۵۔ تدلیس بالعطف

پہلے ایک شیخ کا ذکر کیا جائے جس سے روایت سنی ہو پھر اس پر دوسرے شیخ کا عطف کیا جائے جس سے روایت نہ سنی ہو اس کے بعد روایت بیان کی جائے

تدلیس کے اسباب

تدلیس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں

۱۔ استاد کا ضعیف ہونا۔
۲۔ استاد کا عمر میں چھوٹا ہونا
۳۔ متاخر الوفاۃ ہونا
۴۔ یا کسی استاد سے بہت سنا ہو اور زیادہ تکرار پسند نہ ہو۔

یہ سب دانستہ تدلیس کے اسباب ہیں۔

احکام تدلیس

تدلیس ہر حال میں مذموم ہے شعبہ نے ایسے لوگوں کی بے حد مذمت کی ہے یہاں تک کہہ دیا کہ

لان ازنی احب الی من ان ادلس۔ میرا زنا کا ارتکاب کرنا تدلیس سے بہتر خیال کرتا ہوں

امام شافعی نے فرمایا۔ تدلیس برادر کذب ہے۔ التدلیس اخو الکذب۔

ایک فریق نے کہا کہ مدلس کی روایت قبول ہی نہ کی جاتے چاہے بیان کرے یا نہ کرے۔ بعض نے کہا معنعنہ مدلس ہر حال میں قابل رد ہے۔

بیہقی نے امام شافعی اور دوسرے اہل علم سے نقل کیا کہ معنعنہ مدلس مقبول نہیں۔ طبرانی میں جتنی روایات عبدالرزاق سے منقول ہیں، بیشتر منکر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صنعاء میں طبرانی کو ایسے اساتذہ ملے جنہوں نے عبدالرزاق سے ان کا دماغ چل جانے کے بعد سنا تھا

الدہری تو ان کی وفات کے وقت سات سال کا تھا (تدریب و مقدمہ ابن صلاح)

صب

عود الی المقصود

غرض یہ کہ عبدالرزاق کی یہ روایت عنعنے سے بیان کی گئی ہے۔ یہ روایت انقطاع کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہے۔ محض اس روایت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ زہری کا عدم سماع تبلارہا ہے کہ اصل میں یہ روایت ہشام ہے۔

پھر زہری کی روایت کا کوئی مؤید نہیں معمر کے سوا زہری سے اسے کوئی نقل نہیں کرتا۔ زہری کے سینکڑوں شاگرد ہیں۔ لیکن صرف معمر اس روایت کو ان سے بیان کرتے ہیں اور کوئی بیان نہیں کرتا۔ اسی طرح معمر سے عبدالرزاق کے سوا اسے کوئی اور بیان نہیں کرتا۔

علیٰ ہذا عبدالرزاق سے نیچے اس کا کوئی مؤید اور شاہد نہیں۔ عبدالرزاق سے صرف عبد بن حمید نقل کرتے ہیں۔ مسلم کے سوا کسی حدیث کی کتاب میں یہ روائت زہری نہیں ہے۔

زہری امام وقت ہیں۔ ان کے تلامیذ میں مدینے کے اور دنیائے اسلام کے بڑے بڑے ائمہ شامل ہیں۔ امام مالکؒ ان سے روایت بیان کرتے ہیں۔ سفیانان ان کے تلامیذ میں سے ہیں۔ مگر اس روایت کی سعادت سے سب محروم رہے۔ اصحاب زہری میں سے محمد بن اسحاق، امام مالک، سفیانان اور الزبیدی کوئی بھی بیان نہیں کرتا اور الزبیدی تو دس سال رصافہ میں زہری کے پاس رہے ہیں۔ پھر بھی یہ سعادت روائت نصیب نہ ہوئی تو صرف معمر کو نصیب ہوئی۔ حالانکہ یہ معمر بالکل ان کے اخیر عمر میں رصافہ جاکر محض ایک دفعہ ان سے ملے ہیں۔ اسی وقت ان سے کچھ اخذ کیا ہے اپنے مالکوں کی تجارت کے سلسلہ میں گئے تھے کتنا وقت ملا ہوگا کہ علم حاصل کر لیتے۔ زہری نے وقتی طور پر کوئی چھوٹا موٹا صحیفہ دے دیا ہوگا اور اس کی احادیث دیدی ہوں گی۔ اسی کے بھروسے پر نہ زہری کے سب سے معتمد راوی بن گئے۔

آخر عمر میں زہری کا حافظہ جواب دے گیا تھا جیساکہ ایما امرأة... والی روایت کے بارے میں ابن جریج کے بیان سے ظاہر ہے۔

یہ معمر امام مالک کے ہم عمر ہیں۔ امام مالک ساری عمر مدینے میں رہے زہری سے سینکڑوں روائتیں لیں۔ مدنی ہونے اور آزاد ہونے کی وجہ سے ہر وقت اخذ علم کے مواقع تھے اور زہری سے اخذ کیا لیکن یہ روائت زہری سے انہیں نہ مل سکی۔ ملی تو کیسے ملی۔ بصرے کا ایک غلام اپنے آقا کی تجارت کے لئے مدینہ

آیا۔ وقت نکال کر زہری کی زیارت کے لئے روانہ گیا اور یہ نادر روائت جس سے زہری نے اپنے کسی تلمیذ کو بھی آج تک آگاہ نہیں کیا تھا لے آیا۔ پھر آگے معمر نے یہ روائت متبرکہ سینے میں مقفل رکھی اور اپنے تمام تلامذہ میں سے یہ امانت صرف عبدالرزاق کے سپرد کی۔ پھر آگے عبدالرزاق نے یہ امانت محض عبد بن حمید کو دی۔ زہری غریب کو تو اس روایت کا پتہ ہی نہیں

امام مالکؒ روایت کے قبول کرنے میں بہت محتاط تھے۔ امام مالکؒ نے تو اس روایت کے اصل راوی ہشام سے بھی اس روائت کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس قسم کی روایات بیان کرنے پر ہشام بن عروہ پر باوجود شیخ ہونے کے ناراضگی کا اظہار فرمایا جیساکہ آگے آتا ہے چنانچہ ایک موقعہ پر امام مالکؒ نے فرمایا تھاکہ

لیس کل الناس یکتب عنھم وان کان لھم فضل فی انفسھم انما ھی اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تاخذوھا الا من اھلھا

(اماق الاحبار ص۳۴۶)

۱۹۔ متابع شاہد ششم عبداللہ (مسند احمد)

امام احمد کے مسند کی پہلی روائت ہشام بن عروہ کی روایت ہے۔ اس پر گفتگو بخاری کی روائت کے ضمن میں ہوگی۔

دوسری روایت اسود بن یزید والی روایت ہے جس پر مفصل بحث مسلم کی روائت اسود کے ذیل میں ہو چکی ہے۔

تیسری روائت کی سند پر اجمالی نظر ڈال لیتے ہیں۔

اول تو یہ سند مرسل ہے۔

حدثنا عبداللہ ثنی ابی ثنا محمد بن بشر قال حدثنا محمد بن عمرو قال حدثنا ابوسلمۃ ویحیٰی قالا لما ھلکت الخ

۱۔ یحیٰی

یحیٰی مجہول ہے۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے کونسا یحیٰی مراد ہے۔ آیا یحیٰی بن عروہ مراد ہے۔ یا یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن عوف مراد ہے۔ یا یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن حاطب بن بلتعہ مراد ہے۔

صاحب مجمع الزوائد نے سند میں یہ تصریح کی ہے۔

طبرانی میں یہ روائت آئی ہے۔ اس نے بھی یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن حاطب لکھا ہے۔ صاحب مجمع الزوائد نے طبرانی سے نقل کیا ہے:۔

عن ابی سلمۃ ویحیٰی

ابن عبدالرحمٰن بن حاطب
مسند کی دوسری روایات ہیں جو محمد بن عمرو عن یحییٰ ہیں۔ ان میں یحییٰ بن عبدالرحمٰن ہے

محمد بن عمر غلط ہے

اس سند میں ایک تصحیف یہ ہے کہ محمد بن عمرو ہے۔ اس میں بھی یہی اشتباہ ہے کہ اس محمد بن عمرو سے کون مراد ہے۔
مشہور محمد بن عمرو تو محمد بن عمرو واقدی ہے۔ لیکن یہاں اس سند میں واقدی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ :-
اول تو امام احمد کے نزدیک واقدی متروک ہیں۔ جیسا کہ ہم ابوسلمہ کی روائت کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔
دوسرے واقدی امام احمد کے ہم عصر ہیں۔ امام احمد کی پیدائش ۱۶۴ھ کی ہے اور واقدی کی وفات ۲۰۷ھ میں ہوئی۔ واقدی قاضی بغداد تھے۔ امام احمد بغداد کے رہنے والے ہیں تو ان سے اگر یہ روائت ہوتی تو براہِ راست ہوتی۔ لیکن اس سند میں امام احمد اور محمد بن عمرو میں ایک واسطہ محمد بن بشر کا موجود ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ محمد بن عمرو امام صاحب کا معاصر نہیں بلکہ اوپر کے طبقے کا کوئی اور محمد بن عمرو ہے۔
اور اگر اسی پر اصرار کیا جائے کہ اس سے واقدی ہی مراد ہے تو اس صورت میں یہ روائت علاوہ مرسل ہونے کے منقطع بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ابوسلمہ کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔ یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی۔ محمد بن عمر واقدی کی پیدائش ۱۳۰ھ میں ہوئی لہٰذا محمد بن عمر واقدی کا سماع ان سے ممکن ہی نہیں
علاوہ ازیں اس دور اور طبقہ میں کوئی اور محمد بن عمر و مشائخ میں سے نہیں ہے
اس مشکل کو صاحب مجمع الزوائد نے حل کر دیا ہے۔ انہوں نے اس روائت کے آخر میں تصریح کی ہے۔
وفیہ محمد بن عمرو بن علقمۃ ثقۃ غیر واحد و بقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔
(مجمع الزوائد ص۲۲۷ جلد ۹)
اس سے معلوم ہوا کہ یہ محمد بن عمر نہیں بلکہ محمد بن عمرو ہے۔ کتابت میں واؤ رہ گئی۔ اس کے علاوہ وہ مسند کی دوسری روایات میں جو اس اسناد سے منقول ہیں محمد بن عمرو ہے۔

۲۔ محمد بن بشر

یہ محمد بن بشر بھی مجہول ہے
علاوہ ازیں محمد بن بشر سے مراد عام

طور سے محمد بن السائب کلبی ہوتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے لیکن یہاں کلبی مراد نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ سنہ ۱۴۶ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اور امام احمد کی پیدائش سنہ ۱۶۴ھ میں ہوئی۔ امام احمد کی ان سے نہ معاصرت ہے اور نہ سماع۔ اس لئے اس محمد بن بشر سے مراد امام احمد کے شیخ محمد بن بشر العبدی الکوفی ہیں۔

سند کے ضعف و قوت پر روایت کے ضعف و قوت کا دارومدار ہے۔

اس مرسل روایت میں وھی بنت ست سنین۔ وھی بنت تسع سنین کا اضافہ انہی محمد بن بشر کا اضافہ معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے روایت ہشام سے متاثر ہو کر یہ اضافہ کیا ہے۔

محمد بن عمرو بن علقمہ حسب تصریح مجمع الزوائد متکلم فیہ ہوں گے لیکن یہ ان کا اضافہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے دور کے بالکل آخر میں یہ روایت منظر عام پر آئی ہے۔ اور اسی لئے اس دور کے اکابر نے اسے نہ قبول کیا نہ روایت کیا۔ ذیل کے نقشہ سے ان کے ادوار کا اندازہ ہو جائے گا۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ولادت سنہ ۲۴ھ وفات سنہ ۹۴ھ

یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب بن بلتعہ ولادت خلافت عثمان وفات سنہ ۱۰۴ھ

محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص طبقہ سادسہ ولادت سنہ وفات سنہ ۱۴۴ تا ۱۴۵ھ

محمد بن بشر العبدی الکوفی طبقہ تاسعہ ولادت سنہ وفات سنہ ۲۰۳ھ

امام احمد طبقہ عاشرہ ولادت سنہ ۱۶۴ھ وفات سنہ ۲۴۱ھ

عبداللہ بن احمد طبقہ ثانی عشر ولادت سنہ ۲۲۴ھ وفات سنہ ۲۹۰ھ

اصل روایت

یعنی روایت ہشام بن عروہ پر بحث

اب ہم ہشام بن عروہ کی روایت تزوج کو لیتے ہیں جس کو تمام اصحاب سنن نے اپنی کتب میں روایۃ الباب قرار دیا ہے، اور ہمارے نزدیک بھی اس باب میں یہی اصل روایت ہے لیکن ناقص ہے۔

یہ روایت تزوج ہشام سے بحد شہرت منقول ہے، بلکہ بعض نے تو قریب المتواتر بھی کہہ دیا ہے۔

ہشام کے نیچے اس کے بعض رواۃ پر نقد و جرح کے اعتبار سے بحث ہو سکتی ہے۔ لیکن اس قسم کی جرح سے اس روایت کے ہشام سے منقول ہونے پر کوئی

اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ پھر بھی ہشام سے بیان کرنے والے دس گیارہ معتمد ثقات راوی موجود ہیں۔ اور اتنے آدمیوں کا جھوٹ پر جمع ہونا یا غلط بیانی کرنا یا بھول جانا خلاف قیاس اور خلاف عادت ہے،

پھر ان کے نیچے بڑے بڑے ائمہ فن ہیں۔ جنہوں نے اپنی ساری عمر خدمت حدیث میں بسر کر دی ہے۔ ان پر جرح وتنقید کے نقطہ نظر سے گفتگو کرنا سورج پر مٹی ڈالنے کے مترادف ہے۔

البتہ اس روائت کی سند میں محض ہشام بن عروہ پر جرح ونقد کے اعتبار سے ہم تفصیلی بحث کریں گے۔ اور ان کے تلامیذ پر بھی اس حیثیت سے گفتگو کریں گے کہ یہ لوگ حضرت ہشام کی شخصیت سے کس طرح متاثر ہوئے اور کیوں انہوں نے اس غیر واقعی روایت کو ہشام سے قبول کرلیا۔

اس کے علاوہ خاص طور سے علی بن مسہر والی حدیث روایت پر جرح وتعدیل کے نقطہ نظر سے بھی گفتگو کریں گے۔ کیونکہ ہشام بن عروہ سے اس روائت کو نقل کرنے والے صرف یہی ایک راوی علی بن مسہر ہیں۔

ہشام کے شاگرد اجمال

علی بن مسہر

بخاری کی پہلی روائت جو ام الروایات ہے اس کو ہشام سے بیان کرنے والے محض ایک راوی علی بن مسہر ہیں۔ اور سند یہ ہے:

حدثنی فروۃ بن ابی المغراء قال حدثنی علی بن مسہر عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رض

تلامیذ علی بن مسہر

پھر آگے علی ابن مسہر سے اس روایت کو بیان کرنے والے تین راوی ہیں۔

۱۔ فروہ بن ابی المغراء: ان سے یہ روایت بخاری میں مذکور ہے۔
۲۔ اسماعیل بن خلیل، جن سے یہ روایت سنن دارمی میں آئی ہے۔
۳۔ سوید بن سعید جن سے یہ روایت ابن ماجہ میں منقول ہے۔

تفصیل
فروہ بن ابی المغراء

(فروہ بن ابی المغراء صدوق ہیں اور کوفی ہیں۔ وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی۔

دسویں طبقے کے راوی ہیں۔
یہ مختصر جملے ان کے بارے میں تقریب التہذیب میں درج ہیں۔ باقی رجال کی کتابیں ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ اور کچھ معلوم نہیں کہ یہ کام کیا کرتے تھے۔ ان کے اقران کون تھے۔ ان کی علمی حالت کیا تھی۔ سیرت کیسی تھی۔ کب پیدا ہوئے، کہاں تعلیم حاصل کی؟

بس ان کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ بخاری نے ان سے روایت لی ہے۔

۲ اسمٰعیل بن خلیل

اسماعیل بن خلیل الخزاز ابوعبداللہ کوفی ثقہ ہیں۔ دسویں طبقہ سے ہیں وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی ہے۔

ان سے بخاری نے مباشرۃ الحیض میں اور مسلم نے فضل صلوٰۃ اللیل میں۔ اور فضل زبیر میں روایت آئی ہے۔ یہ معلومات تقریب التہذیب میں درج ہیں۔ باقی تمام کتب رجال ان کے ذکر سے خاموش ہیں۔

بہرحال یہ فرد وسے زیادہ مشہور ہیں۔ ریشم کی تجارت کرتے تھے۔ صحیحین کے راوی ہیں۔ کس خاندان سے تھے۔ اور کہاں تعلیم حاصل کی اور سیرت کیا تھی

اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ یہ دونوں راوی کوفی ہیں۔

۳۔ سوید بن سعید بن سہل ہروی

سوید بن سعید بن سہل ھروی ثم الحدثانی یقال له الانباری صدوق فی نفسه۔ الا انهٔ عمی فصار یتلقن ما لیس من حدیثه۔ عاشرۃ۔ وفات سنہ ۲۴۰ھ
(تقریب التہذیب)

قال احمد
ارجو ان یکون صدوقا لا باس به:

قال ابوحاتم:۔
کان صدوقا لکن یدلس ویکثر

بخاری:۔
قد عمی فیلقن ما لیس من حدیثه۔۔

یعقوب بن ابی شیبہ:۔
صدوق مضطرب الحفظ لا سیما بعد ما عمی۔

ابوزرعہ:۔
سیئ القول فیه

امام احمد نے کہا
میں امید کرتا ہوں کہ وہ سچا ہو اس میں کوئی حرج نہیں

ابو حاتم ۔
سچا تھا لیکن مدلس اور منکر تھا ۔

بخاری ۔
اندھا ہو گیا تھا تو ایسی روایت بیان
کر دیتا تھا ۔ جو واقع میں اس کی روایت
نہ تھی ۔

یعقوب ۔
سچا تھا لیکن مضطرب الحفظ تھا
خصوصیت سے اندھا ہونے کے بعد

ابوزرعہ ،
کی رائے ان کے بارے میں اچھی
نہیں تھی
ابوزرعہ کا بیان ہے ۔ کہ میں نے
ابن معین سے کہا کہ سوید ، ابن ابی الرجال
سے بیان کرتا ہے اور وہ عن ابی داؤد
عن نافع عن ابن عمر ان النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال
فی دیننا برایہ فاقتلوہ ۔
نبی کریم صلعم نے فرمایا
جس نے ہمارے دین میں اپنی رائے کوئی بات
کہی اسے قتل کر دو
تو ابن معین نے اس پر جواب دیا
ینبغی أن یبدأ بسوید فیقتل ۔
چاہیے کہ اس کو سوید سے شروع کیا
جائے پہلے اسے قتل کیا جائے ۔

نسائی :-
لیس بثقۃ ولا مامون ۔

ابن معین :-
سوید بن سعید حلال الدم

المدینی :-
لیس بشیء
نہ وہ ثقہ ہے نہ مامون
کچھ بھی نہیں ۔
ابواحمد کا بیان ہے کہ میں نے سوید
سے عیسیٰ بن یونس کی حدیث سنی جسے سوید
مالک بن عوف سے مرفوعًا بیان کرتے ہیں
تفترق ہذہ الامۃ بضعا و
سبعین فرقۃ شرہا قوم
یقیسون الرأی یستحلون بہ
الحرام ویحرمون بہ الحلال ۔
یہ امت بہتر ۷۲ فرقوں میں بٹ
جائیگی سب سے بدتر وہ فرقہ ہوگا جو
قیاس سے رائے قائم کرے گا ۔ اور
اس کے ذریعے حرام کو حلال کرے گا ۔
اور حلال کو حرام ۔
میں نے اس پر بحث کی تم یہ حدیث
عیسیٰ بن یونس سے غلط بیان کر رہے ہو
ابن عدی کا بیان ہے کہ یہ حدیث نعیم بن
حماد سے منقول ہے جو متکلم فیہ ہے پھر اس
سے آگے خراسان کے ایک شخص حکم بن
مبارک ابوصالح خواستی نے بیان کی ۔ پھر
ضعفاء کی ایک قوم جو سرقہ حدیث میں
مشہور ہیں ۔ لے اڑے ۔ مثلاً عبدالوہاب
بن ضحاک ۔ نضر بن طاہر ۔ سوید بن سعید

سوید اپنے آپ کو بھی موطا امام مالک رح کا ایک بلا واسطہ راوی بتاتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ میں نے پس دیوار سُنا ہے۔

سوید پرلے درجے کے مدلس ہیں۔

سوید مرفوعاً یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ :-

عن ابی معادیة عن الاعمش عن عطیة عن ابی سعید مرفوعًا۔ الحسن والحسین سید اشباب اهل الجنة

ابی معادیہ سے اس نے اعمش سے اس نے عطیہ سے اس نے ابوسعید سے مرفوعًا سُنا ہے حسن اور حسین دونوں اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

ابن معین کہتے ہیں

هذا باطل عن ابی معادیة۔

سوید یہ روایت مرفوعًا ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ

من عشق دکتم وعف فهو شهید

جس نے عشق کیا اور چھپایا اور عفیف رہا وہ شہید ہے۔

اسی طرح علی بن مسہر سے بے سرو پا احادیث بیان کرتے ہیں یہ

اروی الناس عن علی بن مسهر

جیسے

ان کی ایک اور حدیث بھی سُن لیجئے :-

عن مالک عن الزهری عن انس بن مالک عن ابی بکر ان النبی صلی الله علیه وسلم اهدی فرسا الی ابی جهل۔

مالک سے اس نے زہری سے اس نے انس بن مالک سے اس نے ابوبکر سے بیشک نبی صلعم نے ایک گھوڑا ہدیتہً ابوجہل کو بھیجا۔

ابن معین کا قول ہے۔

لو ان عندی رمحا و فرسا لکنت اغزوه۔ قاله لما روی هذا الحدیث۔

اگر میرے پاس نیزہ اور گھوڑا ہوتا تو میں سوید سے جہاد کرتا۔ یہ بات جب کبھی جب اس نے مذکورہ بالا حدیث بیان کی۔

غرض سوید ان حالات کے پیش نظر ناقابل اعتبار ہیں۔ معلوم نہیں کیا کیا خرافات علی بن مسہر سے بیان کی ہوں گی۔

علی بن مسہر کی اپنی کتابیں تو ان کے ساتھ دفن ہو چکی تھیں۔ اور ان کا کوئی تلمیذ ایسا نہیں تھا جو سوید کی تردید کر سکتا۔ اس لئے ہر غلط سلط روایت جو کہیں سے ملی تھی علی بن مسہر کی طرف منسوب کر دی۔

(تہذیب التہذیب)

علی بن مسہر
۴۔ علماء رجال کی نظر میں

علی بن مسہر قرشی کوفی. قاضی موصل و آرمینیہ تھے. له غرائب بعد ما اضر.

نابینا ہونے کے بعد عجیب و غریب روائتیں بیان کرتے تھے۔

طبقہ ثامنہ سے ہیں وفات ۱۸۹ھ (تہذیب التہذیب).

ابن نمیر کا بیان ہے :-

قد دفن کتبه وهو کثیر الروایة من الکوفیین۔

اس نے اپنی کتابیں دفن کر دی تھیں وہ کوفیوں سے کثیر الروایات ہے.

عقیلی کا بیان ہے ۔ کہ امام احمد سے جب علی بن مسہر کے متعلق دریافت کیا گیا تو امام احمد نے فرمایا :

لا ادری کیف اقول. قال کان قد ذهب بصره فکان یحدثهم من حفظه

(تہذیب رقم ۶۲۳ ص۳۸۴ جلد ۷ تقریب التہذیب ص۳۷۵)

مجھے نہیں معلوم میں کیسے کہوں۔ اس کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اپنے حافظے سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔

علی بن مسہر
اور اُن کے بھائی

علی ابن مسہر اور ان کے دو بھائی حسن اور عبدالرحمٰن امام ابو یوسف کے متوسلین میں سے تھے انہی کی مہربانی سے یہ علی بن مسہر مختلف علاقوں میں قاضی لگتے رہے فقہ حنفی کے خوشہ چین تھے، اس دور کی سیاسی رقابت کا شکار ہو گئے، اور آنکھیں دے بیٹھے۔ قاضی موصل تھے کہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے مخالفوں نے کحال سے مل کر ایسی دوا آنکھوں میں ڈلوا دی کہ پھر دیکھنا نصیب نہیں ہوا بصارت بھی گئی اور عہدۂ قضا بھی گیا. واپس آ کر کوفہ میں بیٹھ رہے۔ یہ واقعہ قاضی ابو یوسف کی زندگی ہی کا ہے۔ اپنی زندگی کے آخری دس بارہ سال آنکھوں سے محرومی میں گزارے۔ اس حالت میں جو روایت بیان کرتے تھے۔ اس کی صحت کی تو کوئی صورت تھی ہی نہیں۔ اس میں رطب و یابس سب ہی کچھ ہوتا تھا، آخر میں ویسے بھی حافظہ جواب دے جاتا ہے۔ پھر ان مصائب کی موجودگی میں جن سے علی بن مسہر دوچار تھے :

علاوہ ازیں نوجوان طلاب ماضی کی مبالغہ آمیز اور نادر روایات کو بہت پسند

کرتے ہیں . اس لئے بھی قاضی علی بن مسہر نے ایسی روایات شروع کی ہوں گی . اس حالت میں قاضی صاحب موصوف اس وقت کی اعلیٰ سوسائٹی سے منقطع ہو چکے تھے اس لئے ان کے پاس تلامیذ بھی ایسے ہی آتے ہوں گے . جن کے لئے ایسے شخص سے بھی علم حاصل کر لینا غنیمت ہوگا .

ان کے ایک بھائی عبدالرحمٰن بن مسہر قاضی ابو یوسف کی مہربانی سے قاضی جبل تھے . ہارون الرشید ایک مرتبہ بصرے گیا . قاضی ابو یوسف ہارون کے ساتھ تھے . قاضی عبدالرحمٰن نے جبل کے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ میرے ساتھ چلیں اور ہارون سے میری تعریف کریں کہ قاضی جبل اچھا آدمی ہے ، بڑا منصف ہے پہلے تو لوگوں نے ہاں کر لی . مگر بعد میں جواب دیدیا . قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ہمت نہ ہاری ، داڑھی درست کر کے اکیلا ہی حراقہ میں جا کر ہارون اور قاضی ابو یوسف کے پاس پہنچ گیا . میں نے رشید سے کہا قاضی جبل نہایت منصف اور بہترین آدمی ہے . قاضی ابو یوسف گردن جھکائے ہنستے رہے . رشید نے ہنسی کا سبب پوچھا امام ابو یوسف نے بتلا دیا کہ یہ شخص خود قاضی جبل ہے . رشید ہنسا اور کہا کہ هذا الشيخ سخيف نحيف العقل سفلة . اس کو قضا جبل سے معزول کر دو . چنانچہ معزول کر دیا گیا . پھر میں امام ابو یوسف کے پاس جاتا رہا کہ کم از کم مجھے ناحیہ ہی کا قاضی بنا دو . مگر انہوں نے میری درخواست نہیں مانی . اس پر میں نے یہ روایت بیان کرنی شروع کر دی :-

عن مجالد عن الشعبی ان کنیۃ الدجال ابو یوسف . یہ روایت امام ابو یوسف تک بھی پہنچ گئی . انہوں نے فرمایا اچھا ذلک تبلک

غرض یہ اس دور کے حالات کا اور ان قاضی عبدالرحمٰن کے گھرانے کا ایک نمونہ ہے . بہت ممکن ہے کہ قاضی علی بن مسہر ایسے نہ ہوں لیکن جب آئمہ رجال کی شہادت ہے کہ له غرائب بعد ما اضر تو وہ غرائب اسی قسم کے ہوں گے .

علی بن مسہر نے نابینا حالت میں یہ روایت بیان کی

علی بن مسہر کے ان تین تلامیذ نے اگر یہ روایت ان سے سنی ہے تو ان کے نابینا ہونے کے بعد بالکل آخر میں سنی ہے . اس لئے کہ علی بن مسہر کی وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی . وفات سے کافی عرصہ پہلے وہ نابینا ہو چکے تھے . فروہ اور اسماعیل کی وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی . اس لحاظ

سے شیخ کی وفات اور ان کی وفات میں
۴۰ سال کا فرق ہے۔ تو سماعت تو اس
سے پہلے ہی ہو گی تقریبًا چار سال وفات
سے پہلے مانیں تو ان کی اپنی وفات سے
چالیس سال پہلے سماعت متحقق ہو جاتی ہے
چونکہ ان کی پیدائش معلوم نہیں اس لئے
اگر ان کی عمر وفات کے وقت ۹۵ سال
مان لیں تو انہوں نے علی بن مسہر سے اس وقت
سنا تھا جب ان کی عمر ۵۵/۵۴ سال کی ہو گی اور علی
بن مسہر کی عمر ۷۰، ۷۱ سال تھی اور علی
بن مسہر کی اس وقت کی روائت کا اعتبار
نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت یہ عجیب و
غریب روایات بیان کرنے لگ گئے تھے
امام احمد نے اسی لئے ان کے بارے میں
توقف فرمایا۔ اور سائل کو یہ جواب دیا
کہ نابینا ہونے کی وجہ سے زبانی حدیثیں
بیان کرتے تھے۔ اور زبانی روایات میں
غلطیاں ہوتی ہی ہیں
سوید بن سعید کی وفات اور ان کے
سماع میں پچاس سال کا فرق ہو گیا تھا۔
ان کے متعلق تو یقین کے ساتھ نہیں کہا جا
سکتا کہ آیا یہ روایت انہوں نے کسی اور سے
سنی اور منسوب علی بن مسہر کی طرف کر دی
یا انہی سے سنی تو حالت نابینائی میں سنی
ہو گی۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ ان تینوں میں
سے کسی ایک نے یہ روایت علی بن مسہر سے
سنی اور اسے لکھ لیا۔ پھر یہ تحریری روایت
دوسروں کو دیدی۔ کیونکہ تینوں رواۃ سے
تینوں کتابوں میں ایک آدھ لفظ کے ادل
بدل کے ساتھ ایک ہی روایت ہے۔

یہ روائت منظر عام پر کب آئی

علی بن مسہر نے اس روائت کو ۱۸۵ھ
کے بعد ترتیب دے کر اپنے استاد ہشام
بن عروہ کے واسطہ سے اپنے ان تین تلامیذ
میں سے کسی ایک کو یا تینوں کو سنایا۔ اور
انہوں نے اسے لکھ لیا ۱۸۷ھ سے پہلے
اس روایت کا وجود قطعًا ہے ہی نہیں۔

۱۸۵ھ سے پہلے اس روایت کا وجود ہی نہیں

جو لوگ ۱۸۵ھ سے پہلے وفات پا
گئے وہ اس روائت سے بالکل بے خبر
گئے جو کتابیں ۱۸۵ھ سے پہلے لکھی
گئیں ان میں اس روایت کا وجود ہی
نہیں، علی بن مسہر کے ان تلامیذ نے بھی
یہ روایت فورًا ہی بیان کرنی
شروع نہیں کی۔ بلکہ دیر سے شروع کی۔
بخاری نے یہ روائت فروہ سے
کم سے کم ۲۲۰ھ کے بعد سنی ہو گی۔ کیونکہ
بخاری کا پہلا سفر کوفہ ۲۱۲ھ میں ہے
اسی طرح دارمی نے اسمعیل بن خلیل

سے یہ روائت تقریباً اسی زمانہ میں سنی ہو گی ان دونوں شیوخ کی وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی ہے۔ اور دارمی و بخاری کی وفات علی الترتیب ۲۵۵ھ اور ۲۵۶ھ میں ہوئی ہے۔ یہ دونوں ہم عصر ہیں۔ ان دونوں کی تالیفات کا زمانہ بھی ایک ہی ہے یعنی ۲۴۰ھ کے بعد

ابن ماجہ نے یہ روائت سوید سے تقریباً ۲۳۵ھ کے قریب سنی ہوگی۔ اور اپنی کتاب میں ۲۵۰ھ کے بعد لکھی۔

تو اس روائت کے منظر عام پر آنے کا زمانہ تیسری صدی کا چوتھا عشرہ ہے۔ سب سے پہلے اس کو دارمی نے پھر بخاری نے اپنی اپنی سنن میں لکھا

متقدمین کی کتابیں اس روایت سے خالی ہیں۔

اور جو کتابیں اس سے پہلے لکھی گئیں مثلاً مسانید امام اعظم۔ سیرت ابن اسحاق ۳۔ جامع معمر۔ ۴ مؤطا امام مالک۔ ۵ مؤطا امام محمد۔ ۶، ۷ کتاب الآثار للاماین ان میں اس روایت کا کوئی ذکر نہیں ہے ۸۔ مصنف عبدالرزاق۔ ۹ مسند ابو داؤد طیالسی۔ ۱۰۔ طبقات ابن سعد۔ ۱۱ سیرت نبویہ لابن ہشام۔ ۱۲۔ کتاب الام۔ ۱۳۔ مسند امام احمد۔ ۱۴ حتی کہ طبری بھی اس روائت کے کتاب الآثار للامامین بیان سے خالی ہیں۔

حالانکہ جو روایت ایسے نادر مضمون پر مشتمل ہو اسے تو شروع ہی سے عام ہونا چاہیے تھا۔

دوسو سال بعد منظر عام پر آئی۔

ہر دور اور ہر طبقہ میں اس کے ایک دو راوی ہونے چاہئیں تھے۔ نہ یہ کہ پورے دوسو سال تک یہ روائت پردۂ خفا میں رہی۔ اور دوسری صدی ہجری کے آخر میں ایک کوفی شیخ فانی ضریر کے دماغ سے باہر آئی۔ اور کوفہ کے دو غیر معروف نوجوانوں کو اور ایک غیر کوفی کو یہ روائت ملی جس کا سراپا آپ صفحات ماسبق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور پھر یہ تینوں بھی اسے تبرک خیال کر کے اس کی عام روائت نہیں کرتے۔ بلکہ چالیس سال بعد جا کر طبقۂ عاشرہ کے نوجوان طلبہ کے سامنے اس نادر روائت کا ذکر کرتے ہیں۔ اور وہ جوان طلبہ اس طبقۂ عاشرہ کے ان تین بزرگوں سے متاثر ہو کر اور اسے یعنی روائت تزوج کو ہشام بن عروہ کی روایت خیال کر کے اور نادر روایت سمجھ کر نیز اسے قیاس ہشام کا مؤید جان کر اسے قبول کر لیتے ہیں

اور اپنی تصانیف میں درج کرنے کے لئے اپنے ذخیرۂ علم میں سے اسے منتخب کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک تو یہ روایت بالکل مشکوک بلکہ سراسر بے اصل ہے۔

علی بن مسہر کو ہشام بن عروہ سے اس سلسلہ میں اگر کچھ ملا ہوگا تو چند اشارے ملے ہوں گے جن کو انہوں نے ہشام کی وفات کے چالیس سال بعد پھیلا کر یہ شکل دے دی۔ اور انہی اشاروں میں حبابنا یومبذ بنت تسع بھی ہوگا جس پر ہشام کے قیاس کی بنیاد ہے۔

آخر جب کوفے میں ہشام نے اپنے استنباط کا بشکل روایت اعلان کیا۔ تو اس کے راوی تو کوفہ کے سات اور حفاظ حدیث بھی ہیں۔ اور بصرے کے چار حفاظ ہیں۔ لیکن اس ہجرت والی روایت کا ان میں سے ایک بھی راوی نہیں۔

پھر اس کے بعد ہشام عرصے تک عراق میں گھومتے رہے۔ حتی کہ بغداد جاکر اسی سفر میں وفات پائی۔ کیا علی بن مسہر کے سوا کوئی راوی اس روایت کو ان سے نہ سن سکا ایک علی بن مسہر ہی تمام عراق میں بلکہ تمام عالم اسلام میں، ایسے خوش قسمت تھے جن کو ہشام سے یہ نادر تحفہ مل سکا۔ اور سارا عالم اسلام اس روایت کی سعادت سے محروم رہا۔

اس روایت کے راوی ہشام سے اول تو ان کی عمر کے ہر دور میں ہونے چاہئیں تھے ورنہ پھر عراق کے سفر میں تو کم از کم علی بن مسہر کے سوا دو چار اور ہوتے۔

پھر علی بن مسہر نے اپنی جوانی سے لے کر بڑھاپے تک کسی کو بھی یہ روایت نہیں سنائی بالکل اخیر عمر میں کیمیا کے نسخے کی طرح ان کے تین تلامیذ کو یہ سعادت ملی کہ ان سے یہ روایت ان تک منتقل ہو گئی۔

پھر اس طبقہ میں بھی یہ روایت عام نہ ہوئی بلکہ اگلے طبقہ میں آکر یہ منظر عام پر آئی۔ اور نہ کچھ ہوتا تو علی بن مسہر کے طبقہ تاسعۂ میں اور بعد ازاں طبقۂ عاشرہ میں یہ روایت عام ہوتی۔ اس دور کے مصنفین کی کتابوں میں اس کا اندراج ہوتا۔ مگر یہ طبقات بھی اس کے وجود سے خالی ہیں۔

حالانکہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ ایک طبقے کی روایت اسی طبقے میں اور اس سے اگلے طبقے میں معروف ہوتی ہے۔ اس وقت تو ایک ایک روایت کے لیئے طویل سفر کرتے تھے۔

کوفہ مرکز علم تھا۔ مگر اس مرکز علم میں اس طبقہ میں علی بن مسہر کے سوا کوئی اس سے واقف نہیں تھا۔ نویں طبقے کے کسی راوی نے یہ روایت علی بن مسہر سے نہیں لی دسویں طبقے کے تین راویوں تک یہ روایت پہنچی۔

ابُواسامہ کی طرف اسکی نسبت تدلیسًا ہے :

رہ گئی یہ بات کہ مسلم میں اس روایت، کو ابوکریب اور ابوبکر بن ابی شیبہ کے حوالہ سے ابواسامہ عن ہشام بیان کیا گیا ہے ۔

تو چونکہ اس روایت کے اصل مصنف علی بن مسہر ہیں اس لئے اس کی نسبت ابواسامہ کی طرف تدلیسًا ہے ۔

یا ایک ضعیف احتمال یہ بھی ہے کہ علی بن مسہر کے مذکورہ بالا تین تلامیذ میں سے کسی ایک سے خود ابواسامہ نے یہ روائت سنی ہو ۔ ابواسامہ کی وفات ۲۰۱ سنہ میں ہوئی ۔ یہ علی بن مسہر کی وفات کے بعد بارہ سال زندہ رہے ۔ پھر ابواسامہ نے اُس تلمیذ اور علی ابن مسہر کو درمیان سے نکال کر استنباطہ ہشام (جس کے وہ خود براہ راست ہشام سے راوی ہیں) کے اخیر میں اس کو لاحق کر کے ہشام سے بیان کرنا شروع کر دیا

ابواسامہ کوفہ کے محدث ہیں ۔ ان کے متعلق علماء رجال نے اچھی آراء کا اظہار کیا ہے ۔ لیکن کوفہ والوں کا عام مرض تدلیس ان میں بھی تھا ۔

یہ روایت تزوج کی روایت کے آخر میں الحاق ہے :

ابن سعد، کان ثقۃ مامونا کثیر الحدیث یدلس ۔

ثقہ تھا مامون تھا حدیثیں بہت بیان کرتا تھا اور مدلس تھا ۔

سفیان بن وکیع :۔ انی لأعجب کیف جاز حدیث ابی اسامۃ ۔ وکان امرہ بینا وکان من اسرق الناس بحدیث جید ۔ وکان رواہ من ہشام (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص۳ ذکر حماد بن زید)

مجھے تعجب ہے ابواسامہ کی حدیث کیسے جائز ہے اس کا معاملہ واضح ہے وہ اچھی حدیث کا سب سے بڑا چور تھا اور ایسی روایت کو ہشام سے بیان کرتا تھا

اس سے ظاہر ہے کہ یہ ہر اچھی روایت کو لے کر ہشام سے بیان کرنا شروع کر دیتے تھے ۔ صورت یہ ہوتی تھی کہ روایت تو ان کے خیال میں اپنی سند سے ثابت ہوتی تھی ۔ یہ محض درمیان سے زائد واسطوں کو نکال کر اصل راوی ہشام کی طرف نسبت کر دیتے تھے ۔

ابواسامہ کے نزدیک یہ روائت ان کے شیخ ہشام کی تھی ۔ اس لئے علی

بن مسہر کو مع ان کے تلمیذ کے درمیان سے نکال براہِ راست شیخ سے روایت شروع کر دی۔

تدلیس کوفے والوں میں عام تھی

یہ طریقہ کوفہ والوں میں عام تھا، مثلاً سفیان بن عیینہ نے ایک روایت زہری بیان کرنی شروع کی۔ درمیان میں ایک صاحب نے پوچھ لیا آپ نے خود زہری سے یہ روایت سنی ہے تو وہ اس سوال پر خاموش ہو گئے تھوڑی دیر بعد پھر کہا

قال الزهري۔ اس پر سائل نے پھر وہی سوال لوٹایا سفیان نے کہا

لا، انی لم اسمع من الزهری
ولا عمن سمع من الزهری
بل حدثنی عبدالرزاق عن معمر
عن الزهری

سفیان نے کہا نہیں میں نے زہری سے نہیں سنا اور نہ اس شخص سے سنا جس نے زہری سے سنا بلکہ مجھ سے حدیث بیان کی عبدالرزاق نے معمر سے اس نے زہری سے۔

پھر آ گئے یہ روایت ابواسامہ سے ان کے دو معتبر راویوں کو پہنچی اور ان کے بھروسے پر مسلم نے اس کو روایت ہشام بذریعہ ابواسامہ خیال کرتے ہوئے اپنی کتاب میں بیان کیا اور یہ سمجھا کہ بخاری میں تو یہ روایت ہشام علی بن مسہر کے ذریعہ آئی۔ میں اسی روایت ہشام کو ابواسامہ کے ذریعے کیوں نہ لاؤں۔ تاکہ سند بدل جائے اور تعدد طرق بھی ہو جائے۔

یا پھر یہ روایت ابوکریب اور ابوبکر کو انہی مذکورہ بالا تین رواۃ میں سے کسی سے پہنچی اور انہوں نے اس کو تدلیساً ابواسامہ کی طرف نسبت کر دیا۔ درمیان سے ان دو واسطوں کو نکال دیا جن سے اصل میں یہ روایت منقول ہے۔

بہرحال طبقۂ عاشرہ میں اس روایت کے پانچ راوی ہو گئے، جن سے یہ روایت حدیث کی چار کتابوں میں آ گئی ہے۔

مُسلم کی اس روایت میں انا یومیذ نہیں

مسلم کے دو راوی حفاظ حدیث، کوفی اور نہایت قابل اعتماد ہیں لیکن مدلس ہیں۔ ان کی روایت کے اخیر میں اصل جملہ وانا یومیذ جو جانِ روایت ہے موجود نہیں ہے۔ یہ روایت وہی ہے جو بخاری میں ہے اور تحریری زبان میں ہے۔

ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ رواۃ قابل اعتماد ہیں، کیونکہ یہ لوگ بخاری اور دارمی وغیرہ کے اساتذہ ہیں۔ لیکن اس سے اس روایت کی صحت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ اس روایت کے اصل راوی تو علی بن مسہر ہیں جو نابینا ہونے کی حالت میں خود ناقابل اعتماد ہیں۔

اس کے علاوہ پوری تاریخ میں اس روایت کا کوئی مؤید نہیں۔ تیسرے انہوں نے اپنی کتابوں کی کسی کو ہوا نہیں دی اور انہیں اپنے ساتھ ہی قبروں میں لے گئے۔

اس روایت بالا کا کوئی مؤید نہیں

بخاری وغیرہ میں اس روایت کا آ جانا اسے قابل قبول نہیں بنا دیتا۔ بخاری نے یہ روایت فروہ سے سنی اور فروہ نے علی بن مسہر سے یا اپنے کسی ہم عصر سے سنی۔ لیکن علی ابن مسہر سے اوپر تو اس کا وجود ہی نہیں ہے۔

مسند امام احمد میں اس روایت، علی بن مسہر کے (حماد بن سلمہ کی روایت تزوج میں جسے وہ ہشام سے بیان کر گئے ہیں) چند بے ترتیب جملے آئے ہیں۔ اور غالباً اس روایت کی ابتدائی صورت چند اشارے ہی تھے جسے بعد میں یہ شکل دے دی گئی ہے۔

علی ہذا مسند امام احمد میں نکاح عائشہ رضہ اور نکاح سودہ کی مفصل روایت مرسلاً ابوسلمہ اور یحییٰ سے منقول ہے۔ اگرچہ اس کی سند میں محمد بن عمرو۔ علقمہ ہے جو متکلم فیہ ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ روایت محض نکاح سے متعلق تھی۔ اس میں حضرت عائشہ رضہ کی عمر کا بیان نہیں تھا۔ امام احمد کی مسند کے جامعین نے علی بن مسہر کی روایت کا غقدمنا سے شروع ہونے والا حصہ اس مرسل روایت کے آخر میں ترمیم کے ساتھ لگا دیا۔ اور اسے ایک پوری روایت بنا دیا۔ چونکہ مضمون متناسب تھا اس لئے یہ حصہ اوپرا معلوم نہ ہوا اس طرح یہ روایت علی بن مسہر کی روایت کا ایک عمدہ متابع بن گئی۔ امام احمد کی مسند میں کچھ زیادات تو آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے کئے اور کچھ راوی مسند مذکور ابوبکر قطیفی (محمد بن احمد) نے کئے۔

مسند مذکور ۱۸ مسندوں پر مشتمل ہے۔ مسند مذکور کو امام احمد نے بطور بیاض جمع کیا تھا۔ ترتیب نہیں دی تھی۔ یہ خدمت شیخ عبداللہ مذکور نے انجام دی۔ جس میں بہت سی اغلاط بھی ہو گئیں۔ (مقدمہ انوار الباری شرح صحیح البخاری حصہ اول۔ مولفہ مولانا احمد رضا صاحب بجنوری ص۱۴۵)

اگر یہ روایت امام احمد تک پہنچتی تو وہ اسے اس صورت میں جیسا کہ بخاری وغیرہ میں ہے پیش کرتے۔ متصل سند کے ساتھ قوی راوی سے ایک روایت حاصل ہو اُسے کون ترک کر سکتا ہے

امام احمد نے اس روایت علی بن مسہر کو نہیں لیا۔

امام احمد نے علی بن مسہر کا زمانہ پایا ہے۔ انہوں نے کوفے کا پہلا سفر ۱۸۸ھ میں کیا ہے۔ اس وقت علی بن مسہر زندہ تھے۔ اُن کے یہ تمام تلامیذ (فروہ، اسماعیل، سوید) امام صاحب کے ہم عصر ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ روایت امام احمد کو کیوں نہ پہنچی

انہوں نے ایک مرسل روایت کے ضمن میں اس روایت علی بن مسہر کو تتمہ کے طور سے ذکر کیا۔ اس مرسل کے راوی محمد بن بشر ہیں جو کہ کوفہ کے رہنے والے ہیں اور امام احمد کے شیخ ہیں۔ امام احمد نے دس لاکھ احادیث میں سے چالیس ہزار احادیث مسند میں جمع کی ہیں۔ تو اس نادر اور معتبر روایت کو کیوں ترک کر دیا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ یا تو امام صاحب کو یہ روائت نہیں پہنچی یا انہوں نے اسے معتبر خیال نہیں کیا۔

نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مرسل کا یہ آخری حصہ امام صاحب کا نہیں ہے۔ کیونکہ جب ان تک یہ روایت پہنچی ہی نہیں یا پہنچی تو قبول نہیں کی تو اس مرسل کے آخر میں کہاں سے آگئی۔ اس لئے کہ یہ روایت تو اصل میں علی بن مسہر کی ہے۔ اس میں معمولی تغیر کر کے مسند میں شامل کیا گیا کیونکہ اس روایت کی اشاعت کا زمانہ امام صاحب کے بعد کا ہے۔ غالباً اسے مرسل میں عبداللہ یا ابوبکر قطیعی نے شامل کیا ہے۔ تاکہ یہ مرسل کامل بن جائے۔ اور اس مرسل میں حضرت عائشہ رضہ کی عمر سے متعلق جملے بھی انہوں نے مناسب موقع پر جملۂ حالیہ کی صورت میں اضافہ کئے۔

غرض یہ روایت جہاں بھی گئی ہے طبقۂ عاشرہ کے بعد گئی ہے۔ اور بہر حالت میں یہ علی بن مسہر کی روایت ہے۔ یہ تحریری روایت جہاں بھی پائی جائے گی فوراً شناخت ہو جائے گی۔ اسناد تبدیل ہوں گے مگر روایت تبدیل نہیں ہو گی۔

ہم نے اس روائت کے متن پر یہ تسلیم کر کے بحث کی ہے کہ یہ روائت ہشام ہے۔ لیکن ہماری تحقیق کی رُو سے

روایت تزوج عائشہ رض اور لعب بالبنات کے راوی تو ہشام بن عروہ ہیں ۔ اور یہ روائت تزوج اُن کا اپنا استنباط ہے ۔ جو خود ان کے سہو پر مبنی ہے اور لعب بالبنات اسلام سے پہلے کی روایت ہے ۔ جس میں ہشام یا ان کے کسی تلمیذ سے جو براہِ راست ان سے اس کا راوی ہے یہ غلطی ہوئی ہے کہ اس روایت کو حضرت عائشہ رض کے نکاح کے بعد کی روایت قرار دے دیا ۔ لیکن یہ ہجرت عائشہ رض کی مقدمنا سے شروع ہونے والی روایت میں بے سرو پا باتیں ہشام کی معلوم نہیں ہوتیں

یہ روائت علی بن مسہر کے غرائب میں سے ہے

یہ تو علی بن مسہر کے غرائب میں سے ہے ۔ اس کے دو راوی فروہ اور اسماعیل کوفے کے نوجوان تھے ، جنہوں نے شوق حدیث میں علی بن مسہر کی شخصیت سے متاثر ہونے کی وجہ سے اس کی تحقیق نہیں کی ۔ اور من و عن قبول کر لیا ۔ اس روایت کا تیسرا راوی سوید بن سعید ہے جو ائمہ رجال کی نظر میں ساقط الاعتبار ہے ۔ اس نے بھی یہ روائت اگر علی بن مسہر سے سُنی ہوگی تو نابینا ہونے کے بعد سنی ہوگی ۔

اس روایت کو فروہ اور اسماعیل نے جن پر ہم بخاری اور دارمی کا استاد ہونے کی وجہ سے بھروسہ کر سکتے ہیں ۔ اپنی جوانی میں علی بن مسہر سے سنا ۔ اس وقت علی بن مسہر بوڑھے اور نابینا تھے ۔ غرض کسی مرحلے پر اس روائت کی تنقیح نہ ہو سکی اور علی بن مسہر سے اوپر اس کا وجود ہی نہیں ۔ مؤید اور متابع تو کہاں سے آتا ۔

علی بن مسہر کی روائت غیر منقح ہے

ابو اسامہ کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ اس روایت کی نسبت ان کی طرف تدلیساً معلوم ہوتی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ ابو کریب اور ابو بکر صحاح کے بڑے معتمد راوی ہیں ، خصوصیت سے مسلم کے شیوخ میں ان کا بڑا مقام ہے ابو کریب سے مسلم میں ۵۵۶ حدیثیں آئی ہیں ۔ اور ابو بکر سے ۱۵۵۶ حدیثیں بیان ہوئی ہیں ۔ اور یہ دونوں ابو اسامہ کے تلمیذ ہیں ، مگر اس روایت علی بن مسہر کے سلسلہ میں اُن کی حالت یہ ہے کہ ابو بکر نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

وجدت فی کتابی کا ابہام قابل غور ہے۔

وجدت فی کتابی عن ابی اسامۃ ۔ اس عبارت سے تو یہی معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ ابو بکر نے یہ روایت کس سے سُنی، بلکہ متبادر یہ ہے کہ ابواسامہ سے نہیں سُنی۔ بلکہ کسی سے سن کر کہ یہ ابواسامہ کی روایت ہے۔ اپنی کتاب میں لکھ لی، جب تلامیذ کو سنانے لگے تو یہی کہا کہ

" یہ روایت ابواسامہ کی روائت کے طور پر میری کتاب میں درج ہے "
جب تک ابو بکر اور ابواسامہ کے درمیان کا راوی معلوم نہ ہو یہ روائت مجہول ہے۔ ابواسامہ کی روائت کی حیثیت سے قابل قبول نہیں — یا کسی ملنے والے نے ان کو لکھا کہ یہ ابواسامہ کی روائت ہے، اس کے بھروسے پر بیان کرنا شروع کر دیا۔ اس صورت میں بھی درمیان کا راوی مجہول ہے۔ یا اس کا یہ مطلب ہے کہ کتاب بمعنی مکتوب ہے۔ یعنی ابواسامہ نے ان کو لکھ کر بھیجا۔ یہاں کتاب کے یہ معنی لینا اگرچہ مستبعد ہے۔ لیکن مان لیا جائے تو یہ محل تامل ہے کہ دونوں کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ اس مکتوب کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اور بہت سی روایات ابو بکر نے ابواسامہ سے بالمشافہ سُنی ہیں تو یہ روایت کیوں نہ سُن سکے۔ پھر وجدت فی کتابی کا ابہام بھی قابل غور ہے۔ علاوہ ازیں روائت بالکتابت ویسے ہی ضعیف ہے۔ وجدت فی کتابی سے خود ابو بکر ضعف کو ظاہر کر رہے ہیں البتہ ابو کریب نے ضرور حدثنا سے براہ راست سماع کو اور اکیلے کے سماع کو نہیں، بلکہ بہت سے تلامیذ کے سماع کو ظاہر کیا ہے۔

اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ اول تو اس وقت تدلیس عام تھی۔ جبکہ زہری جیسا امام فن ٹھاٹھ سے یہ کہتا ہو۔ اخبرنا عروۃ (چنانچہ بخاری تک میں ان سے اس طرح روایت منقول ہے) حالانکہ زہری کا عروہ سے نہ لقاء ثابت ہے اور نہ سماع تو پھر ابو کریب کا کیا قصور ہے اگر اس نے حدثنا ابو اسامہ کہدیا۔ ان کا تو ابواسامہ سے لقاء بھی ثابت ہے اور سماع بھی۔

مسلم کے نزدیک تو روایت قبول کرنے کے لئے صرف معاصرت کافی ہے

علاوہ ازیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ابواسامہ نے درمیان سے تلمیذ علی

بن مسہر اور علی بن مسہر کو نکال کر اس روایت کو براہ راست اپنے لئے ہشام سے منسوب کر لیا ہے۔ آخر ہشام کی روایت تو ہے ہی۔ اگر ابن مسہر کو درمیان سے نکال دیا تو اس سے روایت میں کیا خرابی آگئی۔ پھر یہ تدلیس ابواسامہ نے ہی کی۔ ابوکریب نے تو ابواسامہ سے ہی سُنا ہوگا۔

ابوکریب نے فقدمنا سے شروع ہونے والا حصہ روایت تزوّج سے مِلا دیا

ہمارے نزدیک ابوکریب نے اتنا کیا ہے کہ علی بن مسہر کی روایت کے اُس حصے کو جو فقدمنا سے شروع ہو رہا ہے روایت تزوج ابوکریب نے ابواسامہ سے سنی تھی۔ اس لئے ان کا یہ کہنا کہ حدثنا ابواسامۃ بالکل صحیح ہے۔ لیکن یہ حصہ ابوکریب نے ابواسامہ سے نہیں سنا۔ بلکہ علی بن مسہر کے کسی راوی فروہ وغیرہ سے سن کر اپنی روایت تزوج میں شامل کر لیا۔ اتنا ضرور کیا کہ آخر میں سے دانا بیومئذ کو اڑا دیا کیونکہ اس کی بجائے پہلے سے روائت تزوج میں وبنی بھا وھی بنت تسع ہے یہی عمل ابوبکر نے کیا کہ روایت تزوج کے بعد جو ابواسامہ سے سنی تھی اور اپنی کتاب میں لکھی تھی اس میں فقدمنا سے شروع ہونے والا حصہ شامل کر لیا دانا بیومئذ کا جملہ آخر سے حذف کر دیا۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہ رہی تھی۔ اس حالت میں ابوکریب کا یہ کہنا کہ حدثنا ابواسامہ بالکل صحیح ہے۔ اس صورت میں یہ عمل ابواسامہ کا نہیں ہے۔ وہ اس روایت سے اپنی زندگی میں بے خبر رہے۔ محض روایت تزوج سے تو واقف تھے۔ اور اسی کے راوی بھی تھے۔

مگر یہ الحاق بے مقصد ہے۔

جس صورت میں یہ حصہ روایت مسلم میں آیا ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ قیاس ہشام، یعنی روایت تزوج کے بنیادی جزو تو فقدمنا سے شروع ہونے والی روایت سے پہلے آچکے ہیں۔ اب کس مقصد کے لئے اس کو بعد میں لایا گیا۔ اس کو تو اب اس صورت میں بلا وجہ روایت تزوج کے بعد لاحق کیا گیا۔

ہاں جس صورت میں یہ روائت بخاری اور دارمی میں آئی ہے۔ وہاں اس کا لانا ضروری ہے۔ کیونکہ روائت تزوج کا بنیادی جزو بناء تسع اس روائت کے آخر میں دانا بیومئذ کی صورت میں

ہے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ اس روایت کو بعد میں زبردستی بے فائدہ روایت تزوج کے بنیادی جزو بنا ء تسع کے بعد لاحق کیا گیا۔ ابوبکر اور ابوکریب نے اپنی روایت تزوج کو جو ابواسامہ سے انہیں پہنچی ہے کامل کرنے کے لئے ایسا کیا۔

ابوکریب اور ابوبکر نے علی بن مسہر کا زمانہ پایا ہے۔ لیکن نہ معلوم کیوں یہ لوگ اصل راوی تک نہ پہنچ سکے۔

یہ روایت ابواسامہ کی نہیں تھی کہ ان سے ملتی۔ ۲۰۰ھ کے بعد انہیں ملی اور انہوں نے اپنی نسبت اونچی کرنے کے لئے اسے ابواسامہ سے تدلیساً قرار دے لیا۔ اور اپنے علمی عروج کے زمانے میں اسے بیان کرنے لگے۔

فردہ سے یہ روایت تیسری صدی کے دوسرے عشرہ میں پہنچی

فردہ سے اس روایت کو لینے والے صرف بخاری ہیں۔ بخاری کی پیدائش ۱۹۴ھ ہے۔ بخاری نے پہلا سفر کوفہ کا ۲۱۲ھ میں کیا۔ معلوم نہیں اس سفر میں فردہ سے یہ روایت لی یا نہیں۔ فردہ کی وفات ۲۲۵ھ میں ہے۔ بخاری نے یہ روائت غالباً ۲۲۰ھ کے قریب حاصل کی۔ اور جب بخاری نے اپنی جامع مرتب کی تو اس روایت کو جامع میں شامل کر دیا۔ فردہ سے بخاری کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں ہے۔ فردہ کے ذریعے اس کے باہر آنے کا زمانہ ۲۲۰ھ کے قریب ہے۔ پہلے یہ روائت علی بن مسہر کے سوا کوفے میں کسی کو معلوم نہ تھی۔ پھر فردہ نے اسے کسی کو نہ بتایا۔ محض بخاری کو اہل جان کر یہ روائت ان کو بتائی۔ بخاری کے الفاظ ہیں حدثنی۔ یعنی اکیلے بخاری نے یہ روایت سنی۔ کوئی اور ساتھ نہیں تھا۔ بخاری نے فردہ کی نیکی سے متاثر ہوکر یہ روائت قبول کرلی۔ ورنہ اس کا وجود تو فردہ کے سوا کہیں تھا ہی نہیں۔ پھر بخاری کے ذریعہ یہ روائت باہر آئی۔ اگر فردہ سے یہ روائت بخاری قبول نہ کرتے تو انہیں تو کوفے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ اب یہ صدوق بھی ہیں اور معتمد بھی ہیں۔

علی بن مسہر سے اوپر اس روائت کا وجود نہیں ہے۔

بخاری کو یہ روائت طبقۂ عاشرہ کے ایک غیر معروف راوی فردہ سے ملی اور اس کو طبقۂ ثامنہ کے ایک خانہ نشین نابینا سے جو اس وقت روایات نہیں بلکہ فسانہ عجائب بیان کرتے تھے۔ اور اس سے پہلے اس روائت کا وجود ہے ہی نہیں۔ محض ہشام

کی طرف نسبت ہے ۔ بخاری کے بعد یہ روایت عام ہوئی اور اس کا اعتبار قائم ہوگیا ۔

علی ہذا اسماعیل بن خلیل کوفے میں ریشم کے تاجر تھے اس سے زیادہ ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں ۔ ان سے عبداللہ دارمی نے یہ روائت ۲۲۰ھ کے قریب سنی ۔ کیونکہ اسماعیل کی وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی ۔ دارمی نے معلوم نہیں کیوں یہ روائت فروہ سے جب وہ کوفے گئے حاصل نہیں کی یا بخاری نے یہ روائت ، اسماعیل بن خلیل سے کیوں نہیں لی جبکہ وہ اسماعیل سے مباشرۃ الحائفں میں خود بخاری میں ان کی روائت قبول کر چکے ہیں ۔ یہ محدثین کی انفرادیت اور تعدد طرق اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کا ذہن ہے کہ اگر ایک مصنف نے ایک طبقہ کے کسی راوی سے روایت لے لی تو دوسرا اسی طبقہ کے دوسرے راوی سے روائت لائے گا چاہے وہ دوسرے اور تیسرے درجہ کا راوی کیوں نہ ہو ۔

اسماعیل فروہ سے زیادہ معروف ہے ، چونکہ دارمی اس سے روایت لے چکے تھے ۔ اس لئے بخاری نے اس روائت کے لئے فروہ کو اختیار کیا ۔ اس سے ہی یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سنن دارمی بخاری پر مقدم ہے ۔ پھر دارمی سے یہ روائت ان کی کتاب کے ذریعہ معروف ہوئی ۔ اسی طرح مسلم نے یہ روایت ابوبکر سے ۲۳۰ھ کے قریب سنی ہو گی ۔ کیونکہ مسلم کی پیدائش ۲۰۴ھ ہے اور ابوبکر کی وفات ۲۳۵ھ میں ہو گئی ۔ اور ابوکریب سے مسلم نے یہ روایت ابوبکر کی روائت کے بعد لی ہو گی ۔ ابوکریب کی وفات ۲۴۸ھ میں ہوئی ۔

اس روایت کی اشاعت کا زمانہ تیسری صدی کے عشرہ رابعہ کے بعد شروع ہوتا ہے ۔

مسلم کا زمانہ تصنیف بخاری کے بعد یعنی ۲۵۰ھ کے بعد ہے ۔ گویا مسلم کو یہ روایت ۲۳۰ھ میں معلوم ہوئی ۔ علی ہذا سوید بن سعید سے یہ روائت ابن ماجہ کو ۲۳۵ھ کے بعد اور ۲۴۰ھ سے پہلے معلوم ہوئی ہوگی ۔ ابن ماجہ کی پیدائش ۲۰۹ھ ہجری اور سوید کی وفات ۲۴۰ھ ہے ۔

اس روایت کی پیدائش ۱۸۹ھ کے قریب کوفے میں اشاعت محدودہ ۲۲۰ھ کے قریب اشاعت عام ۲۴۰ھ کے بعد

الغرض اس روایت کی پیدائش ۱۸۹ھ کے قریب کوفہ میں علی بن مسہر کے زرخیز دماغ سے ہوئی ۔ اشاعت محدودہ ۲۲۰ھ ۔

کے قریب ہوئی۔ اور اشاعت عام ۲۴۰ھ کے بعد ہوئی۔ اس روائت کی ترتیب طبقۂ ثامنہ کے آخر میں ہوئی۔ اس کے باہر آنے کا زمانہ طبقہ عاشرہ ہے۔ اشاعت کا زمانہ طبقۂ حادی عشر ہے۔ گیارھویں طبقہ اور دسویں طبقہ سے یہ روایت حدثنا اور حدثنی اور اخبرنا سے منقول ہے

علی ہذا علی بن مسہر سے بھی انہیں الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔ لیکن علی بن مسہر سے اوپر عن هشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ رض ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سے عمل تدلیس صراحۃً شروع ہو گیا ہے۔

گیارھویں طبقے میں اس روایت کا وجود یقینی، دسویں میں مشکوک نویں طبقے میں اس کا کوئی راوی نہیں۔ آٹھویں طبقے میں صرف علیؒ بن مسھر ہے جو اس کا موجد ہے۔

گیارہویں طبقے کے بعد اس روایت کا وجود یقینی ہے۔ اس کے دسویں طبقے کے جن لوگوں سے ان اکابر محدثین نے یہ روایت قبول کی وہ یا مدلس ہیں یا غیر معروف یا قابل ترک۔ نویں طبقے میں اس روایت کا کوئی راوی نہیں۔ دسویں طبقے کے دو راویوں نے تدلیساً اس کی نسبت ابواسامہ کی طرف کر دی۔ یا پھر ابواسامہ نے ہی یہ روایت علی بن مسہر کے کسی تلمیذ سے لے کر درمیان سے علی بن مسہر اور ان کے تلمیذ کا نام نکال کر براہ راست ہشام سے روایت شروع کر دی۔ اس صورت میں یہ روائت دسویں طبقے سے واپس نویں طبقے میں آئی، پھر دسویں طبقہ کی طرف لوٹی۔ ان غیر معروف رواۃ میں محض اس وجہ سے معرفت آئی کہ یہ بخاری وغیرہ کے استاد تھے۔ آٹھویں طبقہ میں اس روایت کا راوی صرف ایک علی بن مسہر ہے۔ اور یہی اس روایت کا موجد و مرتب ہے۔

بخاری اور ان کے طبقے نے علم حدیث کی بے حد خدمت کی ہے کئی لاکھ حدیثیں جمع کیں اور یاد کیں اور پھر ان میں سے یہ روایات جو ان کی تحقیق کے مطابق نہایت معتبر تھیں انہیں منتخب کر کے اپنی کتابوں میں درج کیں۔ اب ان کی کتابوں میں یہ روایات اخبار متواترہ ہیں۔ اس روایت کو بھی انہوں نے تحقیق کے بعد ہی قبول کیا ہو گا۔

ابو کریب کی ان کے شیخ ابو اسامہ کی ان کے شیخ علی بن مسہر کی کتابیں ان کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں۔

لیکن مقام حیرت ہے کہ ان حضرات نے اس

روایت کو دسویں طبقہ کے شیوخ سے قبول کر لیا۔ اور یہ نہ دیکھا کہ اس سے اوپر نویں طبقہ میں اس کا کوئی راوی نہیں۔ اور آٹھویں طبقہ میں صرف علی بن مسہر ہے اور کوئی اس کا متابع نہیں۔ اس سے اوپر کے طبقات میں کوئی اس کا شاہد نہیں۔ اس روایت کے دو راوی ابوبکر و ابو کریب دسویں طبقہ میں معروف تھے مگر مدلس تھے اور ابوبکر کی یہ روایت منقطع ہے کیونکہ وجدت فی کتابی کہہ رہا ہے ابو کریب کی کتابیں ان کی وصیت کے مطابق ان کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں۔ علی ہذا ان کے شیخ ابواسامہ کی کتابیں بھی ان کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں۔ اسی طرح اس روایت کے اصل مصنف علی بن مسہر کی کتابیں بھی ان کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں۔ تصدیق کا کوئی ذریعہ نہ رہا کہ آیا یہ روایات ان کی کتابوں میں تھیں یا نہیں۔ اور اگر تھیں تو کیا تھیں۔ ان کے الفاظ اور عبارات کیا تھے۔ اسناد کی کیا صورت تھی۔

غرض دسویں طبقے میں اس روایت کے پانچ راویوں میں سے دو غیر معروف، ایک قابل ترک اور باقی دو اگرچہ معروف ہیں لیکن ایک کی روایت منقطع ہے اور دوسرے کی مدلس۔ نویں طبقے میں بخاری والی روایت کا جو دارمی اور ابن ماجہ میں بھی آئی ہے کوئی راوی نہیں۔

مسلم میں جو روایت آئی ہے اس کا راوی نویں طبقے میں ایک ابواسامہ ہے جو حقیقت میں راوی نہیں ہے بلکہ ان کی طرف اس روایت کی نسبت تدلیساً ہے۔ آٹھویں طبقہ میں اس کا ایک راوی صرف علی بن مسہر اس روایت کا مرتب ہے۔ غرض یہ روایت کسی حیثیت سے بھی قابل استشہاد نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

ہشام بن عروہ

ولادت ۶۱ھ میں ہوئی۔ وفات ۱۴۶ھ میں۔ کل عمر ۸۵ سال پائی۔ انہوں نے ابن عمرؓ کو دیکھا۔ ابن عمرؓ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ حضرت جابرؓ کو دیکھا۔ حضرت انسؓ کو دیکھا

اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اپنے تایا کے لڑکے عباد سے روایت کرتے ہیں۔ اپنے تایا عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔

ہشام سے روایت کرنے والے معمر۔ ابن جریج، شعبہ۔ مالک بن انس، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ۔ اسرائیل۔ ابن ابی الزناد۔ عبداللہ بن مبارک۔ ابو معاویہ، علی بن مسہر۔ ابن نمیر۔ اور ابواسامہ ہیں۔

حضرت ہشام ثقہ ہیں۔ اور ائمہ فن نے ان کی احادیث کو قبول کیا ہے۔

ہشام اور حدیث ام زرع

ابوداؤد سے منقول ہے کہ ہشام بن عروہ جب حدیث ام زرع بیان کریں، تو انہیں ترک کر دو۔ کہتے ہیں کہ محدثین میں سے کوئی بھی ہشام بن عروہ کے سوا حدیث ام زرع کو مرفوع بیان نہیں کرتا۔

ان کے ایک ساتھی ابوالاسود یتیم عروہ ہیں۔ یہ ابوالاسود عروہ کے پروردہ ہیں اور یتیم عروہ کہلاتے ہیں۔ آخر میں مصر چلے گئے تھے۔ عروہ کے معتبر راوی ہیں۔ عروہ ہی کے پاس پلے اور بڑھے اور عروہ ہی سے پڑھا ہے۔ انہوں نے ہشام کو جب حدیث ام زرع مرفوع بیان کرتے دیکھا تو ان کو متروک قرار دے دیا۔ چنانچہ ابوداؤد نے ابوالاسود کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث ام زرع کو سوائے ہشام کے اور کوئی مرفوع بیان نہیں کرتا۔

یہ ابوالاسود ہشام بن عروہ پر تعجب کیا کرتے تھے کہ یہ اپنے باپ کی طرف ایسی روائتیں منسوب کرتا ہے جو انہوں نے بیان نہیں کی۔ اور لسا اوقات تو اس قرب تعلق کے باوجود اس غلط بیانی پر سال سال بھر بات نہیں کرتے تھے۔

ہشام کا تغیر اخیر عمر میں۔

ابوالحسن بن قطان کا بیان ہے کہ اخیر عمر میں حافظہ میں تغیر آگیا تھا۔

تین دفعہ مدینہ سے عراق کا سفر کیا۔ آخری سفر سے تو پھر مدینے واپس آئے ہی نہیں۔ اور بغداد ہی میں وفات پا گئے۔ پہلی دفعہ گئے تو عراق میں اس طرح روایت بیان کی :-

حدثنی ابی قال سمعت عائشة۔

دوسری مرتبہ گئے تو اس طرح بیان کی

اخبرنی ابی عن عائشة۔

تیسری مرتبہ کوفے میں اور عراق کے دوسرے شہروں میں اس طرح روایت بیان کی عن ابی عن عائشة۔

ہشام بر رطب و یابس اپنے باپ سے روایت کرنے لگے تھے۔

یعقوب بن ابی شیبہ نے کہا:-

لم ینکر علیہ شیء الا بعد ما صار الی العراق فانہ انبسط فی الروایة عن ابیہ۔ فانکر علیہ ذلک اہل بلدة والذی نرٰی ان ہشاما سہل لاہل العراق انہ کان لا یحدث عن ابیہ الا بما سمعہ منہ۔ فکان

تسهيله انه ارسل عن ابيه مما كان يسمع من غير ابيه

(تهذيب التهذيب ص۴۸ جلد ۱۱)

ان کی کسی روایت کا انکار نہیں کیا گیا مگر جب وہ عراق گئے کیونکہ انہوں نے اپنے باپ سے روایات میں وسعت پیدا کر دی، اہل مدینہ نے اسے اوپرا خیال کیا اور جو ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہشام نے عراق والوں کے لئے یہ کیا پہلے وہ وہی کچھ بیان کرتے جو انہوں نے اپنے باپ سے سُنا تھا۔ اب یہ تسہیل کی کہ جو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے سُنا تھا اسے مرسلاً اپنے باپ سے بیان کرنا شروع کر دیا۔

میزان الاعتدال نے مذکورہ بالا حالات پر یہ اضافہ کیا هو احد الاعلام تغير في اخره - یعنی یہ وہ ایک مشہور شخصیت ہے جس کے حافظہ میں آخر میں تغیر پیدا ہو گیا تھا، لیکن اختلاط تک نہیں پہنچا تھا۔

مگر ابوالحسن بن قطان اور سہیل بن صالح کہتے ہیں کہ آخر میں اختلاط کرنے لگ گئے تھے۔ یعنی اسناد اور احادیث میں گڑبڑ شروع کر دی تھی۔

صاحب میزان ان دونوں کے بیان کے خلاف فرماتے ہیں کہ ان کا حافظہ ایسا نہیں رہا تھا جیسا کہ جوانی میں تھا، اپنی بعض مرویات کو بھول گئے تھے۔ یا وہم پیدا ہو گیا تھا۔ ایسا ہے یا ایسا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے وہ نسیان سے معصوم تو نہیں تھے، آخر عمر میں جب وہ عراق گئے تو اپنی احادیث کی بہت بڑی مقدار عراق والوں کو سنائی تو اس میں کچھ احادیث ایسی بھی آ گئیں کہ جنہیں وہ صحیح بیان نہ کر سکے۔

(میزان الاعتدال ص۔ بیان ہشام بن عروہ)

عبدالرحمٰن بن خراش کا بیان ہے کہ امام مالک ان کے اس عمل سے خوش نہیں تھے۔ اور اہل عراق کے لئے وہ جو احادیث بیان کرتے تھے اس پر خفگی کا اظہار فرماتے تھے۔

وكان مالك لا يرضاه ونقم عليه حديثه لاهل العراق. والمراد انه يرسل.

(میزان الاعتدال حرف الباء)

امام مالک ان سے خوش نہیں تھے اور اہل عراق کے لئے ان کی حدیث پر اظہار ناراضگی کرتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ وہ مرسل بیان کرتے تھے۔ وهو معدود من الطبقة الرابعة من المدينة رضى الله عنهم وقدم الكوفة ايام جعفر المنصور فسمع منه الكوفيون. وقدم بغداد

علی المنصور وتوفی بھا سنة ست واربعین (وفیات الاعیان جلد دوم ص۳۳۱)

وہ طبقہ اربعہ میں شمار ہوتے ہیں وہ منصور کے زمانۂ خلافت میں کوفے آئے کوفیوں نے ان سے روایات لیں اور بغداد منصور کے پاس آئے اور وہیں ۱۴۶ھ میں وفات پائی ۔

ہشام کی عادت ترک فی الکتابت

ابن ابی شیبہ نے ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے :-

عن ہشام بن عروۃ ان اباہ قال لہ کتبت ؟ قال نعم . قال عارضت ؟ قال لا ۔ قال لم تکتب (جامع بیان العلم لابن عبدالبر جلد اول ص۷۷)

ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ اس کے باپ نے کہا تونے لکھ لیا اس نے کہا ہاں لکھ لیا ۔ کہا مقابلہ کرلیا؟ کہا نہیں ، باپ نے کہا تو تونے گویا لکھا ہی نہیں ۔

اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ہشام کو لکھتے ہوئے چھوڑ جانے کی عادت تھی ، تب ہی تو ان کے والد عروہ نے فرمایا کہ اگر تونے مقابلہ نہیں کیا تو لکھا اور نہ لکھا برابر ہے ۔

اس میں شک نہیں کہ احتیاط کا تقاضا بھی ہے کہ لکھنے کے بعد مقابلہ کر لینا چاہیئے ۔ لیکن نہ لکھنے کا مقولہ تب ہی لگ سکتا ہے ، جب لکھتے ہوئے کلمے اور جملے چھوڑ جانے کی عادت ہو ۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں یہ روایت تزوج وبنا ہشام کے سہو کتابت کا شکار ہے ۔ اور ان کے نسیان سے ہی یہ روایت پیدا ہوتی ہے ۔ جیساکہ ہم آئندہ مفصل بیان کریں گے ۔

ہشام منصور کے دربار میں ۔

ہشام بن عروہ اپنی عمر کے آخیر میں بغداد آگئے تھے ، اور ابوجعفر منصور کے درباری بن گئے تھے ، ابوجعفر منصور شروع میں اپنے باپ کی ہدایت کے موافق ان کی قدر کرتا تھا ، لیکن جب خود ہشام نے ایسے طور بنالئے جو خوشامدیوں کے ہوتے ہیں تو منصور نے بھی ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو خوشامدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ۔

ہشام کو منصور سے بڑے بڑے عطیات کی امید تھی ۔ اور اسی بھروسے پر وہ بے تحاشا قرض لیتے چلے گئے چنانچہ ہشام نے مناسب موقعہ پر منصور کے سامنے

اپنی درخواست پیش کی کہ امیرالمومنین میرا قرض ادا کر دیجئے، منصور نے پوچھا تمہارے ذمے کتنا قرض ہے؟ ہشام نے کہا امیرالمومنین ایک لاکھ روپے قرض ہے۔ منصور نے تعجب سے کہا کہ تم اپنے فضل اور سمجھ کے باوجود ایک لاکھ قرض لیتے ہو، جس کے ادا کرنے کی کوئی سبیل تمہارے پاس نہیں ہے۔

ہشام منصور سے طالب عطیات تھے

ہشام نے جواب دیا کہ لڑکے جوان ہو گئے تھے۔ اُن کی شادیاں کرنی ضروری تھیں ورنہ بدراہ ہو جانے کا ڈر تھا۔ شادیوں کے بعد ان کے لئے گھر بنانے بھی ضروری تھے۔ ان کے ولیمے بھی کئے ہیں امیرالمومنین کے اور خدا کے بھروسے پر میں نے قرض لے لیا تھا۔ منصور نے کئی دفعہ ایک لاکھ ایک لاکھ کا اعادہ کیا، یعنی یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔ پھر طبیعت پر جبر کر کے دس ہزار کے عطیہ کا حکم دے دیا۔ ہشام نے کہا جو آپ بطیب خاطر دے رہے ہیں۔ مجھے منظور ہے، میں نے اپنے باپ سے یہ حدیث سنی ہے

من اعطى عطية وهو بها طيب النفس بورك للمعطى والمعطى،

اس کے بعد ہشام بن عروہ نے منصور کے ہاتھ کو بوسا دینا چاہا تو منصور نے روک دیا اور کہا اے ابن عروہ مجھے تمہاری یہ بات پسند نہیں ہے۔ تمہارا مقام اس سے بلند ہے۔ یہ تو عوام کا کام ہے۔ جس روز ہشام کی وفات ہوئی اسی روز ابوجعفر کے ایک غلام کی وفات ہوئی، دونوں کا جنازہ منصور نے ایک وقت میں پڑھا ابن ہشام کے جنازے میں چار تکبیریں کہیں اور غلام کے جنازے پر تعظیماً پانچ تکبیریں کہیں۔ اور اس کا اظہار بھی کر دیا کہ میں نے یہ فرق قصداً اور تعظیماً للغلام کیا ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وفات کوفے میں ہوئی اور دفن بغداد میں ہوئے۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۴ ص۳۸۲ ص۳۷ ذکر ہشام بن عروہ)

تبصرہ

ہشام کی درباری خصوصیات

ہشام کے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱. ہشام آخر عمر میں بغداد آ گئے تھے اور ابوجعفر منصور کے درباری بن گئے تھے۔

۲. اس قدر غیر مآل اندیش تھے کہ ایک لاکھ روپے قرض محض اس بنا پر لئے کہ خلیفہ منصور دوانیقی سے عطیہ مل جائے گا، حالانکہ ابوجعفر منصور جز رس اور کفایت شعار تھا۔

۳۔ جب منصور کے سامنے اس قرض کی ادائیگی کی درخواست پیش کی گئی تو اس نے ناراضی کا اظہار کیا۔ اور ہشام کی ناعاقبت اندیشی پر اظہار تعجب کیا کہ قرض کی ادائیگی کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس نہیں ہے اور قرض اتنا بڑا لیتے ہو۔

۴۔ ہشام نے خدا اور خلیفہ کو ایک درجے میں رکھ کر لجاجت سے منصور سے عرض کی کہ امیرالمومنین کے بھروسے پر قرض لے لیا تھا۔

۵۔ منصور اتنی بڑی رقم دینے کو تیار نہ ہوا، بلکہ ایک لاکھ کا بار بار اعادہ کرکے تفنند ہشام کا اظہار کیا۔ پھر طبیعت پر جبر کرکے کہا دس ہزار دے سکتا ہوں

۶ ہشام نے جب یہ دیکھا کہ خلیفہ میری اس درخواست پر ناراض ہے اور آئندہ کا راستہ بند ہو رہا ہے تو فوراً ہی عرض کیا کہ امیرالمومنین بخوشی جو عنائت فرمائیں مجھے منظور ہے۔ دس ہزار ہی بطیب خاطر عنایت فرمائیے۔ تاکہ آئندہ کے لئے راستہ کھلا رہے

۷ خلیفہ کی خوشنودی کی خاطر اپنے والد سے ایک روایت بھی پیش کردی۔

۸ عوام کی سطح پر اتر کر خلیفہ کے ہاتھ چومنے کے لئے بڑھے تو خلیفہ منصور نے تنبیہاً فرمایا۔ ابن عروہ تمہیں زیب نہیں دیتا کہ تم اس قسم کی خوشامدانہ حرکتیں کرو۔ تمہارا مقام اس سے اونچا ہے، یہ عوام کا کام ہے۔ ان کے لئے باعث عزت و شرف ہے۔

۹ ہشام نے از خرس بوئے لبس است خیال کرتے ہوئے اپنی ضرورت اور درخواست کے ۱/۱۰ پر ہی اکتفا کرلیا۔

زوجۂ ہشام
اور
روائت ابن اسحاق

مشہور مورخ محمد بن اسحاق فاطمہ بنت منذر سے ان کی وہ روایت بیان کرتے ہیں جو صحاح میں فاطمہ سے ہشام کے ذریعہ بیان کی گئی ہے۔ اور فاطمہ بنت منذر اپنی دادی اسماء بنت ابی بکر سے روایت کرتی ہیں۔ یہ فاطمہ بنت منذر ہشام کی بیوی اور بنت العم ہیں۔ ہشام خود یہ روایت بھی اور اس کے علاوہ دیگر وہ روایات بھی اپنی بیوی فاطمہ سے بیان کرتے ہیں، وہ روایت یہ ہے۔

ہشام اپنی بیوی فاطمہ بنت منذر سے روایت کو صرف اپنا حق سمجھتے تھے۔

الف باب المتشبع بمالم ينل:

حدثنا سليمن بن حرب قال حدثنا حماد بن زيد عن هشام عن فاطمة عن اسماء عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم وحدثنی محمد بن المثنی قال حدثنا يحيی عن هشام قال حدثتنی فاطمة عن اسماء ان امرأة قالت يا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لی ضرة فهل علی جناح ان تشبعت من زوجی غير الذی يعطينی ۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبع بمالم يعط كلابس ثوبی زور

(بخاری جلد دوم ص ۷۸۵)

سلیمان بن حرب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا حماد بن زید نے ہم سے حدیث بیان کی ہشام سے اس نے فاطمہ سے ان سے اسماء نے ان سے نبی صلعم نے اور حدیث بیان کی مجھ سے محمد بن المثنی نے اس نے کہا کہ یحییٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اور اس نے ہشام سے اس نے کہا کہ فاطمہ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے اسماء سے کہ ایک عورت نے کہا یارسول اللہ صلعم میری ایک سوکن ہے ۔ کیا میرے لئے کوئی گناہ ہے اگر میں بہ تکلف یہ ظاہر کروں کہ مجھے خاوند نے اتنا دیا ہے کہ میری ضرورت سے زیادہ ہے حالانکہ اس نے وہ نہیں دیا ۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا بہ تکلف وہ ظاہر کرنا جو ملا نہیں کذب ہے ۔

ہشام کہتے ہیں کہ ابن اسحاق کی روایت میری بیوی فاطمہ سے بالکل غلط ہے ۔

قال المولف فاطمة بنت المنذر هی زوجة هشام ۔ ينكر علی ابن اسحاق روايته عنها ۔ ويقول ولقد دخلت بها وهی بنت تسع سنين وما رآها مخلوق قط حتی لحق بالله عزوجل ۔

وكان مالك يقول محمد بن اسحق كذاب ۔ هشام بن عروة كذاب ۔

(تاریخ بغداد جلد اول ص ۲۲۲ ص ۲۲۳)

مولف نے کہا فاطمہ بنت منذر یہ ہشام کی بیوی ہے اور ہشام اس سے ابن اسحاق کی روایت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ۔ میں نے جب اپنی بیوی سے بنا کی وہ نو سال کی تھی اس کے بعد کسی بالغ مخلوق نے اسے نہیں دیکھا یہاں تک کہ اللہ کو پیاری ہوئی امام مالک کہا کرتے تھے محمد بن اسحاق

کذاب ہے۔ ہشام بن عروہ کذاب ہے

قال یحیی بن سعید :-

سألت ہشام بن عروہ عن محمد بن اسحاق فقلت کان یدخل علی فاطمۃ بنت المنذر فقال اھو کان یصل الیہا۔

(تاریخ بغداد جلد اول ص۲۲۳)

یحییٰ بن سعید نے کہا۔

میں نے ہشام بن عروہ سے محمد بن اسحاق کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے کہا وہ (طلب علم کے لئے) فاطمہ بنت المنذر کے پاس جایا کرتے تھے؟ ہشام نے جواب دیا کیا وہ اس تک پہنچ سکتا تھا۔

قال علی قلت لسفیان کان ابن اسحاق جالس فاطمۃ بنت المنذر قال اخبرنی ابن اسحق انہا حدثتہ وانہ دخل علیہا۔

(تہذیب التہذیب۔ ابن اسحاق)

علی نے کہا

میں نے سفیان سے کہا کیا محمد بن اسحاق فاطمہ بنت منذر کی مجلس درس میں بیٹھا ہے؟ اس نے کہا مجھے محمد بن اسحاق نے بتلایا کہ فاطمہ نے مجھے حدیث سنائی اور میں اس کے گھر گیا ہوں۔

یحییٰ بن القطان سے روایت ہے کہ ہشام نے کہا۔

یحدث عن امرأتی فاطمۃ بنت المنذر واللہ ان رأٰھا قط

ایک دفعہ بگڑ کر کہا

الکذاب کذب الخبیث۔

اور ایک دفعہ اس کے متعلق فرمایا۔

عدو اللہ الکذاب۔ یروی عن امرأتی این رأھا۔

(تاریخ بغداد ص۲۲۳ جلد ۱)

محمد بن اسحاق میری بیوی فاطمہ بنت منذر سے حدیث بیان کرتا ہے، خدا کی قسم اس نے کبھی ہرگز اسے نہیں دیکھا۔

خبیث جھوٹ بولتا ہے۔

دشمن خدا کذاب ہے۔

میری بیوی سے حدیث بیان کرتا ہے اس نے اسے کہاں دیکھا ہے؟

ہشام کی اس خفگی کے متعلق عبداللہ بن احمد نے امام احمد سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ابن اسحاق کی روایت درست ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہشام کو اس کا علم نہ ہو۔

امام مالک محمد بن اسحاق کے متعلق سیّئ الرائے تھے۔ ایک دفعہ امام مالک نے فرمایا دجال من الدجاجلہ۔

ایک دفعہ فرمایا۔ ابن اسحاق کذاب ہشام بن عروہ کے متعلق بھی۔ دجالوں میں سے دجال ہے ابن اسحاق کذاب ہے۔ ہشام بن عروہ کذاب ہے۔

ہشام امام مالک کی نظر میں

امام مالک کا قول ہے
ھشام بن عروۃ کذاب
(تاریخ بغداد)

مندرجہ بالا عبارات سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

تبصرہ

١٠ امام مالک محمد بن اسحاق اور ہشام بن عروہ کو ایک سطح پر خیال کرتے تھے درباری اور خوشامدی ہونے کی وجہ سے نفرت کرنے لگ گئے تھے۔

١١ ان کی بسیار گوئی اور بے سر و پا قصوں کی وجہ سے دونوں کو کذاب فرماتے تھے۔

١٢ یہ ٹھیک ہے کہ امام مالک نے ہشام سے روایت قبول کی ہے لیکن عراق کے سفر سے پہلے۔ اور وہ بھی وہ جن کی دوسرے طریقہ سے تائید ہو گئی ہو۔

١٣ جب تک ہشام مدینہ میں رہے اور درباری نہیں بنے اس وقت تک امام مالک کے نزدیک قابل اعتماد تھے۔ لیکن جب عراق میں جا کر عراقیوں کے طور طریق اختیار کر لیے تو امام مالک نے بے اعتباری کا اعلان کر دیا۔ وکان مالک لا یرضاہ و نقم علیہ حدیثہ لاھل العراق۔

١٤ امام مالک کے علاوہ مدینے والے بھی ہشام کی اس تدلیس و تلبیس کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے۔
فانکر علیہ ذلک اھل بلدہ ونقموا علیہ۔
(تہذیب التہذیب)

ہشام کی روایت سبایا الامم

١٥ ہشام اس دور کے اہل علم اور اہل خیر سے کدورت رکھتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ موالی علماء کے سخت خلاف تھے۔ اور اس سلسلہ میں وضع روایات تک سے دریغ نہیں کرتے تھے۔
ہشام بن عروہ سے ایک روائت منقول ہے۔

حدثنا یعقوب بن سفیان حدثنا محمد بن عوف حدثنا محمد بن اسماعیل بن العباس الحمصی حدثنا ھشام بن عروۃ قال کان امر بنی اسرائیل مستقیمًا حتی نشأ فیھم ابناء سبایا الامم

فقالوا بالرای فهلکوا او اهلکوا.

یعقوب بن سفیان نے ہم سے حدیث بیان کی، محمد بن عوف نے ہم سے حدیث بیان کی محمد بن اسماعیل بن عباس حمصی نے ہم سے حدیث بیان کی) ہشام بن عروہ نے ہم سے حدیث بیان کی اپنے باپ عروہ سے اس نے کہا۔ بنی اسرائیل کا معاملہ ہمیشہ معتدل رہا۔ یہاں تک کہ ان میں ظاہر ہوئے مولدون سبایا الامم کی اولاد پیدا ہوئی۔ انہوں نے اپنی رائے سے مذہب اسرائیل میں رخنے پیدا کئے۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

اسی سلسلہ میں انہی ہشام بن عروہ کی ایک اور روایت ہے:۔

حدثنا سفیان عن هشام بن عروة عن ابیه قال لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلا حتی ظهر فیهم المولدون ابناء سبایا الامم فقالوا فیهم بالرای فضلوا واضلوا. قال سفیان لم یزل امر الناس معتدلا حتی غیّر ذلک ابوحنیفة بالکوفة و عثمان البتی بالبصرة. وربیعة ابن ابی عبدالرحمن الرای بالمدینة فنظرنا فوجدنا هم ابناء سبایا الامم (تاریخ بغداد جلد ۱۴ ذکر نعمان ابن ثابت)

سفیان نے کہا (اسناد ہم تک) لوگوں کا معاملہ ہمیشہ معتدل رہا۔ یہاں تک کہ اس کو الٹ پلٹ کر دیا کوفے میں ابوحنیفہ نے۔ بصرہ میں عثمان بتی نے، مدینے میں ربیعہ بن ابی عبدالرحمن الرائے نے۔ پس ہم نے غور کیا تو ہم نے ان سب کو سبایا الامم کی اولاد پایا۔

یعنی اس روایت کا اطلاق حضرت ہشام اور ان کے شاگرد سفیان ثوری وغیرہ ابوحنیفہ۔ قاضی عثمان بتی، قاضی ربیعۃ الرائے مدنی پر کیا کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت ہشام خود بھی ام ولد سے ہیں۔ اور ان کی ماں ام الولد تھیں

اولاد عروہ کا ذکر کرتے ہوئے ابن سعد نے کہا ہے:۔

وهشام وصفیه وامهما ام ولد (ابن سعد جلد ۵ ذکر عروہ بن زبیر)

ابن حزم نے ہشام کے متعلق لکھا ہے:۔

امه ام ولد واسمها صافیة خراسانیة (جمهرة الانساب ابن حزم۔ ذلد عروہ ص۱۱۸)

ہشام اور ان کے تلامیذ ان تینوں سے اس لئے خفا تھے کہ یہ لوگ ہشام

کی بعض روایات کو غلط سمجھتے تھے۔

امام طحاوی نے معانی الآثار میں لکھا ہے کہ حدیث بسرہ جس کی بناء پر مس ذکر سے وضو لازم آتا ہے۔ اس کے راوی عروہ، ہشام کے والد اور خود ہشام ہیں۔

اس روایت کے متعلق ربیعہ قاضی مدینہ ہشام اور ان کے والد پر سخت تنقید فرمایا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ اگر خون میں ہاتھ بھر جائے یا حیض ہاتھ کو لگ جائے تو کیا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس پر سب متفق ہیں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس پر ربیعہ کہا کرتے تھے کہ پھر مس ذکر اس سے بہت کم درجہ کی چیز ہے۔ پھر جوش میں آکر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے لوگوں کی کم عقلی پر تعجب ہے۔ اگر یہ عورت (بسرہ) میری عدالت میں اس حقیر جوتے کے متعلق شہادت دے (اپنے جوتے کی طرف اشارہ کرتے تھے) تو میں اس کی شہادت قبول نہ کروں۔ نماز دین کا ستون ہے۔ اور نماز کی بنیاد طہارت پر ہے۔ اصحاب رسول میں ایک عورت کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو قیام دین کا خیال کرتا۔

امام ابو حنیفہ بھی مس ذکر سے وضو کے قائل نہیں ہیں ہو سکتا ہے کہ عثمان بتی قاضی بصرہ بھی اس کے قائل نہ ہوں۔

اس بسرہ کی روایت کے سلسلہ میں طحاوی نے عروہ کے متعلق لکھا ہے۔ انما دلس بہ۔ اس سند میں عروہ نے تدلیس کی ہے۔ اور ہشام کے متعلق لکھا انما دلس عن ابیہ۔ یعنی ہشام نے بھی اپنے باپ سے تدلیس کی ہے۔ یہ روایت سُنی کسی اور سے اور نسبت اپنے باپ کی طرف کر دی۔

حدیث بسرہ مروان و بنو مروان کا سرکاری مذہب تھا۔ حکومت کے زور سے وہ اس کی اشاعت کرتے تھے۔ عروہ نے رشتہ داری کے خیال سے اور حکومت کے اثر سے اس مسلک کو قبول کیا۔

زہری عبدالملک کے درباری تھے۔ یہ بسرہ اس کی ماں کی دادی تھی اور جدی رشتے کے لحاظ سے خود عبدالملک کی بھی دادی تھی۔ لہذا زہری کے لئے بھی اس کا ماننا ضروری تھا۔

ہشام کی مزید درباری خصوصیات

ہشام خود حکام پسند اور اپنے باپ کی روایات کے سب سے بڑے ناقل ہیں، بلکہ جو کچھ ادھر ادھر سے سنا وہ بھی باپ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ ان ائمہ فن کے قبول کرنے سے یہ ایک فقہی مسلک بن گیا۔

۱۷ حضرت ہشام کی طبیعت پر یہ بات بھی اثر انداز تھی کہ منصور امام ابو حنیفہ کو بلا کر قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کرتا ہے۔ اور وہ انکار کر دیتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ معتوب بھی ہوئے۔

۱۸ مگر ہشام قرض کی ادائیگی کے لیے گڑگڑاتے ہیں تو ۱/۲ ملتا ہے۔

ہشام کی مغلوب الغضبی

ہشام مغلوب الغضب تھے۔ اور جلد مشتعل ہو جاتے تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر رفث وسقط زبان پر لے آتے تھے۔ ایک شخص نے جو اکثر ہشام کی خدمت میں رہتا تھا، ہشام کے والد عروہ اور ان کے تایا عبداللہ بن زبیر میں موازنہ کرتے ہوئے نافع مولیٰ ابن عمر کا قول ان کے سامنے نقل کر دیا اور کہا:-

یا ابا المنذر، نافع مولی ابن عمر کان یفضل اباك عروة علی اخیه عبد الله فقال کذب نافع وما یدری نافع عاض بظر امه۔ عبد الله والله خیر من عروة (تاریخ بغداد۔ ذکر هشام)

اے ابو منذر، ابن عمر کے غلام نافع تمہارے باپ عروہ کو ان کے بھائی عبداللہ پر ترجیح دیتے تھے۔ ہشام نے کہا نافع جھوٹا ہے اور فحش گالی دی، وہ کیا جانے۔ واللہ عبداللہ عروہ سے بہتر ہے۔

یہ نافع مولی ابن عمر مدینے کے اہل علم میں سے ہیں۔ امام مالک ان کی نسبت پر فخر کرتے ہیں۔

ہشام سے اہل مدینہ کا گریز

عراق میں جا کر جو بے سروپا باتیں اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے تدلیسًا بیان کیں، ان کی وجہ سے اہل مدینہ جو پہلے ہشام کی عزت کرتے تھے اور ان کی روایات کو قبول کرتے تھے ان سے گریز کرنے اور ان کی روایات کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

فانكر علیه ذلك اهل بلده ونقموا علیه (تهذیب التهذیب ج ص)

ہشام کے رشتہ دار بھی ان سے نالاں تھے

گھر کے آدمیوں اور مخلص متعلقین نے ان کی داستان سرائیوں پر اور اپنے

باپ کی طرف ان کی غلط نسبت کی وجہ سے ان سے نفرت شروع کر دی تھی ۔

عقیلی کا بیان ہے کہ ابن لہیعہ جیسے ضعیف راوی بھی اس کو بیان کرتے تھے کہ ابوالاسود یتیم عروہ اور دوسرے قریبی رشتہ دار کان یعجب من حدیث هشام بن عروة عن ابیه ۔ وربما مکث سنة لا یکلمه ۔

(تهذیب التهذیب)

یہی وجہ ہے کہ ہشام کی اس نادر روایت کو ان کے گھر کے کسی آدمی نے نہ قبول کیا اور نہ بیان کیا ۔

اگر عروہ اس روایت کے راوی ہوتے تو ان کے معتمد ترین تلامیذ میں سے کوئی تو دوسرا شخص اسے بیان کرتا ۔

ہشام سے امام مالک کی بیزاری

اس وقت امام مالک مدینے کے حالات اور واقعات کے اعلم تھے ۔ وہ مدینے اور مدینے کے رجال کے احوال میں سند ہیں ۔ حدیث کے اخذ و ترک میں انہیں جو بصیرت حاصل تھی وہ کم ہی لوگوں کو نصیب ہوئی ہے ۔

جب ہشام کا انتقال ہوا تو امام مالک کی عمر پچاس سے اوپر تھی ۔ ایک طویل عرصے تک امام مالک ہشام کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے ۔ دونوں مدینے میں ہی رہتے تھے ۔ دونوں کو ایک دوسرے کے حالات معلوم تھے ۔ جب ہشام کی حالت بدلی تو امام مالک نے فوراً ہشام سے بیزاری کا اعلان کر دیا ۔

کان لا یرضاه مالکا ۔ انقم علیه حدیثه لاهل العراق

حتیٰ کہ جب ہشام اپنی داستان سرائی میں حد سے تجاوز کر گئے اور ناقابل قبول روایات اپنے باپ کی طرف نسبت کر کے بیان کرتے رہے تو امام مالک نے حضرت ہشام کے متعلق باوجود ان کے شیخ ہونے کے اعلان کر دیا کہ

هشام بن عروة کذاب ۔ خدانخواستہ امام مالک کو ہشام سے کوئی کد نہیں تھی کہ ہشام کے متعلق اتنی بڑی بات کہتے ۔

اپنی بیوی کے بارے میں ہشام کی غلط بیانی

فاطمہ بنت المنذر کی روایت اپنی دادی اسماء سے موصول ہے ۔ فاطمہ سے روایت کرنے والے ہشام بھی ہیں اور محمد بن اسحاق وغیرہ بھی ۔ مگر ہشام کا اپنی بیوی فاطمہ سے روایت کرنا اور اپنی دادی اسماء سے روایت نہ کرنا دو

باتیں ظاہر کر رہا ہے۔

اول یہ کہ فاطمہ اپنی دادی کے پاس رہتی ہیں اور ہشام ان کے پاس نہیں رہے

دوم یہ کہ فاطمہ ہشام سے بڑی تھیں۔ چھوٹی نہیں تھیں۔

اسماء اپنے بیٹے عبداللہ بن الزبیر کے ساتھ تھیں اور سنہ ۶۱ھ سے بعد کا زمانہ ان کا مکہ میں گزرا۔ ہشام سنہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ ہمیں باوجود تحقیق کے معلوم نہ ہو سکا کہ عروہ اس وقت کہاں تھے۔ بنو مروان سے کشمکش کے وقت یہ کس طرف تھے۔ اجمالی بیان تو ملتا ہے کہ انہوں نے ملکی کشمکش میں حصہ نہیں لیا۔ لیکن مفصل کیفیت معلوم نہیں۔ عبداللہ بن الزبیر کے بعض بھائی تو کھلم کھلا ان کے ساتھ تھے۔ جیسے مصعب بن الزبیر اور منذر لیکن عروہ کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ ان کا تعلق بنو مروان سے بھی تھا۔ کیونکہ مروان ان کا سالا تھا اور عبدالملک سالے کا بیٹا۔ اسی لئے عروہ کی اولاد کبھی کبھی اس کا اظہار کر دیتی تھی کہ ددھیال سے بھی ہم سیادت کے مالک ہیں اور ننھیال کی طرف سے بھی۔ یعنی خلیفہ عبداللہ بن الزبیر ہمارے تایا تھے اور مروان ہمارے ماموں۔ اور عبدالملک ماموں زاد بھائی۔ معلوم نہیں اس وقت یہ اپنے بھائی کی طرف سے کسی جگہ کے عامل تھے یا مکہ ہی میں مقیم تھے۔ بلکہ گمان غالب یہی ہے کہ یہ کھلم کھلا عبداللہ کے ساتھی نہ تھے۔ یا گوشہ نشین تھے یا بنو مروان کے پاس تھے اور ہشام بھی انہی کے ساتھ تھے۔ بہرحال کہیں ہوں لیکن دادی کے پاس نہ تھے۔

فاطمہ بنت منذر کے متعلق یہ تصریح ہے کہ ان کی والدہ ام ولد تھیں اور ان کے چار بھائی ماں جائے اور تھے۔

(ابن سعد)

طبری اور البدایہ میں سنہ ۶۴ھ میں منذر کی وفات بیان کی ہے۔ طبری میں یہ تفصیل ہے کہ واقعہ حرہ میں یہ مدینے میں موجود تھے۔ بعد میں آ کر اپنے بھائی عبداللہ کے معاون بنے اور دفاع مکہ میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ ایک دن ایک شامی سے مقابلے میں اسے قتل کر دیا مگر خود بھی قتل ہو گئے۔

البدایہ میں ہے کہ حضرت معاویہ کے معاون تھے اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق حضرت معاویہ نے وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد مجھے قبر میں اتارنے والوں میں منذر ہوں۔

ابن سعد نے منذر کے متعلق لکھا کہ مدینے کے طبقہ دوم کے رواۃ میں سے ہیں اور اولاد و ازواج کی تفصیل بھی

دی ہے مگر سن وفات نہیں لکھا۔
عمروں کے لحاظ سے بھی ابن سعد نے فاطمہ کے بھائیوں میں کوئی ترتیب قائم نہیں کی۔ اس لئے ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ فاطمہ کی پیدائش کب ہوئی اور ان کے والد منذر کی وفات کے وقت ان کی کیا عمر تھی۔

لیکن چونکہ فاطمہ بنت منذر کی روایت اپنی دادی اسماء سے موصول نہیں مانی جاتی۔ اس لئے ماننا پڑے گا۔ کہ فاطمہ ہشام سے عمر میں بڑی تھیں۔
ہشام کی پیدائش سنہ ۶۱ھ کی ہے تو سنہ ۷۳ھ میں اپنی دادی کی وفات کے وقت ۱۲ سال کے تھے۔ اگر فاطمہ کو ہشام سے تین سال بڑا تسلیم کیا جائے تو ان کی پیدائش سنہ ۵۸ھ ہوتی ہے۔ اور سنہ ۷۳ھ میں ان کی عمر ۱۵ سال بنتی ہے۔

حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد اور اس کے فوراً بعد حضرت اسماء کی وفات کے بعد فاطمہ عروہ کی سرپرستی میں آ گئیں تھیں۔ بحیثیت ولی عروہ نے فاطمہ کا نکاح ہشام اپنے بیٹے سے کر دیا تھا عمر میں کچھ تفاوت تھا مگر زیادہ نہیں تھا یہ نکاح سنہ ۷۳ھ کے قریب ہوا ہوگا۔

فاطمہ ہشام سے بڑی تھیں

اس حساب سے حضرت اسماء کی وفات کے وقت سنہ ۷۳ھ میں فاطمہ بالغہ تھیں اور ہشام نابالغ۔ اسی لئے محدثین فاطمہ کی اس روایت کو قبول کرتے ہیں جو اسماء سے بیان کرتی ہیں۔ کیونکہ یہ روایت موصول بھی ہو جاتی ہے اور علوِ سند کی حامل بھی۔ بلکہ اسی علوِ سند اور اتصال کی خوبی کی بنا پر رواۃ فاطمہ سے روایت سننے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ:۔

فاطمہ بنت منذر کے سلسلہ بیان میں تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ فاطمہ ہشام ابن عروہ کی بیوی ہیں، حضرت اسماء سے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضؓ سے اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت بیان کرتی ہیں۔ اور فاطمہ سے ان کے خاوند ہشام بن عروہ، محمد بن سوقہ وغیرہ روایت بیان کرتے ہیں۔
عجلی کا قول ہے۔

مدنية تابعية ثقة۔

بہرحال ہشام بن عروہ فاطمہ سے روایت کو صرف اپنا حق تصور کرتے ہیں اور اپنی بیوی سے کسی اور کا روایت کرنا بھی ان کو گوارہ نہیں ہے۔
اسی لئے وہ ابن اسحاق کو جو فاطمہ سے روایت بیان کرتے ہیں کبھی فرماتے ہیں۔

کذب الخبیث. کبھی فرماتے ہیں. یحدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر واﷲ ان رآها قط۔

ایک دفعہ تو انتہائی غضب میں فرمایا عدو اﷲ الکذاب یروی عن امرأتی این رآها۔ ولقد دخلت بها وهی بنت تسع سنین ومارآها مخلوق حتی لحقت باﷲ عزوجل

اس آخری جملہ سے ہشام کا کذب صریح ظاہر ہو رہا ہے. یہ لڑکی ہشام سے تین چار سال بڑی ہے. ہشام کی پیدائش ۶۱ھ میں ہے. تو جس وقت فاطمہ کی عمر ۹ سال ہو گی یعنی ۶۷ھ میں تو اس وقت ہشام کی ۵ سال بنتی ہے. یعنی نہ فاطمہ اِس عمر میں تھیں کہ بناء کی جائے. اور نہ ہشام اِس قابل تھے کہ بنا کر سکتے.

یہ ہشام کی عمر کا آخری دور ہے اور اس بڑھاپے میں انہیں یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ فاطمہ سے نکاح کے وقت ان کی اپنی عمر کیا تھی اور فاطمہ کی کیا تھی. بناءِ تسع والی روایت ان کے دماغ پر اس درجہ مسلط ہو چکی تھی. کہ انہوں نے شدتِ غضب میں اس کا اطلاق خود اپنے ہی اوپر کر لیا.

یا پھر وہ دانستہ فرما رہے ہیں اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ میرے اس بیان کی تکذیب مشکل ہے. جو چاہو کہہ دو. نہ فاطمہ ہے اور نہ کوئی دوسرا آدمی ایسا ہے جو میرے خانگی بیان کی تردید کرے گا. ستر سال پہلے کا قصہ کسے یاد رہتا ہے. اور کون موجود ہے جو بتلا سکے کہ صحیح واقعہ کیا تھا.

امام شافعی رح بناءِ تسع کی روایت کے راوی بھی ہیں اور حامی بھی ہیں. اور ان کی رائے ہے کہ لڑکی کو ۹ سال کی عمر میں ایام بھی آ سکتے ہیں. مگر انہیں بھی اپنے قول کی تائید میں صرف ایک مثال مل سکی ہے. اور وہ ام کلثوم بنت علی رض کی مثال ہے. لیکن اس میں بھی امام شافعی یہ متعین نہ کر سکے کہ نکاح کے وقت ام کلثوم کی عمر کیا تھی. اور بناء کے وقت کیا تھی.

پھر امام شافعی کے استدلال کا سارا زور جوازِ نکاح صغیرہ پر ہے. بناء صغیرہ پر نہیں ہے. اسی لئے تو امام شافعی بھی پسند اسی کو کرتے ہیں کہ نکاح بکر بلوغت کے بعد کیا جائے.

واعلم ان الشافعی و اصحابه قالوا یستحب ان لا یزوج الاب والجد حتی تبلغ و یستأذنها لئلا یوقعها فی اسر الزوج وهی کارهة۔

(ابن عربی شرح ترمذی ص ۳۶۴ کتاب النکاح)

امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا مستحب یہ ہے کہ باپ اور دادا بچی کا نکاح نہ کریں یہانتک کہ وہ بالغہ ہو جائے. اور پھر اس سے اجازت بھی لیں اور اس کو اسکی مرضی کے خلاف خاوند کی قید میں نہ ڈالیں.

حضرت ہشام نے تو کمال ہی کر دیا کہ نہ صرف حضرت عائشہ رض سے بنا ر تسع کی روایت بیان کی بلکہ روایت پر خود عمل کرکے بھی دکھا دیا. کہ اپنے چچا کی لڑکی فاطمہ سے ۹ سال کی عمر میں بناء کی.

حالانکہ جس وقت فاطمہ کی عمر ۹ سال تھی اس وقت حضرت ہشام صرف چھ سال کے بچے تھے.

اور ہشام کا بیان حضرت ہشام کی خودپسندی اور عجائب پسندی کی دلیل تو یقیناً بن سکتا ہے لیکن حقیقت کو نہ مسخ کر سکتا ہے نہ تبدیل.

انسان اپنے ذوق عجوبہ پرستی کے لئے کیا کیا کچھ کر جاتا ہے، بالخصوص بڑھاپے میں جب قوای جواب دے جاتے ہیں تو تخیلات کی دنیا بساتا اور عجیب عجیب خارق العادات واقعات سے اسے سجاتا ہے. پھر ہر وقت ان میں لگے رہنے کی وجہ سے وہی اس کی واقعاتی دنیا بن جاتی ہے. اور جب نوجوانوں کو اپنی اس دنیا کی کبھی کبھی جھلک دکھاتا ہے تو وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے مسحور ہو کر اس دنیا میں پہنچ جاتے ہیں جو ان کی اس گوشت پوست کی دنیا سے ماورا ہوتی ہے.

عمر رسیدہ بزرگوں کے یہ ذہنی کردار ماضی کے پردوں میں انہیں چلتے پھرتے نظر آنے لگتے ہیں. اور ماضی کے متعلق ان بزرگوں کا بیان ہی ان کے نزدیک حقیقت بن جاتا ہے. ان کی شخصیت، ان کی عمر کے اثرات، بالوں کی سفیدی، چہرے اور جسم کی جھریاں اور عقیدت کی عینک اصل حقیقت پر پردہ ڈال کر ان بزرگوں کی ذہنی دنیا ہی کو اصلی دنیا بنا دیتی ہے.

حضرت اسماء اور حضرت زبیر کی عمریں.

انہی حضرت ہشام کی دادی اسماء کا نکاح کبر سنی میں ہوا. ان کے دادا زبیر نے حبشے کی طرف پہلی ہجرت کی تو وہ مجرد تھے. ۲۱ سال عمر تھی. حبشہ کے قیام کے دوران ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا اس کے مرنے کے بعد مکے واپس آئے اور اسماء سے نکاح کیا. اسماء کی عمر اس وقت تقریباً ۲۶ - ۲۷ سال تھی. اور باکرہ تھیں، اسماء کے اول و آخر

خاوند بھی زبیر بن العوام ہیں۔ اسماء کی عمر ہجرت مدینہ کے وقت ۲۷ سال تھی۔ ہجرت حبشہ کے وقت حضرت اسماء کی عمر ۱۷ سال تھی۔ یہ زبیر کی ہم عمر ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک سال بڑی ہی ہوں۔

زیادہ عجیب

حضرت ہشام کا اپنی بیوی کے متعلق یہ قول تو آپ نے سن ہی لیا کہ

ولقد دخلت بھا وھی بنت تسع سنین۔ اس سے بھی زیادہ ان ہی کا دوسرا قول حافظ ابن حجرؒ کی زبانی سن لیجئے۔

قال ھشام ابن عروۃ "کانت اکبر منی بثلاث عشر سنۃ" — فیکون مولدھا سنۃ ثمان واربعین)

(تھذیب التھذیب بیان فاطمہ جلد ۱۲)

ہشام بن عروہ نے کہا (فاطمہ بنت منذر) مجھ سے تیرہ سال بڑی تھی تو اس لحاظ سے وہ ۴۸ھ میں پیدا ہوئی۔

ہشام کی یہ دوسری روایت پہلی روایت سے بالکل مختلف ہے۔ خطیب بغدادی نے ہشام کی جو روایت نقل کی ہے اس میں تو ہے کہ میں نے فاطمہ سے ۹ سال کی عمر میں بنا کی۔ اور اس روایت میں ہے کہ وہ مجھ سے تیرہ سال بڑی تھی۔ ان دونوں روایتوں کے حساب سے حضرت ہشام کی فاطمہ سے بناء ہشام کی پیدائش سے چار سال پہلے بنتی ہے۔

لامحالہ ان دونوں روایتوں میں سے ایک تو یقیناً غلط ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی غلط ہوں۔ اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔ اس لئے کہ فاطمہ حضرت ہشام سے غالباً صرف تین چار سال بڑی تھیں۔

مگر ان حضرت نے اپنی روایت میں اعتبار پیدا کرنے کے لئے اپنی بیوی کو اپنے سے دس سال اور بڑھا دیا۔ تین کے بجائے تیرہ کر دیا۔ جیسا کہ انھوں نے حضرت عائشہ والی روایت میں یہی حرکت کی ہے کہ ان کی عمر میں سے دس گھٹا کر ۱۹ کے بجائے ۹ کر دیئے اور پھر ان کا بچپن ثابت کرنے کے لئے چن چن کر بچپن کے لوازمات اپنی روایتوں میں حضرت عائشہ کے ساتھ چسپاں کرنے شروع کر دیئے۔

الغرض۔

غرض یہ ہے کہ یہ حضرت ہشام

مجموعہ اضداد ہیں۔ سرکاری درباری قسم کے آدمی ہیں، داستان گو ہیں، سیرت کے صحیح درجے کی روایات کو احکام کی روایات میں تبدیل کرنا ان کا محبوب فن ہے۔

ہشام کی روایت سبایا الامم پر مزید بحث

ہشام بن عروہ کی سبایا الامم والی روایات اس وقت کے عرب ذہن کی ترجمان ہیں۔

بنو مروان کے دور میں عرب انساب کی فوقیت کو ابھارا گیا تھا۔ اور یہ فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ عرب باقی تمام لوگوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ بنو مروان سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کا تو یہ ذہن بن گیا تھا کہ موالی ہم سے کم رتبہ لوگ ہیں اسی گروہ میں سے ہشام بن عروہ بھی تھے۔

حالانکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے۔ جس نے طبقاتی برتری کو ختم کر کے اسلامی مساوات کا ذہن پیدا کیا تھا۔ لیکن بنو مروان کے دور میں طبقاتی برتری کا ذہن پھر ابھر آیا اور نسلی تفوق کو خاص اہمیت دی جانے لگی۔ مگر اسلام نے غلاموں کے لئے آزادی کا جو راستہ بنا دیا تھا اسے وہ بند نہ کر سکے۔

موالی ریاست کے جھگڑوں میں الجھنے کے بجائے تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئے۔ اور علوم قرآن و حدیث میں وہ مہارت پیدا کی کہ اشرافِ قریش ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مطالب قرآن اور سنتِ رسول کا قیمتی سرمایہ انہی موالی علماء کے ذریعہ ہم تک پہنچا۔ پوری امتِ مسلمہ ان موالی علماء کی زیرِ احسان ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی پوری عمریں خدمتِ دین میں بسر نہ کرتے اور حفاظتِ دین نہ کرتے تو سنت کے بیشتر حصے سے امتِ مسلمہ محروم رہ جاتی۔

ہم یہاں اختصار کے ساتھ موالی علماء کا ذکر کرتے ہیں۔

موالی عُلماء یا "سبایا الامم"

۱ موالیٰ مکحول

یہ اپنے دور کے سرتاج علماء ہیں زہری کہا کرتے تھے کہ حقیقی عالم اس زمانے میں تین ہی ہیں۔ اور ان تین

ہیں مکحول کا نام سرفہرست بیان کیا کرتے تھے۔ یہ مکحول اپنے تلامیذ سے اپنی روداد علم مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا کرتے تھے :۔

الف۔ عتقت بمصر فلم ادع بها علما الا حويته فيما ارى ثم اتيت العراق ثم المدينة فلم ادع بهما الا حويته عليه فيما ارى ثم اتيت الشام فغربلتها (تذكرة الحفاظ جلد اول ص۱۲۰)

میں مصر میں آزاد ہوا وہاں کا تمام علم میں نے سمیٹا پھر عراق آیا پھر مدینے آیا اور اپنی استطاعت بھر وہاں کے علوم کو سمیٹا پھر شام آیا اور وہاں اپنے تمام علوم کو چھانا پھٹکا۔

۲۔ موالی رفیع بن مہران :۔

موالی رفیع بن مہران ابوالعالیہ الریاحی اپنا اور اپنے ساتھیوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے :۔

كنا عبيدين مملوكين۔ منا من يودى الضريبة ومنا من يخدم اهله . فكنا نختم كل ليلة مرة (ابن سعد جلد اول ص۸۱)

ہم غلام تھے۔ کچھ ایسے تھے جو مالکوں کو نقد کما کر دیتے تھے۔ کچھ اپنے مالکوں کی خدمت کرتے تھے اور ہم ہر رات ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

انہی ابوالعالیہ کے متعلق ابن عباس کا رویہ یہ تھا :۔

كان ابن عباس يرفعني على سريره وقريش اسفل منه ويقول هكذا العلم يزيد الشريف شرفا ويجلس كالملوك على الاسرّة (تذكرة الحفاظ جلد اول ص۱۲۰)

ابن عباس مجھے اپنے تخت پر بٹھاتے تھے اور قریش نیچے فرش پر بیٹھتے تھے اور ابن عباس رضؓ کہا کرتے تھے۔ علم اس طرح شریف کے شرف کو زیادہ کرتا ہے اور بادشاہوں کی طرح تخت پر بٹھاتا ہے۔

عامۃ المسلمین نے ان موالی علماء کی بہت قدر کی لیکن شرفاء قریش اور حکام بنو مروان کا خاص طبقہ ان موالی علماء سے نفرت کرتا تھا۔ اور علم کے میدان میں ان سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے حسد کرتا تھا۔

قاضی حسن بن زیاد نے جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے :۔

كانت ولاة بني امية لا يدعون بالموالي من الفقهاء للفتيا (مناقب خوارزمی)

حکام بنو امیہ موالی فقہا کو فتویٰ نہیں دینے دیتے تھے

بصرے کے مشہور عالم عبداللہ بن عون کو جنہیں اس دور کا راسخ فی العلم تصور کیا جاتا تھا۔ بصرے کے گورنر بلال بن ابی بردہ نے اس جرم میں کوڑے لگوائے تھے کہ لانه تزوج امراة عربية۔

غرض اس دور کے برخود غلط شرفاء قریش اور بنو مروان کے سامنے اپنی خاندانی فضیلت کے سوا اور کوئی بلند نصب العین نہیں تھا۔

ابن سعد نے امام زین العابدین کا ایک قصہ نقل کیا ہے کہ آپ نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے کر دیا۔ اور اپنی ایک کنیز کو آزاد کر کے اس سے خود نکاح کر لیا۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے ایک خط میں امام زین العابدین کو خاندانی شرافت کا حوالہ دیتے ہوئے اس عمل پر طعن و تشنیع کی۔ امام زین العابدین نے اس کے جواب میں لکھا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ فقد اعتق رسول الله صلى الله عليه وسلم صفية بنت حيي وتزوجها و اعتق زيد بن حارثة وزوجه ابنة عمته زينب بنت جحش

تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ صلعم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ رسول اللہ صلعم نے صفیہ بنت حیی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ اور زید بن حارث کو آزاد کر کے اس سے اپنی پھوپھی کی لڑکی زینب بنت جحش کا نکاح کر دیا۔

مکالمۂ زہری و عبدالملک

ابن شہاب زہری اور عبدالملک کا ایک مکالمہ مقدمۂ ابن صلاح ص ۲۱۶ مطبوعہ مصر میں نقل کیا گیا ہے۔

ایک دفعہ زہری عبدالملک کے دربار میں پہنچے تو اس نے مختلف شہروں کے مرجع انام علماء کے متعلق دریافت کیا۔

عبدالملک:- تم اس وقت کہاں سے آرہے ہو؟

زہری:- مکہ معظمہ سے۔

عبدالملک:- مکے میں سب سے بڑا مقبول خلائق عالم کون ہے؟

زہری:- عطا بن ابی رباح

عبدالملک:- یہ کون ہے، عرب ہے یا موالی میں سے؟

زہری:- موالی میں سے۔

عبدالملک:- اس نے یہ مقام کیسے حاصل کیا؟

زہری:- قرآن و سنت کی خدمت سے۔

عبدالملک :۔ درست ۔ یہ دونوں باتیں ہی ایسی ہیں کہ آدمی کو پیشوا بنا دیتی ہیں ۔

〃 :۔ یمن کا سب سے بڑا عالم اور امام کون ہے ؟

زہری :۔ طاؤس بن کیسان

عبدالملک :۔ یہ کون ہے ، عرب ہے یا مولیٰ !

زہری :۔ موالی میں سے ہے

عبدالملک :۔ اس نے یہ بزرگی کیسے حاصل کی ،

زہری :۔ جس خدمت سے عطا آگے بڑھے اسی خدمت سے یہ بھی آگے بڑھ گیا ۔

عبدالملک :۔ اچھا مصر کا عالم اور امام کون ہے ؟

زہری :۔ زید بن حبیب

عبدالملک :۔ عرب ہے یا موالی میں سے ؟

زہری :۔ موالی میں سے ۔

عبدالملک :۔ اور شام کا امام کون ہے

زہری :۔ مکحول ۔

عبدالملک :۔ عرب ہے یا مولیٰ ۔

زہری :۔ موالی میں سے ہے ۔ پہلے یہ غلام تھے قبیلۂ ہذیل کی ایک عورت نے ان کو آزاد کیا تھا ۔

عبدالملک :۔ جزیرے کا عالم کون ہے ؟

زہری :۔ میمون بن مہران ۔

عبدالملک :۔ مولی ہے یا عرب ؟

زہری :۔ مولیٰ

عبدالملک :۔ خراسان کا سب سے بڑا عالم ان دنوں کون ہے ؟

زہری :۔ ضحاک بن مزاحم

عبدالملک :۔ مولیٰ ہے یا عرب

زہری :۔ مولیٰ ہے ۔

عبدالملک :۔ (ٹھنڈا سانس بھر کے) ویلک افسوس ہے تجھ پر ۔ اچھا کوفے کا سب سے بڑا عالم اور مقتدا کون ہے ؟

زہری :۔ ابراہیم نخعی ۔

عبدالملک :۔ مولیٰ ہے یا عربی ؟

زہری :۔ یہ عربی النسل ہے ۔

عبدالملک :۔ اُف زہری اب تم نے ایک بات ایسی کہی کہ جس سے میرے دل کا بوجھ کم ہوگیا اگر اب کے تم یہ جواب نہ دیتے تو قریب تھا کہ میرا کلیجہ پھٹ جاتا ۔

اس کے بعد عبدالملک نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا ۔ قطعاً اور یقیناً یہ موالی عربوں کے پیشوا اور سردار بن کر رہیں گے ۔ یہ ہو کر رہے گا کہ منبر پر بیٹھا ایک مولیٰ خطبہ دے رہا ہے ۔ اور اسی منبر کے نیچے عرب بیٹھے سن رہے ہوں ۔

زہری نے عبدالملک کے غصے کو کم کرنے کے لئے اصل حقیقت کی طرف اشارہ کیا اور کہا امیر المومنین یہ اللہ کا

دین ہے۔ جو بھی اس کا علم حاصل کرے گا وہی امام بنے گا۔ اور جو اس علم سے لاپرواہی برتیں گے وہ گریں گے، انہیں گرنا ہی پڑے گا۔

خود زہری بھی اسی ذہنیت کا شکار تھے۔

اخبرت عن عبد الرزاق ابن ھمام اخبرنا معمر قال قیل للزھری زعموا انك لا تحدث عن الموالی. فقال انی لا احدث عنھم ولکن اذا وجدت ابناء المھاجرین والانصار اتکئوا علیھم فما اصنع بغیرھم (طبقات ابن سعد جلد ص)

زہری سے کہا گیا لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم موالی علماء سے حدیث بیان نہیں کرتا لیکن اس مجبوری کا کیا کروں جب میں دیکھتا ہوں کہ مہاجرین اور انصار کی اولاد انہیں پر بھروسا کئے ہوئے ہے تو میرے لئے بھی اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

لیکن اس وقت کے جید عرب علماء محض علم کی وجہ سے ان موالی علماء کی بہت قدر کرتے تھے۔ اور عوام بھی ان کے علم اور زہد و اتقاء کی وجہ سے انہیں قابل قدر خیال کرتے تھے۔ خصوصیت سے عباسی دور میں جب عرب عصبیت کم ہو گئی تھی۔ تمام علمی مراکز پر بیشتر ان موالی علماء کا قبضہ ہو گیا تھا۔

ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ

دخلت علی بن عباس وھو امیر البصرۃ فناولنی یدہ حتی استویت معہ علی السریر

(ابن سعد جلد ۷ ص)

میں ابن عباس کے پاس گیا وہ اس وقت بصرے کے حاکم تھے، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس تخت پر بٹھا لیا۔

جن دنوں بنو مروان اور قریش کے شریف زادوں کا یہ حال تھا کہ موالی علماء کی تذلیل کرتے تھے۔ انہی دنوں ابن عمر کی یہ کیفیت تھی کہ مجاہد بن جبیر کے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑے ہیں۔ خود مجاہد فرماتے ہیں کہ

"ربما اخذنی ابن عمر بالرکاب"

بسا اوقات ابن عمر میرے گھوڑے کی رکاب پکڑ لیتے تھے۔

۳۔ مولیٰ حکم بن عتبہ

کوفے کے ایک مشہور عالم حکم بن عتبہ جو موالی میں سے تھے جب کبھی مدینے تشریف لاتے تو منقول ہے کہ

خلّوا لہ ساریۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (تذکرۃ الحفاظ جلد اول)

تو لوگ آپ کے لئے سارية النبی صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نشست گاہ) خالی کر دیتے تھے۔

۴ مولی حبیب بن ثابت

اسی طرح کوفہ کے دوسرے مشہور عالم حبیب بن ثابت جو تابعی ہیں جس وقت طائف تشریف لے گئے تو ابو یحيٰ القتات کا بیان ہے کہ

کانما قدم علیه النبی صلی الله علیه وسلم۔

گویا نبی علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لے آئے۔

۵ مولی منصور بن زاذان

منصور بن زاذان واسطی کا جب انتقال ہوا تو عباد بن العوالی کا بیان ہے۔

رایت النصاریٰ علیحدة و الیهود علیحدة قد اخذ خالی بیدی من کثرة الازدحام۔

میں نے یہود کو علیحدہ دیکھا اور نصاریٰ کو علیحدہ دیکھا اور میرا ماموں میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا کثرتِ ازدحام کی وجہ سے۔

۶، ۷ مصر کے دو موالی علماء

مصر کے دو مشہور عالم یزید بن حبیب اور عبیداللہ بن جعفر کا مصر میں اتنا اثر تھا کہ هما جوهرتا البلاد كانت البيعة اذا جاءت لخليفة هما اول من يبايع
(تذکرہ۔ جلد اول)
وہ دونوں ملک کے مانے ہوئے شخص تھے جب کسی خلیفہ کی بیعت کا وقت آتا تو سب سے پہلے یہ بیعت کرتے

۸ مولی حسن بصری

حسن بصری کے متعلق یہ مشہور تھا کہ هو سيد شباب اهل البصرة (تذکرہ جلد اول)
وہ بصرے کے جوانوں کا سردار تھا۔

۹ مولی محمد بن سیرین

كان محمد بن سيرين و الحسن سيدی اهل هذا المصر عربها و مولاها (ابن سعد جلد ۷)

محمد بن سیرین اور حسن اس شہر کے سردار تھے زینت تھے آقا تھے۔

۱۰ مولیٰ عبداللہ بن المبارکؒ

جب شہر رقہ میں داخل ہوئے تو ہارون الرشید اور اس کی بیوی وہاں موجود تھے۔ لوگ ان کے استقبال کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اور یہ حال ہوا کہ

ارتفعت الغبرة و تقطعت النعال۔ غبار چڑھ جاتا تھا اور جوتیاں ٹوٹ جاتی تھیں۔

زبیدہ زوجہ ہارون نے اس نظارے کو دیکھ کر کہا تھا۔

ھذا واللہ الملک لا ملک ھارون الذی لا یجمع الناس الا بشرطی و اعوان۔

خدا کی قسم یہ بادشاہ ہیں نہ کہ ہارون بادشاہ جس کے لئے لوگوں کو سپاہیوں اور اعوان کے ذریعے جمع کیا جاتا ہے۔

۱۱ مولیٰ عکرمة

حضرت ابن عباس کے مولیٰ عکرمہ کے متعلق ابن سعد نے لکھا ہے۔

فاجمع الناس علیہ حتی اصعدوالہ فوق ظھر بیت۔

لوگ ان کی زیارت کے لئے اس قدر جمع ہو گئے کہ ان کو گھر کی چھت پر چڑھانا پڑا۔

۱۲ مولیٰ اسماعیل بن عبید بن ابی المھاجر

انہیں عبدالملک کو اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کرنا پڑا جب عبدالملک نے اس خدمت کا معاوضہ دینا چاہا تو اسماعیل نے قرآن کی تعلیم پر اجرت لینے سے انکار کر دیا۔ عبدالملک نے کہا کہ یہ قرآن شریف کی تعلیم کا معاوضہ نہیں ہے بلکہ نحو وغیرہ سکھانے کا معاوضہ ہے۔ (ابن سعد جلد ۷)

۱۳ تا ۱۶ چار موالی علماء

صرف مرو میں موالی کی اولاد میں سے چار عالم ایسے پیدا ہوئے جو اپنے وقت کے امام تھے۔

خرج من مرو اربعة من اولاد العبید ما منھم احد الا وھو امام عصرہ۔ عبد اللہ بن المبارک و مبارک عبد۔ و ابراھیم بن میمون الصائغ و میمون عبد۔ والحسین بن

واقد و واقد عبد . وابوحمزة محمد بن میمون و میمون عبد (معرفت علوم الحدیث للحاکم)

غلاموں کی اولاد میں سے مرو کے چار مشہور علماء ہوئے ہیں، ہر ایک ان میں سے اپنے وقت کا امام تھا، عبداللہ بن مبارک، ابراہیم بن میمون صائم حسین بن واقد، ابوحمزہ محمد بن میمون علی الترتیب ان لوگوں کے والد، مبارک، میمون واقد میمون غلام تھے .

آخر میں ان موالی علماء کا حلقۂ اثر اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ مدینے کے سوا تمام ممالک اسلامی نے ان موالی علماء کی سیادت اوران کے علوم کو قبول کر لیا تھا . اور ہر جگہ یہی موالی علماء درس دیتے تھے اور مرجع خلائق تھے .

لما مات العبادلة سار الفقه فی جمیع البلدان الی جمیع الموالی الا المدینة فان الله خصها بقرشیة فکان فقیه اهل المدینة سعید بن المسیب غیر مدافع .

(مقدمه ابن صلاح)

جب عبادلہ کا انتقال ہو گیا (یعنی چاروں عبداللہ وفات پا گئے) تو تمام شہروں میں فقہہ کلیتہً موالی علماء کی طرف منتقل ہو گئی سوائے مدینے کے کہ اللہ نے اسے قرشیوں سے مخصوص رکھا . پس سعید بن المسیب فقیہ مدینہ تھے، بلانزاع .

• غرض ان موالی علماء کے اثر و رسوخ سے قریش کے شرفاء نہ صرف یہ کہ گھبراتے تھے بلکہ حسد بھی کرتے تھے ہشام جن کا بچپن، جوانی، بڑھاپا سب بنی مروان کے دور میں گذرا ہے ان مروانی اور قرشی اثرات سے بے حد متاثر تھے . اسی لئے انہوں نے اس قرشی اور مروانی ذہن کی ترجمانی اپنے اس کلام میں کی ہے جس کو انہوں نے اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے روایت بنا دیا ہے .

یہ روایت ہشام عبدالملک کے آخری دور کی معلوم ہوتی ہے جبکہ مروانیوں کا اور عربی عصبیت کا پورا زور اور عروج تھا .

۱۳۲ھ میں عباسی حکومت قائم ہو گئی ۱۳۶ھ میں ابوجعفر منصور تخت نشین ہوا . اس وقت سے عباسی حکومت کو استحکام نصیب ہوا . اسی جعفر منصور کے زمانہ میں ہشام عراق میں آ گئے، اور آخری سفر عراق ۱۴۴ھ ۱۴۵ھ میں کیا . کوفے اور بصرے گئے بغداد آئے اور وہیں وفات پائی . واپس مدینے نہ جا سکے .

حضرت ہشام کی یہ روایت جس سے

اہل الرائے کی مذمت ہوتی ہے ان لوگوں کی زندگی ہی میں اور عروج کے زمانہ میں بیان کی گئی ہوگی ، اور وہ زمانہ بنومروان کا آخری دور معلوم ہوتا ہے ۔ ربیعہ بن عبدالرحمٰن الرائے ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے ہیں ، یہ امام مالک کے استاد تھے اور سفیان ثوری کے بھی استاد ہیں ۔ ابن سیرین اور حسن بصری سے زیادہ عالم تھے ۔ ان کے متعلق امام مالک کا قول ہے ۔

ذھبت حلاوۃ الفقہ منذ مات ربیعۃ ۔ بعض نے کہا ۱۴۲ھ میں فوت ہوئے ۔ عثمان بتی قاضی بصرہ جو اہل الرائے تھے ۱۴۳ھ میں فوت ہوئے ۔

المختصر ہشام نے عربی عصبیت کے زیر اثر اور مروانی اثرات سے متاثر ہو کر یہ بے سر و پا روایت بیان کی ہے ۔ جس سے ہشام کی تنگ نظری عیاں ہے ۔

حضرت ہشام اہل الرائے کے سخت خلاف ہیں ۔ کیوں نہ ہوں ۔ روایت میں تو کسی کو باز پرس کا حق نہیں ہے ۔ جو چاہو بیان کرو ۔ پھر حضرت عائشہ کے بھانجے اور بھانجے کے بیٹے کی روایت پر تو کون انگلی رکھ سکتا ہے ۔ لیکن درایت میں تو بال کی کھال نکلتی ہے ۔ اس لئے وہ درایت کی نفی کیوں نہ کرتے ۔

موالی اور نبی کریم صلّی اللہُ عَلیہِ وَسَلّم

اس روایت ہشام کا انداز بتلا رہا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہو سکتا ۔ جس دین کے ابتدائی مؤید غلام ہوں جنہوں نے اپنے عقیدے اور دین کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہوں اور آپ ان سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتے ہوں ۔ ان کی مذمت اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ؟ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے ۔ بلال ، یاسر ، سمیہ ، عمار ، صہیب ، ابو رافع ، سلمان فارسی ، زید بن حارثہ ، ام ایمن کون تھے ؟ انہوں نے بیشتر شرفاء قریش سے پہلے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لئے پیش کیا تھا ۔ یہ سب کے سب اولاد سبایا نہیں بلکہ خود سبایا تھے ۔ انہوں نے اسلام کے لئے جو تکلیفیں اٹھائیں ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ ان کے مقابلہ میں احرار قریش نے کوئی تکلیف ہی نہیں اٹھائی ۔ کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو سبایا کہہ کر ان کی دل آزاری نہیں کی۔ کبھی سماجی مقام کو نہیں گرایا ہر ضرب پر جس کے منہ سے اَحد اَحد نکلتا تھا وہ کون تھا جن کو گرمیوں کی دوپہر میں گرم ریت پر لٹایا جاتا تھا وہ کون تھے یہ بلال و یاسر تھے۔

"سبایا" کہہ کر حضرت ہشام جن کی توہین کر رہے ہیں انہیں میں سے بلال ہیں جن کو حضرت عمرؓ سیّدنا بلال کہتے ہیں۔ جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سلمان منا اھل البیت یہ السابقون الاولون سبایا ہی میں سے تو تھے۔

نبیوں کے اتباع کا پہلا شرف معاشرے کے کچلے ہوئے انہی لوگوں کو نصیب ہوا اور اپنے وقت کے صاحب اختیار لوگوں نے اپنے وقت کے انبیاء کو یہی طعنہ دیا ہے۔

قَالُوْا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (پارہ ۱۹ رکوع ۱۰)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ (پارہ ۱۲ رکوع ۳)

قرآن مجید نے اپنی سوسائٹی میں معیار شرافت بدل دیا ہے رنگ اور نسل پر اس کی بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ مکارم اخلاق پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ

محض شہادتین پڑھ لینے سے انسان اس برادری کا فرد بن جاتا ہے اور اخوۃ کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے جاہلیت کے تمام ضابطے ختم ہو جاتے ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں خود باندی اور غلام ہونا کوئی عیب نہیں تو غلام اور باندی کی اولاد ہونا کیسے عیب ہو سکتا ہے۔

موالی اور رائے

حضرت ہشام رائے کے استعمال پر خفا ہیں۔ لیکن قرآن شریف میں تو بار بار غور و فکر کی دعوت ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۔

قرآنی علوم تو کھلتے ہی ان لوگوں پر ہیں جو تدبر اور تفکر کرتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت معاذ کو یمن بھیجتے ہوئے پوچھا تھا " کیسے فیصلہ کروگے " ؟
توانہوں نے جواب دیا تھا کہ
" قرآن شریف سے ۔ اور اس میں نہ ملا تو آپ کی سنت سے ، اور اگر اس میں بھی نہ ملا تو اجتہاد اور فکر سے "
اس پر آپ نے فرمایا تھا
الحمد لله الذی اھدی رسول رسوله ۔ لیکن حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ عقل کو اٹھا کر رکھ دو اور ہماری بے سروپا باتوں کو روایات سمجھ کر من وعن تسلیم کرلو ۔
اول تو یہ دعوٰی ہی محلِ نظر ہے کہ بنی اسرائیل کا کام ابنائے سبایا نے خراب کیا تھا ۔ اور حضرت موسیٰؑ کی تعلیم میں نسلی منافرت کو ابھارا گیا تھا ؛ ــــــ اس لئے کہ اسلام تو قطعاً نسلی تفوق کی نفی کرتا ہے ، اور یہ روایت اسلام اور نبی کے مزاج سے بہت دور ہے اور اس کا صدور منبع خیر سے نہیں ہوا ۔ یہ روایت اس جنس کلام میں داخل ہی نہیں ہوسکتی جس کا صدور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہوا ۔ نبی کے منہ سے کبھی غلط بات نکل ہی نہیں سکتی ۔
اس کے علاوہ اس روایت میں تنابز بالالقاب بھی ہے ۔ جس سے قرآن مجید نے سختی سے منع کیا ہے ۔
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ.

(پارہ ۲۶ سورۃ حجرات)

اس روایت سے ہشام اپنے احساس کہتری پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں ۔ جب انسان کسی کے تفوق کو نہیں پہنچ سکتا تو اس کی خوبیوں اور رفعتوں کو عیب اور گمراہی کے رنگ میں پیش کرکے لوگوں کو اس سے متنفر کرنا شروع کر دیتا ہے ۔ پروپاگنڈے کے زور سے فضاء کو مکدر کرکے روشن عقل کے سامنے تعصب کی دیوار کھڑی کر دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اندھیرے میں رہیں اور تنفر کی فضا قائم رہے ۔
الناس اعداء لما جھلوا ۔
ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ سبایائے اُمم اور قول بالرائے میں کیا لزوم ہے مثلاً منطق اور فلسفے کے ساتھ بے دینی عام طور پر پائی جاتی ہے ۔ پیشے کے اثرات انسان پر ضرور مرتب ہوتے ہیں ۔ بادشاہوں کی اولاد میں فخر و غرور پایا جاتا ہے قاضیوں کی اولاد اکثر ہشیار ہوتی ہے ۔ لیکن اولاد سبایا اور رائے میں کیا تعلق ہے ۔ سبایا اور رائے اکثر دو متضاد امر ہیں ۔ عام حالات میں تو سبایا میں رائے اور اجتہاد کا نام بھی نہیں ہوتا ان پر تو رائے اور عقل کی تہمت ہی ہوتی ہے ۔

اگر ہشام کی مراد یہی ہے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں اور جب بھی یہ بیچارے عقل و رائے کا استعمال کریں گے غلط کریں گے تو اس میں ان غریب سبایا کا کیا قصور ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو ان کو احرار کی طرح تمام انسانی صفات سے نوازا تھا مگر ظالم معاشرے نے ان کو اپنی صفات بروئے کار لانے کا موقع نہیں دیا۔ اگر ان کو موقع دیا جاتا تو ان میں اور احرار میں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔

اگر یہ مراد ہے کہ جو اولادِ سبایا اپنی رائے کا استعمال کرتی ہے وہ غلطی کرتی ہے تو ہم اس لزوم کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ اگر کسی کے ماں باپ غلام رہے ہوں تو اس کی رائے اور عقل میں کیا خرابی آجاتی ہے کہ وہ اپنی رائے کا استعمال نہ کریں۔ یہ دعویٰ بلا دلیل اور ناقابلِ یقین ہے۔ اگر اتفاق سے احرار، اولادِ سبایا اور رائے و عقل ایک جگہ جمع ہو جائیں تو زمین و آسمان نہیں ٹوٹ پڑتے۔ جب احرار اور رائے میں کوئی تضاد نہیں ہے تو ان نئے احرار اور رائے میں کیوں تضاد ہو۔ اور اگر احرار اور رائے میں کوئی لزوم نہیں ہے تو ان اولادِ سبایا سے احرار اور رائے میں کیوں لزوم ہے۔ غرض ان احرار میں جن کے آبا و اجداد سبایا تھے اور ان احرار میں جن کے آبا و اجداد سبایا نہیں تھے کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تو محض اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے کلام اور دشنام وضع کیا گیا ہے۔ عقل و رائے اولادِ سبایا کے لئے کوئی شجرہ ممنوعہ نہیں ہے کہ اسے کام میں نہ لایا جائے۔ یہ تو اولادِ آدم کے لئے اللہ تعالیٰ کے عطیات ہیں۔ ہر شخص اپنی استعداد اور نہاد کے موافق انہیں کام میں لاتا ہے اور لا سکتا ہے کسی کو تمدنی مقام کی وجہ سے یہ حق نہیں پہنچتا کہ عقل و رائے کے استعمال پر پابندی لگائے یا عقل و رائے کو کسی خاص طبقے کے لئے مخصوص گردانے اور دوسروں کو اس سے محروم قرار دے۔

پھر اولادِ سبایا کو معاشرے میں کب یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ گمراہ ہو جائیں تو دوسروں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ کب لوگ ان کی بات سنتے ہیں اور کون ان کا اتباع کرتا ہے۔ یہ معاشرے میں کمترین طبقہ ہوتا ہے کون انہیں اہمیت دیتا ہے اور کون ان کے طور طریقے اختیار کرتا ہے۔ یہ گمراہ تو ہو سکتے ہیں لیکن گمراہ کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔

موالی کے بجائے مترفین

اس کے بجائے قرآن مجید میں تو یہ کلیہ بتلایا گیا ہے کہ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً

اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۔

لیکن حضرت ہشام اس قرآنی ضابطے کے خلاف فرما رہے ہیں کہ اولادِ سبایا معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ یہ حضرت اُلٹی گنگا بہانا چاہتے ہیں ۔

اس مظلوم طبقے میں سے اگر کچھ لوگ اپنی ذاتی جدوجہد سے آگے نکل گئے اور سماج میں کوئی مقام حاصل کرلیا تو حضرت ہشام کو یہ بھی نہیں بھایا۔ لوگوں کو اُن سے دُور رکھنے کے لیے روائتیں وضع کی گئیں ، عروہ کی طرف نسبت کرکے انہیں مرسل روایت کی شکل دی گئی اور ابہام وایماء کیا گیا کہ یہ کلامِ رسول ہے ۔

جس وجہ سے ان اولادِ سبایا نے معاشرے میں یہ مقام حاصل کیا وہ ان کا علم وفضل ہے ۔ قوت واجتہاد واستنباط ہے ۔ ان کے اولادِ سبایا ہونے کو اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں ہے ۔ بلکہ یہ تو احرار کے خواص میں سے ہے کہ انہیں اپنی عقل اور اپنی رائے پر اعتماد ہو ۔ عقل کو کام میں لاکر اجتہاد سے شریعت کے مسائل میں کتاب وسنت کے موافق فیصلہ کریں ۔ اور اگر کتاب وسُنت میں کوئی حکم نہ ملے تو اپنے قیاس سے قرآن وسنت کی روشنی میں استنباط کریں ۔ اس دور کے سلاطین نے موالی علماء کو اس قابل سمجھا کہ ان کو قضاء کے عہدے پیش کئے جائیں ۔ اور حضرت ہشام کو اس قابل نہیں سمجھا کہ کوئی عہدہ دیا جائے تو اس میں قاضی ربیعۃ الرائے اور قاضی عثمان بتی کا کیا قصور ہے ۔ اور امام ابوحنیفہ کی کیا غلطی ہے ۔ بلا وجہ حضرت ہشام ان پر غصہ فرما رہے ہیں ۔ اہل الرائے کے خطاب دیئے جارہے ہیں اور انہیں اولادِ سبایا کے عنوان سے روشناس کرایا جارہا ہے ۔

انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیوں میں اکثر اجمال ہوتا ہے ۔ اعمالِ حسنہ اور اعمالِ سیئہ کے اعتبار سے انجام پر توجہ دلائی جاتی ہے ۔ کسی خاص طبقے کا نام لیکر معاشرتی وجوہ کی بناء پر اسے مردود قرار نہیں دیا جاتا ۔ انبیاء کے کلام میں عمومیت ہوتی ہے ۔ ان حضرات کی پیشین گوئیاں بامقصد ہوتی ہیں ۔ بشارت کی صورت میں اعمالِ حسنہ پر ابھارا جاتا ہے ۔ تذکیر وتخویف کی صورت میں اعمالِ سیئہ سے روکا جاتا ہے ۔ انبیاء کی پیشین گوئیاں بمرتبۂ کلیات ہوتی ہیں جن کا اطلاق وقتاً فوقتاً جزئیات پر ہوتا رہتا ہے ۔ اس کلامِ ہشام میں تو محض بنی اسرائیل کے زمانے کی ایک خبر دی گئی ہے ۔ اور اس کے متعلق بھی معلوم نہیں ہے کہ عروہ نے اسے بیان بھی کیا

ہے یا نہیں ۔ اور اگر کیا ہے تو اسرائیلیات میں سے بیان کیا یا کسی صحابی سے سُنا ۔ اپنے زمانہ کے حالات پر اس کا انطباق ہشام کا یا ان کے تلمیذ سفیان ثوری کا فعل ہے ۔ اس سے اس روایت کو (اگر یہ واقعی روایت ہے) کوئی تعلق نہیں ہے ۔

روایت سبایا الامم صرف ایک طعنِ رقابت ہے ۔

اتفاق سے ہشام کے چند معاصرین نے اپنی ذاتی جدوجہد سے معاشرے اور حکومت میں کوئی مقام حاصل کر لیا اور مسائل شرعیہ میں بہترین تحقیق پیش کی تو محروم لوگوں نے ان کے عیوب تلاش کرنے شروع کر دیئے ۔ جب کوئی عیب نہ مل سکا تو اولادِ سبایا کا فرضی اور جاہلی عیب لگا کر بنی اسرائیل کی خرافات سے یہ کلام انتخاب کر کے اِن علماء کو مطعون قرار دینے کے لئے اس بنی اسرائیلی بے ہودہ ضابطے کو ان پر منطبق کر دیا ۔ اور ان کی بہترین مساعی کو بے وزن اور غیر مقبول بنانے کی کوشش کی ۔

اصل بات یہی ہے کہ اس دور کے ان محقق علماء نے ہشام کی مشیخت اور ان کی روایات کو علی الاطلاق تسلیم نہیں کیا ۔ جو روایات قبول کرنے کے قابل تھیں انہیں قبول کر لیا اور جو قابل ترک تھیں انہیں ترک کر دیا ۔ اور غالباً ہشام کی نگاہ میں یہی ان کا جرم ہے ۔ حکومت کے عطیات پر گزارا کرنے والوں میں اخلاقی دیوالیہ پن پیدا ہو جانا ایک قدرتی بات ہے قوت بازو سے روٹی کمانے والے اس سے محفوظ رہتے ہیں فشتان بینھما ۔

حضرت سفیان ثوری بھی اپنے استاد ہشام کے طرفدار بن کر موالی علماء کے خلاف اس جنگ میں شریک ہو گئے ۔ اور اولادِ سبایا کا پروپاگنڈا شروع کر دیا ۔ کوفے کے اصاغر اصحاب روایت حضرت ہشام کی شاگردی پر فخر کرتے ہوئے ان کی موضوع روایات کا سہارا لے کر اکابر درایت پر زبانِ طعن دراز کرنے لگے ۔ پھر یہی اصاغر امتدادِ زمانہ سے اکابر بن گئے ۔ اور ان کی بات میں اعتبار پیدا ہو گیا تاآنکہ حضرت ہشام کے اپنے خیالات نے روایت کی صورت اختیار کر لی ۔

روایتِ ہشام امتِ مسلمہ کے لئے ایک فتنۂ عظیم ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ہیں وہ منفعل ہشام ابن عروہ جن کی روایتِ تزوجِ عائشہ رضہ نے پوری امتِ مسلمہ کو مغالطہ میں مبتلا کر د

سنت کے صریح خلاف اس روایت کو اہل روایت نے نہ صرف قبول کیا ہے۔ بلکہ اسے حدیث خیال کر کے اس کی تعلیم وتبلیغ کو دین کا جزو قرار دے لیا ہے۔

حالانکہ یہ نام نہاد روایت محض حضرت ہشام کا اپنا استنباط ہے جس کا واقعے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ محض ہشام کی اعجوبہ پسندی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

جس گروہ کی حسِ نظافت اس درجہ کند ہو جائے کہ مچھر اور مکھی تک نگل جائے اس کی مذمت میں کیا کہا جائے۔ اس کے دماغی قوٰی کی سلامتی پر کیا اعتبار کیا جائے۔ محض ایک فرد کی ناسمجھی اور اس کے طفلانہ ذہن نے یہ گل کھلایا اور پوری امت کو چکر میں ڈال دیا ہے۔ اور علمی حلقہ میں اس کی مکمل تردید اور عوامی سطح پر اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

سند پر مختصر بحث

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کے موجد اصل میں علی بن مسہرؒ ہیں۔ اور یہ روایت ہشامؒ کی نہیں ہے۔ ہشامؒ کی طرف تو اس کی نسبت کر دی گئی ہے۔ ہمارے پاس دلائل ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی دلیل تو یہ ہے کہ روایت تزوج ہشامؒ سے ان کے بارہ تلامیذ سے منقول ہے۔ مگر علی بن مسہرؒ کے سوا کوئی ایک بھی اس روایت کا راوی نہیں ہے۔ اس میں علی بن مسہر منفرد ہیں۔ ہشامؒ کے معتبر رواۃ نے روایت تزوج کو تو ہشامؒ سے نقل کیا ہے۔ مگر ہجرت کے بعد رخصتی کی یہ کیفیت کسی نے بیان نہیں کی۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ صرف علی بن مسہر کی ایجاد ہے۔ بقول صاحب تقریب التہذیب "علی بن مسہر آخری عمر میں ایک سازش کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ اور خانہ نشین ہو کر عجائب و غرائب روایات بیان کرنے لگے تھے"

(تقریب التہذیب ص۱۵۱)

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ علی بن مسہر سے پہلے کتب حدیث و تاریخ کے پورے ذخیرہ میں حضرت عائشہ رضؓ کے مدینہ پہنچنے بیمار ہونے کا اور رخصتی کا یہ سارا واقعہ اور کسی نے بیان نہیں کیا ہے۔

اصحاب سیر و تاریخ میں سے محمد بن اسحاق۔ موسیٰ بن عقبہ۔ محمد بن السائب کلبی۔ ابن سعد واقدی۔ سیرت نبویہ لابن ہشام۔ طبری کسی نے بھی رخصتی کی اس کیفیت کا ذکر نہیں کیا۔

۳۔ یہ روایت مسند امام احمد میں موجود نہیں ہے۔ وقال الامام مالا یوجد فی کتابی فلیس بشیء۔ امام احمدؒ کی ولادت ۱۶۴ھ ہے۔ آپ نے کوفہ کا پہلا سفر ۱۸۰ھ میں کیا ہے۔ اور اس وقت علی بن مسہر حیات تھے اور کوفہ میں موجود تھے۔ مگر امام صاحب اس روایت سے ناواقف ہیں۔ اس لئے یہ روایت بقول امام لا شیء ہے۔

۴۔ یہ روایت تقریباً ۱۸۵ھ تک چالیس سال پردہ خفا میں رہی۔ کیونکہ ہشامؒ ۱۴۵ھ میں آخری مرتبہ عراق گئے ہیں۔ وہیں علی بن مسہرؒ نے ان سے یہ روایت سنی ہو گی۔ اور ۱۴۶ھ میں ہشامؒ نے وفات پائی۔ اور علی بن مسہر نے اپنے تلامذہ کو یہ روایت اپنی وفات ۱۸۹ھ سے کچھ ہی قبل سنائی ہو گی۔ کیونکہ فروہ کی پیدائش ۱۶۶ھ میں ہے۔ تو تقریباً چالیس سال یہ روایت پردہ خفا میں کیوں رہی؟

اور علی بن مسہر رح نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں اسے اس وقت روایت کیا جب وہ نابینا ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور کوئی نہ رہا تھا جو اس کی تصدیق و تکذیب کر سکے۔

۵ - بلکہ یوں کہیے کہ یہ روایت ۲۴۱ھ تک بھی منظر عام پر نہیں آئی۔ کیونکہ امام احمد رح کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی۔ اگر علی بن مسہر کی یہ روایت معتبر ہوتی تو امام صاحب علی بن مسہر رح کے کسی بھی راوی سے قبول کر لیتے۔ اور بخاری اور مسلم وغیرہ یہ کتب تو امام احمد رح کی وفات کے بعد مرتب ہوئی ہیں۔ تو جو روایت چالیس سال اتنی مدت خفا میں رہی اور بے بھی نادر مضمون پر مشتمل اس کا کیسے اعتبار کیا جاتے۔

۶ - اس مضمون کی روایت کے تمام رواۃ کوفی ہیں، علی بن مسہر کوفی۔ فروہ کوفی۔ اسماعیل کوفی، سوید نا قابل اعتبار نیم کوفی۔

مسلم میں اس روایت کے تدلیسی رواۃ ابو اسامہ کوفی۔ ابو بکر بن ابی شیبہ کوفی۔ ابو کریب کوفی۔

مسند امام احمد کی مرسل روایت کے راوی محمد بن بشر عبدی کوفی۔ غرض صرف کوفی رواۃ کی یہ نادر روایت بڑی احتیاط سے قبول کرنی چاہیے۔

۷ - ایک دلیل ہشام رح کی روایت نہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ ہشام رح نے روایت تزوج ہمیشہ غائب کے صیغہ سے بیان کی ہے۔ یعنی نکحھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جیسا کہ بخاری رح کی تینوں روایتوں میں ان کے موصول ہونے کے باوجود بالواسطہ ذکر ہے۔ اور جہاں بلا واسطہ بیان ہے وہ نیچے کے رواۃ کی ترمیم ہے۔ اس روایت کے بالواسطہ یا بلا واسطہ پر بحث ہم آگے بیان کریں گے۔

لیکن ایک بحث اس سند کے سلسلہ میں رہ جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا علی بن مسہر کو ہشام کے بارہ معتبر تلامذہ میں سے منفرد قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مسلم میں یہی روایت ہشام ذرا سے تغیر کے ساتھ ہشام کے ایک دوسرے شاگرد ابو اسامہ سے آئی ہے۔ تو علی بن مسہر منفرد نہیں رہے۔ اس پر تفصیلی بحث ہم سندوں کے سلسلہ میں کر چکے ہیں۔ یہاں مختصراً عرض ہے۔

امام بخاری رح کی جامع امام مسلم رح ہی کی زندگی میں مرتب ہو چکی تھی۔ اور اس میں یہ روایت علی بن مسہر رح بذریعہ فروہ آ چکی تھی۔ امام بخاری رح امام مسلم رح کے شیخ ہیں۔ تو شیخ کی مرویات جامع کی صورت میں ان کے سامنے تھیں۔

علی ہذا سنن دارمی اس وقت مرتب اور شائع ہو چکی تھی اور اس میں یہ روایت بذریعہ اسماعیل بن خلیل رح آ چکی تھی ، اور ان دو سندوں یعنی فردہ بن ابی المغراء رح اور اسماعیل بن خلیل رح سے یہ روایت علی بن مسہر رح امام بخاری رح اور امام دارمی رح کی زندگی ہی میں اہل علم کے سامنے آ چکی تھی ۔

اب جو امام مسلم رح اس روایت کو مسلم میں سند بدل کر لاتے ہیں تو صرف امام بخاری رح کی روایت کے متابع کے طور سے لاتے ہیں ۔ یعنی ہشام رح سے نیچے ابو اسامہ رح اور ان سے نیچے ابو کریب اور ابو بکر ہیں ، سند بدل گئی ، مضمون وہی ہے ۔

اور یہ تینوں راوی بھی کوفی ہیں ، اور ان کے متعلق مفصل بحث میں ہم بیان کر چکے ہیں ۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ اصل میں یہ روایت علی بن مسہر کی ہے ، اور مسلم رح نے اسے تعدد طرق کیلئے ابو بکر رح اور ابو کریب سے نقل کیا ہے ۔

فقدمنا کی بحث

(الف)

بخاری میں باب تزویج النبی عائشہ رض کی زیر بحث یہ پہلی روایت حقیقت میں حضرت عائشہ رض کی نکاح صغر سنی کا ماخذ ہے ، اور اس روایت کے دو حصے ہیں ۔ ایک حصہ ہے تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین ۔

اور دوسرا حصہ ہے فقدمنا المدینۃ سے آخر روایت فسلمتنی الیہ وانا یومئذ بنت تسع سنین تک ۔ اور روایت کا سارا زور اسی آخری حصہ پر ہے کیونکہ اس سے حضرت عائشہ رض کی صغر سنی کا تاثر دینا ہے ۔ اور اسی حصہ کا آخری جملہ وانا یومئذ بنت تسع سنین صغر سنی کی تمام روایات کا ماخذ ہے ۔ فقدمنا سے شروع ہونے والا حصہ دراصل ایک پورے قصہ کا جزو ہے جس کا [illegible]ق ہجرت عائشہ رض سے ہے ۔ تزوج عائشہ رض سے نہیں ۔

اس قصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت ابوبکر رضؓ کے خاندانوں کی ہجرت
کا بیان ہے اور یہ فا فا تعقیب ہے ۔ اس فقدمنا کے بعد مدینہ کے حالات
ہیں جو دوسری کتب سیر میں مذکور ہیں ۔ علی بن مسہر نے اس پورے قصے میں سے
(ہشام کی قیاسی روایت کا) (اس پوری روایت ہجرت میں سے) فقدمنا کو الگ کر
کے اس کے ساتھ اپنی طرف سے ایک جملہ تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
لگا دیا اور اسے ایک مستقل روایت کی شکل دے دی ۔ اور وہ پورا قصہ یہ ہے ۔
لما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى المدينة خلفنا
وخلف بناته . فلما قدم المدينة بعث الينا زيد بن حارثة
وابا رافع واعطاهم بعيرين وخمسمائة درهم اخذها من
ابي بكر يشتريان بهما ما نحتاج اليه من الظهر . وبعث ابو بكر
معهما عبد الله ابن اريقط الليثي ببعيرين او ثلثة . وكتب الى ابنه
عبد الله يامره ان يحمل اهله ام رومان وانا واختي اسماء . فخرجوا
فلما انتهوا الى قديد اشتروا بتلك الدراهم ثلثة ابعرة ثم دخلوا مكة
وصادفوا طلحة بن عبيد الله يريد الهجرة مع آل ابي بكر فخرجنا
جميعا وخرج زيد وابو رافع بفاطمة وام كلثوم وسودة وام ايمن
واسامة واصطحبنا جميعا حتى ادركنا بالبيض نفر بعيري وقدامي
محفة فيها امي فجعلت امي تقول وابنتاه واعروساه حتى ادركنا
بعيرنا فقدمنا المدينة ورسول الله صلى الله عليه وسلم
يومئذ يبني المسجد الى اخر الحديث (ابن سعد ذکر عائشہ ؓ)
ترجمہ :۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت کی ہمیں پیچھے سکے
چھوڑ گئے اور اپنی لڑکیوں کو بھی چھوڑ گئے ۔ پس جب مدینے پہنچے تو پھر ہمارے
لئے زید بن حارثہ اور ابو رافع کو بھیجا (ہمیں لانے کے لئے) اور انہیں دو
اونٹ اور پانسو درہم دیئے جو آپ نے حضرت ابوبکر سے لئے تھے تاکہ وہ اس
رقم سے ہمارے لئے ضرورت کا سامان خرید سکیں ۔ اور ابوبکر رضؓ نے بھی ان
دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اریقط لیثی کو دو یا تین اونٹ دے کر بھیجا اور اپنے
بیٹے عبداللہ کو لکھا اور حکم دیا کہ ان کے گھر والوں کو ام رومان کو اور مجھے اور میری بہن
اسماء کو سوار کرا دو ۔ پس وہ سب قاصد مدینے سے نکلے اور جب قدید پہنچے

تو اسی رقم سے تین اونٹ خرید سے مکے میں آئے تو وہ طلحہ بن عبید اللہ سے ملے اور وہ آل ابوبکر کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کر چکے تھے ہم سب اکٹھے مکے سے نکلے اور ابورافع اور زید ، فاطمہ ، ام کلثوم ، سودہ ، ام ایمن ، اسامہ کو لیکر نکلے۔ ہم سب اکٹھے چلے حتی کہ ہم بیض میں پہنچ گئے . میرا اونٹ بدک کر بھاگ نکلا میرے آگے کجاوہ تھا جس میں میری ماں تھی ، میری ماں کہنے لگی ہائے بیٹی ہائے دولہن بیٹی یہاں تک کہ ہم نے اپنے اونٹ پر قابو پالیا پس ہم مدینے آئے اور رسول اللہ صلعم اس وقت مسجد نبوی بنوا رہے تھے .

یہ ہے " فقدمنا " کی فائے تعقیب جو مابعد کلام کا تعلق اس قصے سے ظاہر کر رہی ہے جس کا ذکر ابھی ابھی ہم نے کیا ہے ، اور جس کا تعلق تزوج عائشہ رضہ سے کوئی نہیں ہے . اور ہشام نے یا علی بن مسہر نے اسے اس کے ساتھ زبردستی جوڑنے کی کوشش کی ہے . یہ سارا قصہ مکمل اور مربوط ہے جس میں کہیں بھی کوئی خلا نہیں ہے، جسے " تزوجنی " سے بھرنے کی ضرورت ہو .

اس پوری روائت کے آخر میں آیا ہے . وانا یومئذ بنت تسع - اور ہشام رضہ کی تمام روایات تزوج کا منبع وماخذ یہی ایک جملہ معلوم ہوتا ہے .

مذکورہ بالا قصۂ ہجرت کو (جس کے آخری حصے کو ہشام کی روائت تزوج کا آخری حصہ قرار دیا گیا ہے) طبرانی نے اس طرح ذکر کیا ہے .

لما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابو بكر خلفنا بمكة فلما استقر بالمدينة بعث زيد ابن حارثة و ابا رافع و بعث ابو بكر عبد الله ابن ابی بكر ان يحمل معه ام رومان و ام ابی بكر و انا و اختی اسماء فخرج بنا و خرج زيد و ابو رافع بفاطمة و ام كلثوم و سودة بنت زمعة و اخذ زيد امرأته ام ايمن و ولديها ايمن و اسامة و اصطحبنا حتى قدمنا المدينة نزلت فی عيال ابی بكر و نزل ال النبی عنده و هو يومئذ يبنی المسجد و بيوته . فادخل سودة بنت زمعة احد تلك البيوت و كان يكون عندها فقال له ابو بكر ما يمنعك ان تبنی باهلك فبنى بی . الحديث

(طبرانی بحوالہ فتح الباری جلد ۷ باب الهجرة ص ۱۷۹)

ترجمہ :۔ جب رسول اللہ صلعم نے اور ابوبکر نے ہجرت کی ہمیں پیچھے کئے چھوڑ گئے جب آپ مدینے میں پوری طرح قیام پذیر ہو گئے تو زید بن حارثہ اور ابورافع کو بھیجا اور ابوبکر نے عبداللہ بن ابوبکر کو کہلا بھیجا کہ اپنے ساتھ ام رومان کو ، اور ابوبکر رضؓ کی والدہ کو ۔ اور مجھے اور میری بہن اسماء کو لے آئے وہ ہمیں لے کر مکے سے نکلا ۔ اور زید اور ابورافع ۔ فاطمہ ، ام کلثوم ، سودہ بنت زمعہ کو لے کر نکلے اور زید نے اپنی بیوی ام ایمن کو اور اس کے دونوں بچوں اسامہ اور ایمن کو بھی ساتھ لے لیا ۔ ہم اکٹھے چلے یہانتک کہ مدینے آئے میں عیال ابوبکر میں اُتری اور نبی صلعم کا کنبہ آپ کے پاس اترا اس وقت آپ مسجد نبوی اور اس کے اردگرد حجرے بنوا رہے تھے ۔ سودہ بنت زمعہ کو ان حجروں میں سے ایک میں اتارا اور وہ آپ کے پاس رہیں ابوبکر نے آپ سے کہا آپ رخصتی کیوں نہیں کراتے پس آپ نے رخصتی کرالی ۔

ابن سعد میں یہی روایت تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ مذکور ہے ، یہ پوری روایت ہم حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی کے بیان میں نقل کریں گے ۔

ابن سعد کی روائت میں یہ آخری حصہ یوں ہے ۔ فهبط من لغت فسلم الله عزوجل ثم انا قدمنا المدينة فنزلت فى عيال ابى بكر و نزل ال رسول الله صلى الله عليه وسلم و رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ يبنى المسجد و ابياتا حول المسجد و انزل فيها اهله . و مكثنا ايا ما فى منزل ابى بكر ثم قال ابو بكر ما يمنعك من ان تبنى باهلك . قال رسول الله صلعم الصداق و اعطاه ابو بكر الصداق اثنى عشرة اوقية و نشا ۔ فبعث بها رسول الله صلى الله عليه وسلم و بنى بى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى بيتى هذا الذى انا فيه ۔ و هو الذى توفى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قالت و بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم بسودة فى احد تلك البيوت التى الى جنبى فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون عندها .

(ابن سعد جلد ۸ ص)

ترجمہ :۔ وہ ٹیلے سے اُتر آیا ۔ اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ۔ پھر ہم مدینے آئے ، میں ابوبکر کے کنبے کے ساتھ اُتری اور آپ کا کنبہ آپ کے ساتھ اُترا اور رسول اللہ صلعم اس وقت مسجد بنوا رہے تھے اور مسجد کے چاروں طرف کمرے ۔ ان میں حضور صلعم نے اپنے اہل و عیال کو اتارا ہم کچھ دن حضرت ابوبکر رضؓ کے گھر میں رہے پھر ابوبکر رضؓ

نے ابا آپ کو رخصتی کرانے میں کیا چیز مانع ہے ۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا " مہر "
تو حضرت ابوبکر رض نے آپ کو مہر کے لئے بارہ اوقیہ اور کچھ اوپر قرض دیا پھر رسول اللہ
نے وہ رقم واپس بطور مہر بھیجی اور میری رخصتی ہوئی ۔ اسی گھر میں جس میں اب ہوں
اور یہی وہ گھر ہے جس میں آپ نے وفات پائی اور اس سے پہلے آپ سودہ کے ساتھ
انہیں گھروں میں سے ایک گھر میں جو میرے پہلو میں رہتے تھے ۔

فقال ابن اسحق فی غیر روایۃ بن ھشام فی حدیث ثابت اقتصرتہ
ان ابا بکر حین ھاجر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلف بناتہ فلما
قدموا المدینۃ ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن حارثۃ وابا
رافع مولاہ ۔ وارسل ابو بکر عبداللہ بن اریقط ۔ وارسل معھم خمس
مائۃ درھم ۔ فاشتروا بھا ظھرا بقدید ۔ ثم قدموا مکۃ فخرجا
بسودۃ وبفاطمۃ وام کلثوم ۔ قالت عائشۃ خرجت امی ونحن معھم
وطلحۃ بن عبیداللہ مصطحبین ۔ فلما کنا بقدید نفر بعیر الذی
کنت علیہ انا وامی ام رومان فی محفۃ ۔ فجعلت امی تنادی و
ابنیتاہ واعروساہ ۔

ابن اسحاق نے ہشام کی روایت کے علاوہ ثابت کی روایت میں کہا جس کا میں
نے اختصار کیا ابوبکر رض نے جب رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہجرت کی تو اپنی بیٹیوں
کو پیچھے مکے چھوڑ گئے ۔ پس جب وہ مدینے پہنچے تو رسول اللہ صلعم نے زید بن حارثہ
اور ابورافع اپنے غلام کو بھیجا اور ابوبکر رض نے عبداللہ بن اریقط اور ان کے ہاتھ
پانسو درہم بھیجے ۔ انہوں نے قدید میں آ کر اس رقم سے ضرورت کا سامان خریدا ۔
پھر وہ مکے آئے پس وہ دونوں سودہ ، فاطمہ ، ام کلثوم کو لیکر مکے چلے حضرت
عائشہ رض فرماتی ہیں اور میری ماں بھی چلیں اور ہم ان کے ساتھ تھے طلحہ بن عبیداللہ
بھی چلے جب ہم قدید میں آئے تو میرا اونٹ بھاگ نکلا جس پر میں اور میری ماں
کجاوہ میں تھے پس میری ماں پکارنے لگی ہائے بچی ہائے دولہن ۔

وفی روایۃ یونس عن ابی اسحق وفیہ قالت سمعت قائلا یقول
ولا اری احدا القی خطامہ فالقیت خطامہ من یدی فقام البعیر
یستن بہ کان انسانا تحتہ یمسکہ حتی ھبط عن الثنیۃ فسلم
اللہ فقدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یبنی المسجد و

ابيا تالـه . فنزلت مع ابي بكـر ونزلت سودة بنت زمعـة في مكانهـا. فقال ابـو بكـر الا تبنى باهلك يارسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لولا الصداق قالت فدفع اليـه اثنتى عشرة اوقيـة ونشا . والنش عشرون درهما.
و ذكر الحديث رواه ابن ابي الزنا دعن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رض
(الروض الانف جلد ۲ صـ۲۶۳ ذكر هجرة)

ترجمہ :۔ اور ایک روایت میں یونس نے ابو اسحاق سے بیان کیا اس روایت میں ہے میں نے سنا کسی پکارنے والے نے پکارا میں نہیں جانتی کون تھا ۔ اس کی مہار چھوڑ دے میں نے مہار اپنے ہاتھ سے چھوڑ دی ۔ اونٹ کھڑا ہو گیا ۔ مہار کے سہارے گویا کوئی آدمی اونٹ کے نیچے اسے پکڑے ہوئے ہے یہاں تک کہ اونٹ ٹیلے سے اتر آیا ۔ پس اللہ تعالیٰ نے بچالیا ۔ پس ہم رسول اللہ صلعم کے پاس آئے اور آپ مسجد بنوا رہے تھے اور اپنے لئے حجرے بنوا رہے تھے ۔ پس میں ابوبکر رض کے ساتھ اتری اور سودہ بنت زمعہ اپنے مکان میں اتری ۔ پس ابوبکر رض نے کہا یارسول اللہ صلعم کیا آپ رخصتی نہیں کراتے آپ نے فرمایا جبتک مہر نہ ہو کیسے کراؤں پس ابوبکر رض نے آپ کو بارہ اوقیہ اور کچھ زیادہ بھیجا اور نش بیس درہم ہوتے ہیں

ہجرت عائشہ رض کی جو مختلف روایات ہم نے اوپر نقل کی ہیں ان میں سے پہلی روایت میں فقدمنا المدینة ہے ۔	یہ روایت کلام عائشہ نہیں بلکہ استخراج ہشام ہے ۔

دوسری روایت میں حتی قدمنا المدینة ہے ۔
تیسری میں انا قدمنا المدینة ہے ۔
چوتھی میں فلما قدموا المدینة ہے ۔
پانچویں میں فقدمنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم ہے ۔

۱ ۔ پس ہم مدینے پہنچے
۲ ۔ یہانتک کہ ہم مدینے پہنچے
۳ ۔ بیشک ہم مدینے پہنچے
۴ ۔ پس جب وہ مدینے پہنچے
۵ ۔ پس ہم رسول اللہ صلعم کے پاس پہنچے

ان سب روایات سے ظاہر ہے کہ علی بن مسہر کی یہ روایت جسمیں فقدمنا ہے۔ درحقیقت ہجرت والی روایت کا ایک حصہ ہے جسے علی بن مسہر نے روایت تزوج کے پہلے حصے تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگا کر اسے ایک مستقل روایات بنا دیا۔

حضرت عائشہ رض کی ہجرت اور رخصتی والی روایت کتب سیر میں جسطرح مذکور ہے وہ اس کا فطری انداز بیان ہے فقدمنا سے شروع ہونے والا حصہ کتب سیر میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے جسطرح کہ ابن سعد کی روایت میں ہے۔ لیکن اس روایت ابن سعد میں حضرت عائشہ رض کی بیماری بالوں کے گر جانے اور اچانک رخصتی کا ذکر نہیں ہے۔ علی بن مسہر کی روایت میں یہ سب چیزیں مذکور ہیں اس روایت سے علی بن مسہر کا مقصد ہجرت عائشہ رض اور رخصتی کا تفصیل سے بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ مدینے جاکر جب رخصتی ہوئی تو اس وقت نو سال عمر تھی۔ یعنی صغیر السن تھیں۔

علی بن مسہر رہ نے ہجرت عائشہ رض والی روایت کا پہلا حصہ بالکل چھوڑ دیا۔ اور فقدمنا سے آگے کا حصہ ناقص۔ مبہم اور غیر مربوط نقل کر دیا۔ بطور سیرت اور تاریخ کے نقل نہیں کیا۔ اگر یہ مقصد سامنے ہوتا تو ہجرت عائشہ رض کا پورا واقعہ نقل کرتے۔

مسند امام احمد میں ابوسلمہ ویحیی کی مرسل روایت میں اس فقدمنا کا جوڑ نکاح عائشہ رض وسودہ سے لگایا گیا ہے۔ مگر یہ جوڑ خوبصورتی سے لگایا گیا ہے۔ اور ان کے نکاح کے واقعہ کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے (اور اس میں وہ ابہام واجمال نہیں ہے جو بخاری کی روایت علی بن مسہر میں ہے) فقدمنا سے شروع ہونے والے حصہ میں بخاری سے زیادہ تفصیل ہے۔ اور کافی حد تک راوی نے ربط کا خیال رکھا ہے۔ اور اس پورے بیان کو فطری اور واقعی بنانے کی کوشش کی ہے۔ بایں ہمہ طفولیت کا رجحان اس میں بھی نمایاں ہے۔

حضرت سودہ رض سے نکاح بھی تو حضرت عائشہ رض کے ساتھ ہی ہوا تھا۔ حضرت سودہؓ کی بنا میں اختلاف ہے۔ بعض مورخ مکہ مکرمہ میں مانتے ہیں۔ اور بعض مدینہ طیبہ میں۔ ان کے متعلق یوں روایت کرنی چاہئیے تھی: نکح النبی صلی اللہ علیہ وسلم سودۃ وھی بنت خمسین سنۃ وبنی بھا وھی بنت احدی وخمسین سنۃ

وماتت عنها وهي بنت احدی وستين سنة وكانت تحته عشرا ۔

لیکن چونکہ حضرت سودہ رضؓ کی شخصیت میں بہ مقابلہ حضرت عائشہ رضؓ کے کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اس لئے ان کے واقعہ کو اسطرح روایت میں نہیں ڈھالا گیا ۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کے معاملہ میں تاریخ بیان کرنے کے فطری راستہ سے انحراف کر کے سنہ بیان کرنے کے بجائے حضرت عائشہ رضؓ کی عمر کے بیان کا تکرار ضروری خیال کیا گیا تاکہ (ہشام کے) استخراج میں استحکام نظر آئے ۔ اور روایت میں کشش پیدا ہو جائے ۔ دیگر ازواج مطہرات کے نکاح اور بناء کو اس انداز سے نہیں بیان کیا جاتا ۔

علی بن مسہر رحؒ کی یہ روایت روائت تزوج نہیں ہے ۔ بلکہ ایک مخلوط ۔ ناقص اور مبہم روائت ہے کیونکہ **فقدمنا** میں فاء تعقیب ہے ۔ اور یہ فاء تعقیب بتا رہی ہے کہ یہ کسی سباق کا سیاق ہے ۔ اس سے ماقبل کوئی واقعہ بیان ہو رہا تھا یہ اس کا ایک حصہ ہے ۔ چنانچہ مسلم میں ہشام کی یہی روائت اسطرح منقول ہے ۔ تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ست سنین وبنی بی وانا بنت تسع سنین **قالت** تقدمنا المدینۃ الخ

قالت کا دوبارہ آنا ظاہر کر رہا ہے کہ مابعد کا کلام پہلے کلام سے علیحدہ ہے ۔ اور دونوں حصے جدا جدا ہیں ۔ چنانچہ اگر مسلم کی اس روائت کے تقدمنا سے پہلے حصہ کو **تقدمنا** کے بعد والے حصے سے الگ کر دیں تو روایت مستقل بھی رہتی ہے جس میں کوئی خلا نہیں رہتا ۔ اور مابعد کے کلام میں کوئی جملہ ایسا نہیں جو ظاہر کرے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی کس عمر میں رخصتی ہوئی تھی ۔ (اس روائت مسلم میں قالت نے وہی کام دیا ہے جو بخاری کی روائت میں **فقدمنا** کی فاء تعقیبیہ نے دیا ہے)

روایت میں اجمال ، ابہام ، ندرت و غرابت ہے اور نا مکمل ہے ۔

بہرحال اس روائت کا جو حصہ **فقدمنا** سے شروع ہوتا ہے ۔ اس میں کئی خلا ہیں ۔ ندرت و غرابت بھی ہے ۔ اجمال و ابہام بھی ہے ۔ اور روایت نامکمل بھی ہے ۔ بلکہ مستقل روائت ہی نہیں ہے ۔ یہ تو ہجرت کی روائت کے ذرا سے حصہ کے ساتھ روائت تزوج کے ایک جملہ کا جوڑ لگا دیا اس ناقص روائت کا مقصد حضرت عائشہ رضؓ کی صغر سنی کا تاثر دینا ہے ۔ ہم اس

روایت کے ایک ایک لفظ کو دیکھتے ہیں ۔

روایت میں ہے فاتتنی امی ام رومان تو جب ام رومان حضرت عائشہ رض کے پاس چل کر پہنچ گئیں تو صرخت بی کا کیا فائدہ پھر تو چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی ۔

اور العب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عائشہ رض گھر سے باہر ملحقہ میدان میں کھیل رہی تھیں یا گھر کے وسیع صحن میں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے باہر کسی میدان میں کھیل رہی تھیں ۔ کیونکہ اس کے بعد ہے اخذت بیدی حتی وقفتنی علی باب الدار ۔ اور پھر ام رومان رض کو ہاتھ پکڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ کمزوری کے خیال سے ہاتھ پکڑا تھا ۔ یا پیار میں ہاتھ پکڑ کر لائی تھیں ۔ یا غصے میں ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ کر لائی تھیں ۔ اور وانی لا نہج حتی سکن بعض نفسی تو حضرت عائشہ رض کو سانس کیوں چڑھ گیا تھا ؟ کمزوری کی وجہ سے چڑھا تھا یا گھسیٹ کر لانے کی وجہ سے چڑھا تھا ؟ ہاتھ پکڑ کر لانے سے وہ توجیہہ باطل ہو جاتی ہے کہ حضرت عائشہ رض خود دوڑ کر ماں کے پاس آئی تھیں ۔ اس لئے سانس چڑھ گیا تھا ۔

ثم اخذت شیئاً من ماء ۔ گھر کے دروازہ کے باہر پانی کہاں سے آ گیا تھا ؟ فمسحت به وجهی ورأسی ۔ منہ پر اور سر پر ہاتھ تر کر کے کیوں پھیرا ؟ دھویا یا دھلایا کیوں نہیں ۔ یہ مسح وجہ و رأس ضرورۃً تھا یا رسماً ؟ فلم یرعنی اس روائت میں روع کا ذکر بے محل ہے ۔

فاصلحن من شانی ۔ معلوم نہیں اصلاح شان سے کیا مراد ہے ۔ اور اس دور میں اس کی کیا صورت ہوتی تھی ۔ اور مسلم والی روائت میں فغسلن رأسی بھی ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام رومان نے جو پانی سے مسح راس کیا تھا وہ کافی نہیں تھا ۔ تب ہی تو غسل راس کی ضرورت پیش آئی ۔ یا اس دور میں یہ رسم ہو گی کہ رخصتی کرانے والی عورتیں ہی دلہن کا سر دھوتی ہوں گی ۔ معلوم نہیں اس دور میں رخصتی کی کیا صورت ہوتی تھی ۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ صورت واقعہ رخصتی کے وقت پیش بھی آئی تھی کہ نہیں ۔ علی الخیر والبرکۃ کیا محاورہ تھا ؟ اور علی خیر طائر کیا محاورہ تھا ؟ اس خیر طائر کی کیا اصل ہے ؟ اور اس کا موقعہ استعمال کیا تھا ۔

ایک اور چیز اس رخصتی کے سلسلہ میں قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ کیا ان انصار کی عورتوں نے وہیں حضرت ابوبکر رض کے مکان پر حضرت عائشہ رض کو آپ کے پاس پہنچا دیا تھا۔ اور کیا لوازم رخصتی وہیں پیش آئے۔ اور یہ عادت مستمرہ کے خلاف ہے۔ اور فطری حیاء اس سے اباء محسوس کرتی ہے۔ اس روایت سے تو یہی متبادر ہوتا ہے۔ مگر ابن سعد کی روایت میں ہے و بنی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتی ھذا الذی انا فیہ۔ وھوالذی توفی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ علی بن مسہر کی روایت سے تو صاف متبادر ہوتا ہے کہ دار ابی بکر میں بنا ہوئی اور ابن سعد سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بنوائے ہوئے حضرت عائشہ رض کے حجرہ میں بنا ہوئی۔

یہ تمام امور جن کا تعلق شادی بیاہ اور رخصتی وغیرہ کے مستحکم معمولات سے ہوتا ہے۔ اور سب کو ان سے واسطہ پڑتا ہے اور جن کی متعین صورت ہر واقف کار کے ذہن میں ہوتی ہے۔ اس نادر صورت کے ساتھ محض علی بن مسہر کے بیان پر انہیں قبول نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے علاوہ وہ صواحب کون تھیں؟ نہ یہاں ان کا تذکرہ ہے اور نہ بعد کی زندگی میں کسی صاحبہ نے حضرت عائشہ رض کے ساتھ اس کھیل اور اس رخصتی کے واقعہ کو بیان کیا۔ یہ تو ان کیلئے فخریہ بات تھی۔ اور انصار کی ان عورتوں کا بھی یہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ کس کی بیوی۔ کس کی ماں۔ کس کی بہن اور کس کی بیٹی تھیں۔ نہ بعد میں کسی نے بتایا کہ ہم اس مبارک رخصتی کی تقریب میں شریک تھیں۔ یہ تو ان کیلئے مقام فخر تھا۔

اور صرف انصار عورتیں ہی کیوں شریک ہوئیں؟ مہاجرات کیوں شریک نہ ہوئیں؟

مسند امام احمد میں ہشام کی یہی روایت جو حماد بن سلمہ کے ذریعہ سے منقول ہے۔ اس میں بخاری باب الہجرۃ کی دونوں روایتوں کو آپس میں ضم کر دیا گیا ہے۔ اور ایک روایت بنا دیا گیا ہے۔ لیکن **فقدمنا** سے شروع ہونے والے حصہ میں یہی ہشام نہ حضرت عائشہ رض کی بیماری کا ذکر کرتے ہیں۔ نہ ان کی ماں کے آنے اور چلانے کا ذکر ہے اور نہ ہاتھ پکڑنے اور گھر کے دروازے پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ نہ حضرت عائشہ رض کے سانس پھولنے کا اور نہ ان کے منہ پر اور سر پر پانی چھڑکنے کا بیان ہے۔ البتہ حضرت عائشہ رض کا بچپن ثابت

کرنے کیلئے دانااعجب فی اس جوحسة ادبا دانا مجمسة بڑھادیا .

یہ تینوں روایتیں ہشام سے منقول ہیں . مگر انداز بیان بالکل مختلف ہے . البتہ ایک بات سب میں مشترک ہے اور وہ ہے بناء تسعة . اور ہشام کا اس روایت سے یہی مقصد بھی ہے .

غرض اس تمام روایت میں ابہام و اجمال بھی ہے اور ندرت و غرابت بھی اور ناقص بھی ہے . اصحاب سیر نے اس حصہ روایت کو اس صورت میں بیان نہیں کیا جس صورت میں اصحاب سنن نے بیان کیا ہے .

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبے کی مدینہ میں آمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہجرت سے کتنے عرصہ بعد اپنے کنبے کو مدینہ بلایا ؟ کتب حدیث و سیر سے صراحتاً ہمیں اس کا جواب نہیں ملتا . صرف حضرت عائشہ رض کی ہجرت والی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مسجد نبوی اور اس کے آس پاس کے حجرے تیار ہو چکے تھے یا تیار ہونے کے قریب تھے . تو اس سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ ہجرت سے پانچ چھ ماہ بعد یہ حضرات مدینہ پہنچ گئے ہوں گے .

اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد تقریباً چھ سات ماہ تک حضرت ابو ایوب انصاری رض کے مکان پر تشریف فرما رہے . جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کنبہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آیا تو آپ نے ان کو مسجد کے ملحق مکانوں میں اتارا . حضرت ابو ایوب انصاری رض کے مکان میں نہیں اتارا . اس سے بھی یہی ظاہر ہے کہ آپ نے مدینہ پہنچنے کے تقریباً چھ ماہ بعد اپنے کنبے کو مکہ سے بلایا تھا اور وہ ماہ شعبان بنتا ہے .

رخصتی اور جمیمہ کی بحث

. حضرت عائشہ رض کی رخصتی کب ہوئی ؟ محققین نے حضرت عائشہ رض کی رخصتی ہجرت کے پہلے سال میں ہجرت کے چھ سات ماہ بعد بتائی ہے .

ابن سعد کے بیان کے مطابق تو حضرت عائشہ رض کے مدینہ پہنچنے کے چند روز بعد رخصتی ہو گئی . مگر علی بن مسہر عن ہشام کی روایت کے مطابق دو اڑھائی ماہ

بعد رخصتی ہوئی ہوگی۔ کیونکہ حضرت عائشہ رض مدینہ جاتے ہی بیمار ہوگئی تھیں۔ بال گر گئے تھے۔ جب صحت یاب ہوئیں اور بال جمیمہ بن گئے تب رخصتی ہوئی۔ اس روایت میں مدت کا ذکر نہیں ہے۔ مگر بالوں کے گر جانے سے خیال ہے کہ بیماری شدید تھی۔ اور طویل بھی ہوگی۔ غالباً میعادی بخار ہوگا۔ اسی بخار میں یہ کیفیت ہوتی ہے۔

تو اگر آپ اوائل شعبان ١ھ میں مدینہ پہنچی ہوں گی تو ایک مہینہ بیماری میں گذر گیا اور اوائل رمضان ١ھ میں بیماری سے اٹھی ہوں گی۔ اور آخر شوال ١ھ میں جب ان بالوں کی عمر ڈیڑھ ماہ ہوگی یعنی بقول علی بن مسہر وہ جمیمہ ہوگئے ہوں گے تب رخصتی ہوئی ہوگی۔ اور مسلم کی روایت میں بیماری کی مدت ایک مہینہ ہے تو تندرست ہونے میں کم از کم ایک مہینہ تو لگا ہوگا۔ تو رخصتی وہی شوال ١ھ میں یہ سب ہمارا قیاسی بیان ہے۔ ورنہ خود ہشام ٢ھ میں حضرت عائشہ رض کی رخصتی کے قائل ہیں۔ کیونکہ خود ہشام کی روایت میں ہے۔ فمکثت عندہ تسعا۔ اگر رخصتی ١ھ میں تسلیم کیجائے تو فمکثت عندہ عشراً ہونا چاہیئے تھا۔

ہشام کے دور میں اسلامی جنتری کے نظام پر سو سال گذر چکے تھے۔ ان کے نزدیک سال سے وہی مراد ہے جو اس وقت ہم مراد لیتے ہیں۔ یعنی محرم سے ذوالحجہ تک۔ اس لیئے کہ حضرت عمر رض کے زمانہ خلافت ہی میں محرم سے ذوالحجہ تک سال مقرر کر دیا گیا تھا۔

علی بن مسہر کی اس روایت میں ہے فتمزق شعری فوفی جمیمۃ۔ بیماری سے بال گر گئے تھے پھر وہ جمیمہ ہوئے۔ تو..... اسی سلسلہ میں ایک بحث یہ ہے کہ رخصتی کی اس کیفیت کے بیان میں فوفی جمیمہ سے کیا رخصتی کا زمانہ متعین کرنے میں کوئی مدد مل سکتی ہے؟ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ روایت ناقص اور مبہم ہے۔ اس کے لفظ جمیمہ سے کسی مدت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر بال گر جائیں اور نئے سرے سے اگ کر جمیمہ بنیں تو دیکھنا یہ ہے کہ اس میں کتنا عرصہ لگے گا۔ اس عرصہ کا تعین اس پر موقوف ہے کہ لفظ جمیمہ کی تحقیق کر لی جائے۔

رخصتی اور جمیمہ | شراحِ حدیث جمیمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ جمیمہ جمہ کی تصغیر ہے۔ اور جمہ سر کے ان بالوں کو کہتے ہیں جو بڑھ کر مونڈھوں پر آجائیں۔ ما وقع على المنكبين۔ اتنے بال سال بھر میں ہو سکتے ہیں: اس کی رو سے حضرت عائشہ رض کی رخصتی ٢ھ میں ہونی چاہیئے۔ لیکن اتنی مدت میں بیماری کا اثر نہیں رہنا

چاہیے۔ تو اس طرح حتی سکن نفسی بے محل ہو جاتا ہے۔ اِلّا یہ کہ اس کی توجیہ یہ کریں کہ حضرت عائشہ رضؓ دوڑ کر ماں کے پاس آئی تھیں اس لئے سانس چڑھ گیا تھا۔ مگر یہ توجیہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ ام رومان تو خود ان کے پاس پہنچ گئی تھیں۔

اسلام سے پہلے عربوں میں مردوں کے سر پر بال رکھنے کا عام رواج تھا۔ اور اسلام کے بعد بھی باقی رہا۔ بالوں کے چھوٹے اور بڑے ہونے کے لحاظ سے ان کی تین صورتیں تھیں۔ ۱۔ کان کی لَو تک بال ہوں۔ ۲۔ کان کی لَو سے بڑھ جائیں اور گردن تک آ جائیں۔ ۳۔ اس سے بڑھ کر مونڈھوں پر آ جائیں یا اس سے زیادہ ہو جائیں۔ اپنے اپنے ذوق کے مناسب بال رکھنے والے مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کرتے تھے۔

اربابِ لغت ان قسموں کے علیحدہ علیحدہ نام رکھتے ہیں۔ ان کی اکثری ترتیب تو یہ ہے۔ کان کی لَو تک بال ہوں تو ان کو وَفْرَۃٌ کہتے ہیں۔ اگر گردن تک ہوں تو ان کو جُمّۃ کہتے ہیں۔ اور اگر گردن سے نیچے اتر کر مونڈھوں پر یا اس کے نیچے آ جائیں تو انہیں لِمّۃٌ کہتے ہیں۔

لیکن اس کے برخلاف وہ کبھی وفرہ پر جمّہ کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ اور کبھی جُمّۃٌ کی جگہ لِمّۃٌ کہہ دیتے ہیں۔ اور کبھی لِمّۃٌ کی جگہ جمّہ بول دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض نے وَفْرَۃٌ کو جَمّۃٌ سے اعظم کہا ہے۔

لسان العرب میں ہے کہ الجُمّۃ بالضم مجتمع شعر الرأس وھی اکثر من الوفرۃ۔ وفی الحدیث کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمۃ جعدۃ۔ الجمّۃ من شعر الرأس ما سقط علی المنکبین۔ منہ حدیث عائشۃ رضؓ حین بنی بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت وفت لی جمیمۃ، ای کثرت الجمیمۃ تصغیر الجمۃ۔ قیل الجمۃ من الشعر اکثر من اللمّۃ۔ (لسان العرب)

الجمّۃ مجتمع شعر الرأس (المنجد)

الوفرۃ الشعر المجتمع علی الرأس او ما سال علی الاذنین منہ او ما جاوز شحمۃ الاذن ثم الجمّۃ ثم اللمّۃ (قاموس)

الوفرۃ ما بلغ شحمۃ الاذن من الشعر۔ الطرۃ ما غشی الجبھۃ من الشعر۔ الجمّۃ والفقرۃ ما غطی الرأس من الشعر۔ (فقہ اللغۃ للعلامۃ الثعالبی)

الجمہ پیش کے ساتھ جب سر پر بالوں کا گچھا ہو یہ وفرہ سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلعم کے گھونگھروالے جمۃ تھے۔ جو مونڈھوں تک بال ہوں وہ جمۃ ہیں۔ اسی سے عائشہ رض کی حدیث ہے جب آپ کی رخصتی ہوئی۔ عائشہ رض نے کہا میرے بال جمیمہ رہ گئے تھے۔ جمیمہ جمہ کی تصغیر ہے اور یہ بھی کہا گیا جمۃ لمۃ سے زیادہ بالوں کو کہتے ہیں۔

الوفرہ مجتمع شعرالرأس۔ جو کان تک آجائیں یا کان کی لو تک آجائیں پھر اس سے آگے جمۃ پھر اس سے زیادہ لِمۃ ہیں۔

وفرہ جو کان کی لو تک ہوں۔ طرہ جو چہرے کو ڈھانپ لیں۔ جمۃ فقرہ جو منہ کو ڈھانپ لیں۔

اصل میں دیکھنے والے کے پاس کوئی پیمانہ تو ہوتا نہیں کہ ناپ کر لفظ کا اطلاق کرے یونہی سرسری نظر میں جو اندازہ ہوتا ہے۔ اسی کے مناسب لفظ بول دیا جاتا ہے۔ ان مختلف معانی اور مختلف اطلاقات کی وجہ سے لغت اس معاملہ میں ہماری کوئی مدد نہیں کرتی کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہ رض کے سر پر کتنے بال تھے۔ اور چونکہ سر کے تمام بال گر گئے تھے۔ اس لئے ہم یہ بھی نہیں بتلا سکتے کہ ان نئے بالوں کی عمر کیا تھی اور وہ کتنے تھے۔ سر کے چھوٹے چھوٹے بالوں سے لے کر منکبین پر پڑے ہوئے بالوں تک کے لئے جمۃ کا لفظ بولا جاسکتا ہے۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں جمہ سے کیا مراد ہے۔ اسی لئے لفظ جمیمۃ سے رخصتی کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا یہاں جمیمہ کے معنی ما غطی الرأس ہی مناسب ہیں۔ صاحب فقہ اللغۃ نے یہی ایک معنی جمہ کے بیان کئے ہیں۔ اور یہی معنی یہاں موزوں اور واقعات کے مطابق ہو سکتے ہیں۔ مجتمع شعرالرأس بھی کہے جا سکتے ہیں۔ لیکن ڈیڑھ ماہ میں بال اتنے بڑھ نہیں سکتے۔ شراح حدیث نے جو جمیمہ کے لغوی معنی بیان کردیئے ہیں۔ اس سے واقعہ کی صحیح کیفیت ذہن نشین نہیں ہوتی۔ اور حضرت عائشہ رض کی رخصتی کے زمانہ کا تعین نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل واقعات کے خلاف جمیمہ کے معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ اور اگر بیماری میں سر کے تمام بال نہیں گرے تھے تو جمیمہ کے جو معنی بھی لئے جائیں صحیح اور درست ہوں گے۔ لیکن اس سے کسی مدت اور زمانہ کا تعین پھر بھی نہیں ہوسکتا۔

صِغرسنّی کا تاثر روایت سے ثابت نہیں ہوتا

روایت ہجرت کو مبہم اور ناقص بیان کرنے اور اس کا جوڑ روایت تزوج کے ساتھ غیر فطری طور پر لگانے سے علی بن مسہر کا منشا یہ ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضؓ کی صِغرسنی کا تاثر دلانا چاہتے ہیں۔

مگر اس کے باوجود یہ روایت حضرت عائشہ رضؓ کی کم عمری پر دال نہیں ہے۔ اس سے تو محض اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی دفعۃً اور اچانک ہوئی ہے۔ ان کو پہلے سے یہ معلوم نہیں تھا کہ رخصتی ہونے والی ہے۔ رخصتی کے وقت بیماری کے اثر سے کس قدر کمزور تھیں۔ رخصتی نہایت سادہ طریقہ پر ہوئی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ کی مسند والی روایت سے ظاہر ہے کہ میری رخصتی کے موقعہ پر نہ اونٹ ذبح کئے گئے اور نہ بکریاں۔ رخصتی کے وقت جو ہوتا ہے (جو ہوا کرتا ہے) اس کی تھوڑی سی جھلک ہے۔
فلم یرعنی الا رسول اللہ ضحی۔ یہ اس فطری گھبراہٹ کا بیان ہے جو نوجوان کنواری لڑکیوں کو طبعاً ہوتی ہے۔ اس کا صغرسنی سے کوئی تعلق نہیں۔

وانی لفی ارجوحۃ سے صغرسنی پر استدلال غلط ہے۔ ارجوحۃ جھُولے کو کہتے ہیں اور نوجوان کنواری لڑکیاں بھی جھولا جھولتی ہیں، ہمارے ملک میں برسات کے موسم میں جھولا جھولنا اور ملہار گانا نوجوان لڑکیوں کی ایک خاص تفریح ہے۔ جس میں شادی شدہ نوجوان عورتیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔

غرض اس روایت علی بن مسہر میں کوئی جملہ حضرت عائشہ رضؓ کی صغرسنی پر دلالت نہیں کرتا سوائے ایک جملہ وانا یومئذ بنت تسع سنین کے۔ اگرچہ یہ جملہ ضمناً اور تبعاً آگیا تھا۔ مگر ہشام بن عروہ نے اسی کو بنیاد بنا کر پھر اپنے قیاس سے کام لیکر اسی پر حضرت عائشہ رضؓ کی صغرسنی کی پوری عمارت تعمیر کر دی۔ اب حضرت عائشہ رضؓ اور بچپن لازم و ملزوم ہو گئے اور درحقیقت یہ جملہ جو حضرت عائشہ رضؓ کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔

وانا یومئذ بنت تسع عشرۃ تھا یا بنت تسع وعشرین سنۃ تھا۔ مگر ہشام نے اسے ناقص نقل کیا ہے اور اسی ناقص جملے پر اپنے قیاسی استخراج استنباط کی خالی عمارت کھڑی کی ہے۔
ہم آگے اس پر مفصل بحث کریں گے۔

بخاری کی روایت ثانیہ

بخاری کی دوسری روایت جو باب تزوج النبی عائشہ رض میں جو حضرت ہشام بن عروہ عن ابیہ سے مرسلاً مذکور ہے

قال توفیت خدیجة قبل مخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینة بثلث سنین فلبث بسنتین او قریبا من ذلك و نكح عائشة و هی بنت ست سنین و بنی بها و هی بنت تسع سنین.

یہ مرسل[1] روایت بھی ہشام بن عروہ کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہے۔ اس میں عروہ کا کلام محض و نکح عائشہ تک ہے باقی حصہ ہشام کا استخراج و استنباط ہے

ہمارے مدعی کی وضاحت کیلئے چند مقدمات ضروری ہیں

عمل استخراج

۱۔ اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رض کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سال یا اس سے کچھ زیادہ یا کم عرصے تک بلا زوجہ رہے۔ پھر حضرت عائشہ رض سے نکاح کیا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رض کا نکاح ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا۔

۲۔ اہل علم کے نزدیک یہ معروف و مسلم ہے کہ ہشام رح کے نزدیک حضرت عائشہ رض کی رخصتی سنہ ۲ ہجری میں ہوئی۔ اگرچہ بعض اہل تحقیق نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ جیسا کہ ہم اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ لکھیں گے۔ لیکن ہشام رح سنہ ۲ ہجری کی رخصتی کے قائل ہیں جیساکہ ہشام سے بخاری میں تیسری روایت ہے فمکثت عندہ تسعا۔

---

[1] ۱۔ پہلے روایت تزوج مرسل بیان کی جاتی تھی۔ بعد میں موصول بیان کی جانے لگی۔

۲۔ بخاری باب الہجرۃ میں یہ روایت مرسل عروہ کے طور سے مذکور ہے۔

۳۔ مصنف عبدالرزاق میں دو سندوں سے مذکور ہے۔ دونوں ہی مرسل ہیں۔

۴۔ طبقات ابن سعد میں یہ روایت وکیع سے مرسل عروہ کے طور سے مذکور ہے۔

۵۔ پھر طبقات میں وکیع ابو اسحاق کے ذریعہ مرسل ابو عبیدہ ہے۔

۶۔ طبقات میں ہی اسرائیل ابو اسحاق کے ذریعہ مرسل ابو عبیدہ ہے۔

لیکن بعد میں اصحاب سنن نے ان روایات کو موصول ذکر کیا۔

۳ - اور یہ حقیقت بھی معلوم و معروف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۱ھ ہجری میں ہوئی ۔

۴ - اور حضرت عائشہ رض کی روایت جیسی ان کی سادہ اور اچانک رخصتی کا قصہ بیان کیا گیا ہے ۔ اور جس کے آخر میں " وانا یومئذ بنت تسع " کو ضمناً اور جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوگیا ہے کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہ کی عمر نو سال تھی ۔

مذکورہ بالا مقدمات اور حقائق کو جمع کرنے سے یہ حقیقت خود بخود سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عائشہ رض کی عمر ۲ھ میں رخصتی کے وقت چونکہ ۹ سال تھی لہذا ہجرت سے ایک سال پہلے نکاح کے وقت لازماً ۶ سال تھی ۔ اور ۱۱ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اٹھارہ سال تھی ۔ یا یوں کہیے کہ حضرت عائشہ رض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۹ سال رہی ہیں ۔

تھوڑی دیر کے لئے تصور کر لیجئے کہ تزوج کا کوئی مسئلہ نہیں ہے ۔ بلکہ حضرت عائشہ رض اپنی عمر کے متعلق فرماتی ہیں کہ ۲ھ میں میری عمر ۹ سال تھی ۔ تو ہم ریاضی کے قاعدے سے سوال کر سکتے ہیں کہ بتاؤ ۱۱ھ ہجری میں حضرت عائشہ رض کی عمر کیا ہوگی تو جواب ہوگا ۱۸ سال ۔ ہم مزید سوال کر سکتے ہیں کہ ہجرت سے ایک سال پہلے حضرت عائشہ رض کی کیا عمر تھی ۔ جواب ہوگا ۶ سال ۔

تزوج اور رخصتی کے سلسلہ میں حضرت عائشہ رض کا بیان صرف اتنا ہے کہ " وانا یومئذ بنت تسع " یعنی رخصتی کے وقت میں ۹ سال کی تھی ۔ اس لئے گیارہ میں سے ۲ نفی کرو تو ۹ رہتے ہیں ۔ پھر ۹ کو ۹ میں جمع کرو تو اٹھارہ ۱۸ بن جاتے ہیں ۔ اسی طرح ۹ میں سے ۳ نفی کریں (۲ ہجرت کے ابتدائی سال اور ایک ہجرت سے پہلا سال) تو چھ ۶ رہ جاتے ہیں ۔

لہذا یہ روایت جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ہشام بن عروہ کا استخراج و استنباط ہے ۔ جو ریاضی کی مدد سے مسلمہ تاریخی حقائق سے حاصل کیا گیا ہے ۔ اور ریاضی سے نکالے ہوئے نتائج کو تزوج کے ساتھ وابستہ کر کے ہشام نے اپنا استنباط ان الفاظ میں پیش کیا ہے :-

عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت ست سنین . وادخلت علیہ وھی بنت

تسع سنین فمکثت عندہ تسعًا (بخاری ۔ کتاب النکاح)

اس میں حضرت عائشہ رض کا ایک جملہ بھی نہیں ہے اور سارا کلام ہشام کا اپنا کلام ہے۔ جسے ہشام نے عنعنے سے بیان کیا ہے۔ یہ بالواسطہ کلام ہے۔ یعنی غائب کے صیغوں سے ادا کیا گیا ہے۔ جس میں یہ گنجائش ہے کہ اسے کلام ہشام بھی سمجھا جا سکے اور کلام عائشہ رض بھی تصور کیا جا سکے۔

اس کلام میں صرف ایک جملہ ایسا ہے جو حضرت عائشہ رض کے اپنے جملے " وانا یومئذ بنت تسع " کا بالواسطہ بیان ہے۔ یعنی وادخلت علیہ وھی بنت تسع۔ باقی دو جملے مستخرجاتِ ریاضی ہیں۔ اور ہشام کا یہ استنباط بصورت روایت کتب حدیث میں مختلف انداز سے مذکور ہے۔

اس روایت تزوج کے تین ٹکڑے ہیں :-

١۔ تزوجها النبی وھی بنت ست سنین۔
٢۔ و بنیٰ بھا وھی بنت تسع۔
٣۔ ومکثت عندہ تسعًا۔

اس مضمون کو ہشام کے تلامیذ نے مختلف صورتوں سے ادا کیا ہے۔ یہ روایت عام طور پر کتب حدیث میں نکاح الرجل ولدہٗ الصغار۔ یا ۔ باب تزویج الابکار میں بیان کی جاتی ہے۔ کوئی راوی پہلے دو حصے بیان کرتا ہے۔ کوئی آخر کے دو حصے بیان کرتا ہے۔ کوئی پہلے حصے میں چھ سال کہتا ہے۔ کوئی سات سال کہتا ہے۔ جیسا کہ ہر روایت کے تفصیلی جائزے سے معلوم ہوگا۔

بہر حال آخری دو اجزاء میں تمام رواۃ ہشام کا اتفاق ہے۔ تعبیر کے انداز ضرور مختلف ہیں۔ اور روایت بالمعنی میں ہوتا بھی یہی ہے۔ پھر کہیں اس کو بالواسطہ غائب کے صیغے سے ادا کیا گیا ہے اور کہیں بلا واسطہ متکلم کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے۔

مستقل روایت یا متفرق ٹکڑوں کا مجموعہ

کتب حدیث میں جس انداز سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل احکام کی روایت ہے۔ اسی لئے اس پر زیادہ توجہ مبذول کی گئی ہے۔ اور اب یہ ان کے نزدیک متواتر کے قریب ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ یہ کوئی مستقل روایت ہے۔ یا مختلف ٹکڑوں کو جوڑ کر روایت

بنائی گئی ہے ۔ کتب حدیث میں احادیث کا اکثر و بیشتر کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہوتا ہے ۔ کوئی سوال کیا گیا ہو ۔ اور اس کے جواب کو محفوظ کرلیا گیا ۔ یا کوئی صورت واقعہ پیش آئی اور اس کا کوئی حل بتلایا گیا تو اسے یاد کرلیا گیا ۔ لیکن اس روایت سے قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عائشہ رضؓ سے کوئی سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا ۔ یا کوئی اور واقعہ بیان کر رہی تھیں جس کے ضمن میں یہ ارشاد فرمایا ۔ کتب حدیث اس سلسلہ میں خاموش ہیں ۔

تمام روایات کے جانچنے سے اس روایت کے متعلق یہ تحقیق ہوا کہ اس پوری روایت میں ایک جملہ مستقل ہے جسے کسی راوی نے ترک نہیں کیا ۔ اور وہ ہے بنآء تسعة ۔ کیونکہ بعض رواۃ پہلے دو ٹکڑے بیان کرتے ہیں جیسا کہ بخاری کی باب الہجرۃ تزویج عائشہ رضؓ والی روایت میں ہے ۔ اور بعض آخر کے دو ٹکڑے بیان کر رہے ہیں جیسے کہ ابھی آئے گا ۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ٹکڑا ہجرت کے مفصل قصے سے لیا گیا ہے ۔ جو حضرت عائشہ رضؓ نے بیان کیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضؓ نے مکے سے اپنے خاندانوں کو بلانے کے لئے آدمی روانہ کئے ۔ وہ لوگ دونوں خاندانوں کو لیکر مدینے پہنچے ۔ مکّہ سے روانگی ، راستے کی کیفیت ، مدینے کا قیام ، بیماری اور بیماری کے فوراً بعد سادہ رخصتی کا واقعہ حضرت عائشہ رضؓ نے مسلسل بیان کیا ہے ۔ اس ضمن میں عمرؓ کا بھی بیان آگیا ۔ لیکن یہ بیان ضمناً اور تبعاً آیا ہے ۔ اس سارے قصے میں محض ایک جملہ " وانا یومئذ " آیا ہے ۔ اور یہ بھی بطور جملہ معترضہ ۔

(خلاصہ یہ کہ یہ سارا قصہ وانا یومئذ بنت تسع کے لئے نہیں بیان کیا گیا ۔ بلکہ قصے کا ماحصل وانا یومئذ کے سوا کچھ اور ہے ۔ اور یہ تو جملہ معترضہ تھا) کیونکہ اگر حضرت عائشہ رضؓ یہ جملہ نہ بھی فرماتیں تو بھی قصہ پورا تھا ۔ اور اسی لئے مُسلم کی اسی روایت میں یہ جملہ معترضہ نہیں ہے ۔ طبقات ابن سعد وغیرہ میں بھی پوری روایت ہجرت بیان کی گئی ہے اور ان میں بھی یہ جملہ معترضہ نہیں ہے ۔ اور ابن سعد کی روایت میں علی بن مسہر کی روایت کی غیر واقعی تفصیل بھی نہیں ہے ۔

بخاری کی تیسری روایت

بخاری کتاب النکاح کی تیسری روایت کا انداز بالواسطہ ہے ۔ یعنی غائب کے صیغے سے ادا کیا گیا ہے ۔

روایت کا متن یہ ہے ۔ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت ست سنین وادخلت علیہ وھی بنت تسع و

مکثت عندہ تسعا۔ (کتاب النکاح۔ باب نکاح الرجل ولدہ الصغار)

اس روایت میں راوی دانا یومئذ کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کر رہا ہے۔ یہ مفہوم اس نے تزویج عائشہ رض والی ماخذ روایت سے لیا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ حضرت عائشہ رض سے عروہ نے یہ روایت سُنی ہے۔ تزویج عائشہ رض والی ماخذ روایت میں دانا یومئذ بنت تسع تھا۔ اور اس کے آگے پیچھے کچھ نہیں تھا۔ لیکن اس روایت میں مکثت عندہ تسعا اور زیادہ ہے۔

اگر یہ روایت براہ راست حضرت عائشہ رض کی زبان میں بیان کی جاتی تو اس کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اور دانا یومئذ بنت تسع سنین جس کو ادخلت علیہ سے ظاہر کیا گیا

بیان بالواسطہ یا بلا واسطہ

بہ تکلف اس لئے کرنا پڑا کہ انا یومئذ اپنی ذات میں خارق عادت کیفیت کا مظہر جملہ ہے۔ مگر ایک جملہ کو کس طرح ذکر کیا جائے۔ اس لئے ہشام نے ریاضی سے نکالے ہوئے دو نتیجے اس کے سیاق وسباق میں لگا دئے۔ اور اس اصل جملہ کو بھی بالواسطہ کلام یعنی غائب کے صیغے میں تبدیل کر دیا۔ اب یہ بیان کے قابل ایک مستقل کلام ہو گیا۔ اور ترتیب بھی پیدا ہو گئی۔ تزوج چھ سال کی عمر میں۔ بنا نو ۹ سال کی عمر میں معیت ۹ سال تک۔

پھر اس بالواسطہ کلام کو روایت بالمعنی کی رُو سے عنعنے کی وجہ سے جب بلا واسطہ کلام میں یعنی متکلم کے صیغے میں تبدیل کیا گیا تو یہ سارا کلام کلام عائشہ رض اور ایک مستقل روایت بن گیا۔

رفع اشتباہ

ہمارا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ ہشام نے دھوکے دینے کے لئے ایسا کیا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ شروع میں ایک مستنبط مفہوم کو جو حضرت عائشہ رض کے بیان دانا یومئذ سے حساب کے یقینی قاعدے سے ماخوذ تھا جسے روایت بالمعنی کی رُو سے ان کا کلام کہا جا سکتا تھا، اسے احتیاط کے طور سے بالواسطہ کلام میں غائب کے صیغے سے نقل کیا بعد میں آنے والے راویوں نے اُس پورے کلام کو عنعنے کی وجہ سے حضرت عائشہ رض کا کلام تصور کرتے ہوئے بلا واسطہ کلام کی صورت میں نقل کرنا شروع کر دیا اور اسے کلام عائشہ رض بنا دیا۔ ورنہ اس تمام عبارت میں ایک جملہ بھی حضرت عائشہ رض کا نہیں ہے۔ مفہوم ضرور ان کے کلام دانا یومئذ سے لیا گیا ہے۔

بُخاری کی چوتھی روایت پر بحث

حدثنا معلی بن اسد قال حدثنا وُهَیب عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رض

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت ست سنین و بنی بھا وھی بنت تسع سنین وانبئت انھا کانت عندہ تسعا ۔ (بخاری ص۱۱)

اس روائت میں بیان بالواسطہ ہے ۔ یعنی غائب کے صیغے سے ۔ اس میں ہشام کے استخراج کے تینوں ٹکڑے موجود ہیں ۔ لیکن آخری ٹکڑے کو ہشام نے صراحۃً کلام عائشہ رضہ سے خارج کر دیا ہے ۔ اور کہدیا ہے کہ یہ ٹکڑا حضرت عائشہ رضہ سے منقول نہیں ہے ۔ بلکہ حضرت عائشہ رضہ کے علاوہ کسی اور سے مجھے یہ بات معلوم ہوتی ہے ۔

شارحین حدیث نے اس کے بیان میں کافی جولانیٔ طبع کا ثبوت دیا ہے ۔ بڑی بڑی قیاس آرائیاں کی ہیں کہ آخر یہ راز سربستہ ہشام کو کس دانا ئے راز سے معلوم ہو سکتا ہے ۔ اور پھر شراح نے ان لوگوں کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے جو ہشام کو یہ بتلا سکتے تھے مگر ہشام کی سادگی دیکھنے کے قابل ہے ۔ فرما رہے ہیں " مجھے بتلایا گیا ہے " گویا اگر انہیں بتلایا نہ جاتا تو یہ حقیقت سربستہ نہ ہشام کے علم میں آتی اور نہ وہ آگے بیان کرتے ۔ گویا کہ ہشام کوئی روائت بلا کسی معتبر آدمی سے سنے روایت ہی نہیں کرتے ۔ ہمارے نزدیک یہ ہشام کا تکلف بارد ہے ۔ تاریخ سے خود اپنے مستنبط نتیجے کو انبئتُ سے تعبیر کر رہے ہیں ۔

لیکن مقام شکر ہے کہ اس ٹکڑے کو انہوں نے علیحدہ کر کے خود ہی بتلا دیا کہ حضرت عائشہ رضہ کے کلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اب حضرت ہشام کی جس جس روائت میں جس جس رنگ میں بھی یہ ٹکڑا آیا ہے یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ ہرگز حضرت عائشہ رضہ کا کلام نہیں ہے ۔

رہ گئے پہلے دو جملے ۔ سو ان دو ٹکڑوں کے متعلق بھی انداز بیان چونکہ بالواسطہ ہے اس لئے متبادر یہی ہے کہ یہ کلام بھی کلام ہشام ہے ۔ اس کلام کا ماخذ البتہ حضرت عائشہ رضہ کا ایک جملہ ہے ۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس لئے حضرت ہشام نے اسے بالواسطہ اور عنعنے سے بیان کیا ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت میں ہشام نے سیاقِ استنباط کو خود علیحدہ کر دیا ہے ۔ اور سباق کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ توفی خدیجہ والی روایت سے حاصل کیا گیا ہے ۔ بیچ کا ایک جملہ و بنی بھا حضرت عائشہ رضہ کے جملے وانا بیوھشن کا بالواسطہ بیان ہے ۔

اس تجزیئے کی روشنی میں بخاری کی ہجرت والی پہلی دونوں روایتوں کے ابتدائی حصہ سے جن کے متعلق ہم نے لکھا ہے کہ یہ علیحدہ ہیں اور ہشام کا کلام ہیں واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اسی بالواسطہ کلام کے بلا واسطہ بیان ہیں ۔ ہشام نے ان کو پہلی روائت میں مابعد سے جوڑ دیا ہے ۔ اور دوسری روائت میں ماقبل مرسل روایت سے جوڑا ہے ۔

بالواسطہ

اس فرق کو ضرور ذہن میں رکھیے کہ حضرت ہشام نے ہمیشہ اس استخراج کو بالواسطہ کلام میں غائب کے صیغے سے ذکر کیا ہے ۔ بخاری کتاب النکاح کی دونوں روائتیں حضرت ہشام کا اپنا کلام ہیں ۔ اس میں نیچے کے راوی نے کوئی تغیر نہیں کیا ۔ جن الفاظ میں سُنا تھا انہی میں نقل کر دیا ۔ روائت بالمعنی کی رُو سے اس کو بلا واسطہ کلام میں تبدیل نہیں کیا ۔ لیکن بخاری کی ہجرت والی پہلی روائت میں حضرت ہشام کے شاگردوں میں سے کسی نے یا ان کے شاگردوں میں سے کسی نے ان کے اسی بالواسطہ کلام کو حضرت عائشہ رضؓ کا کلام سمجھتے ہوئے بلا واسطہ کلام میں تبدیل کر دیا ۔ اور اس کو ہشام کے کلام سے نکال کر حضرت عائشہ رضؓ کا کلام بنا دیا ۔ اب یہ ہشام کا کلام نہیں رہا بلکہ حضرت عائشہ رضؓ کا کلام ہو گیا جو حضرت ہشام کے بیان کے خلاف ہے ۔ اور خلاف واقعہ بھی ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ پہلی روائت میں یہ غلطی فروہ سے ہوئی ہو ۔ یا علی بن مسہر سے ۔ اور دوسری روائت میں یہ غلطی عبید بن اسماعیل سے ہوئی ہو یا ابو اسامہ سے بہرحال ہشام نے اسے ہمیشہ بالواسطہ کلام میں غائب کے صیغے ہی میں پیش کیا ہے ۔

اس بحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل امور ہیں ۔

۱ ۔ علی بن مسہر اس روائت فقدمنا المدینۃ و تزوج کے مرتب و موجد ہیں

۲ ۔ اس روائت کے بیان کرنے میں وہ منفرد ہیں ۔ پوری تاریخ اسلام اور ذخیرہ حدیث میں کوئی اس کا متابع اور شاہد نہیں ہے ۔

۳ ۔ یہ روائت ہشام نہیں ہے کیونکہ ان کے تمام تلامیذ میں سے کوئی بھی اسے بیان نہیں کرتا

۴ ۔ ہشام کی وفات ۱۴۶ھ میں ہوئی ۔ علی بن مسہر نے اپنے تلامیذ سے یہ روائت ۱۸۵ھ میں بیان کی جبکہ یہ تصدیق کرنے والا کوئی بھی نہ رہا کہ یہ روائت ہشام ہے ۔

۵ ۔ علی بن مسہر نے یہ روائت نابینا ہونے کی حالت میں بیان کی ۔

۶ ۔ فروہ اور اسماعیل نے یہ روائت علی بن مسہر سے ان کی عمر کے آخری حصے میں سُنی جب وہ نابینا ہو چکے تھے ۔ اور عجیب و غریب روایات بیان کرنے لگے تھے ۔

۷ مسلم میں یہ روائت ابو اسامہ سے آئی ہے مگر چونکہ اصل میں یہ روایت علی بن مسہر سے ہے اس لئے یا ابو اسامہ نے اسے تدلیساً مرویات ہشام میں رکھ دیا یا ابو کریب اور ابو بکر نے روائت تزوج ہشام کے ساتھ اسے ملحق کر دیا اور اصل راوی اور

ان کے تلامیذ کو درمیان سے نکال دیا۔

۸ ۔ کوفے والوں میں تدلیس عام تھی ان میں اکثر اس کے مرتکب تھے۔

۹ ۔ مسند امام احمد میں یہی روایت ایک مرسل روایت کے آخر میں تتمے کے طور سے آئی ہے۔ تو یہ الحاق جامعین مسند میں سے کسی نے کیا ہے۔

۱۰ ۔ علی بن مسہر سے اوپر اس روایت کا وجود نہیں ہے۔ ہشام بن عروہ کی طرف نسبت ضرور ہے۔ علی بن مسہر طبقہ ثامنہ کے راوی ہیں۔ اس سے اوپر کے طبقات اس روایت سے بالکل بے خبر ہیں۔

متونِ روایاتِ مسلم پر بحث

مُسلم کی پہلی روایت کے متن پر بحث

مسلم کی پہلی روایت وہی ہے جو بخاری باب الہجرت میں گذر چکی ہے، فرق صرف اتنا ہے (کہ بخاری کی روایت میں استخراج ہشام کا صرف ایک ٹکڑا آیا ہے اور وہ شروع روایت میں ہے۔ دوسرے ٹکڑے کا مفہوم ہجرت عائشہ رض کے قصے سے جس کے آخر میں وَاَنَا یَوْمَئِذٍ ہے پورا کیا گیا ہے۔ تیسرا ٹکڑا اُس روایت میں ندارد ہے) اور مسلم کی اس روایت میں استنباط ہشام کے دو ٹکڑے روایت کے شروع ہی میں آ گئے ہیں۔ تیسرا ٹکڑا راوی نے خود ہی ترک کر دیا ہے۔ اور قَالَتْ تَقَدَّمْنَا الْمَدِيْنَةَ سے حضرت عائشہ رض کی بیماری اور سادہ رخصتی اور اس دور میں رخصتی کی رسم کا بیان ہے۔ اس حصہ روایت میں عُمر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس حصہ روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عائشہ کی رخصتی کس عمر میں ہوئی۔ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بچپن میں کہیں رخصتی ہوئی ہوگی۔

آگے چل کر ہم مفصل بتائیں گے کہ اس رخصتی کے واقعے کی یہ طفلانہ تعبیر راوی کا اپنا ذہن ہے۔ اس کا نفسِ واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابن سعد وغیرہ کتب سیر میں ہجرت عائشہ رض اور رخصتی کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ قرینِ قیاس ہے۔ اور ان پھول پتیوں سے خالی ہے جو اس روایت میں ان کے تلمیذ علی بن مسہر نے چسپاں کی ہیں۔

"حضرت عائشہ رض اور کھیل"

ایک مستقل عنوان قائم کیا گیا ہے۔ اس باب میں ہم اس مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

غرض اس روایت کے دو حصے ہیں۔ ایک تقدمنا سے پہلے اور ایک تقدمنا کے بعد۔ بعد کے حصے میں نفس رخصتی کے واقعے سے زیادہ جو امور تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں وہ راوی کا اپنا ذہن ہے۔ روایت نہیں ہے۔ اور تقدمنا سے پہلے جو دو ٹکڑے وارد ہیں وہ ہشام کا کلام تھا لیکن راوی نے اُسے بلا واسطہ کلام میں بیان کر کے حضرت

عائشہ رضہ کے منہ میں وہ بات ڈال دی جو انہوں نے نہیں فرمائی تھی۔
نیز مسلم کی یہ روایت وانا یومئذ کے جملۂ معترضہ سے خالی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلام اس جملے کے بغیر بھی پورا ہے۔

مسلم کی دوسری روایت کے متن پر بحث

مسلم کی دوسری روایت ہشام جو عبدہ بن سلیمان کے ذریعے پہنچی ہے اس میں ہشام کی روایت کے دو ٹکڑے آئے ہیں۔ تزوج چھ سال میں۔ اور بناء نو سال میں۔ آخری ٹکڑا یا ہشام نے خود ترک کر دیا یا عبدہ نے ترک کر دیا۔
اس روایت میں راوی نے بیان بالواسطہ میں تبدیل کیا ہے اور کلام ہشام کو کلام عائشہ رضہ بنایا ہے۔ یعنی غائب کے صیغے سے متکلم کے صیغے میں تبدیل کر دیا ہے۔

مسلم کی تیسری روایت کے متن پر بحث

مسلم کی تیسری روایت ہشام بن عروہ کی وہی مشہور روایت ہے۔ اس روایت کا بیان بالواسطہ ہے۔ اور ومکثت عندہ کومات عنہا وھی بنت ثمان عشرۃ سے بیان کیا گیا ہے۔
اس روایت میں ایک اور جملہ کا اضافہ ہوا۔ ولعبھا معھا کھلونے ساتھ تھے۔
چونکہ یہ روایت عروہ سے زہری کے ذریعے منقول ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زہری کا سماع عروہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ لہذا یہ بھی روایت ہشام ہی ہے جو زہری سے چپکا دی گئی ہے۔
اس سند میں عبدالرزاق جیسا غالی شیعہ ہے۔ اور اس کی روایت حضرت عائشہ رضہ کے بارے میں طبعاً مجروح ہے۔ ویسے بھی عبدالرزاق وضع حدیث کی ایک قسم کا مرتکب ہے۔ یعنی ادراج کا۔ علماء حدیث نے وضع کی اس قسم کی طرف توجہ مبذول نہیں کی۔ حالانکہ وضع کی یہ قسم نہایت خطرناک اور واقع میں مہلک ہے۔ گرفت کے لحاظ سے نہایت مشکل ہے۔ واضعین کے نقطۂ نظر سے نہایت کامیاب ہے۔ اس کا معلوم کرنا اور تشخیص کرکے اسے اصل روایت سے علیحدہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔
وہ قسم یہ ہے کہ نہایت مستند روایت میں کہیں ایک دو جملے بڑھا دیے جائیں۔ جو روحِ روایت اور مقصدِ روایت کے خلاف ہوں اور واضع کے مقصد کو پورا کرنے والے ہوں۔ ہم اس بحث کو تفصیل کے ساتھ "حضرت عائشہ رضہ اور کھیل"

بے ضمن میں بیان کریں گے اور واضح کریں گے کہ کس طرح عبدالرزاق نے مستند روایات میں اس قسم کے اضافے کرکے اپنے خبثِ باطن کا اظہار کیا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ روایت بھی ہے۔ اس میں عبدالرزاق نے لعبہا معہا کا اضافہ اپنی عادت کے موافق کیا ہے۔

چونکہ روایتِ ہشام میں رخصتی ۹ سال کی عمر میں بیان کی گئی ہے۔ اس لئے اس نے حضرت عائشہ رضؓ کا پورا بچپن ظاہر کرنے کے لئے بنا ر کے وقت کھلونے بھی حضرت عائشہ رضؓ کی بغل میں دیدیئے (إنا للهِ وإنا إليهِ راجعُونَ)

اس روایت میں بَنیٰ بھَا کی جگہ زفت الیہ بھی قابلِ غور ہے۔ جو ان کے ذہن کی غمازی کر رہا ہے۔

اول تو حضرت ہشام اور ان کے تلامیذ کو حضرت عائشہ رضؓ کے اپنے ہی الفاظ رکھنے چاہئیں تھے۔ یعنی وانا یومئذ بنت تسع۔ اور اگر بالواسطہ انداز اختیار کرنا ضروری تھا تو وہی یومئذ بنت تسع کہدیتے۔ خیر اس کی جگہ بَنیٰ بِھَا بھی قابلِ برداشت ہے۔ لیکن زفت الیہ تو عبدالرزاق ہی کہہ سکتا تھا۔ پھر "لعبہا معہا" سے عبدالرزاق اپنے جذباتِ تحقیرِ عائشہ رضؓ کو تسکین دینا چاہتا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کی سبکی اور خفت کا کوئی موقع تو ہاتھ آئے۔

ہشام بن عروہ کی اصل روایت تزوج عائشہ رضؓ جو ان کے تلامیذ کے ذریعے ان سے براہِ راست منقول ہے اس میں کہیں بھی کھلونے ولونے نہیں ہیں اور لعب بالبنات کی روایت کے ایک راوی ہشام بن عروہ سے براہِ راست معمر بھی ہیں۔ یہ روایت ہم لعب بالبنات کی بحث میں نقل کریں گے۔ اور معمر کے خاص راوی عبدالرزاق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لعب بالبنات کے ایک راوی ہشام سے معمر کے واسطے سے عبدالرزاق بھی ہیں۔ اور انہوں نے وہ کھلونے شبِ زفاف میں ساتھ کر دیئے ہیں۔ (نعُوذُ باللہ)

مُسلم کی چوتھی روایت کے متن پر بحث

مسلم کی چوتھی روایت بھی حقیقۃً ہشام ہی کی مشہور روایت ہے جو یہاں اسود۔ ابراہیم۔ اعمش۔ ابو معاویہ کی راہ سے آئی ہے۔

ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں کہ دورِ حدیث میں ارسال اور تدلیس کا عام رواج تھا۔ ابو معاویہ الضریر جو کوفے کا رئیس المرجیہ تھا اور بقول صاحبِ میزان الاعتدال غلو تشیع

میں مبتلا تھا۔ یہ شخص حضرت ہشام کا شاگرد بھی ہے۔ کتب حدیث میں یہی روایت ہشام اس کے ذریعے سے منقول ہے۔ اس نے تدلیساً اس روایت کو مرویاتِ اعمش میں رکھ دیا۔ چونکہ یہ اعمش کا خاص راوی ہے۔ اس لئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ اس نے اس روایت میں تعدد طرق کے لئے ایسا کیا۔ اور یہ روایت اعمش سے بیان کرنی شروع کردی۔

یا اعمش نے اس کو کسی اور سے سنا ہو مگر مرویاتِ ابراہیم میں رکھ دیا ہو۔ چونکہ اس روایت کا کوئی اور مؤید ابو معاویہ سے لے کر اسود تک نہیں ہے اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عمل تدلیس کہاں پیش آیا۔ ہو سکتا ہے کہ اعمش نے ایسا کیا ہو۔ کیونکہ عوام تک اس روایتِ ہشام کے پہنچنے کا دور اعمش کا آخری دور ہے۔ اعمش کی ولادت ۵۹ھ ہے اور وفات ۱۴۷ھ ہے اور ہشام کی ولادت ۶۱ھ اور وفات ۱۴۶ھ ہے۔ ہشام سے پہلے اس روایت کا راوی اور کوئی نہیں ہے۔ اور عوام تک یہ روایت ہشام کے آخری دور میں آئی ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔

اعمش کا تشیع مشہور ہے۔ یہ مدلس بھی ہے اور کوفے کے مشہور متشیع گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے یہ بات خارج از امکان نہیں ہے کہ اعمش نے ایسا کیا ہو۔

لیکن بوجوہ ہمارا گمان غالب یہی ہے کہ ابو معاویہ نے تدلیساً یا سہواً یا دانستہ طور پر اس روایتِ ہشام کو مرویاتِ اعمش میں شامل کر دیا ہے۔

اس پر کچھ بحث آگے بھی آرہی ہے۔

یہ روایت اسود کی روایت کی حیثیت سے قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس روایت میں بیان بالواسطہ ہے۔ ہشام کی زبان میں ہے۔ البتہ آخری جملہ میں تعبیر بدل گئی ہے۔ یعنی "آپ کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ۱۸ سال تھی" معلوم نہیں یہ جملہ حضرت ہشام کا ہے یا ابو معاویہ کا۔

متن روایتِ ابوداؤد پر بحث

ابوداؤد کی روایت بھی ہشام ہی کی روایت ہے۔ جو حماد بن زید کے ذریعے سے ہے۔ جس میں تزوج کے وقت ۶ سال یا چھ سال کی عمر ہے اور بناء کے وقت نو ۹ سال ہے۔

یہ چھ سال یا سات سال کا شک سلیمان بن حرب کی طرف سے ہے۔ ابو کامل بھی حماد سے یہ روایت بیان کرتے ہیں۔ اس میں سات سال ہے۔

اور آخری ٹکڑا کہ ۹ سال آپ کی خدمت میں رہیں ترک کر دیا گیا ہے۔

اس روایت میں ہشام کے بالواسطہ کلام کو بلا واسطہ کلام میں تبدیل کر کے حضرت عائشہ کا کلام بنا دیا گیا ہے۔

متونِ روایات ابن ماجہ پر بحث

۱۔ ابن ماجہ کی پہلی روایت وہی ہے جو بخاری کی باب الہجرت والی روایت ہے۔ اس کو ہشام سے بیان کرنے والے علی بن مسہر ہیں۔ اس کے آخر میں وَاَنَا یَوْمَئِذٍ بِنْتُ تِسْعٍ ہے۔ اصل میں یہ روایت اس پوری روایت کا ہے جس میں حضرت عائشہ رض نے مکے سے اپنی ہجرت کا قصہ بیان کیا ہے علیحدہ ایک زائد چیز ہے۔

اس روایت پر مفصل بحث بخاری کی باب الہجرت والی روایت کے ذیل میں گزر چکی۔

۲۔ ابن ماجہ کی دوسری روایت میں اندازِ بیان بالواسطہ ہے کہ تزوج کے وقت عمر سبع سنین ہے۔ اور آخری جملہ توفی عنہا وھی بنت ثمان عشرۃ ہے۔

اس روایت اور اس کے رواۃ پر اس سے پہلے بحث ہو چکی ہے۔ یہ روایت ابواسحاق اسرائیل۔ ابواحمد زبیری۔ احمد بن سنان کی وجہ سے ناقابلِ قبول ہے۔

یہ روایت حضرت عبداللہ کی طرف محض بن عبداللہ کو عن عبداللہ لکھ دینے کی وجہ سے منسوب ہو گئی ہے۔

اور اگر دانستہ ایسا کیا گیا ہے تو کذاب وافترا ہے۔

اس روایت میں ابوعبیدہ سے نیچے ابواسحاق کا کوئی مؤید نہیں۔ ابواسحاق سے نیچے اسرائیل کا کوئی مؤید نہیں۔ اسرائیل سے نیچے ابواحمد کا کوئی مؤید نہیں۔

غرض دو سو سال تک اس روایت کو کوئی مؤید نصیب نہیں ہوا۔

اگر یہ روایت ابوعبیدہ کی روایت ہوتی تو کوفے کا کوئی اور راوی تو ابواسحاق کے سوا اسے روایت کرتا۔

ایسی عام اور عجیب روایت کا سینہ بہ سینہ نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہونا تعجب خیز ہے اور اسی لئے ناقابلِ اعتبار ہے۔

حقیقت میں ہشام ہی کی روایت کو لوگوں نے اپنے شیوخ کے پلے باندھ دیا اور اپنے شیوخ کے اسناد پر سوار کر دیا۔

متونِ روایات نسائی پر بحث

۱۔ نسائی میں پہلی دو روایتیں ہشام ہی سے مذکور

ہیں۔ پہلی روایت بالواسطہ ابومعاویہ کے ذریعے سے ہے جس میں تزوج ۶ سال ہیں۔ بناء ۹ سال ہیں ہے۔ یہ روائت صرف ان ہی دو حصوں پر ختم ہوگئی ہے۔ اس میں تیسرے حصے یعنی ۹ سال تک ساتھ رہنے کا ذکر نہیں ہے۔

یہ بیان بالواسطہ ہے اور ہشام کی زبانی ہے۔

۲۔ دوسری روائت ہشام سے بذریعہ جعفر بن سلیمان ہے۔ تزوج ۷ سال ہیں۔ اور بناء ۹ سال ہیں۔ آخری ٹکڑا کہ "معیت ۹ سال رہی" اس میں نہیں ہے۔

یہاں بیان بلاواسطہ ہے۔

۳۔ تیسری روایت ابوعبیدہ کی روایت ہے۔ جو بذریعہ ابواسحاق اور مطرف مذکور ہے۔ اس میں تزوج لتسع سنین اور معیت ۹ سال بتائی گئی ہے۔ اور بناء ہے ہی نہیں۔ اگر تزوج سے مراد بناء ہو تو پہلا ٹکڑا ندارد ہے۔

اس میں بیان بلاواسطہ ہے۔ اور اس پر پوری گفتگو پہلے ہوچکی ہے۔

۴۔ چوتھی روایت ابومعاویہ اور اسود کے ذریعے حضرت عائشہ رضؓ سے منقول ہے۔ اس میں تزوج ۹ سال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت عمر ۱۸ سال ہے۔

اس میں بیان بالواسطہ ہے۔ تزوج لتسع سے مراد غالباً بناء تسع ہے۔ کیونکہ اس کے بعد معیت ۹ سال بتائی گئی ہے۔ اگر تزوج سے مراد بناء نہ لیں تو تزوج سے وفات تک کا زمانہ ۱۲ سال ہوجاتا ہے جو مسلّم تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ یعنی تزوج ۹ سال کی عمر میں۔ رخصتی تین سال بعد اور معیت ۹ سال۔ اس طرح کمل مدت ۱۲ سال ہوجاتی ہے۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ اس روائت میں ابتدائی تزوج کو ترک کردیا گیا ہے۔ محض مدنی زندگی سے واقعہ کو شروع کیا گیا ہے۔

اس روائت پر مفصل گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

متن روایت کتٰبُ الاُمّ	کتاب الامّ والی روائت میں تزوج ۷ سال یا چھ سال ہے۔ اور آخری ٹکڑا یعنی معیت ۹ سال ہے ہی نہیں۔

متن روائت مسند امام احمد	۱۔ مسند کی پہلی روایت پر بخاری کی پہلی روائت کے ضمن میں فقد منا پر گفتگو کرتے ہوئے بحث

کی جا چکی ہے ۔

یہ روایت بخاری کی باب الہجرۃ والی دونوں روایتوں کا مجموعہ ہے ۔ اس روایت حماد بن سلمہ میں بیماری اور بال گرنے کا ذکر نہیں ہے ۔ نہ حضرت عائشہ رض کی ماں ام رومان کے چیخنے چلانے کا ذکر ہے ۔ اچانک رخصتی اور حضرت عائشہ رض کے بچپن اور کھیل کا ضرور ذکر ہے ۔ (حضرت عائشہ رض کے بچپن اور کھیل کا ذکر ہشام کی خصوصیات میں سے ہے ۔)

حمّاد بن سلمہ

نیز مسند کی یہ روایت حماد بن سلمہ سے منقول ہے اس روایت میں روایت تزوج کے دو ٹکڑے آئے ہیں شروع میں تزوجنی وانا بنت سبع آخر میں و بنی بی وانا بنت تسع سنین ۔ درمیان میں فلما قدمنا المدینۃ ۔ اور اس کے بعد چند بے ربط اور مبہم جملے ۔ جاء تنی نسوۃ ۔ (۱) (۲) وانا العب بی ارجوحۃ ۔ (۳) وانا مجممۃ (۴) متداہبین بی (۵) فہیأننی (۶) وصنعننی ثم (۷) اتین بی رسول اللہ صلعم و بنی بی ۔

اس میں روایت تزوج کا تیسرا ٹکڑا نادر ہے حماد بن سلمہ کے روایت تزوج کے راوی ہونے سے انکار نہیں ہے وہ تو رواۃ روایت تزوج میں شمار نہیں لیکن درمیان میں جو بے ربط جملے آتے ہیں ان میں کلام ہے ۔ یہ روایت اس تحریری زبان میں نہیں ہے جو بخاری اور مسلم میں آئی ہے جسکو علی بن مسہر نے ترتیب دیا ہے مگر اس میں حضرت عائشہ رض کا بچپن ظاہر کرنے کے لئے ألعب ⁽¹⁾ مجممۃ کا اضافہ ہے اور رخصتی کی مہمل صورت ہے ایسی روایات میں عمومی صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے پہلے چند بے ربط افواہی جملے وجود میں آتے ہیں ۔ بغیر سند کے ان کو بیان کیا جاتا ہے ۔ پھر ارسال کی صورت میں ناقص سند سے انہیں بیان کیا جاتا ہے ۔ پھر رفتہ رفتہ وہ مرتب ہو کر موصول بن جاتے ہیں ۔

حضرت عائشہ رض کے متعلق روایت تزوج نے رواۃ پر بچپن طاری کر دیا تھا ۔ اسی وجہ سے بچپن ظاہر کرنے والے جملے جمع کئے گئے پہلے افواہاً پھر سنداً بیان کیا جانے لگا ۔ یہ افواہی دور کی بے ترتیب روایت معلوم ہوتی ہے ۔

اس روایت میں خود حماد بن سلمہ جلیل القدر ہونے کے باوجود اکثر محدثین کے نزدیک ناقابلِ اعتماد ہیں ۔ امام بخاری رح نے ان سے روایت نہیں لی ۔ صرف ایک روایت استشہاد میں ذکر کی ہے ۔ امام مسلم رح نے اصول میں ان سے روایت نہیں لی ہے صرف استشہاد میں روایت لائے ہیں ۔

ان کی کتاب میں ان کے ربیب ابن ابی الدوجاع نے غلط روایات بھر دی تھیں

حماد کے پاس صرف قیس بن سعد کی کتاب تھی۔ عبداللہ بن امام احمد نے اپنے والد کے واسطے سے بیان کیا کہ قیس کی کتاب بھی ان سے گم ہو گئی تھی۔ پھر وہ زبانی ہی بیان کرتے تھے بڑھاپے میں اختلاط بڑھ گیا تھا کچھ کا کچھ بیان کرنے لگے تھے۔

روایت تزوج میں یہ ادراج ان کے ربیب ابن ابی الدرداء جاع اور خود ان کے اختلاط کی وجہ سے قابلِ رد ہے۔ مگر میرا اپنا یہ خیال ہے کہ مرتبین مسند میں سے کسی نے یہ چند جملے علی بن مسہر کی روایت کے بعد بڑھاتے ہیں اور اس طرح حماد بن سلمہ کی دو جملوں کی روایت کو علی بن مسہر کی روایت کا متنی بنانے کی ناقص کوشش کی ہے تاکہ ایک دوسرے کا متابع نظر آئے۔ میرے نزدیک علی بن مسہر سے پہلے اس کیفیت رخصتی کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے اب یہ مضمون کسی سند سے بھی آئے۔ علی بن مسہر کی ترتیب دادہ روایت سے لیا گیا ہے۔ ابن عدی نے کامل میں ان کی کئی روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں یہ دوسروں سے متن روایت اور سند روایت میں منفرد ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

۲۔ مسند کی دوسری روایت میں ہشام کے استخراج کے دو آخری جزو ہیں۔ پہلا جزو ترک کر دیا گیا ہے۔ تزوج لتسع سنین سے یہاں مراد بناء لتسع ہے۔ اگر تزوج سے مراد نکاح لیں تو بناء کے وقت عمر ۱۲ سال ہو جائے گی اور اس کو کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں بناء تسع روایت ہشام کا بنیادی ٹکڑا ہے۔ خواہ وہ اسے کسی رنگ میں بیان کریں اور کسی طرح تعبیر کریں۔ یہ بنیادی حصہ ہے اور ہر روایت میں موجود ہے۔ اس کے بغیر تو استنباط ہشام کا وجود ہی نہیں۔ اسی لئے یہ کسی روایت میں بھی متروک نہیں ہے۔

۳۔ مسند کی تیسری روایت مرسل ہے۔ اس میں نکاح عائشہ رضہ اور نکاح سودہ رضہ کی غیر واقعی تفصیل ہے۔ یہ ایک بے سروپا داستان ہے۔

پھر اس واقعہ کا جوڑ حضرت عائشہ رضہ کی ہجرت والی روایت کے آخری حصے فقدمنا سے لگایا گیا ہے۔ ہجرت عائشہ رضہ کا یہ آخری حصہ علی بن مسہر کے ذریعے حضرت ہشام سے منقول ہے۔ مگر محمد بن بشر نے اسے ابوسلمہ اور یحییٰ سے مرسلاً بیان کیا ہے۔ بایں ہمہ ہشام کے مقابلہ میں یہ مرسل روایت زیادہ صفائی سے بیان کی گئی ہے۔ اس روایت میں پہلے دھی بنت ست. د بنی بھا دھی بنت تسع نہیں تھا۔ یہ اضافہ محمد بن بشر نے ہشام کی روایت سے متاثر ہو کر کیا ہے۔ اصل مرسل روایت اس سے خالی تھی۔ اسے اضافہ ثقہ کر کے قبول کر لیا گیا، حالانکہ اس روایت میں یہ اضافہ غیر واقعی ہے۔

متن روایت بیہقی پر بحث

بیہقی کی روایت حضرت ہشام ہی سے یونس بن بکیر کے ذریعے منقول ہے ۔ اس میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین سال بعد حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح ہوا ۔ اس وقت حضرت عائشہؓ سال کی تھیں ۔ اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ نکاح ہجرت سے پہلے ہوا یا بعد میں ۔ بناء ۹ سال میں ہوئی ۔ اور وفات النبیؐ کے وقت عمر ۱۸ سال تھی ۔

اس روایتِ ہشام میں استخراجِ ہشام کے تینوں اجزاء آ گئے ہیں ۔

عمومی بحث

عمومی بحث متعلقہ متن

مذکورہ بالا تمام روایات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بناء تسع اور صحبت تسع میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ۔ البتہ تزوج سبعہ اور تزوج ست میں اختلاف ہے

یہ پوری روایت تین جملوں پر مشتمل ہے ۔ بعض رواۃ پہلے دو جز بیان کرتے ہیں اور بعض آخر کے دو جز بیان کرتے ہیں ۔ درمیانی جز سب کے ہاں موجود ہے ۔ یعنی بیچ کے جملے کو کوئی راوی ترک نہیں کرتا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ روایت کا بنیادی حصہ یہی ہے ۔ اور یہ بنیادی حصہ حضرت عائشہؓ کے اُس جملہ معترضہ کی تعبیر ہے جو انہوں نے اپنی ہجرت اور رخصتی کے قصہ کو بیان کرتے وقت ضمناً کہہ دیا تھا ۔ یعنی وَانا یَومئذٍ بنت تسع ۔

اسی ایک جملے سے استنباط کر کے ہشام نے اس روایت کی عمارت کھڑی کی ۔ یہ بناء تسع ہشام کے الفاظ میں حضرت عائشہ رضؓ کے اس جملہ کی تعبیر ہے ۔ اسی بنیادی حصے کے لئے سیاق اس تاریخی حقیقت سے لیا کہ رخصتی سنہ ۲ھ میں ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سنہ ۱۱ھ میں ہوئی ۔ اس لئے حضرت عائشہ رضؓ آپ کی خدمت میں ۹ سال رہیں ۔ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال تھی اور سباق اس مرسل روایت سے لیا گیا جس میں وفاتِ خدیجہ رضؓ اور نکاح عائشہ رضؓ کا بیان ہے ۔ اس کی رُو سے نکاح اور بناء میں تین سال کا فرق ہے ۔

پھر اس استنباط کو احکام کی روایت بنا کر ہشام نے عراق میں اپنے نوجوان تلامیذ کے حلقے میں اس کا اعلان کیا ۔

اور ان کے تلامیذ یا تلامیذ التلامیذ نے ہشام کے بالواسطہ کلام کو بلا واسطہ کلام میں

تبدیل کر کے روایتِ عائشہ رض بنا دیا ۔

ارباب سنن نے اس روایت عائشہ رض پر مزید استنباط و استخراج کی بنیاد رکھ کر اس کو مشہور یا متواتر حدیثوں میں شامل کر دیا ۔

عمومی بحث متعلقہ رجال

اب ہمیں ان تمام روایات پر اس حیثیت سے بھی نظر ڈالنی چاہیئے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ۶ سال بتلانے والے کتنے راوی ہیں اور سات سال بتانے والے کتنے ہیں ۔ بناء تسع کو ترک کرنے والا ایک راوی بھی نہیں ہے ۔

معیت تسع کا منکر کوئی بھی نہیں ہے ۔ لیکن اس کو بیان میں ترک کر دینے والے کئی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن تمام روایات کا جو حضرت ہشام سے بیان کی جاتی ہیں بنیادی حصہ بناء تسع ہے ۔

اس روایت کا پہلا حصہ اسی بنیادی حصے بناء تسع پر متفرع ہے ۔ اور اس کا آخری حصہ بھی اسی پر متفرع ہے ۔

اسی لئے بعض رواۃ پہلے حصے کو ترک کر دیتے ہیں اور بعض رواۃ آخری حصے کو ۔ یہ دونوں جملے سراسر ہشام کا کلام اور استخراج ہیں ۔

اور درحقیقت یہ بنیادی حصہ بھی ہشام ہی کا کلام ہے ۔ لیکن وانا یومئذٍ بنت تسع کے نامکمل جملہ سے ماخوذ ہے ۔

نقشہ دوازدہ تلامیذ ہشام

	نمبر شمار	نام تلمیذ راوی	نام کتب حدیث	عمر نکاح عائشہ رض
ک	۱	علی بن مسہر	بخاری ، ابن ماجہ ۔ سنن دارمی	۶ سال
ک	۲	ابواسامہ	بخاری ۔ مسلم	"
ک	۳	سفیان ثوری	بخاری	"
ب	۴	وہیب بن خالد	بخاری	"
ک	۵	یونس بن بکیر	بیہقی	"
ک	۶	عبدہ بن سلیمان	مسلم	"
ب	۷	حماد بن زید	ابو داؤد	اغلباً ۶ سال مغلوباً ۷ سال
ک	۸	ابومعاویہ	مسلم ، نسائی	۶ سال

بقیہ نقشہ دوازدہ تلامیذ ہشام

	نمبر شمار	نام تلمیذ راوی	نام کتب حدیث	عمر نکاح عائشہ رض
ک	۹	سفیان بن عیینہ	کتاب الام	۶ سال یا ۷ سال یا شک
ب	۱۰	جعفر بن سلیمان	نسائی	۷ سال
ب	۱۱	حماد بن سلمہ	مسند امام احمد	"
ک	۱۲	وکیع بن جراح	دیگر کتب حدیث	×

یعنی پہلے چھ راوی علی الاطلاق نکاح کے وقت چھ سال کی عمر تبلاتے ہیں ۔
ساتواں راوی حماد بن زید غالباً ۷ سال کہتا ہے اور یا شک ۶ سال
آٹھواں راوی ابومعاویہ ہشام سے علی الاطلاق چھ سال کہتا ہے
نواں راوی سفیان بن عیینہ ۶ ۔ ۷ سال کہتا ہے کیونکہ امام شافعی کو شک ہوگیا ہے ۔
دسواں راوی جعفر بن سلیمان اور گیارھواں راوی حماد بن سلمہ علی الاطلاق ۷ سال کہتے ہیں
بارھواں راوی وکیع سے مذکورہ بالا کتب حدیث میں سے کسی میں کوئی روایت نہیں
ہے ۔ البتہ دوسری کتب میں روایت موجود ہے ۔
اب ہشام کی روایت کے علاوہ اور روایات کا جائزہ لیجئے :-

نقشہ دیگر روایات علاوہ ہشام

نمبر شمار	راوی	کتاب حدیث	نکاح کی عمر	بناء کی عمر	معیت کا زمانہ
۱	ابومعاویہ عن الاعمش تا اسود	مسلم	۶ سال	۹ سال	×
۲	"	نسائی	×	"	×
۳	"	مسند امام احمد	×	"	×
۴	اسرائیل عن ابی اسحاق تا ابی عبیدہ	ابن ماجہ	۷ سال	"	وفات کے وقت ۱۸ سال
۵	مطرف عن ابی اسحاق تا ابی عبیدہ	نسائی	×	"	"
۶	عمارہ بن غزیہ عن محمد بن ابراہیم تا ابی سلمہ	"	۶ سال	"	"

اقرب الی الصواب | ہمارے نزدیک اقرب الی الصواب وہ روایات ہیں جن میں نکاح سات سال کی عمر میں ہے اور بناء ۹ سال کی عمر میں ۔

اگرچہ یہ روایات نامکمل ہیں اور ہشام سے ان کے بیان کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے ۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کی پوری تحقیق کریں گے ۔

روایت باللفظ اور روایت بالمعنی | روایت باللفظ یہ ہے کہ سامع نے متکلم سے جو کچھ سنا ہے اس کو اسی کے الفاظ میں نقل کرے ۔

اپنی طرف سے الفاظ میں بھی کوئی تصرف نہ کرے ۔ حتی کہ تقدم و تاخر بھی نہ کرے ۔ اسی لئے روایت باللفظ میں مروی عنہ کا ذہن ہو بہو منتقل ہوتا ہے ۔ اور راوی کے ذہن کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ۔ اور راوی صرف ایک ذریعہ ہوتا ہے روایت کا ۔

روایت بالمعنی یہ ہے کہ سامع متکلم کے الفاظ نقل نہ کرے بلکہ اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کرے ۔

علمائے حدیث نے اگرچہ ضرورۃً روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے ۔ لیکن اس کا درجہ روایت باللفظ سے فروتر ہے ۔ جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں ۔

راوی کا ذاتی ذہن | ۱ ۔ عبارت کا مفہوم مختلف ذہنوں میں مختلف ہوتا ہے ۔ سامع کی استعداد کے لحاظ سے مفہوم کے مراتب مختلف اور جدا ہوتے ہیں ۔

پھر متکلم کے کلام سے جو مفہوم سامع نے لیا ہے اس کو اپنے الفاظ میں ادا کرنے کے لئے جو الفاظ وہ منتخب کرتا ہے اور کلام کو جس طرح ترتیب دیتا ہے سامع کی اس عبارت سے متکلم کے صحیح مفہوم تک پہنچنا اور مشکل ہو جاتا ہے ۔

غرض روایت بالمعنی میں روایت کا اگلا قدم پہلے قدم سے مختلف در مختلف ہوتا چلا جاتا ہے ۔ اور آخر میں آکر الفاظ کے ردو بدل اور کلام کی ترتیب سے مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے ۔

عنوان

روایت بالمعنی میں راوی کا ذہن غالب ہوتا ہے ۔ | ۲ ۔ روایت بالمعنی میں راوی کا ذہن غالب اور مروی عنہ کا ذہن مغلوب ہوتا ہے ۔ مروی عنہ کا مفہوم راوی کے ذہن کے رنگ میں رنگا ہوا ملتا ہے ۔

روایت بالمعنی میں راویوں کی جتنی تعداد بڑھے گی اتنے ہی ذہن اس روایت میں شامل ہوتے چلے جائیں گے ۔ اور ہر رنگ کو ظاہر کرنے والے الفاظ اس عبارت میں ضرور پائے جائیں گے ۔ چنانچہ اگر آپ روایات کو پڑھیں تو رواۃ کے ادوار روایات میں صاف طور سے جھلکتے ہوئے نظر آئیں گے ۔

ماحولی ذہن

۳ ۔ ہر آدمی اپنے ماحول کا مظہر ہوتا ہے ۔ ملک ۔ آب وہوا ۔ تربیتی ماحول ۔ حلقۂ احباب ۔ علمی افراد ۔ اساتذہ کی بزرگی ۔ ابنائے زمانہ کے افکار اس پر انداز ہوتے ہیں ۔

کچھ علمی حقیقتیں ہر دور میں ایسی ذائع شائع ہوتی ہیں کہ ہر پڑھا لکھا انسان ان کو بطور حقائق کے تسلیم کرتا ہے ۔ اور اُس دور میں ان حقائق سے انحراف جہالت متصور ہوتا ہے ۔ یہ حقائق علم کے بنیادی تصورات میں شامل ہوتے ہیں ۔

عصری ذہن

۴ ۔ ہر دور کے علمی حقائق کی بنا پر ایک عصری ذہن رونما ہوتا ہے ۔ اس عصری ذہن سے اُس دور کے افراد کا آزاد ہونا نہایت مشکل ہوتا ہے ۔ مثلاً آج سے پہلے دور میں نظام بطلیموسی کے مطابق آسمان اور اجرامِ فلکی متحرک تھے ۔ زمین ساکن تھی ۔ دن رات اور موسموں کی تبدیلی کی توجیہ اسی نظریے کے مطابق کی جاتی تھی ۔ لیکن اب ہمارے دور میں نظام فیثاغورثی کے مطابق زمین متحرک تسلیم کی جاتی ہے ۔ دن رات اور موسموں کی تبدیلی کی توجیہ اس نظریہ کے مطابق کی جاتی ہے ــــ یا مثلاً تقریباً پانچسو ۵۰۰ سال تک حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے پہلے بہت سی آیات قرآنیہ کی توجیہ ابنِ عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کے مطابق کی جاتی رہی ۔ لعد میں مجدد صاحب نے اس نظریہ کی تردید کی ۔ علمی دلائل کی بناء پر اہل علم نے اُس نظریہ کو ترک کر دیا اور اُس کی روشنی میں قرآنی آیات کی توجیہ بھی ترک کر دی ۔

تاریخی ذہن

۵ ۔ تاریخِ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں لعبض مسائل بطورِ غالب مسلک کے قبول کئے جاتے رہے ۔ اس دور کے گذرنے کے ساتھ ہی ان کا غلبہ بھی جاتا رہا ۔ مثلاً عباسی دَور میں خلقِ قرآن کا مسئلہ بطورِ غالب مسلک کے قبول کرایا جاتا تھا ۔

مسلکی ذہن

۶ ۔ ہمارے پاس اس وقت کا جو تحریری علمی سرمایہ ہے وہ دوسری صدی ہجری تک کا ہے ۔ اس وقت کے علماء کا ایک ذہن بن چکا تھا ۔ جن امور کو انہوں نے بطور حقائق کے قبول کر لیا تھا وہی ہم تک منتقل ہوتے ہیں ۔ اور جن

امور کو انہوں نے قبول ہی نہیں کیا وہ ہم تک کیسے منتقل ہوتے ۔

رفت و گزشت

۷ ۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے ۔ جس میں اس کی تکمیل یا تحقیق ہوسکتی ہے ۔ جب وہ وقت گزر جاتا ہے ۔ تو تکمیل یا تحقیق مشکل ہو جاتی ہے ۔ اگر کسی واقعہ کے عینی شاہد نہ رہیں تو اُس واقعے کو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے ۔

عُمرِ عائشہ صدیقہ رض اور روایت بالمعنی

حضرت عائشہ رض کی عمر کی روایت میں بھی یہی صورت پیش آئی ۔ چونکہ ہشام کی روایت بالمعنی سے یہ ذہن بن چکا تھا کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر کم تھی ۔ اس لئے آنے والے راویوں کے نزدیک حضرت عائشہ رض کی ہر بات اس دور کے اسی ذہن سے متاثر ہے ۔ نہ صرف اُن کی ازدواجی زندگی کے ابتدائی دور کے ہر واقعے کی روایت میں بچپن ہی نظر آتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں وہ باوجود اپنی پختہ عمری کے رواۃ کے ذہن میں صغیرۃ السن ہی رہیں ۔ جیسا کہ آپ کو آئندہ مباحث سے معلوم ہوگا ۔

۱ ۔ ہیکل انسانی ایک خودکار مشین ہے ۔ صانع کائنات نے ایک مقررہ مدت کیلئے اس میں صلاحیت کار رکھی ہے یہ خود بخود تمام افعال انجام دیتی ہے ۔ امراض کی مدافعت کا انتظام بھی اندر ہی موجود ہے ۔ جراثیم کا تریاق بھی اندر ہی تیار ہوتا ہے اور اپنا بدل بھی یہ خود ہی مہیا کرتی ہے ۔ مدت مقررہ کے بعد اس کی صلاحیت کار اپنا کام انجام دے کر خود بخود ختم ہو جاتی ہے اور فرد مر جاتا ہے ۔

۲ ۔ انسان جب سے اس دنیا میں پایا جاتا ہے ۔ اسی وقت سے اس کی کوشش ہے کہ اپنے جسم کے اندر کے نظام کو سمجھے اور اعضاء کے افعال کا مطالعہ کرے اور ان کے منافع کو منضبط کرے ۔ پہلے لوگوں نے بہت سے اکتشافات کئے مگر وہ مبہم اور مجمل تھے موجودہ دور کے محققین نے دیگر علوم کی وسعت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے رموز جسم انسانی پر توجہ کی اور مختلف قسم کے تجزئیے اور تحلیل سے اور مختلف النوع تجربات سے علم منافع الاعضاء میں کافی وسعت پیدا کی اور جسم کے ایک ایسے نظام کا پتہ چلایا جو طبِ قدیم میں غیر معلوم تھا جسے اب نظام غدد غیر ناقلہ کہتے ہیں بے نالی دار گلٹیاں ۔

یہ چھوٹی چھوٹی گلٹیاں ہیں بظاہر ان کا کوئی مصرف معلوم نہیں ہوتا تھا۔ مگر تحقیق اور تجربات سے پتہ چلا کہ جسم کے بہت سے رموز اور اسرار اور جسم کے تغیرات ان گلٹیوں سے وابستہ ہیں ۔

ہم اس پورے نظام غدد پر تو بحث نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے البتہ ان چند غدد کے منافع سے ضرور بحث کریں گے جن کی رطوبات کی کمی بیشی سے انسان قبل از وقت بالغ یا جوان ہو جاتا ہے اور کمی سے انسان بونا رہ جاتا ہے ۔ اور دیر میں بالغ ہوتا ہے ۔ یعنی حد اعتدال سے زیادہ ان غدد سے رطوبات کا ترشح کس قسم کے تغیرات جسم میں پیدا کرتا ہے اور اعتدال سے کم ترشح سے نشو و نما طبعی میں کیا کمی پیدا کرتا ہے اب تو ان غدد کے جوہر معملوں میں تیار کر لئے گئے ہیں ۔ جو مدارج استعمال کئے جا سکتے ہیں ۔ اور ان جوہروں کو استعمال کر کے جسم کے تغیرات اور علامات کا عملی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے ۔

۳ ۔ جسم انسانی کا طبعی ارتقاء تدریجی ہوتا ہے ۔ پہلے بچہ نرم و نازک ہوتا ہے آہستہ آہستہ ماں کے دودھ پر بڑھتا پلتا ہے ۹ ماہ بعد دودھ کے دانت نکلنے شروع ہوتے ہیں یہ عارضی ہوتے ہیں بچہ اٹھنے بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے اور کامیاب ہو جاتا ہے ۔ پھر کھڑا ہونے لگتا ہے پھر چلنے لگتا ہے دس گیارہ سال تک عارضی دانت گر جاتے ہیں اور مستقل دانت نکل آتے ہیں ۔ عموماً بارہ سال کی عمر سے جسم میں نئے تغیرات شروع ہو جاتے ہیں ۔ غدد صنفیہ جو اب تک خوابیدہ تھے بیدار ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور درجہ بدرجہ جسم میں ان کے کام کرنے کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں ۔

لڑکیوں میں سینے کا ابھار شروع ہو جاتا ہے جسم متناسب ہو جاتا ہے ۔ کچھ عرصے بعد ایام شروع ہو جاتے ہیں تخیلات اور افکار کا نہج بدل جاتا ہے ۔ شرم و حیاء کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں اور خود بخود اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قدرت نے کس کام کے لئے اسے بنایا ہے ۔

لڑکوں میں آواز بھاری ہو جاتی ہے ۔ جسم میں پختگی آ جاتی ہے ۔ اوعیہ منی کامل ہو جاتے ہیں اور اخراج مادہ ہونے لگتا ہے ۔ اور لذت انزال سے آشنا ہو جاتا ہے ۔ منہ پر مونچھیں اور ڈاڑھی آ جاتی ہے یہ ایک تدریجی قدرتی (انسان اس طریقہ کار سے مانوس ہے ۔

عمل ہے اسی طرح جاری ہے ۔

اس کا علم نوع انسان کو فطری طور سے حاصل ہے ۔ بعض افراد اس ضابطے سے منحرف نظر آتے ہیں ۔ یہ افراد اعتدال سے متجاوز ہوتے ہیں ۔ کبھی افراط ہوتا ہے یعنی جلدی جوان ہو جاتے ہیں اور کبھی تفریط ہوتی ہے ۔ کبھی دیر میں جوان ہوتے ہیں مگر یہ ان کی حالت طبعی نہیں ہوتی بلکہ غیر طبعی حالت ہوتی ہے ۔

غدد غیر ناقلہ وہ غدود ہیں جن میں جو رطوبت پیدا ہوتی ہے وہ براہِ راست خون میں شامل ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ ان میں کوئی نالی نہیں پائی جاتی البتہ کچھ نالی دار غدود ایسے بھی ہیں جن میں نالی سے جانے والی رطوبت کے علاوہ ایک اور رطوبت پیدا ہو کر براہِ راست خون میں شامل ہوتی ہے ۔ جیسے انثیین وخصیۃ الرحم ۔

ان غدد غیر ناقلہ سے پیدا ہونے والی افرازی اندرونی رطوبات جسم میں حسب ذیل تغیرات پیدا کرتی ہیں ۔

(الف) نظام جسم میں تبدیلی ۔ (ب) عضلات غیر ارادیہ کی تحریکات ۔ (ج) اعضاء کا نمو ۔ (د) مختلف غدود سے رطوبات کے ترشح میں مدد ۔ (ہ) تخیلات مختلفہ کی پیدائش میں مدد (و) اعضاء صنفیہ کے عمل میں مدد ۔

اب ہم چند اہم غدد کے افعال کا مختصر ذکر کرتے ہیں ۔

۱۔ غدہ درقیہ کے افعال (یہ غدہ گردن میں ہوتا ہے)

اگر مینڈک کے بچوں سے یہ غدہ نکال دیا جائے تو ان میں طبعی تغیرات فوراً رک جاتے ہیں اور کوئی بھی ان میں سے پورا مینڈک نہیں بنتا ۔ اور جب مینڈک کے بچوں کو غدہ درقیہ کھلایا جاتا ہے تو طبعی تغیرات تیز ہو کر جلدی ہی پورا مینڈک بن جاتا ہے ۔ انسانی بچوں میں غدہ درقیہ نکال دینے سے بچہ بونا رہ جاتا ہے اور کمزور ہوتا ہے اور جوانوں میں سے یہ غدہ نکال دینے سے استسقاء لحمی ہو جاتا ہے ۔

جوہر غدہ درقیہ کے اثرات اس کے استعمال سے عضلاتی انقباض بڑھ جاتا ہے ۔ نیز حرارت بڑھ جاتی ہے ۔ اجزاء دخانیہ کا اخراج اور اجزاء نسیم (اوکسیجن) کا انجذاب بڑھ جاتا ہے ۔

قلب کی حرکت تیز ہو جاتی ہے بلکہ اختلاج قلب ہو جاتا ہے ۔ سانس گہرا اور تیز ہو جاتا ہے ۔ پسینہ زیادہ آتا ہے ۔ بھوک زیادہ لگتی ہے چربی تحلیل ہو

جاتی ہے ایک ملی گرام جوہر اگر روزانہ دیا جائے تو تین ہزار کلو زنک حرارت بڑھ جاتی ہے ۔ ایک ملی گرام جوہر چار سو ملی گرام شکر انگوری کو اجزاء نسیم میں بدل دیتا ہے اگر جوان انسان میں سے غدہ درقیہ نکال دیا جائے تو روذیما مخاطی ہو جاتا ہے یعنی استسقاء لحمی جیسی کیفیت ہو جاتی ہے ۔ نبض سست ہو جاتی ہے ۔ حرارت کم اور خون کا دباؤ گر جاتا ہے ۔ سانس کی رفتار کم ہو جاتی ہے ۔ پسینہ کم آتا ہے بھوک کم ہو جاتی ہے ۔ نسیان بڑھ جاتا ہے ۔ چہرہ بھر بھرا ۔ احساس کم ہو جاتا ہے بال گر جاتے ہیں ۔ افعال جنسیہ رک جاتے ہیں ۔ عورتوں میں حیض بند ہو جاتا ہے ۔

اگر بچپن میں غدہ درقیہ میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو ہیکل عظمی چھوٹا رہ جاتا ہے پندرہ سال کی عمر میں تین سال کا بچہ معلوم ہوتا ہے دماغ سست اور کمزور ہوتا ہے دانت دیر میں نکلتے ہیں بلوغت بہت دیر میں پیدا ہوتی ہے ۔ ناک چپٹی مریض کا چہرہ خاص قسم کا ہو جاتا ہے ۔ پیٹ پھولا ہوا سر بڑا اور چوڑا ہوتا ہے زبان اتنی بڑھ جاتی ہے کہ منہ میں نہیں سما سکتی وغیرہ سال بھر تک اگر درقیہ کا انجکشن دیا جاتے تو تندرستوں جیسا چہرہ ہوگا اور نشو و نما بھی ہوگا ۔ جوانوں میں اس کی خرابی سے وہ خرابیاں ہوں گی جو نکال دینے سے ہوتی ہیں نیز پیشاب میں شکر بڑھ جاتی ہے اور خون میں بھی شکر زیادہ ہو جاتی ہے ۔ ہضم خراب رہتا ہے جلد شکن ہوتی ہے جسم بھدا ہو جاتا ہے بال کبھی گر جاتے ہیں کبھی رہتے ہیں ۔

۲ ۔ **غدہ جار الدرقیہ کے افعال**

یہ غدہ چونے اور گوایئی ڈین کے ہضم و جذب پر اقتدار رکھتا ہے ۔ گوایئی ڈین ، اجزاء لحمیہ کے ہضم کے درمیان جو فضلہ پیدا ہوتا ہے یہ سمی ہوتا ہے اس غذے کی رطوبت اسے غیر سمی بنا دیتی ہے ۔ عضلات قلب و عضلات ہیکلیہ وغیر ارادیہ میں انقباض پیدا کرتی ہے ۔ ہڈیوں کے بنانے میں مدد دیتی ہے ۔

۳ ۔ الف ۔ **غدہ نخامیہ کے اگلے لوتھڑے کے افعال**

اگر حیوان سے یہ حصہ نکال دیا جائے تو کمزور اور بدحواس ہو جاتا ہے اور جلد مر جاتا ہے ۔ تندرست حیوان میں جب اس حصہ غدے کے جوہر کو داخل کیا جاتا ہے تو حیوان کی قسم جنس اور عمر کے لحاظ

سے علیحدہ علیحدہ علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر حیوان میں پورا نشوونما نہیں ہوا تو اس جوہر کے استعمال سے وہ دراز قد دیو ہیکل تقریباً آٹھ فٹ ہو کر جلد بلوغت کو پہنچ جائے گا۔ اور اگر نشوونما مکمل ہونے کے بعد اس کا جوہر استعمال کیا جائے تو اطراف بڑھ جائیں گے۔ کبرالاطراف ہو جائے گا۔

چوہوں کے بچوں میں جب اس کا انجکشن کیا جاتا ہے تو وہ دیو نما ہو کر وزن میں کئی گنا ہو جاتے ہیں۔ اگر چھوٹی چوہیا میں اس کا انجکشن کیا جائے تو خصیۃ الرحم کے فعل کو تیز تر کر دیتا ہے اس میں بیضۂ انثی اور جسم اصفر جلد جلد بننے لگتے ہیں۔

اگر غدہ نخامیہ کے اگلے لوتھڑے کی رطوبت نشوونما کے زمانے میں زیادہ بننے لگے یعنی زیادہ پیدا ہونے لگتے ہیں تو انسان آٹھ فٹ لمبا ہو کر دیو ہیکل ہو جاتا ہے۔ ہضم غذا جنسی خواہشات اور افعال جنسیہ حیرت انگیز طریقے سے بڑھ جاتے ہیں۔ پیشاب میں شکر آنے لگتی ہے۔ اور اگر نشوونما ہونے کے بعد اس غدے کے اگلے لوتھڑے کی رطوبت زیادہ پیدا ہونے لگے تو ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں بڑھنے لگتی ہیں۔ جو ہڈیاں اس سے متاثر ہوتی ہیں یہ ہیں۔ عظم الوجنتہ۔ فک اعلیٰ واسفل۔ رسغ الید در سغ الرجل اسنان۔ عظم القص کے فقرات انسان بن مانس بن جاتا ہے۔ پسینہ زیادہ آتا ہے۔ بھوک زیادہ لگتی ہے۔ افعال جنسیہ بڑھ جاتے ہیں ذیابیطس ہو جاتا ہے۔

ب طفولیت، رعونت۔ حمق۔

جب غدہ نخامیہ کے اگلے لوتھڑے کی رطوبت کم ہو جاتے تو ایسے مریضوں کی ہڈیاں نہیں بڑھتیں۔ بھوک کم ہو جاتی ہے۔ بلوغت اور جنسی افعال دیر میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جلد چربی بڑھ جاتی ہے۔

ج جوہر غدہ نخامیہ مکمل

اگر اس کا انجکشن تندرست انسان میں کر دیا جائے تو عروق شعریہ سکڑ جاتی ہیں۔ گردے پیشاب کم بناتے ہیں خون میں شکر زیادہ ہو جاتی ہے۔ اگر اگلے لوتھڑے کا جوہر زیادہ اور پچھلے کا کم ہو تو پیشاب زیادہ آئیگا اور بچہ دیو ہیکل بڑا اور کبرالاطراف ہو جائیگا اور اگر اگلے لوتھڑے کا جوہر کم اور پچھلے کا زیادہ ہو تو عضوِ تناسل کا نمو کم ہوگا اور افعال جنسیہ کم ہوں گے۔

۴ غدہ صنوبریہ کے افعال

اگر اس غدے کا جوہر زیادہ پیدا ہو کر جذب ہونے لگے تو ادراک تیز ہو جاتا ہے۔

نشوونما بھی جلد ہونے لگتا ہے۔ اعضاء تناسل فوراً بڑھ کر کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور بلوغت کی نشانیاں قبل از وقت پیدا ہونے لگتی ہیں۔

۵۔ غدہ توثہ کے افعال

یہ غدہ اعضاء جنسیہ کے نشوونما پر اقتدار رکھتا ہے۔ جب تک اعضاء تناسل پورے طور سے نہ بڑھ جائیں، جنسی خواہشات کو روکے رکھتا ہے۔ اُن بچوں میں یہ جوہر مفید ہوتا ہے جو قبل از وقت جنسی خواہشات ظاہر کرنے لگتے ہیں

۶۔ غدہ فوق الکلیہ کے قشر کے افعال

جوہر قشر فوق الکلیہ :-

یہ جوہر تنفس سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اور خاص چربی کے ہضم میں مدد دیتا ہے اور جنسی افعال میں اس کی وجہ سے تبدیلیاں آتی ہیں۔ اگر اس قشر کے اندر رسولیاں پیدا ہو جائیں تو اس کی ساخت بڑھ جاتی ہے اور جنسی افعال بڑی تیزی سے نمودار ہوتے ہیں۔ لڑکیوں میں ایسا ہونے سے جلد بلوغت آ جاتی ہے۔ ڈاڑھی اور مونچھیں نکل آتی ہیں۔ آواز مردوں جیسی ہو جاتی ہے۔ لڑکے اس حالت میں دیو ہیکل ہو جاتے ہیں۔

۷۔ اِن تمام غدد کا مُشترک عمل

ایک عمل ان رطوبات کا یہ بھی ہے کہ اس نظام کی رطوبات غدود کے افعال میں معاون اور ان رطوبات میں اعتدال اور توازن قائم رکھتی ہیں۔

اس ساری بحث سے مندرجہ ذیل امور عیاں ہیں:۔

۱۔ انسان کی اکثر صفات، افعال، اطوار ان مذکورہ بالا غدود کے افعال کے عمل سے پیدا ہوتے ہیں۔

۲۔ ان غدود کے افعال کے اعتدال سے تجاوز کی بناء پر بڑے بڑے تغیرات جسم میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً قبل از وقت بلوغت، دیو ہیکل لمبا قد، کبر الاطراف ہڈیوں کا غیر معمولی بڑھنا، ابھرنا، قماءۃ (سخت بونا پن)، بوداپن (احمق پن) بن مانسی، جحوظ (آنکھوں کا باہر نکل آنا)، استسقاء لحمی وغیرہ

۳۔ ان غدود کے جواہر اب معملوں میں تیار ہوتے ہیں۔ اور ہم تندرست جسموں میں داخل کر کے ان غدود کے افعال کو تیز کر کے یا ان کے افعال کو معطل کر کے مندرجہ بالا تغیرات کو حسب منشا پیدا کر سکتے ہیں اور مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

۴ ۔ اب بلوغت قبل از وقت یا بعد از وقت وغیرہ امور محض اتفاقی امور نہیں رہے ۔ بلکہ اس کے اسباب وعلل معلوم ہو جانے کی وجہ سے اور ان غدود کے جواہر ہاتھ آ جانے کی وجہ سے انسان یہ مذکورہ بالا عوارض اور علامات اپنے عمل سے حاصل کر سکتا ہے ۔

۵ ۔ ان رطوبتوں کا حد اعتدال سے تجاوز کر جانا خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں حالت صحت نہیں ہے مرض کی حالت ہے ۔

۶ ۔ اس سے جسم میں ایسے تغیرات ہوتے ہیں کہ انسان میں بد وضعی پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور تناسب اعضاء اور اعتدال جوارح باقی نہیں رہتا ۔ دیکھنے والا بادی النظر میں سمجھ لیتا ہے کہ یہ شخص غیر معمولی عوارض میں مبتلا ہے ۔

۷ ۔ مذکورہ بالا عوارض بہر حال مرض ہیں اور مریض آدمی عمر طبعی شاذ و نادر ہی پاتا ہے ۔

نتیجہ بحث

۸ حضرت عائشہ رض کا نشو و نما طبعی تھا ۔ وہ غدود کی کسی بیماری میں مبتلا نہیں تھیں ۔ ان کی نابغیت ، ذہنی تفوق ان کا جسمانی تناسب ۔ معتدل قد اور حسن اعضاء ان کی معتدل صحت اور طویل عمری اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ ان کے غدود کے افعال میں اعتدال تھا ۔ حسبِ ضابطہ فطرت اپنے وقت پر جوان ہوئیں کہولت کو پہنچیں بوڑھی ہوئیں اور عمر طبعی کو پہنچ کر وفات پائی

۹ ۔ کچھ لوگ شذوذ اور تفردات تلاش کر کے اور ان کو نظیر بنا کر حضرت عائشہ رض کا قبل از وقت بالغہ ہونا ظاہر کرتے ہیں ۔ مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں طفلانہ سعی سے زیادہ اس کی کوئی اور حقیقت نہیں ۔

روایت تزوج کی شرعی حیثیت

حضرت عائشہ رض کی عمر کا مسئلہ کوئی ایمانیات کا جزو نہیں ہے۔ کہ اگر اسے تسلیم نہ کریں گے تو ایمان سے خارج ہو جائیں گے۔

اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر کوئی تاریخی واقعہ کتب حدیث میں درج ہو اور خلاف واقعہ ہو تو ہم اسے من وعن تسلیم کر لیں۔

بناءً علیہ ہم اس نتیجہ پر ہیں کہ اس روایت کی شرعی حیثیت بالکل صفر ہے۔

امت مسلمہ کا عملی اجماع ہمیشہ اس روایت کے خلاف رہا

اسی لئے گذشتہ اسلامی تاریخ میں اس روایت پر کبھی عمل نہیں ہوا۔

کوئی شخص آج بھی اس "سُنت" پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ بلکہ عملی حیثیت سے اس روایت کے خلاف اجماع امت ہے۔ اور سب نے اسے ناقابلِ عمل خیال کیا ہوا ہے۔ ہمارے اتقیاء و اصفیاء ڈھونڈ ڈھونڈ کر سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن اس "بڑی سُنت" کے پاس تک نہیں پھٹکتے۔ حضور کی اس سنت کا اتباع ان کے حوصلے سے باہر ہے۔ اور اس میں ان کا قصور بھی نہیں۔ جو چیز بداہتہً ناقابل عمل ہو اس پر کون عمل کر سکتا ہے

اس روایت کے سلسلہ میں امت نے اپنے ذہن اور عمل کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ذہناً اسے تسلیم کرتے ہیں۔ عملاً اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

روایت کی توجیہات بفرض تسلیم

اگر اس روایت کو جس طرح اب تک منتقل ہوئی ہے اسی طرح تسلیم کر لیا جائے تو اس کی توجیہہ کی تین صورتیں ہیں۔

۱- بناء قبل البلوغ

اول یہ کہ نابالغی میں بناء تسلیم کی جائے۔ چنانچہ بعض ظواہر اس طرف گئے ہیں کہ نابالغی میں بناء کر لینی چاہیئے۔ لیکن فقہاء اور علماء نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اور اس کی شناعت ظاہر ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ذکر میں گفتگو کرنا بھی مذاق سلیم پر بوجھ ہے۔

۲- بناء بمعنی رخصت

دوسرے یہ کہ بناء کو رخصتی کے معنی میں لیا جائے۔ یعنی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کیا تھا۔ بلکہ عرصہ تک بلوغ کا انتظار فرمایا تھا۔ اس کے قائلین کے پاس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔ نہ کلام عرب اس کا متحمل ہے کہ بناء کے یہ معنی لیئے جائیں نہ کوئی واقعہ یا عمل یا قول اس کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کے قائلین کے دل میں نیک جذبہ ضرور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی طرف ایسی بات کی نسبت بھی سوءِ ادبی ہے۔

۳ - **بلوغ فی التسعة** | تیسرے یہ کہ حضرت عائشہ رضؓ ۹ سال کی عمر میں ہی بالغہ تھیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ سال کی عمر میں ہی ازدواجی تعلق قائم کیا تھا۔ رخصتی کے وقت پوری عورت تھی لڑکی نہیں تھی۔

یہ مستبعد توجیہہ بھی اسی لئے کرنی پڑی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرف اوپری بات منسوب نہ ہو۔

لیکن اس توجیہہ کے لئے روایت کے راوی ہشام کے بیان کے سوا کوئی اور ایسا قرینہ بھی تو ہونا چاہیئے جو یہ ظاہر کرے کہ حضرت عائشہ رضؓ قبل از وقت بالغ ہوگئی تھیں۔

بلکہ واقعۂ افک کی رُو سے تو حضرت عائشہ رضؓ بہت پتلی دُبلی تھیں۔ اسی لئے ہودج اٹھانے والوں کو اندازہ نہ ہو سکا کہ آپ ہودج میں نہیں ہیں۔ ایسی اٹھان کی عورت کے متعلق یہ قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ قبل از وقت بالغ ہوگئی ہو۔

تو جب بناء بحالت بلوغ ہی مانی ہے تو کیوں نہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عائشہ رضؓ فطری وقت کے مطابق جوان ہوئی تھیں۔ اور اس کے بعد نکاح اور رخصتی ہوئی۔ اور رخصتی کے وقت عمر ۹ سال نہ تھی بلکہ ۱۹ یا ۲۹ سال تھی۔ جیسے کہ آئندہ بحث میں ثابت کیا جا رہا ہے۔

اب عمرِ عائشہ رضؓ پر بحث محض تاریخی اور علمی رہ جاتی ہے۔ کسی شرعی حکم پر اس کی زد نہیں پڑتی۔ قائلین روایت کے نزدیک اگرچہ عمر ۹ سال تھی لیکن آپ بالغہ تھیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ نکاح کے وقت جوان تھیں اور عمر زیادہ تھی۔

قائلین روایت زبردستی بلوغ ثابت کرتے ہیں۔ یعنی عادت جاریہ کے لحاظ سے تو اس عمر میں آپ کو بالغہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن چونکہ ۹ سال کی عمر میں بناء ہوئی اس لئے ماننا پڑے گا کہ آپ بالغہ تھیں۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نابالغی کی بناء منسوب نہ ہو۔

لیکن تحقیقی واقعات کی رُو سے آپ کا بلوغ فطری اور عادت کے مطابق تھا۔ اور

بناء کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ۹ سال نہ تھی بلکہ ۱۹ سال یا ۲۹ سال تھی۔ جیسا کہ ہم ثابت کریں گے۔

حاصل کلام

الغرض یہ روایت احکام کی روایات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عائشہ رض کے متعلق ایک کیفیت کا بیان ہے۔ جس سے کوئی حکم متعلق نہیں ہے۔ ایک خالص علمی اور تاریخی مسئلہ ہے۔ اس میں ہمیں حق ہے کہ چھان بین کر کے کسی ایسے تاریخی بیان کو جو فطری مسلمات کے خلاف ہو رد کر دیں اور اگر فطرت کے مسلمہ حقائق کے موافق ہو تو قبول کر لیں۔

یہ روایت اپنی موجودہ صورت میں نامکمل اور محتاج تکمیل ہے۔ اور اس سے کسی مسئلہ کا استنباط بناء فاسد علی الفاسد کے مترادف ہے۔

روایت تزوّج کی تاریخی حیثیت

ہشام کی زیر بحث روایت کو موجودہ حالت میں ایک حسّی اور تاریخی معجزہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک اَن ہوئی اور نہایت عجیب بات کے لئے روایت صدر اوّل ہی سے اس کثرت کے ساتھ مروی ہونی چاہیئے تھی کہ روایت کا اجد بہ پن ختم ہو جاتا۔ جیسا کہ معجزات کی روایات میں ہوتا ہے۔ صدر اوّل کے ہر شخص کی زبان پر اس کا ذکر ہوتا۔ موافقین اسے بطور معجزہ اور دلیل نبوت کے ذکر کرتے۔ اور مخالفین اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برائیوں میں شمار کرتے اور خاندان والے اسے بطورِ فخر و مباہات بیان کرتے۔

غرض یہ واقعہ اتنا عام اور شائع ہونا چاہیئے تھا کہ کوئی زبان اس کے ذکر سے خاموش نہ رہتی۔ کسی نہ کسی نوعیت سے نجی مجالس اور عام محفلوں میں اس کا چرچا ضروری تھا۔

حضرت عائشہ رض کو خود اپنی خصوصیات میں اسے ذکر کرنا چاہیئے تھا۔ مگر حیرت ہے کہ وہ اپنے بکر پہ تو فخر کرتی ہیں لیکن اپنی کم سنی پر کہیں فخر نہیں کرتیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ میں سے اس کا کوئی راوی نہیں۔

آپ کی وفات کے وقت ایک لاکھ سے اوپر لوگ آپ پر ایمان لا چکے تھے۔

ان میں سے ایک متنفس بھی اس عجیب و غریب روایت کو بیان نہیں کرتا۔

خود حضرت عائشہ رض کا خاندان اس روایت سے بے خبر ہے

حضرت عائشہ رض کے ماں باپ۔

دادا دادی ۔ بھائی بہن اس روایت کا ذکر نہیں کرتے ۔ اکابر صحابہ جن کے سامنے حضرت عائشہ رضہ پلیں اور جوان ہوئیں اس کا ذکر نہیں کرتے ۔ خلفائے راشدین میں سے کوئی اس روایت کا راوی نہیں ۔ عشرہ مبشرہ میں سے کوئی اس کا راوی نہیں ۔

حضرت عائشہ رضہ کے بڑے بھائی عبدالرحمٰن اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتے ۔ حضرت عائشہ رضہ کے دوسرے بھائی عبداللہ اس کا ذکر نہیں کرتے ۔

حضرت عائشہ رضہ کی بہن اسماء جوان کی وفات کے پندرہ سولہ سال بعد تک زندہ رہیں وہ اس کا ذکر نہیں کرتیں ۔

حضرت عائشہ رضہ کے بڑے بھانجے جن کے نام پر حضرت عائشہ رضہ کی کنیت ام عبداللہ تھی اس عجیب قصے کا ذکر نہیں کرتے ۔

ان کے چھوٹے بھائی محمد بن ابی بکر اس واقعہ سے آشنا معلوم نہیں ہوتے ۔

ان کی چھوٹی بہن ام کلثوم جو حضرت عائشہ رضہ کی گود میں پلی ہیں اس قصے کو بیان نہیں کرتیں ۔

ان کے اخیافی بھائی طفیل اس روایت کے راوی نہیں ۔

ان کی سوتیلی ماں اسماء بنت عمیس یہ قصہ بیان نہیں کرتیں ۔

حضرت عائشہ رضہ کی پھوپھیاں جو تقریباً حضرت عائشہ رضہ کی ہم عمر ہیں اس روایت سے واقف نہیں ۔

قلیل الروایت اور کثیر الروایت صحابہ اس سے ناواقف ہیں

قلیل الروایات ۔ اوسط الروایات اور کثیر الروایات صحابۂ کرام میں سے کوئی اس کا ذکر نہیں کرتا ۔

حضرت ابوہریرہ رضہ سب سے بڑھ کر کثیر الروایات ہیں ۵۳۶۴ حدیثیں ان سے مروی ہیں ۔ بہت سے معجزات اور خوارق کے راوی ہیں ۔ لیکن ان کی روایات میں حضرت عائشہ رضہ کی کم عمر اور کم سنی میں شادی کے متعلق کوئی روایت نہیں ۔ اور نہ سہی تو کم از کم بطور نادر الوقوع امر کے تو اس کا ذکر کر دیتے ۔ حضرت ابوہریرہ رضہ کے تلامیذ ۸۰۰ آٹھ سو کے قریب ہیں ، ان میں سے ایک بھی اس قصے کو بیان نہیں کرتا ۔

خود حضرت عائشہ کثیر الروایات صحابہ میں شمار ہوتی ہیں ۳۰۰ ، ۴۰۰ کے درمیان ان کے تلامیذ ہیں ۲۰۰ دو سو سے اوپر کی فہرست سیر اعلام النبلاء جلد دوم ذکر عائشہ رضہ میں حافظ ذہبی نے بیان کی ہے ۔ ان میں سے بھی اس روایت کا کوئی راوی نہیں ہے ۔

حضرت ابن عباس کثیر الروایات صحابہ میں سے ہیں ۲۶۶۰ روایات ان سے مروی ہیں۔ لیکن ان کی مرویات میں عمر عائشہ رضؓ کے متعلق کوئی روایت نہیں۔

حضرت جابر رضؓ مشہور صحابی ہیں کثیر الروایات ہیں ۲۵۴۰ روایات ان سے مروی ہیں سینکڑوں سے متجاوز تلامیذ ہیں۔ ان کی روایات میں ہمیں اس روایت کا نشان نہیں ملتا۔ حضرت جابر رضؓ نے بڑی عمر پائی۔ ۷۸ھ تک زندہ رہے لیکن اس معجزۂ حیتی کا وہ ذکر نہیں کرتے۔

حضرت ابوسعید خدری کثیر الروایات صحابی ہیں ۲۱۷۱ روایات ان سے مروی ہیں۔ ۷۴ھ تک زندہ رہے۔ لیکن ان کی روایات میں بھی ہمیں روایت تزوج کا پتہ نہیں ملتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے ساری عمر حدیثیں بیان کرنے میں صرف کر دی۔ تمام عمر مدینے ہی میں رہے۔ کثیر الروایات صحابہ میں سے ہیں ۲۶۳۰ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ سینکڑوں سے متجاوز ان کے تلامیذ ہیں۔ لیکن بھولے سے بھی ان کی زبان پر اس روایت کا ذکر نہیں آیا۔

ازواج مطہرات میں سوکنا پہ بھی تھا لیکن نہ تو کسی نے انہیں کم سنی کا کبھی طعنہ دیا اور نہ بطور واقعہ ہی کسی دوسری زوجۂ نبیؐ سے یہ روایت منقول ہے۔

خدام و موالی میں سے کوئی اس کا ذکر نہیں کرتا۔

حضرت زید بن حارثہ سے کچھ منقول نہیں۔

حضرت اسامہ رضؓ سے کوئی روایت نہیں۔

حضرت ام ایمن اس قصے سے بے خبر ہیں۔

حضرت بریرہ سے کوئی روایت نہیں۔

حضرت انس رضؓ دس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ ان سے کوئی روایت نہیں۔ انہوں نے سو سال کی عمر پائی۔ کثیر الروایات صحابی ہیں ۲۲۸۶ روایات منقول ہیں۔ سو کے قریب بچے ہوتے پوتے پڑپوتے تک دیکھے۔ لیکن ان کے خاندان میں سے، ان کے تلامیذ میں سے کوئی اس نادر قصے کا ذکر نہیں کرتا۔

حضرت انس رضؓ نے اپنی سو سال کی عمر میں اشارۃً یا کنایۃً اس کا ذکر نہیں کیا کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر بہت تھوڑی تھی۔

حضرت عائشہ رضؓ کی بہن اسماء سو سال کی ہو کر فوت ہوئیں۔ ان سے اور احادیث منقول ہیں۔ لیکن انہوں نے اس لمبی عمر میں اگر ذکر نہیں کیا تو اسی روایت کا نہیں کیا۔

صحابہ رضؓ کے تلامیذ بھی اس سے بے خبر ہیں

ان کثیر الروایات صحابہ کے تلامیذ اور پھر

تلامیذ تلامیذ کو اگر اکٹھا کیا جائے تو ان کی تعداد دس بارہ ہزار سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی تو ہمیں اس عجیب وغریب روایت کی خبر نہیں دیتا۔

مدینہ کے منافقین تک اس سے بے خبر ہیں

مدینے کے منافقین ذرا ذرا سی باتوں کے تجسس میں رہتے تھے کہ کوئی اعتراض کا موقع ملے اور ہم اعتراض جڑیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رض سے نکاح کیا تو ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اور وہ وہ افسانہ طرازی کی کہ عقل دھنگ ہے۔ بلا وجہ افک گھڑلیا۔ اور بہتان کا طوفان بپا کر دیا۔

ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپیل پر زیادہ چندہ دیا تو منافقین نے کہا کہ عبدالرحمٰن تو مُرائی ہے۔ دکھلاوے کا چندہ دیتا ہے۔

غرض یہ کہ اعتراض کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ مگر اس واقعہ پر ان کا کوئی اعتراض ہمارے سامنے نہیں آیا۔

اس وقت تک تو آیت حجاب بھی نہیں اُتری تھی۔ ازواج مطہرات باہر آتی جاتی تھیں لیکن کسی منافق اور دشمن سے یہ طعنہ نہیں سُنا۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ یہ معمولی بات تھی۔ اس کی طرف نظر نہیں گئی۔

جواباً عرض ہے کہ اگر یہ معمولی واقعہ ہے تو اسلامی تاریخ یا جاہلیت کی تاریخ سے اس کی کوئی دوسری نظیر تو پیش کرو۔

البتہ اس حیثیت سے یہ واقعہ معمولی ہو جائے گا کہ چونکہ فی الحقیقت حضرت عائشہ رض کی رخصتی ۹ سال کی عمر میں نہیں ہوئی تھی بلکہ بڑی عمر میں ہوئی تھی اس لئے کوئی بات قابل اعتراض نہیں تھی۔

بدریین میں سے کوئی اس کا ذکر نہیں کرتا۔

اُحد کے شرکاء میں سے کوئی اسے بیان نہیں کرتا۔ حالانکہ اُحد میں خود حضرت عائشہ رض شریک جنگ تھیں۔

خاندان ابوبکر رض میں سے کوئی اس کا راوی نہیں

خاندان ابوبکر رض میں سے کوئی اس کا راوی نہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بیٹے عبداللہ۔ حضرت عائشہ رض کے بھتیجے اور حضرت عبداللہ کی اولاد ابوبکر۔ طلحہ، عمران، نفیس اس کا ذکر نہیں کرتے۔ دوسرے بھتیجے محمد بن عبدالرحمٰن

اس کا ذکر نہیں کرتے۔ ان کے بھتیجے عبداللہ کے لڑکے، ان کی اولاد، محمد بن ابی بکر، عثمان، عبدالرحمٰن، عاتکہ، عائشہ، زینب وغیرہ اس کا ذکر نہیں کرتے۔

قاضیٔ مدینہ قاسم بن محمد بن ابی بکر فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ وہ اس روایت کو بیان نہیں کرتے۔ ان کی اولاد عبدالرحمٰن، ام فروہ، ام حکیم، عبدہ وغیرہ کوئی اس روایت سے واقف نہیں۔

خود عروہ کا خاندان اس سے بے خبر ہے

خود حضرت عروہ کے بھائی بہن، عبداللہ، منذر، عاصم، مہاجر، خدیجۃ الکبریٰ، ام حسن، عائشہ رضی جو حضرت اسماء کے بطن سے ہیں ان میں سے کوئی اس روایت کا راوی نہیں ہے۔ حضرت عروہ کی اپنی اولاد عبداللہ، عمر، اسود، ام کلثوم، عائشہ، ام عمر، یحییٰ، محمد، عثمان، ابوبکر، خدیجہ، ہشام، صفیہ، عبیداللہ، مصعب، ام یحیی۔ اسماء ہیں۔ ان میں سے محض ہشام اس روایت کا ذکر کرتے ہیں۔

خود ہشام کا خاندان اس سے بے خبر ہے

خود ہشام کی اولاد میں سے کوئی اس روایت کا راوی نہیں۔ محض عروہ کی طرف اس روایت کی نسبت ہے۔ اور وہ بھی غلط ہے۔ جیسے کہ ہم آگے تحقیق کریں گے۔ اور عروہ سے آگے ان کی اولاد میں سے محض ہشام اس روایت کے راوی ہیں۔ اور کوئی نہیں ہے۔

اصل میں ہشام ہی کے ذوقِ اشاعتِ روایت نے اسے روایت بنا دیا ہے

تابعین مدینہ کے ساتوں طبقات اس روایت سے بے خبر ہیں

مدینے کے تابعین کے سات طبقات ہیں (حسب روایت طبقات ابن سعد) جن کی تعداد ۵۰۰ پانسو سے زیادہ ہے۔ ان میں سے سوائے عروہ کے اس روایت کا کوئی راوی نہیں۔ حقیقت میں عروہ بھی اس روایت کے راوی نہیں۔ ان کی طرف تو ان کے بیٹے ہشام نے اپنی روایت کا درجہ بڑھانے کے لئے اس روایت کی نسبت کر دی ہے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی روایت پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ یہ ہشام ہی کی روایت ہے جس کو تعددِ طرق کے شوق میں یا غلطی سے یحییٰ بن ایوب نے یا سعید بن حکم بن مریم نے ابوسلمہ کی سند سے متعلق کر دیا ہے۔ گمان غالب یہی ہے کہ سعید بن حکم نے ایسا کیا ہے۔
تابعین مدینہ کا طبقۂ اولیٰ ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق چھوٹی سے چھوٹی خبر کی تلاش کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس روایت سے وہ بھی واقف نہیں۔

مدینہ کا طبقۂ ثانیہ جن کی تعداد ابن سعد کی شمار کے مطابق ڈھائی سو سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بھی کوئی اس روایت کا راوی نہیں ہے۔

مدینے کے پانچ طبقات میں ۱۰۰ سو سے زیادہ تابعی ہیں وہ بھی اس روایت سے نابلد ہیں۔

غرض مدینے کے کل تابعین کو جن کی تعداد حسبِ بیان ابن سعد ۵۰۰ سے زیادہ ہے۔ اس روایت کا علم نہیں ہے۔

تابعین مکہ کے پانچوں طبقے اس روایت سے بے خبر ہیں مکہ میں جو صحابہ منتقل ہو گئے تھے

ان کی تعداد تابعین طبقہ اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ، رابعہ، خامسہ کی تعداد دو سو ۲۰۰ سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بھی کوئی اس روایت کا راوی نہیں ہے۔

طائف میں ۵۵ سے زیادہ صحابہ اور تابعین کی جماعت تھی۔ لیکن ان میں بھی اس روایت کا کوئی راوی نہیں ہوا۔

یمن والے بھی بے خبر ہیں یمن۔ یمامہ، بحرین میں صحابہ اور تابعین ۱۰۰ سو سے زیادہ تھے۔ لیکن وہ بھی اس روایت سے واقف نہیں ہوتے۔

عراق بھی بے خبر ہے عراق میں پندرہ ۱۵۰۰ سو کے قریب صحابہ منتقل ہوئے ہیں۔ جن میں ۷۲ بدری صحابی تھے۔ ان میں سے بھی کوئی اس روایت کو نہیں جانتا اور نہ کوئی اسے بیان کرتا ہے۔

ذکر العجلی ان علیا توطن کوفۃ ومعہ من الصحابۃ نحو الف وخمسمائۃ صحابی منہم سبعین بدریا (تاریخ بغداد صفحہ ۴۶۳)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ محض حضرت علی کے ساتھ ۱۵۰۰ سو صحابہ نے کوفہ کو وطن بنایا۔ اس سے پہلے یا بعد میں جو لوگ کوفہ میں جا کر رہے اُن کی تعداد اس سے الگ ہے

تابعینِ کوفہ کا کوئی طبقہ اس سے واقف نہیں ہے ابن سعد نے کوفہ کے اہل روایت ۱۵۰ صحابہ کا ذکر کیا ہے۔

اور اسی طرح اہل روایت تابعین کا جن کی تعداد ہزار سے اوپر ہے ۹ طبقوں میں ذکر کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ روایت بیان نہیں کی۔

تابعین کوفہ میں سے صرف دو آدمیوں سے یہ روایت منسوب کی جاتی ہے۔ ایک ابو عبیدہ بن عبداللہ ہے یہ ابو عبیدہ حسب تصریح ابن سعد ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے صحابہ میں سے صرف عبداللہ سے روایت کی ہے اور کسی صحابی سے ان کی روایت منقول نہیں۔ اور ان ابو عبیدہ کا سماع اپنے باپ عبداللہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ یہ اپنے باپ سے جو کچھ بیان کرتے ہیں سب مرسل ہے۔

یہ تو ابو اسحاق کی سند کے کسی راوی نے روایت ہشام کو اس سند سے متعلق کر دیا۔ اس پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

دوسرے اسود بن یزید۔ جن کے بارے میں ہم سابقہ تفاصیل میں واضح کر چکے ہیں کہ اسود اور ابراہیم کو تو اس روایت کا پتہ ہی نہیں۔

اعمش بھی اس سے بے خبر ہیں۔ ابو معاویہ نے ہشام کی روایت کو اسود کی سند سے متعلق کر دیا۔

غرض اہل کوفہ میں سے براہ راست کوئی صحابی یا تابعی اس روایت کا راوی نہیں۔
(ابن سعد جلد ۶)

بصرے وغیرہ کے صحابہ اور تابعین بھی اس روایت سے خاموش ہیں

بصرے میں اہل روایت صحابہ کی تعداد حسب بیان ابن سعد دو سو سے زیادہ تھی۔ اور تابعین کبار کی تعداد آٹھ طبقوں میں چار سو سے زیادہ تھی۔

واسط میں صحابہ اور تابعین کی تعداد جو صاحب روایت ہیں سنو (۱۰۰) سے اوپر تھی۔

بغداد میں ایسے صحابہ اور تابعین کی تعداد دو سو (۲۰۰) سے اوپر تھی۔

خراسان میں ان کی تعداد سنو (۱۰۰) سے اوپر تھی۔

جزیرے میں ان کی تعداد سنو (۱۰۰) سے زیادہ تھی۔

علیٰ ہذا مصر میں ان کی تعداد دو سو (۲۰۰) سے اوپر تھی۔

شام میں ابن سعد نے ڈیڑھ سو سے زیادہ صحابہ اور دو سو سے زیادہ تابعین کا ذکر کیا ہے۔

غرض ان علاقوں کے صحابہ اور تابعین میں سے ایک بھی اس روایت کا راوی نہیں ہے (ابن سعد جلد ۷)

دوسری صدی نصف اوّل کی کتب حدیث و تاریخ اس روایت سے خالی ہیں

ہمارے پاس پہلی صدی ہجری کا کوئی تحریری مواد نہیں ہے۔ یعنی کوئی کتاب اُس دور کی لکھی ہوئی موجود نہیں ہے۔ سب سے پہلی کتاب جس پر ہماری دسترس ہے وہ مؤطا امام مالک ہے اور سیرت ابن اسحاق ہے۔ ہم نے مؤطا امام مالک کو دیکھا۔ اس میں یہ روایت نہیں ہے۔ علی ہذا سیرت ابن اسحاق میں بھی نہیں ہے۔

پھر ہم نے مسند امام اعظم کو دیکھا۔ اس میں بھی یہ روایت نہیں ہے۔

پھر مؤطا امام محمد کو دیکھا اُس میں بھی نہیں ہے۔

امام محمد کی ظاہر الروایہ کو دیکھا۔ اس میں بھی نہیں پایا۔

پھر امام مالکؒ کی فتاویٰ مدونۃ الکبریٰ میں بھی نہ ملی۔

صاحبین کی کتاب الآثار بھی اس سے خالی ہے

دورِ اوّل کے ائمہ فقہ نے اسے درِخورِ اعتنا نہیں سمجھا

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کو اور امام مالکؒ اور محمد بن اسحاق کو یہ روایت پہنچی ہی نہیں، پہنچی ضرور ہوگی۔ کیونکہ ہشام کی وفات ۱۴۶ھ میں ہوئی۔ امام ابو حنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ میں۔ محمد بن اسحاق کی وفات ۱۵۱ھ میں ہوئی۔ جب کوفہ میں ہشام نے اپنی اس روایت کا اعلان ۱۴۲ھ میں کیا تو امام ابو حنیفہ نے اور آپ کے تلامیذ نے ضرور سُنا ہوگا۔ لیکن انہوں نے اس روایت کو معتبر نہیں سمجھا ہوگا۔ تب ہی تو اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور کسی صورت میں بھی اسے درخورِ اعتناء خیال نہ کیا، ورنہ تردید تو کرتے۔

قاضی ابو یوسف ۱۸۲ھ تک زندہ رہے۔ اس وقت روایت حدیث میں تلامیذ ہشام کا سکہ چل رہا تھا۔ اور روایت زیر بحث کو تلامیذ ہشام روایت عائشہ رضؓ سمجھ کر نقل کر رہے تھے۔ مگر امام ابو یوسف رحؒ نے جو زبردست محدّث اور فقیہ اجل تھے اور ہارون الرشید کے دور کے قاضی القضاۃ تھے اپنے کسی فیصلہ میں یا کسی کتاب میں اس روایت سے استناد نہیں کیا۔

علی ہذا امام محمد رحؒ ۱۸۹ھ تک زندہ رہے۔ مگر انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کو کہیں سند نہیں بنایا

امام اعظم رحمہ اللہ کے دوسرے تلامیذ مثلاً امام زفر وغیرہ نے اس سے استدلال نہیں کیا
امام مالک رحؒ ۱۷۹ھ تک زندہ رہے۔ مؤطا میں ہشام سے ۵۷ روایات منقول ہیں جن میں سے ۳۳ موصول ہیں باقی مرسل۔ مگر یہ روایت انہوں نے بھی قبول نہیں کی۔ بلکہ ان سے تو یہ منقول ہے "ونقم علیه روایته لاهل العراق"۔

اور دوسری جگہ ہے "ھشام بن عروۃ کذاب"۔

تو ان دونوں اماموں نے اور ان کے تلامیذ نے اس روایت کو قابلِ اعتماد خیال ہی نہیں کیا۔ اسی لئے ان حضرات نے ہشام کی اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ نہیں دی۔ اور نہ ہی اس سے کوئی استشہاد کیا۔

مالکیہ اور احناف نکاحِ صغیرہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ المدونۃ الکبریٰ اور کتب امام محمد میں فتاویٰ موجود ہیں کہ نکاحِ صغیر جائز ہے۔ لیکن اس روایت سے استشہاد نہیں ہے۔

اسی طرح احناف کے دوسرے ابتدائی ماخذ میں اس روایت کا ذکر نہیں ہے۔

بہرحال ابتدائی دور میں اس روایت سے استشہاد منقول نہیں ہے۔

یہاں تک کہ اوّلین سیرت نگاروں نے بھی اس روایت کا اعتبار نہیں کیا

سیرت میں محمد بن اسحاق کی کتاب موجود ہے۔ اس کتاب کا ایک عمدہ خلاصہ ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرت نبویہ میں نقل کیا ہے قال ابن اسحاق کہہ کر نقل کرتا ہے۔ محمد بن اسحاق سیرت میں زہری اور ہشام کے تلمیذ ہیں۔ بیشتر روایات زہری اور ہشام سے سیرت ابن اسحاق میں منقول ہیں۔ لیکن ابن اسحاق نے بھی ہشام کی اس روایت کو قبول نہیں کیا۔

غرض اس دور کے اہل الروایہ و اصحاب الدرایہ نے حضرت ہشام کی اس روایت کو محلِ نظر تصور کیا اور اس سے گریز کرنا ہی مناسب جانا۔

امام ابوحنیفہ نے اسے تسلیم نہیں کیا

امام ابوحنیفہ رحؒ ہشام کے ہم عصر ہیں۔ بلکہ بغداد میں اکٹھے رہے ہیں۔ بغداد میں ہی دونوں کی وفات ہوئی۔ ایک ہی قبرستان میں دفن ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ نے ان کی کسی روایت کو بھی قبول نہیں کیا۔

کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ہشام کے تلمیذ ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ دعویٰ محلِ نظر ہے۔ علیٰ ہذا امام ابو یوسف کو بھی ان کا تلمیذ بتایا جاتا ہے۔ (تاریخ بغداد ذکر نعمان)

مسانید امام اعظم میں چند روایتیں ہشام بن عروہ سے منقول ہیں۔ یہ روایات اپنی جگہ

صحیح ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ کا ہشام سے روایت قبول کرنا دعوٰی بلا دلیل ہے۔

اوّل تو مسانید امام اعظم میں اکثر روایتیں مرسل تھیں۔ بعد میں مرتبین نے تلاش کر کر کے سندوں کو مکمل کیا۔

یہ روایتیں جنہیں مرتبین نے ہشام سے موصول کیا ہے وہ دوسری کتب حدیث میں ہشام سے مذکور ہیں اس لئے مرتب نے ان روایات کو ہشام کی روایات قرار دے کر امام صاحب کا ان سے سماع ظاہر کر دیا۔ یہ مرتب کی اپنی رائے اور قیاس ہے۔ جو واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

ان دو روایتوں میں سے ایک کی سند تو یہ ہے:۔

(قال) ابوحنیفة (عن) هشام (عن) الزهری (عن) عروة (عن) عائشة رض ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یقبلها ولا یجدد وضوءً ویصلی (مسانید امام اعظم)

(ابوحنیفہ نے کہا ہشام سے زہری سے عروہ سے عائشہ رض سے) رسول اللہ صلعم عائشہ رض کا بوسہ لیتے تھے اور تجدید وضو نہیں کرتے تھے اور نماز پڑھ لیتے تھے۔

اس سند میں یہ کمی ہے کہ امام صاحب براہ راست زہری سے روایت اخذ کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ مسانید امام میں زہری سے روایات موجود ہیں۔

یہ روایت حضرت عائشہ رض کی مشہور روایت ہے جو عروہ سے منقول ہے۔ زہری بھی اسے روایت کرتے ہیں۔ اور ہشام براہ راست عروہ سے اس روایت کے راوی ہیں۔ اب اس روایت میں یا زہری کا نام زیادہ ہے یا ہشام کا۔

یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ ہشام زہری سے روایت بیان کرتے ہیں۔ لیکن عروہ کی کوئی روایت ہشام نے زہری سے قبول نہیں کی۔ اس لئے کہ اول تو عروہ کے سب سے بڑے راوی ہشام ہی ہیں۔ دوسرے عروہ ہشام کے والد ہیں۔ دوسروں کے مقابلہ میں انہیں سماع اور اخذ کے زیادہ مواقع حاصل تھے۔ تیسرے زہری کا تو عروہ سے سماع ہی ثابت نہیں ہے۔ اس لئے ہشام کیوں اپنے باپ کی روایت اُن سے لیتے۔

اور اگر ہم اسے صحیح تسلیم کرلیں تو ہشام اور عروہ میں دو واسطے ہو جاتے ہیں۔ ایک زہری کا دوسرا نامعلوم شخص جس سے زہری نے سُنا ہو۔ کیونکہ زہری کا عروہ سے سماع ہی ثابت نہیں۔ اور ہشام کو اس تکلف میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو ہر رطب و یابس اپنے باپ سے بیان کرنے کے عادی ہیں۔ دنیا جہاں کی جو بات کہیں سے سُنی

اپنے باپ کی طرف منسوب کر دی وکان یروی عن ابیہ بما سمعہ من غیر ابیہ (تہذیب التہذیب) اس لئے سند میں زہری کے ساتھ ہشام کا نام زائد ہے۔

البتہ امام ابوحنیفہ نے یہ روایت زہری سے سنی ہوگی۔ اور انہیں سے نقل کی۔ زہری اپنے وقت کے امام ہیں۔ رواۃ عام طور سے ان سے روایت بیان کرنا قابل فخر اور قابل استناد تصور کرتے ہیں۔ ان سے روایت لینے کو دور دور سے طلاب علم آیا کرتے تھے۔
چونکہ امام صاحب کے دور میں ارسال عام تھا اس لئے زہری کی روایت عروہ سے بلاحجت تسلیم کی جاتی تھی۔ امام صاحب بڑی نسبت کو ترک کر کے چھوٹی نسبت کیوں قبول کرتے۔

ہشام کی حالت تو پاس رہنے کی وجہ سے امام صاحب کے لئے بالکل عیاں تھی۔
امام صاحب کے محتاط مزاج کے منافی تھا کہ ہشام سے روایت قبول کرتے۔ جبکہ وہی روایت بڑی نسبت سے حاصل تھی۔ اس لئے یہ سند کسی نیچے کے راوی کا اختلاط ہے۔

دوسری سند یہ ہے:۔

(قال ابوحنیفۃ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ) عن عائشۃ رض ان فاطمۃ بنت ابی حبیش قالت یا رسول اللہ انی احیض الشہر والشہرین۔
(الحدیث مسانید امام اعظم)

ابوحنیفہ نے کہا ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نے کہا یا رسول اللہ صلعم مجھے ایک مہینے یا دو مہینے حیض آتا ہے۔

چونکہ یہ روایت عائشہ رض بھی عروہ سے منقول ہے اس لئے مرتب نے اس مرسل کو موصول کرتے ہوئے وہی سند لکھ دی جو دوسری کتب حدیث میں عام طور سے منقول ہے۔ مفصل بحث ص پر دیکھئے۔

الغرض جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں اصحاب درایت نے ہشام کی روایت کو قبول نہیں کیا۔ امام ابوحنیفہ ہشام کے ہم عصر ہیں۔ امام صاحب نے ہزارہا مسائل بیان کئے قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کیا۔ آثار صحابہ سے استدلال کیا۔ اقوال تابعین کو قبول کیا۔ لیکن اس روایت ہشام سے کہیں بھی استمساک نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام ابوحنیفہ رح اور ان کے تلامیذ پر اس روایت کی غرابت واضح تھی اسی لئے اسے قبول نہیں کیا بلکہ نفیاً و اثباتاً کسی طرح بھی اس سے تعرض نہیں کیا۔۔
اسی طرح امام مالک اور ان کے تلامیذ خاص بھی اس روایت سے متاثر نہیں ہوئے۔

امام ابوحنیفہ کی تو عادت تھی کہ وہ موقع ملنے پر ایسے لوگوں کو اس قسم کی روایات بیان کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً اعمش کو آپ نے ان کے مرض الموت میں اس قسم کی بے سروپا روایات سے رجوع کرنے کی تلقین کی۔ مگر اعمش نے رجوع نہیں کیا۔ بہرحال امام صاحب اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔

امام شافعیؒ نے دوسری صدی کے اخیر میں اسے قبول کیا

سب سے پہلے امام شافعی رح نے کتاب الام کی کتاب النکاح میں روایت کیا اور اس سے استشہاد کیا ہے۔ امام شافعی رح ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ امام محمد کے شاگرد اور ہم عصر ہیں۔ امام محمد کی پیدائش ۱۳۰ھ وفات ۱۸۹ھ ہے۔

یہ دور اس روائت کے عروج کا دور ہے۔ لیکن امام محمد اس سے متاثر نہیں ہوئے۔

یہ روائت سب سے پہلی کتاب حدیث مصنف عبدالرزاق میں مسخ ہو کر شائع ہوئی

مصنف عبدالرزاق مؤطا کے بعد سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس سے پہلے عبدالرزاق کے استاد معمر نے عبدالرزاق کو املا کراتے تھے۔ اس کا نام الجامع رکھا تھا اور یہ ابواب کے لحاظ سے ترتیب دی گئی تھی۔ اس کو عبدالرزاق نے اپنی مصنف کا جزو بنالیا۔ اب یہ الجامع مصنف کا ایک حصہ ہے۔ چونکہ معمر زہری کے خاص تلمیذ شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کی بیشتر روایات زہری سے ہیں۔ جب تک معمر زندہ رہے یہ امالی ان کے پاس ان کی تحویل میں رہے۔ ان کے بعد عبدالرزاق کو مل گئے اور ان کی تحویل میں آ گئے۔ اب معمر کی تمام الجامع کے پہلے راوی عبدالرزاق ہیں۔ معمر کی الجامع کی کوئی روائت عبدالرزاق کے علاوہ کسی سے نہیں ہے۔ اگر کوئی معمر سے براہ راست کوئی روایت بیان کرتا ہے تو اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ عبدالرزاق سے اس پر مہر تصدیق ثبت کرائے۔ ورنہ وہ روائت غیر مستند ہوگی۔ یعنی اگر وہ روایت عبدالرزاق کی روائت کے مطابق ہوگی تو قابلِ قبول ہے ورنہ قابلِ رد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ معمر کے تمام تلامیذ اس بات پر متفق ہیں کہ معمر کے بارے میں عبدالرزاق ہی کا قول مستند ہے۔ اس لئے اگر معمر کی کوئی روایت کسی اور ذریعے سے منقول ہے تب بھی وہ عبدالرزاق کی روائت سے تصدیق شدہ ہے اور اگر اس میں کوئی فرق تھا تو اسکو عبدالرزاق کی روایت کے مطابق کرلیا گیا۔

روائت تزوج کے بارے میں خود عبدالرزاق کی کیفیت یہ ہے کہ انہوں نے ہشام کی اس خاص روائت کو جو ہشام کے سوا کسی اور سے منقول نہیں مرویات معمر میں رکھ کر اس روائت کا رُخ زہری کی طرف موڑ دیا۔ اور آخر میں جاکر عروہ پر روائت ختم کردی۔ یعنی مرسل عروہ بنا دیا یہ ہشیاری اس لئے کی ہے کہ بہرحال موصول ہو ہی جائے گی۔ اور دوسری ہمت یہ کی کہ اس میں " لعبهامعها " کا اضافہ بھی اپنی طرف سے کر دیا۔ جسے اضافہ ثقہ سمجھ کر قبول کرلیا گیا۔ (ہم اس پر آئندہ اوراق میں بحث کریں گے۔

کتب حدیث میں اس روایت کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی ہے

بہرحال یہ روایت ہشام مصنف عبدالرزاق میں ہشام کی روایت کی حیثیت سے درج نہیں ہے۔ بلکہ زہری کی روایت کی حیثیت سے درج ہے۔ البتہ معمر عن ہشام بن عروہ عن ابیہ مثلہ کہہ کر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی حدیث کی پہلی کتاب میں یہ روائت غلط نسبت سے آئی اور ایک موضوع جملہ کے اضافہ کے ساتھ آئی۔ اور اس طرح اس روائت کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی ہے۔

احناف اور موالک میں اس روائت کی قبولیت

احناف میں سب سے پہلے شمس الائمہ سرخسی نے ۴۵۰ھ کے بعد مبسوط میں اس روائت کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سے استشہاد کیا ہے۔ معلوم نہیں مالکیہ نے اسے کب قبول کیا ہے۔ بہرحال ۲۰۰ھ کے بعد ہی کیا ہوگا

روایت تزوّج کا تاریخی جائزہ

روائیت کا اخفاء وافشاء

اب ہم اس روایت کو ایک اور طریقے سے پرکھتے ہیں ۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس نامکمل روائت کے اصل راوی ہشام ہیں جو اپنے باپ عُروہ کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں ۔ اس روائت کے جتنے بھی طرق پیدا کئے گئے ہیں وہ سب اسی روائیت کی صدائے باز گشت ہیں ۔

عُروہ کی پیدائش ۲۳ھ ہجری میں ہوئی ۔ عروہ اندازاً بیس برس کے ہوں گے تب انہوں نے اس روائت کو حضرت عائشہ رض سے سُنا ہوگا ۔ یہ پہلے راوی ہیں جنہوں نے یہ روائت حضرت عائشہ رض سے تقریباً ۴۴ھ میں سُنی ہوگی ۔

چنانچہ ہجرت اور رخصتی کے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رض کے منہ سے جملہ معترضہ کے طور پر ضمناً نکل گیا ہوگا وانا یومئذ بنت تسع ... اس سے حضرت عُروہ کو معلوم ہوا کہ بناء کے وقت حضرت عائشہ رض کی عُمر یہ تھی ۔

عُروہ نے روایت کو رازِ سربستہ رکھا

حضرت عُروہ نے اس جملہ معترضہ کو راز اور تبرک خیال کر کے اپنے سینے میں رکھا ۔ اور حضرت عائشہ رض کی پوری زندگی میں اسے مخفی رکھا ۔ حضرت عائشہ رض کی وفات کے تین چار سال بعد ۶۱ھ میں ہشام پیدا ہوئے ۔ عُروہ کے مختلف سنین میں مختلف بیویوں سے مختلف اولاد پیدا ہوئی ۔ عُروہ کے دس بیٹے تھے ۔ ان میں سے صرف ہشام کو اس راز کے لیے منتخب کیا ۔ حالانکہ خود عُروہ کی اولاد میں یحیٰ بن عُروہ ہشام سے زیادہ فاضل اور قابل تھے ۔ بہت سی روایات کے راوی ہیں ۔ لیکن یہ خاص متبرک روائت عُروہ نے کسی کو نہیں بتائی ۔

۹۴ھ میں عُروہ کی وفات ہوئی اور عُروہ مرتے ہوئے یہ راز صرف ہشام کو بتا گئے ۔ عُروہ کی وفات تک دنیا میں عُروہ کے سوا اور کوئی راوی اس کا موجود نہیں تھا ۔

عرُوہ کے بعد ہشام نے بھی اسے راز ہی رکھا۔ کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ اخیر عمرؒ میں اس راز کو استنباط کی شکل دے کر مدینے سے باہر عراق میں داخل ہو کر سب سے پہلے کوفہ میں اس کا اعلان کیا۔

افشائے راز کے وقت کوئی عینی شہادت موجود نہ تھی

جس وقت یہ روائت منظرِ عام پر آئی تو ایک آدمی بھی صحابہ کے دور کا باقی نہیں رہا تھا۔ جو ہشام کے اس بیان کی تصدیق **یا** تردید کر سکتا۔

وہ دَور دورِ نقل حدیث تھا۔ معتبر آدمی کی روائت بغیر سند کے مانی جاتی تھی۔

یہ گھر کے آدمی کی روایت تھی۔ اور تھی بھی از قسم نوادر۔ اس لئے لوگوں نے بلاچون وچرا اسے تسلیم کر لیا۔

قبول بلاتحقیق

سب سے پہلے راویوں کا فرض تھا کہ وہ اس روائت کو جانچتے۔ خلاف عقل۔ خلاف عادت اللہ اور خلاف تجربہ ہونے کی بنا پر اسے رد کرتے۔ جیسا کہ اس دَور کے اکابر اور اصحابِ درایت نے کیا۔

لیکن تلامیذ ہشام نے نہ صرف اسے قبول کر لیا بلکہ بہت زور شور سے اس کی روایت شروع کر دی۔ اور اس وقت کی اسلامی دنیا میں گھر گھر یہ روایت پہنچ گئی علماء اس کے لئے نظائر تلاش کرنے لگے۔ اور اس واقعہ کے جواز اور وقوع کے دلائل عقلی اور نقلی بیان کرنے لگے۔ اور اس کی اشاعت اس کثرت سے ہوئی کہ یہ روائت حقیقت واقعیہ بن گئی۔ اور اس کے خلاف لب کشائی بھی گناہِ کبیرہ خیال کی جانے لگی۔ پھر آنے والی نسلوں نے اپنے بزرگوں اور قابلِ احترام علماء سے یہ روایت سُنی تو کیسے ممکن تھا کہ یقین نہ کرتے۔ اگر کسی کے پاس اس روایت کے خلاف کوئی خبر ہو گی بھی تو اس روایت کے سامنے وہ کیا پنپتی۔ وہ اپنی موت آپ مرگئی ہوگی۔

بہرحال حضرت عائشہ رضؓ کی عمرؒ کے بارے میں یہ روایت ایک مسلمہ حقیقت بن گئی اور اس کی روشنی میں اس دَور کا ذہن حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق تیار ہو گیا۔ اور پھر تو حضرت عائشہ رضؓ کے ہر عمل کی توجیہہ بچپن ہی کے نقطۂ نظر سے کی جانے لگی

روایت پر تلامیذ ہشام کی شخصیت کا اثر

روائت تزوج کو ہشام سے بیان کرنے والے ان کے بارہ تلامیذ ہیں۔ ان میں سے کئی راوی مستقل فقہی مسلک رکھتے ہیں۔ پھر تلامیذ التلامیذ میں سے دو تو صاحب مسلک امام ہیں۔ لاکھوں کروڑوں آدمی ان کا اتباع کرتے ہیں۔ یعنی

امام شافعی ہو جو سفیان بن عیینہ کے تلمیذ ہیں ۔ اور امام احمد بن حنبل جو امام شافعی اور ابو معاویہ کے تلمیذ ہیں ۔ یہ دونوں ایک واسطے سے حضرت ہشام کے شاگرد ہیں ۔ ہشام کے تلامیذ میں سے سفیان ثوری مستقل مذہب فقہ کے بانی تھے ۔ سفیان بن عیینہ مستقل مسلک رکھتے تھے ۔ وکیع خود صاحب مسلک تھے ۔ حماد بن زید حفاظ حدیث میں سے ہیں، ابو معاویہ حفاظ حدیث میں ایک مقام رکھتے تھے ۔

غرض اس روایت کا ہر ایک راوی اپنی جگہ ایک بہت بڑا عالم ہے ۔ جن لوگوں نے ان سے روایت قبول کر کے اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ان کے متبعین نے اسے بے چون وچرا تسلیم کیا ۔

تحقیق کا کام ائمہ کے کرنے کا تھا ۔ جب خود انہوں نے ہی اس کی ضرورت محسوس نہ کی تھی تو پھر ان کے مقلد اور متبع اس کی ضرورت کیوں محسوس کرتے ۔

تحقیق کے لحاظ سے کوئی ذریعہ بھی ایسا نہیں رہا تھا کہ اصل واقعہ کی حیثیت معلوم کی جا سکتی اس لئے بھی بس مان لینا ہی مناسب تھا ۔

اس کے علاوہ زندگی کے کسی معاملہ پر یہ روایت اثر انداز نہ تھی اس لئے اس کے ماننے میں کوئی حرج بھی نہ سمجھا گیا ۔

رہا اس کا خلاف عقل ہونا تو بہت سے امور ہماری سمجھ سے باہر ہیں اور ہم انہیں تسلیم کرتے ہیں اسے بھی ہم نے اسی فہرست میں رکھ لیا ۔ ہم مامور بحکم ہیں ۔ علل واسباب معلوم کرنا ہمارا کام نہیں ہے ۔

اس گوارا کن اور اور وقف عقیدت رواداری کے ساتھ جب نسلاً بعد نسلٍ اور کتابًا عن کتابٍ یہ روایت چلی تو اب یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں کے پاس اس کے خلاف کچھ ہوگا بھی تو انہوں نے اس کی روشنی میں اس میں ترمیم کر لی ہوگی ۔

حتیٰ کہ جن سابق کتابوں میں اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہوگا بعد والوں نے اس کی درستی بھی کر لی ہوگی ۔

یہاں تک کہ دور مابعد کے احناف اور مالکیہ بھی اس روایت کی قبولیت سے نہ بچ سکے ۔ امام صاحب اور صاحبین کے سر ابعد کے متقدمین نے اور پھر قدمًا بعد قدمٍ ہر آنے والے فقیہ نے اپنی کتابوں میں اس روایت کو جگہ دی اور اس سے استشہاد کرنا شروع کر دیا ۔

بالآخر اس روایت نے متواتر المتاخرین کا مقام حاصل کر لیا

نوبت یہاں تک پہنچی کہ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر کتاب النکاح میں اس روایت کو نقل کر کے فرمایا ھذا النص قریب من المتواتر ۔
علامہ شمس الائمہ سرخسی مبسوط کتاب النکاح میں اس روایت کو لاتے ہیں اور ابن شبرمہ اور ابو بکر الاصم کا (جو نکاح صغیرہ کے خلاف ہیں رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصم ہونے کی وجہ سے یہ روایت ان تک نہ پہنچ سکی ہوگی ۔
مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتح الملہم شرح مسلم باب تزویج الصغار کی احادیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں ھذا النص قریب من المتواتر ۔
غرض کوئی مسلک اور فقہی مکتب فکر ایسا نہ رہا جو اس روایت سے متاثر نہ ہوا ہو ۔

تمام آئمہ حدیث نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ۔ سب ائمہ کا اس روایت کو قبول کر لینا ہی اس کی صحت کی سب سے بڑی دلیل ہے ۔
خصوصیت سے امام بخاری رح کا کسی حدیث کو اپنی کتاب میں لے آنا تو اس کے یقینی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے ۔

مقامِ بخاری رح اس میں شک نہیں ہے کہ امام بخاری رح نے وہ کام کیا جو کسی دوسرے سے نہ ہو سکا ۔ انہوں نے کئی لاکھ احادیث میں سے چار ہزار سے اوپر احادیث کا انتخاب کیا ۔ پھر مختلف فقہی ابواب میں پھیلا کر حصے حصے کر کے ۹ ہزار کے قریب کر دیں ۔
امام بخاری رح نے رجال کی تحقیق اور اسناد کی جانچ اور متون کی پرکھ میں ایسے ملکہ کا اظہار کیا کہ باید و شاید ! انسانی سعی و کوشش کا جو آخری مرتبہ ہو سکتا ہے وہاں تک تحقیق کی ۔ اور جن روایات میں کمی تھی انہیں ترک کر دیا ۔
بخاری رح کے عمیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ بخاری رح نے قبولِ حدیث کے لئے محض لقاء راوی کو شرط قرار دیا ہے لیکن عموماً ایسے لوگوں سے روایت قبول کی ہے جو کافی عرصے تک مروی عنہ استاد کی خدمت میں رہے ہوں ۔
مثلاً زہری عن سعید بن المسیب ۔ وغیرہ
لیکن جو خرابی بخاری رح سے بہت اوپر کے دور میں ہو چکی تھی اسے وہ کیسے درست کرتے ۔ ان کے اپنے دور میں یا اپنے سے اوپر کے دور میں براہ راست تحقیق ہو

سکتی تھی۔ لیکن جو لوگ بخاری سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے ان کے متعلق تحقیق مشکل تھی۔ پھر ذرائع آمدورفت بھی اس زمانہ میں محدود اور دقت طلب تھے۔ شوقِ حصول حدیث اس درجہ غالب تھا کہ اس میں تحقیق وتنقید کی گنجائش ہی نہ تھی۔

یہ بھی ہمیں نظرانداز نہ کرنا چاہیئے کہ بخاری محدثین کی جماعت کے فرد ہیں۔ اس جماعت کا ایک خاص ذہن اور خاص معیار تھا۔ اسی جماعت میں بخاری نے پرورش پائی تھی۔ اس لیئے وہ بھی ایک خاص نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ اسی پر وہ حدیث کو جانچتے اور پرکھتے تھے۔

خالص احکام کی حدیث کے قبول کرنے میں محدثین کا معیار سخت تھا۔ مگر سیرو مغازی میں اتنا سخت نہ تھا۔

بخاری نے جزؤ القرأۃ میں اور مغازی میں محمد بن اسحاق کی روایت کو قبول کیا ہے۔ حالانکہ محمد بن اسحاق کے متعلق بعض ناقدین کا خیال ہے دجال من الدجاجلہ۔

بخاری باب الہجرۃ میں جو احادیث لاتے ہیں وہ خالص مغازی اور سیر کے درجہ کی احادیث ہیں۔ اسی لیئے عروہ کی ایک مرسل روایت کو اس باب میں جگہ دیدی ہے۔ لیکن یہی حدیثیں جب احکام کے باب میں لاتے ہیں تو انہیں موصولاً ذکر کیا ہے۔

کتاب النکاح زیرِ بحث روایت بیان کرنے سے پہلے باب کے شروع میں قرآن مجید کی آیت واللّٰئی یئسن ذکر کی ہے۔ تاکہ یہ معلوم رہے کہ ان کے نزدیک اصل مسئلہ یعنی نکاح الصغار قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور یہ حدیث تبعی حکم رکھتی ہے۔

اسی لیئے اس روایت میں زیادہ تحقیق وکاوش کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ کسی نے ایسا کرنے کی زحمت گوارا کی۔

پھر عصری ذہن کے اثر سے کسی عالم کا آزاد ہونا بہت مستبعد ہے۔

طلب علم اور اجازت حدیث کے لئے عُمر کا تعین

ہشام کے مندرجہ ذیل جن تلامیذ نے یہ روایت ہشام سے نقل کی ہے۔ ہم نے ان سب کے سنینِ ولادت ووفات کتب رجال سے تحقیق کر کے لکھے ہیں۔ تاکہ ان کی عُمرِ روایت کا پتہ چل سکے اور ان کی عُمری خصوصیات کی روشنی میں اس روایت کا مزید جائزہ لیا جا سکے اس لیئے کہ:۔

ایک مسئلہ اصول حدیث میں یہ بھی ہے کہ کس عُمر میں تلمیذ حدیث حاصل کرے اور کس عمر میں اس کا شیخ اسے حدیث کی اجازت دے۔

۱ خطیب بغدادی نے الکفایہ فی اصول الروایہ میں لکھا ہے کہ :-

ان اھل الکوفۃ لم یکن الواحد منھم سمع الحدیث الا بعد استکمالہ عشرین سنۃ۔ و یشتغل قبل ذلک بحفظ القرآن والتعبد۔

۲ حدثنا نعیم بن یعقوب قال سمعت ابا الاحوص یقول کان الشباب یتعبد عشرین سنۃ ثم یطلب الشیء من الحدیث۔

۳ ابو عاصم یقول سمعت الثوری یقول کان الرجل اذا اراد ان یطلب الحدیث تعبد قبل ذلک عشرین سنۃ۔

۴ عن ابی نعیم کان اھل الکوفۃ لا یخرجون اولادھم فی طلب الحدیث صغارا حتی یستکملوا عشرین سنۃ۔

۵ عن موسی بن ھارون اھل الکوفۃ یکتبون لعشرین سنۃ و اھل الشام لثلثین (الکفایۃ لاصول الروایۃ للخطیب ص۵۴)

۱ ترجمہ۔ کوفے والوں میں سے کوئی بھی حدیث نہیں سنتا تھا۔ مگر ۲۰ سال کی عمر پوری ہونے کے بعد اور اس سے پہلے حفظ قرآن اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

۲ یعقوب بن نعیم نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابوالاحوص کو کہتے سُنا کہ جوان لوگ مشغول رہتے تھے پہلے ۲۰ سال عبادت میں پھر کہیں حدیث پڑھتے تھے۔

۳ ابوعاصم کہتے ہیں میں نے ثوری کو کہتے سنا جب آدمی ارادہ کرتا تھا حدیث سننے کا تو پہلے بیس سال عبادت میں صرف کرتا تھا۔

۴ ابی نعیم سے روایت ہے اہل کوفہ کی اولاد طلب حدیث کے لئے نہیں نکلتی تھی چھٹنے میں یہانتک کہ وہ ۲۰ سال کے ہو جائیں۔

۵ موسیٰ بن ہارون سے روایت ہے کہ اہل کوفہ ۲۰ سال کا ہو جانے پر حدیث لکھتے تھے اور اہل شام ۳۰ سال کی عمر میں۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جب کوئی طالب علم حدیث حدیث حاصل کرنے کا

ارادہ کرتا تھا تو پہلے بیس سال عبادت میں صرف کرتا تھا۔ اور یہ تھا اہل کوفہ کا اصول و تعامل۔

اہل بصرہ بھی اسی طرح پختہ عمری میں طلب حدیث کرتے تھے۔

مگر اہل شام کے بارے میں تو خطیب ہی کی تصریح ہے کہ تیس[۳۰] سال سے پہلے وہ حدیث حاصل نہیں کرتے تھے۔

روایت تزوج کو ہشام سے بیان کرنے والے دو تہائی رواۃ کوفی ہیں اور ایک تہائی بصری تو کوفہ والوں کا معمول حدیث کے متعلق خطیب نے بیان کر دیا۔ اسی لیئے زیر بحث روایت کا کوئی راوی بیس سال سے کم عمر کا نہ ہونا چاہیئے۔

یہ اصول اُس وقت متعین کئے گئے تھے جب علم عام ہو چکا تھا اور تقریباً ہر عمل کا ایک ضابطہ بنایا جا چکا تھا۔ ورنہ صدر اول اور دوسری صدی کے ابتدائی دور میں جب کتابیں تصنیف نہیں ہوئی تھیں زبانی روایت یا املا کا طریقہ تھا ایک شیخ سے چند حدیثیں لینے میں عرصہ لگ جاتا تھا۔ اس لئے ہم اس دور میں یعنی دوسری صدی کے ابتدائی رُبع سویم میں حصول و اجازت کی مدت تیس سال تسلیم کرتے ہیں۔ اور دوسری صدی کے رُبع دویم میں ۲۵ سال اور رُبع سویم میں بیس سال۔ اور ربع چہارم میں ۱۵ سے بیس سال۔ الا ماشاء اللہ کچھ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

نقشہ عمرِ اجازت تلامیذ ہشام

نمبر شمار	نام ہائے تلامیذ ہشام	سن ولادت	سن وفات	متوقع سن اجازت حدیث
۱	سفیان بن سعید الثوری الکوفی	سنہ ۹۷	سنہ ۱۶۱	سنہ ۱۳۰
۲	حماد بن زید البصری	سنہ ۱۰۲	سنہ ۱۸۱	سنہ ۱۳۲
۳	حماد بن سلمہ البصری	سنہ ۱۰۴	سنہ ۱۶۷	سنہ ۱۳۴
۴	جعفر بن سلیمان البصری	سنہ ۱۰۴	سنہ ۱۷۸	سنہ ۱۳۴
۵	سفیان بن عیینہ الکوفی	سنہ ۱۰۷	سنہ ۱۹۸	سنہ ۱۳۷
۶	وہب بن خالد البصری	سنہ ۱۰۷	سنہ ۱۶۵	سنہ ۱۳۷

نمبر شمار	نام ہائے تلامیذ ہشام	سن ولادت	سن وفات	متوقع سن اجازت حدیث
۷	ابو معاویہ الضریر الکوفی	سنہ ۱۱۳	سنہ ۱۹۵	سنہ ۱۳۸
۸	علی بن مسہر الکوفی	سنہ ۱۱۴	سنہ ۱۸۹	سنہ ۱۴۱
۹	عبدہ بن سلیمان الکوفی	سنہ ۱۲۰	سنہ ۱۸۷	سنہ ۱۴۵
۱۰	حماد بن اسامہ ابو اسامہ الکوفی	سنہ ۱۲۱	سنہ ۲۰۱	سنہ ۱۴۶
۱۱	یونس بن بکیر الکوفی	سنہ ۱۲۳	سنہ ۱۹۹	سنہ ۱۴۶
۱۲	وکیع بن جراح الکوفی	سنہ ۱۲۸	سنہ ۲۰۱	سنہ ۱۴۶

مندرجہ بالا اصول اجازت وطلب حدیث کی روشنی میں اب ہمیں یہ متعین کرنا ہے کہ ہشام کے بارہ تلامیذ نے کس کس سن میں ہشام سے یہ روائت سُنی ہو گی ۔

رواۃ کی پیدائش کی رُو سے اس روایت کی اشاعت کا زمانہ

ان رواۃ میں سے کسی کی اجازت کا زمانہ سنہ ۱۳۰ سے پہلے ثابت نہیں ۔ سوائے سفیان ثوری کے ۔ اور یہ ہم بنظرِ احتیاط عرض کر رہے ہیں ۔ ورنہ صاحب تہذیب التہذیب تو سفیان بن عیینہ کے بیان میں لکھتے ہیں کہ اعمش ، ابن جریج ، شعبہ ، ثوری ، مسعر ، سفیان کے شیوخ میں سے ہیں ۔ اور ان میں سے بعض سفیان بن عیینہ سے چالیس پینتالیس سال بڑے ہیں ۔ اور احادیث سفیان سے بیان کرتے ہیں ۔

اُس دور میں حدیث حاصل کرنے کے لئے کسی عمر کی قید نہیں تھی ۔ چھوٹی عمر کے طلبہ عام طور سے بڑے اساتذہ کی مجالس میں کم حاضر ہوتے تھے ۔

رواۃ کی ولادت کے مندرجہ بالا نقشہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان سب نے حضرت ہشام کے بڑھاپے میں اُن سے یہ روایت لی ہے ۔ اس روایت کے حامل اس دور میں محض حضرت ہشام تھے ۔ انہوں نے اس روایت کی اشاعت سنہ ۱۴۰

کے بعد شروع کی ۔ اپنی زندگی کے ستترہ ، سال تک اس روایت کے متعلق ایک لفظ بھی کسی سے نہیں کہا ۔ آخر عمر میں اس روایت کو بیان کرنے لگے ۔

۱۳۴ھ سے ۱۴۶ھ تک کا دَور اس روایت کی اشاعت کا دور ہو سکتا ہے ۔

یہ راز سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت ہشام اتنے عرصے تک اس روایت کے متعلق کیوں خاموش رہے ۔ شاید اس روایت کے بیان کرنے کے ابتدائی وقت میں بھی رازداری سے کام لیا ہوگا ۔ اور پھر آناً فاناً اس کا چرچا ہوا ہوگا ۔

چند سال میں یہ روایت اس وقت کی اسلامی دنیا میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی ہو گی ۔

ہشام اپنے خاندان کے جن لوگوں سے حدیث نقل کرتے ہیں ۔ ان میں سے کوئی بھی یہ روائت بیان نہیں کرتا ۔ اور لُطف یہ ہے کہ ہشام بھی انہیں نہیں بتاتے کہ میرے والد نے مجھے ایک نادر روائت سنا رکھی ہے ۔

صحابہ کے زمانہ میں عمرِ عائشہ کا کوئی مسئلہ نہیں تھا

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں حضرت عائشہ رضہ کی عمر کا کوئی مسئلہ نہیں تھا ۔ کیونکہ ان کا نکاح اور رخصتی اسی عمر میں ہوئی تھی ۔ جس عمر میں لڑکیاں عرب میں بیاہی جاتی ہیں ۔ ان کی عمر شادی اور رخصتی کے وقت بالکل پختہ تھی ۔ اس لئے صدر اول میں کسی کی توجہ اس مسئلہ کی طرف نہیں گئی ۔ اور نہ کسی نے اس پر اچنبھے اور حیرت کا اظہار کیا ۔ اسی لئے منافقین نے جو ہر بات پر اعتراض کرتے تھے ۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا ۔ جس طرح دیگر ازواج مطہرات کی عمر ہائے نکاح کی کتب حدیث میں کوئی بحث نہیں ہے ۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی عمر کی بھی بحث کی ضرورت نہ تھی ۔ حضرت ہشام کی سادگی نے اسے مستقل مسئلہ بنا دیا ۔ اگر وہ اپنی اس روائت پر ابتداء میں ہی غور کر لیتے تو یہ صورت پیش نہ آتی مگر فرطِ عقیدت نے اور عجائب پسندی کے ذہن نے ان کو اپنے استنباط کی تشہیر پر ابھارا ۔

ہم بار بار اس خیال کا اظہار کر چکے ہیں کہ جتنے قرائن اور واقعات حضرت عائشہؓ

کی عمر کے متعلق ہو سکتے تھے وہ سب اس روایت کی وجہ سے ضائع ہو گئے ۔ لوگوں

نے درستی کی ذہن میں اس مواد کو ہاتھ سے گنوا دیا۔ اب بچے کچھے ہلکے ہلکے نشانات باقی رہ گئے ہیں جو اس روشن روایت کے سامنے اتنے مدھم پڑ گئے ہیں کہ نظر بھی نہیں آتے۔ اگر بغور دیکھے بھی جاتے ہیں تو ہمارا ذہن ان کی تاویل کرکے انہیں نظر انداز کر دیتا ہے۔

ہم ان منتشر اور بکھری ہوئی روایات کو جمع کر کے اور دیگر قرائن اس کے ساتھ وابستہ کر کے واضح کریں گے کہ حضرت عائشہ رض کی عمر نکاح کے وقت اور رخصتی کے وقت بالکل پوری تھی وہ رخصتی کے وقت پورے طور پر جوان تھیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالکل فطرت کے مطابق نکاح کیا اور رخصتی کا معاملہ طے کیا۔ اسی لئے امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ وہ اس کی علت اور کمزوری سے واقف تھے۔ بعد کے جن حضرات نے اس روایت کو قبول کر لیا انہوں نے شوقِ حدیث اور اشاعتِ علم کے خیال سے اس کی کمزوری پر توجہ نہیں دی۔

اگر ناقدینِ حدیث اس روایت کے مالہٗ وما علیہ پر غور کر لیتے تو امتِ مسلمہ اتنی بڑی غلطی کا شکار نہ ہوتی۔

ہم اپنے علمی دوستوں سے بصد ادب گذارش کریں گے کہ ہمارا منشا یہ نہیں ہے کہ بزرگوں کی علمی کاوشوں پر پانی پھیر دیں اور ان کی خدمتِ حدیث کا انکار کریں۔

چونکہ یہ روایت واقعے کے خلاف ہے اس لئے ہمارے ایمانی تقاضے نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اس روایت کی تنقیح پر قلم اٹھائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت ہی اس تحقیق کی محترک بنی۔

ہو سکتا ہے کہ بعض احباب ہم پر کج روی کا فتویٰ لگائیں۔ لیکن مگر کج روی ہم نے اختیار نہیں کی۔ ہم نے تو بعض کج رو رواۃ کی کج روی کی نشاندہی کی ہے۔ ہمارا جذبہ خالص اور نیت نیک ہے اس لئے خدائے تعالیٰ سے ہم اپنے اس کارِ خیر پر پورے اجر کی توقع رکھتے ہیں۔

وَمَا توفیقی الا باللہ۔

ہشام کے بارہ تلامیذ نے اس روائت کو بالواسطہ یا بلا واسطہ جس طرح بھی بیان کیا ہے وہ ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہے ۔ عہ

نقشہ روایت تلامیذ ہشام بالواسطہ وبلاواسطہ

نمبر شمار	نام تلمیذ		بالواسطہ یا بلاواسطہ	کتاب حدیث	تعداد روایت
۱	سفیان ثوری	کوفی	غائب کے صیغے سے بالواسطہ	بخاری شریف	۱
۲	سفیان بن عیینہ	کوفی	متکلم کے صیغے سے بلا واسطہ	کتاب الام	۱
۳	ابو معاویہ	کوفی	؍؍	مسلم	۲
۴	؍؍	؍؍	غائب سے بالواسطہ	نسائی	۲
	؍؍	؍؍	؍؍	نسائی و مسلم بروائت اعمش	۳
۴	ابو اسامہ	کوفی	بالواسطہ	بخاری	۴
	؍؍	؍؍	بلا واسطہ متکلم سے	مسلم (طویل حدیث)	۳
۵	عبدہ بن سلیمان	؍؍	؍؍	؍؍	۴
۶	علی بن مسہر	؍؍	؍؍	بخاری، ابن ماجہ، دارمی	۵
۷	یونس بن بکیر	؍؍	غائب سے بالواسطہ	بیہقی	۵
۸	وکیع	.	.	.	۶
۹	حماد بن سلمہ	بصری	متکلم سے بلا واسطہ	مسند امام احمد	۷
۱۰	حماد بن زید	بصری	؍؍	ابو داؤد	۸
۱۱	وہیب بن خالد	؍؍	غائب سے بالواسطہ	بخاری	۷
۱۲	جعفر بن سلیمان	؍؍	بلا واسطہ	نسائی	۹

عہ کس نے متکلم کے صیغے میں بدلا ۔

اس روائت پر غور کرنے کا ایک اور پہلو بھی ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کے تمام رواۃ کوفے اور بصرے کے رہنے والے ہیں ۔ ان کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ میں سے کسی دوسرے ملک کا کوئی راوی نہیں ۔ مکے کا کوئی راوی نہیں ، مصر کا کوئی نہیں ۔ شام کا کوئی نہیں سارے حجاز میں سے ایک آدمی بھی اس کا راوی نہیں ۔

ان تمام رواۃ پر اس پہلو سے نظر ڈال لیجئے

سفیان ثوری —— کوفی   سفیان بن عیینہ —— کوفی
ابومعاویہ —— کوفی   ابوسلمہ —— کوفی
عبدہ بن سلیمان —— کوفی   علی بن مسہر —— کوفی
یونس بن بکیر —— کوفی   وکیع بن جراح —— کوفی
حماد بن سعید —— بصری   حماد بن زید —— بصری
وہیب بن خالد —— بصری   جعفر بن سلیمان —— بصری

مدینہ مرکز علم تھا ۔ ہشام ساری عمر مدینے میں رہے ۔ لیکن مدینے کا ایک راوی بھی اس کو بیان نہیں کرتا ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ روائت گھر سے باہر ہی باہر کیوں گھوم رہی ہے ۔ اور گھر والے اس کی پذیرائی کیوں نہیں کرتے ۔ اس کا علم کوفے والوں کے حصے میں کیوں آیا ۔ ایک دو نہیں ۔ پورے آٹھ معتبر راوی کوفے سے اس روایت کو لے کر کھڑے ہوتے ہیں ۔ اس کے بعد صرف ۴ بصرے والوں کو توفیق ہوئی کہ وہ اس متبرک روائت کے راوی بن سکیں ۔ پھر ان چار میں سے بھی ایک جعفر بن سلیمان غالی شیعہ تھے ۔ (تہذیب بیان جعفر بن سلیمان) رجال شیعہ کی معتبر کتاب منتہی المقال نے بھی انہیں رجال شیعہ میں شمار کیا ہے ۔ اور لکھا ہے کَانَ اُمّیّاً وکان من زھاد الشیعۃ —— اور یہی وہ حضرت ہیں جنہوں نے عبدالرزاق کو شیعہ بنایا تھا ۔ تہذیب التہذیب نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ جعفر بن سلیمان متقشف شیعہ تھے ۔

کوفے اور بصرے والوں کے علاوہ تمام عالم اسلام اس روایت کے بیان کرنے کی سعادت سے محروم رہا ۔

عمرِ ہشام بوقتِ روایت

حضرت ہشام نے ۸۷ سال کی لمبی عمر پائی ۔ مگر اس کے باوجود کوفے سے صرف آٹھ تلامیذ اور بصرے سے چار تلامیذ حاصل کر سکے ۔ اور وہ بھی اپنی عمر کے بالکل آخری حصہ میں ۔

ہم نے رواۃِ ہشام کی عمروں کے سلسلہ میں نقشۂ ولادت و وفات سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ روائت کم سے کم ۱۳۰ھ کے بعد دنیا کے سامنے آنی چاہیے تھی ۔ لیکن تاریخی حقائق کی روشنی میں جب ہم اس روایت کو دیکھتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ہشام نے وفات سے کچھ ہی پہلے عراق کا تیسرا سفر (آخری سفر) کیا تو اس وقت انہوں نے اپنا یہ استنباط کوفے اور بصرے والوں کے سامنے پیش کیا ۔ اور یہ سفر انہوں نے تقریباً ۱۴۴ھ یا ۱۴۵ھ میں کیا ہے ۔ اور اسی ۱۴۵ھ میں خلیفہ جعفر کو بغاوت فرو کرنے کے لئے جانا پڑ گیا ۔ ہشام اس کے انتظار میں وہیں رہے ۔ اور ۱۴۶ھ میں ہشام کی وہیں وفات ہو گئی ۔

لہٰذا یہ واقعہ ہمارے نزدیک ۱۴۵ھ کے قریب کا ہے ۔ کیونکہ ہشام کے سب سے کم عمر راوی وکیع ہیں جن کی پیدائش ۱۲۸ھ ہے ۔ اور سماع کے وقت اگر ان کی عمر کم از کم سولہ سال ہی کی ہو تو سماع صحیح ہو سکتا ہے ۔

اس روایت کے رواۃ میں کوفے کے جو آٹھ حفاظ نظر آ رہے ہیں ان کی سماعت کی صورت یہ نہیں ہے کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً مدینے جا کر یہ روایت ہشام سے لی ہے ۔ بلکہ صورت یہ ہوئی ہے ۔ کہ ہشام کے قیام کوفہ کے دوران مجمعتاً یا دو ، دو تین تین کی معیت میں یہ روائت کوفے ہی ۔ میں ان کے آخری سفر میں ان ہی سے سنی ۔

تہذیب التہذیب ص۱۸ جلد ۱۱ میں ہے کہ ہشام تین مرتبہ کوفے گئے ۔ پہلی مرتبہ آئے تو اس طرح روایت بیان کی حدثنی ابی قال قد سمعت عائشۃ ۔ دوسری مرتبہ آئے تو اس طرح بیان کی حدثنی ابی عن عائشۃ ۔ اور پھر تیسری مرتبہ اس طرح بیان کی عن ابی عن عائشۃ ۔ تو یہ روایت ہشام تیسری مرتبہ کی روایت ہے ۔ اور تیسری قسم میں شامل ہے ۔

. اس سفر میں ہشام بصرے بھی گئے ہیں . قال وھیب بن خالد قدم علینا ھشام بن عروۃ وھو کان مثل الحسن وابن سیرین (تہذیب التہذیب)
اس لئے ہم یقین کرتے ہیں کہ ہشام نے اپنا یہ استنباط تیسرے اور آخری سفر میں پیش کیا . [1]

ہشام اخیر عمر میں قابل اعتماد نہیں رہے تھے

مدینے والے ہشام کی اس عادت سے خوب واقف تھے کہ جو روائتیں انہوں نے اِدھر اُدھر سے سنی تھیں ان کو اپنے باپ کی مرویات بنا کر سنانے لگ گئے تھے . اس لئے آخر میں مدینے والے ان سے روایت کرنے میں محتاط ہو گئے تھے اور چونکہ اخیر عمر میں حافظہ بھی خراب ہو گیا تھا اس لئے بھی مدینے والے ان کی روایت سے کتراتے تھے .

اکثر اہل علم ان کی اس عادت پر نہایت متعجب تھے کہ ہر بات اپنے باپ سے منسوب کر کے بیان کرنے لگے ہیں .

ابو الاسود یتیم عروہ تو اسی غلط بیانی کی وجہ سے سال سال بھر تک ان سے بات نہ کرتے تھے .

ہشام کے حالات میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے عراق والوں کے لئے اپنی روایت میں تسہیل پیدا کر دی تھی . اس غلط روئیے کی وجہ سے امام مالکؒ ان کی مذمت کرتے تھے . اور عراق والوں کے لئے اس غلط طریقہ کار اختیار کرنے پر ان کے خلاف سخت گرفت فرماتے تھے .

اس روایت میں جو حقیقۃً استخراج ہشام ہے . کم خرابی نہیں ہے کہ مدینے والوں نے اسے قبول نہیں کیا . اور عراق میں اہل درایت نے اس کو قبول نہیں کیا . اس عجیب روایت کے راوی تو ہشام کی عمر کے ہر حصے میں ہونے چاہئیں تھے . لیکن یہ کیا کہ یکایک مدینے سے باہر کے ۱۲ آدمی اور وہ بھی بیشتر نوجوان ، ہشام کی

---

[1] کیونکہ تمام روایات میں عن ابی عن عائشۃ ہے بلکہ ہشام سے ہی عن شروع ہو جاتا ہے عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ .

اخیر عمر میں اس کے راوی بن گئے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہشام نے اس سیرت کے درجے کے ایک جملے کو احکام کی حدیث میں تبدیل کر دیا۔ اور بالواسطہ بیان میں عنعنے سے حضرت عائشہ رضؓ سے بیان کیا تو کوفے کے شائقین علم اور بیشتر نوجوان ہشام پر ٹوٹ پڑے۔ انہیں کیا معلوم کہ یہ حضرت عائشہ رضؓ کا کلام نہیں بلکہ حضرت ہشام کا کلام اور استنباط ہے۔

اشاعتِ روایت کے غیر علمی جذباتی اسباب

ایک شیخ فانی حضرت عائشہ رضؓ کے بھانجے کا بیٹا اخیر عمر میں عراق میں آیا ہو ان لوگوں کو اس سے اس کی ساری عمر کی کمائی مفت میں مل رہی ہو۔ اسے بھی یہ خیال ہو کہ اپنا پورا ذخیرہ علم ان کو منتقل کر دوں۔ تو اس حالت میں نہ کوئی تحقیق ہو سکتی تھی، نہ کوئی تفتیش ہو سکتی تھی۔ ان کوفے اور بصرے والوں کو کیا پتہ کہ "بڑے میاں" جو کچھ بیان کر رہے ہیں اس میں یہ حضرت اپنا استنباط بیان فرما رہے ہیں یا حدیث عائشہ رضؓ بیان کر رہے ہیں۔

اول تو سابق زمانے کے متعلق بزرگوں کی بات نوجوان اس لئے بھی قبول کر لیتے ہیں کہ یہ واقعاتِ ماضیہ کے عینی گواہ ہوتے ہیں۔ پھر ان طالبانِ علم حدیث کے لئے تو یہ مخزون ذخیرہ علم تھا جو حضرت ہشام سے مفت میں ان کے گھر بغیر سفر کی زحمت اٹھائے مل رہا تھا۔ کنواں خود چل کر پیاسوں کے پاس آ گیا تھا۔ وہ کیوں نہ پیاس بھر کر پیتے اور کیوں نہ ذخیرہ کرتے۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ کے نواسے کا بیٹا حضرت عائشہ رضؓ کی بہن حضرت اسماء رضؓ کا پوتا۔ زبیر شہید کا پوتا۔ عبداللہ بن زبیر اور حضرت عائشہ رضؓ کے منہ بولے بیٹے اور بھانجے کا بھتیجا، عروہ بن الزبیر کا بیٹا، اپنی آخری عمر میں اپنے ہی گھر کی کوئی بات سنائے اور لوگ اسے قبول نہ کریں، بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

اول تو عام مذہبی ذہن میں خوارق کو قبول کرنے کی کافی کشش ہوتی ہے۔ خصوصیت سے نوجوان تو اس باب میں والہ اور فریفتہ ہوتے ہیں۔ غرضیکہ ہشام کی شخصیت نے کوفے کے اصحابِ روایت اور نوجوان طبقے کو اس درجہ متاثر کیا کہ انہوں نے اس استنباط کو حدیث سمجھ کر بے تکلف قبول کر لیا اور نہایت

زور شور سے اس کی روایت شروع کر دی۔

ہشام کی روایت کا مُتابع اوّل

خلاصہ و نتیجہ بحث

یہ اصل روایت یعنی استنباطِ ہشام سنہ ١٤٤ ١٤٥ کے قریب اہل کوفہ نے ہشام کی زبان سے سُنا۔ اس روایت کا پہلا متابع اسود بن یزید جو ابومعاویہ کے ذریعے سے منقول ہے۔ سنہ ١٨٠ کے قریب قریب منظرِ عام پر آیا۔ چار افرادِ سند تک یہ روایت مستور رہی۔ گویا کہ سُرنگ میں سفر طے کرتی رہی۔ کیونکہ یہ روایت ابومعاویہ تا اسود اصل روایت ہشام کے ٣٥ - ٤٠ سال بعد بطور متابع منظرِ عام پر آئی احتمال کے طور پر تو یہ غلطی اعمش کی غلطی بن سکتی ہے۔ لیکن یہ تدلیس یقیناً ابومعاویہ کی ہے۔ وہ تیس سال تک اس روایت کو اس سند کے ساتھ سینے میں دبائے بیٹھے رہے اور کسی سے ذکر تک نہ کیا کہ میں نے اعمش سے سُنی ہے۔ اس لئے کہ ابومعاویہ کے تلامیذ کی پیدائش پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہے کہ ان کے تلامیذ سنہ ١٨٠ تک جا کر اس قابل ہوئے کہ روایت بیان کر سکیں۔ امام احمد نے تو ابومعاویہ سے بالکل آخر میں سنا۔ سنہ ١٩٠ کے قریب قریب جبکہ ان کے قویٰ جواب دے چکے تھے۔ حافظہ خراب ہو چکا تھا۔ نابینا پہلے ہی سے تھے۔ کتاب دیکھ کر بیان نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ امام احمد کی پیدائش سنہ ١٦٤ میں ہے۔ انہوں نے کوفے کا پہلا سفر سنہ ١٨٨ میں کیا ہے۔ عمر اور واقعے کے لحاظ سے ان کا سماع ابومعاویہ سے اس سے پہلے ہو ہی نہیں سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ ابومعاویہ سے دوسرے رواۃ نے بھی بالکل آخر میں تبرکاً یہ روایت نئی سند کے لحاظ سے ان سے لی ہو۔ ورنہ اصل میں تو ابومعاویہ حضرت ہشام سے اس روایت کے راوی ہیں۔ اسود سے لے کر ابومعاویہ تک یہ روایت واحد عن واحد ہے۔ ان رواۃ میں سے کسی کا بھی کوئی شاہد اور متابع نہیں ہے۔ ہمارا اعتراض متن پر نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ ابومعاویہ نے اعمش کی سند سے متعلق کر کے اسود کے ذریعہ حضرت عائشہ رضہ تک پہنچا دیا۔

ہمیں تحقیق سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تین جملوں کی روایت حضرت ہشام کا استنباط ہے۔ جو انہوں نے بالکل اخیر عمر میں کوفے والوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ استنباط اپنی مخصوص ترکیب اور ترتیب کی وجہ سے جہاں بھی پایا جائے گا فوراً پہچان لیا جائے گا کہ یہ حضرت ہشام کا استخراج ہے۔

اب تک تمام علماء کا یہی خیال ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضہ کی روایت ہے۔ اسے کسی سند سے بھی متعلق کر دیا جائے اس کے سنتے ہی ذہن اُدھر جاتا ہے کہ یہ حدیث عائشہ رضہ ہی ہے۔ ایک متن کو مختلف اسناد کے ساتھ ذکر کرنے سے اس میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ استخراج ہشام ہے تو اسے کسی رنگ میں بھی بیان کیا جائے بہر حال یہ استخراج ہشام ہے۔ اس استنباط کو کسی سند سے بھی متعلق کر دیا جائے فوراً واضح ہو جائے گا اور اس متن کی تدلیس فوراً پکڑی جائے گی۔ کیونکہ اس روائت کا ایک قدم بھی حضرت ہشام سے آگے نہیں چلتا۔ جو لوگ حضرت ہشام سے اوپر ہیں ان سے اس روایت کو متعلق کرنا اُن پر اس روایت کی تہمت لگانا ہے۔

متابع دوم

روائت ہشام کا متابع دوئم ابوسلمہ والی روایت ہے۔ جس میں نیچے کے راوی احمد بن سعد اور اس سے اوپر سعید بن حکم بن ابی مریم۔ احمد کے چچا ہیں۔ احتمال کے طور پر تو یہ غلطی یحییٰ بن ایوب کی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ احمد بن سعد کا سعید بن الحکم بن مریم نے اس روائت کو ابوسلمہ کی سند سے متعلق کیا ہے۔ اس قسم کی تدلیس اُن کی اور روایتوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

چونکہ یہ روایت تو ہشام کا استنباط ہے اس لئے ہشام کے علاوہ کسی اور کی طرف اس کی نسبت یا ہشام سے پہلے لوگوں کی طرف اس کی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔

متابع سوم

تیسرا شاہد نسائی کی قتیبہ والی روایت قتیبہ ہی کے کارناموں میں سے ایک ہے، اس نے ہشام کی روائت کو جو اُسے اپنے دوسرے اساتذہ سے پہنچی تھی۔ اس سند سے متعلق کر کے گویا اس کلام کو ان لوگوں کے منہ میں ڈالدیا جن کے خواب میں

بھی اس سند سے یہ روایت نہیں آئی تھی ۔ اور ان لوگوں کی طرف اس روایت ہشام کی نسبت کر دی جو اس سے لاعلم دنیا سے گئے ہیں یہ متابع ۲۲۰ھ کے بعد ظہور پذیر ہوا ۔

متابع چہارم

اس کا چوتھا متابع ابوعبیدہ والی روایت ہے ۔ ابواحمد زبیری یا احمد بن سنان نے ایسا کیا تو ۲۰۰ھ کے قریب یہ عمل کیا گیا اور اگر احمد بن سنان کا شاہکار ہے تو یہ عمل ۲۲۵ھ کے قریب رونما ہوا ۔

روایتِ ہشام نیچے سے اوپر چڑھی ہے

جب واقعات کی شہادت نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ روایت حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہی نہیں ہے بلکہ یہ استخراج ہشام ہے جو انہوں نے اپنی ہجرت والی روایت کے ایک جملے دانا یومئذ سے کیا ہے تو ان الفاظ کے ساتھ اور اس کی غائب بالواسطہ یا بلاواسطہ متکلم تعبیرات کے ساتھ یہ کلام ہشام سے پہلے موجود ہی نہیں ہے ۔ بلکہ ہشام نے بھی اسے اپنی زندگی کے اخیر میں عراق کے تیسرے سفر میں لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کوفے کے نوجوان طلابِ علم نے اسے قبول کرلیا ۔ یہ سفر ہشام نے ۱۴۴ھ ۱۴۵ کے قریب قریب کیا ۱۴۴ھ ۱۴۵ سے پہلے جن رواۃ کا انتقال ہو چکا تھا وہ کسی طرح بھی ہشام کے اس استخراج سے واقف نہیں تھے ۔ اور جو معاصر اس وقت موجود تھے ۔ وہ سب عمر رسیدہ قریب الوفاۃ تھے ۔ اس لئے ممکن ہے اس تھوڑے عرصے میں یہ روایت ان تک نہ پہنچی ہو ۔ اور وہ اس سے واقف ہوئے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں اور جو اصاغر اس وقت موجود تھے انہیں کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ اصل روایت ہشام سے لے لینے کے بعد کسی دوسری سند کے ساتھ اس کو ڈھونڈتے ۔

مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض راویوں نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر اس روایت میں تعدد طرق پیدا کرنے کے لیئے اس استخراج کو دوسری سندوں پر سوار کر دیا ۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ بہت سے شواہد اوپر سے نیچے آنے کے بجائے

نیچے سے اوپر جا رہے ہیں اور مختلف سندوں کے زینے سے اوپر پہنچ گئے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ متقدمین مصنفین تو محض ہشام کی روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن متاخرین شواہد و متابعات مہیا کر کے اس روایت کی صحت کا یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر یہ نتیجہ سامنے نہ آتا کہ یہ روایت ہشام کا استخراج ہے تو ہرگز کسی سند کی غلطی نہ پکڑی جاتی۔

حدیثِ حجاز یا حدیثِ عراق

خلاصہ یہ ہے کہ آخری تینوں متابع سندیں دوسری صدی ہجری کے اختتام پر یا تیسری صدی ہجری کے اوائل میں منظرِ عام پر لائی گئی ہیں۔ اور دوسرے لفظوں میں ہم اس کی تعبیر یوں کر سکتے ہیں کہ روایتِ ہشام صحیح معنی میں حدیثِ عراق ہے، حدیثِ حجاز ہرگز نہیں ہے۔ مدینے والوں کا اپنا ایک تعامل اور علمی مزاج تھا اور وہ اسی روایت کو قبول کرتے تھے جو ان کے تعامل اور علمی مزاج کے موافق ہو۔ اسی لئے انہوں نے ہشام کی اس روایت کو قبول نہیں کیا۔

حدیثِ عراق کے متعلق علماء کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

خود حضرت ہشام بھی اپنے آخری سفرِ عراق سے پہلے حدیثِ عراق کے متعلق اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ لیکن آخری سفرِ عراق میں خود وہ اسی رنگ میں رنگے گئے۔ حتیٰ کہ ان کی مٹی بھی عراق ہی میں عزیز ہوئی۔

امام مالک رح نے فرمایا:-

اذا خرج الحدیث من الحجاز انقطع نخاعہٗ

(امام مالک رح نے فرمایا جب حدیثِ حجاز سے نکل جاتی ہے تو اس کا مغز یا روح منقطع ہو جاتی ہے۔

امام شافعی رح نے فرمایا:-

اذا لم یوجد الحدیث من الحجاز اصل ذہب نخاعہٗ۔

جب کسی حدیث کی اصل حجاز میں نہ پائی جائے تو بے اصل ہوتی ہے۔

امام شافعی نے فرمایا :۔

كل حديث جاء من العراق وليس له اصل في الحجاز فلا تقبله وان كان صحيحا . واريد الا نصيحتك .

جو حدیث عراق سے آئے اور اس کی اصل حجاز میں نہ ہو تو اسے قبول نہ کر اگرچہ صحیح ہو میں تیری نصیحت کے لئے کہہ رہا ہوں ۔

حبیب بن ثابت سے پوچھا گیا :۔

ايما اعلم بالسنة اهل الحجاز ام اهل العراق . فقال بل اهل الحجاز .

(حدیث کا علم کس کو زیادہ ہے اہل حجاز کو یا اہل عراق کو ۔ انہوں نے فرمایا اہلِ حجاز کو ۔

زہری کا قول ہے :۔

اذا سمعت بالحديث العراقى فاورد به ثم اوردبه

جب کسی عراقی سے حدیث حاصل ہو تو اس کو خوب خوب پرکھ لو)

طاؤس نے کہا :۔

اذا حدثك العراقى مائة حديث فاطرح به تسعة وتسعين

جب کسی عراقی سے سو حدیثیں سنو تو ننانوے پھینک دو ۔

زہری :۔

ان في حديث اهل الكوفة دغلا كثيرا .

کوفیوں کی حدیث میں کھوٹ ہی کھوٹ ہے ۔

ہشام بن عروہ کا قول ہے :۔

اذا حدثك العراقى بالف حديث فالق تسعمائة وتسعين وكن من الباقى فى شك .

جب کسی عراقی سے ایک ہزار حدیثیں سنو تو ۹۹۰ کو غلط تصور کرو ۔

اور باقی دس کو بھی مشکوک سمجھو ۔

خطیب نے ایک ضابطہ بیان کر دیا ہے کہ :۔

حدیث کا بہترین سلسلہ وہ ہے جس کو اہل حرمین بیان کرتے ہیں ۔ ان کے ہاں تدلیس کم ہے ۔ کذب و وضع حدیث قلیل الوجود ہے ۔

اہل یمن کی روایات عمدہ ہیں اور سلسلے درست ہیں ، لیکن روایات بہت تھوڑی ہیں اور ان کا مرجع بھی حجاز ہی ہے ۔

اہل بصرہ کے ہاں احادیث ثابتہ ہیں اور اسانید واضح ہیں جو دوسروں کے ہاں نہیں ہیں ۔ مگر نسبتاً احادیث میں کثرت ہے ۔

لیکن کوفیوں کے ہاں کثرت روایات تو وہی ہے جو بصرے والوں کے ہاں ہے لیکن ان کی روایات میں کھوٹ زیادہ ہے ۔ اور علل سے مملوٗ ہیں ۔

شامیوں کی احادیث مراسیل و مقاطیع ہیں ۔ لیکن جو متصل ہیں اور ثقات سے منقول ہیں بہتر ہیں ۔ ان کی روایات بیشتر وعظ سے تعلق رکھتی ہیں ۔

علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ علماء اہلحدیث اس بات پر متفق ہیں کہ :۔

اصح الاحادیث ما رواہ اہل المدینة ثم اہل البصرة ثم اہل الشام (تدریب الراوی ص۲۸ ، ص۴۰۶)

دور حدیث میں صحیح اور ضعیف احادیث ایک جگہ جمع ہوتی تھیں ۔

وقد کانت الکتب قبله مجموعة ممزوجا فیها الصحیح بغیرہ وکانت الآثار فی عصر الصحابة وکبار التابعین غیر مدونة ولا مرتبة ۔

(بخاری سے پہلے کی کتابوں میں صحیح اور ضعیف روایات ملی جلی درج تھیں اور صحابہ اور کبار تابعین کے دور میں تو سرے سے جمع و تدوین کا رواج ہی نہ تھا)
(تدریب الراوی ص۴۰)

اس طویل اقتباس سے یہ مدعا ہے کہ احادیث کے قبول و رد میں مختلف امور کا لحاظ رکھا جاتا تھا ۔ اور اماکن کا بھی خیال کیا جاتا تھا ۔ افراد کی سیرتوں کو بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا ۔ بایں ہمہ شروع میں ایک دور ایسا گذرا کہ محض حدیث پر نظر ہوتی تھی ۔ سند کی اتنی پرواہ نہ تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے دور میں ارسال کا عام رواج تھا ۔

کیا مراسیل حجت تھیں؟

سب سے پہلے امام شافعی رح نے مرسل کے حجت ہونے سے انکار کیا۔ قبول مراسیل میں احناف کی بابت تدریب الراوی میں ہے کہ :۔

ومحل قبولہ عند الحنفیۃ ما اذا کان مرسلا من اھل القرون الثلاثۃ الفاضلۃ ۔ وان کان من غیرھا فلا ۔

مرسل قابل قبول حنفیہ کے نزدیک تب ہے جبکہ مرسل ہو قرون ثلاثہ فاضلہ سے اور اگر اس کے علاوہ سے ہو تو قابل قبول نہیں ۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ :۔

اجمع التابعون باسرھم قبول المرسل لم یأت منھم انکارہ ولا عن احد من الائمۃ بعدھم علی رأس مائتین ۔

بیہقی نے ایک باب مراسیل کی حجیت کے بارے میں باندھا ہے اور ابن سیرین کا یہ قول پیش کیا ہے اور یہ مسلم میں بھی ہے :۔

لقد اتی علی الناس زمان ما یسئل عن اسناد صحیح ۔ فلما وقعت الفتنۃ سئل عن اسناد الحدیث فینظر من کان من اھل السنۃ یؤخذ من حدیثہ ۔ ومن کان من اھل البدع ترک حدیثہ (انتھی)

(تدریب الراوی ص۱۳۳)

روایت ھشام اس ناقص حالت میں اصول حدیث کے خلاف ھے

قبولِ حدیث کے عام ضابطے

قال ابن الجوزی کل حدیث رأیتہ یخالف العقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع ۔ فلا یتکلف اعتبارہ ۔ ای لا تعتبر رواتہ ۔ ولا تنظر فی جرحھم ۔ او یکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ ۔ او مباینا لنص الکتاب والسنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شیء من ذلک التاویل ۔ او یتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر ۔ او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر

كثير موجود فى حديث القصاص والطرقية . ومن ركة المعنى لا تاكلوا القرعة حتى تذبحوها . ولذا جعل بعضهم ذلك دليلا على كذب راويه . وكل هذا من القرائن فى المروى . وقد تكون فى الراوى . كقصة غياث مع المهدى . او انفراده عمن لم يدركه بما لم يوجد عند غيره . او انفراده بشئ مع كونه مما يلزم علمه . وقطع العذر فيه كما قرره الخطيب فى اول الكفاية . او بامر جسيم يتوفر الدواعى على نقله كحصر العدو الحاج عن البيت .

(فتح المغيث مطبوعه لکھنو ص ۱۱۴)

. ابن جوزی نے کہا ہر حدیث جو خلاف عقل[1] ہو یا مسلمہ اصول[2] کے منافی ہو پس سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے . اس کے اعتبار کا تکلف بھی نہیں کیا جائیگا . یعنی اس کے رواۃ کو معتبر خیال نہیں کیا جائیگا اور اس کی جرح میں غور نہیں کیا جائیگا یا ایسی روایت ہو جو حس[3] اور مشاہدے[4] کے خلاف ہو یا مخالف ہو نص کتاب[5] کے یا سنت متواترہ[6] کے اجماع[7] قطعی کے اس طرح کہ قابل تاویل بھی نہ ہو . یا معمولی غلطی پر سخت وعید[8] ہو چھوٹے سے عمل پر بڑا وعدہ[9] ہو اور آخری بات ، قصہ خوانوں کے کلام میں یا بازاری واعظوں کے کلام میں کثرت سے پائی جاتی ہے یا رکۃ معنی[10] ہو جیسے کدو نہ کھاؤ جب تک اسے ذبح نہ کرلو اور اسی لئے اسے بعض ناقدین نے کذب راوی پر محمول کیا . ان تمام قرائن کا تعلق مفہوم روایت سے ہے جو قرینہ[11] قوی سے موضوع ہو . کبھی عیوب راوی میں ہوتے ہیں جیسے کہ مہدی کے ساتھ غیاث کا قصہ ہے یا ایسے شخص[12] سے منفرد روایت کرنا جس سے ملا نہ ہو اور یہ روایت اس کے سوا کسی اور کے پاس نہ ہو . یا ایسی[13] بات بیان کرے جسے سب کو معلوم ہونا چاہئیے تھا مگر اس کے سوا کسی کو معلوم نہ ہو اور کوئی عذر بھی نہ ہو جیسا کہ خطیب نے اپنی کتاب کفایہ کے شروع میں بیان کیا . یا ایسا[14] اہم واقعہ ذکر کرے جو کثرت سے منقول ہونا چاہئیے تھا جیسا کہ حج سے حجاج کو روک دینا .

ابن جوزی نے اس عبارت میں یہ ظاہر کیا ہے کہ کسی ایسی روایت کو بغیر کسی تحقیق وتفتیش کے اور رواۃ کی جانچ پڑتال کے رد کیا جا سکتا ہے . جو مندرجہ ذیل اصولوں کے خلاف ہو :-

۱ . جو عقل کے خلاف ہو .

جو مسلمہ اصولوں کے خلاف ہو .

۳ جو محسوسات اور مشاہدات کے خلاف ہو ۔
۴ جو قرآن کے خلاف ہو ۔
۵ جو سنت متواترہ کے خلاف ہو ۔
۶ جو اجماع قطعی کے خلاف ہو ۔ اور تاویل کی گنجائش نہ رکھتی ہو ۔
۷ جس میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو ۔
۸ جس میں معمولی کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو ۔
۹ جو رکیک المعنی ہو ۔ مثلاً یہ کہ کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ ۔
۱۰ سند میں انقطاع ہو اور راوی اسے بیان نہ کرتا ہو ۔
۱۱ جس سے واقفیت تمام لوگوں کے لئے ضروری ہو ۔ لیکن اسے بیان صرف ایک آدمی کرے ۔
۱۲ جس میں ایسا اہم واقعہ بیان کیا جائے کہ اگر وہ وقوع میں آتا تو سینکڑوں اور ہزاروں آدمی اسے بیان کرتے ۔ لیکن اسے صرف ایک آدمی بیان کرے ۔

ملا علی قاری نے اپنی کتاب موضوعات کے آخر میں روایات کے غیر معتبر ہونے کے چند اصول لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے :-

۱ جس روایت میں ایسی فضول باتیں ہوں جو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سے نہیں نکل سکتیں ۔ مثلاً یہ روایت کہ جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے خدا اس کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کی ستر زبانیں ہوتی ہیں ۔ اور ہر زبان میں ستر ہزار لغات ہوتے ہیں ۔
۲ وہ حدیث جو مشاہدے کے خلاف ہو ۔ مثلاً یہ حدیث کہ بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے ۔
۳ وہ حدیث جو صریح اور واضح احادیث کے خلاف ہو ۔
۴ وہ روایت جو واقعہ کے خلاف ہو ۔ مثلاً دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے نہانے سے پھلبہری پیدا ہوتی ہے ۔
۵ وہ روایت جو انبیاء کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو ۔ مثلاً یہ روایت کہ تین چیزیں نظر کو تیز کرتی ہیں ۔ ۱ ۔ سبزہ زار ۔ ۲ آب رواں ۔ ۳ حسینوں کو دیکھنا ۔
۶ وہ روایات جن میں آئندہ کی پیشین گوئیاں بقید تاریخ ذکر کی گئی ہیں ۔

۷
۸
۹
۱۰
۱۱
سے روا
جو عموماً
ایسا وا
سے مط
کے ل
۱
فقیہہ نہ
اس کے
د
مایوجب

۷ وہ روایات جو طبیبوں کے کلام سے مشابہ ہوں ، جیسے حلوہ کھانا طاقت کا باعث ہے ۔

۸ وہ حدیث جو عادۃ اللہ کے خلاف ہو ، مثلاً دنیا کی عمر ۷ ہزار برس ہے ۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ کسی کو معلوم نہیں ۔

۹ خضر سے متعلق تمام احادیث ۔

۱۰ جس روایت کے الفاظ رکیک ہوں ۔

۱۱ وہ روایات جو قرآن کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں آئی ہیں ۔

محدثین اور ارباب سیر نے مذکورہ بالا اصولوں سے کام لے کر روایات کو جانچا اور پرکھا جو ان اصولوں پر پوری اتریں انہیں قبول کرلیا ۔ اور جو ان پر پوری نہ اتریں ان کو رد کر دیا ۔

کیا صرف راوی کا ثقہ ہونا قبولِ روایت کے لئے کافی ہے ؟

واقعات کی تنقیح اور توضیح میں یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ واقعے کی نوعیت بدل جانے سے روایت اور شہادت کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے ۔ ایک ثقہ راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آسکتا ہے تو بے تکلف اس کی روایت قبول کر لی جائے گی ۔ لیکن اگر وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہو اور تجربۂ عام کے خلاف ہو ۔ اور گرد و پیش کے حالات سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو اس قسم کا واقعہ زیادہ محتاجِ ثبوت ہوگا ۔ اس روایت کے لئے راوی کا محض ثقہ ہونا کافی نہیں ۔ بلکہ اسے زیادہ محتاط اور نکتہ داں ہونا چاہئیے ۔

ثقاہت کے ساتھ فقاہت بھی ضروری ہے

اصحابِ درایت نے ان صفاتِ راوی کو صحابہ تک پر منطبق کیا ہے ۔ مثلاً جو صحابہ فقیہہ نہ تھے ۔ ان کی روایت اگر قیاسِ شرعی کے خلاف ہو تو واجب العمل ہوگی یا نہیں ؟ اس کے متعلق بحر العلوم امام فخر الاسلام کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں کہ :-

ووجه قول امام فخر الاسلام ان النقل بالمعنى شائع ـ وقل مايوجد النقل باللفظ ـ فان حادثة واحدة قد رويت بعبارات

مختلفة ۔ ثم ان تلك العبارات ليست مترادفة بل قد دوى ذلك المعنى بعبارات مجازية ۔ فاذا كان الراوى غير فقيه احتمل الخطاء فى فهم المعنى المرادى الشرعى ۔ ولا يلزم منه نسبة الكذب متعمدا الى الصحابى معاذ الله عن ذلك (شرح مسلم الثبوت ۔ مطبوعہ لکھنو ص۴۲۲)

امام فخر الاسلام کے قول کی توجیہہ یہ ہے کہ نقل بالمعنی شائع ہے ۔ روایت باللفظ بہت ہی کم پائی جاتی ہے ۔ ایک ہی واقعہ مختلف عبارات میں ذکر کیا جاتا ہے اور یہ عبارات مترادف نہیں ہوتیں ۔ بلکہ کبھی یہ عبارات مجازی ہوتی ہیں ۔ پس جب راوی غیر فقیہہ ہوتا ہے ۔ تو اس سے جو شرعی معنی مراد ہیں ان کے سمجھنے میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے ۔ لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ صحابی کی طرف ہم دانستہ جھوٹ کی نسبت کر رہے ہیں معاذ اللہ ۔

محدثین بھی اس اصول سے بے خبر نہ تھے ۔ امام بیہقی نے کتاب المدخل میں ابن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ :-

اذا روینا فى الحلال والحرام والاحكام شددنا فى الاسانيد و انتقدنا فى الرجال ۔ واذا روينا فى الفضائل والثواب والعقاب سهلنا فى الاسانيد وتسامحنا فى الرجال ۔ (فتح المغيث ص۱۲۰)

جب ہم حلال اور حرام کا ذکر کریں گے تو اسانید کی خوب دیکھ بھال کریں گے اور رجال کا حسن و قبح معلوم کریں گے اور جب ہم ثواب و عذاب اور فضائل کا ذکر کریں گے تو سندوں میں نرمی برتیں گے اور رجال میں تسامح سے کام لیں گے ۔

امام احمد کا قول ہے کہ :-

ابن اسحاق رجل تكتب عنه هذه الاحاديث يعنى المغازى ونحوها ۔ واذا جاء الحلال والحرام اردنا قومًا هكذا ۔ وقبض اصابع يديه الاربع ۔ (فتح المغيث ص۱۲۰)

ابن اسحاق ایسا شخص ہے جس سے یہ احادیث لی جاسکتی ہیں یعنی مغازی وغیرہ اور جب حلال و حرام کا بیان ہو تو ہمیں ایسی قوم چاہئیے اور اپنے ہاتھ کی چاروں انگلیاں مضبوطی سے بند کرلیں ۔

یعنی جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہئیے ۔ اور یہ کہ واقعہ کے بننے

سے شہادت کی اہمیت بدل جاتی ہے ۔

واقعہ کی اہمیت شہادت کی اہمیت کا تقاضا کرتی ہے

واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے فقہائے حنفیہ نے ایک ضابطہ بنالیا ہے کہ جو روایت قیاس کے خلاف ہو اس روایت کا راوی فقیہہ بھی ہے یا نہیں ؟ چنانچہ منار میں ہے کہ :

والراوی ان عرف بالفقہ والتقدم فی الاجتھاد کالخلفاء والعبادلۃ کان حدیثہ حجۃ ۔ یترک بہ القیاس ۔ خلافا لمالک ۔ و ان عرف بالعدالۃ والضبط دون الفقہ کانس و ابی ھریرۃ ان وافق حدیثہ القیاس عمل بہ و ان خالفہ لم یترک الا بالضرورۃ ۔

(نور الانوار صـ ۱۷۶)

اور اگر راوی فقہ اور اجتہاد میں معروف ہو جیسے خلفاء اور عبادلہ تو اس کی حدیث حجت ہوگی اس کے مقابلے میں قیاس ترک کر دیا جائیگا ۔ امام مالکؒ کا اس میں اختلاف ہے اور اگر عدالت اور ضبط میں تو معروف ہو لیکن فقہ میں نہیں جیسا کہ انس رضؓ اور ابوہریرہ رضؓ ہیں تو اگر ان کی حدیث قیاس کے موافق ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا ۔ اور اگر قیاس کے خلاف ہو تو ترک نہیں کی جائے گی مگر اشد ضرورت میں ترک ہو سکتی ہے ۔

امر واقعہ اور قیاس راوی

سب سے زیادہ اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کر رہا ہے اس میں اصل واقعہ کتنا ہے اور راوی کا قیاس کس قدر ہے ۔ تفحص اور تحقیق سے بعض جگہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ راوی جس امر کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کر رہا ہے وہ اس کا قیاس ہے واقعہ نہیں ہے ، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم جب ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر بالاخانے میں تنہا رہے تو یہ مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دیدی ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سُنی تو مسجد نبوی میں آئے یہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دیدی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت

کیا تو آپ نے فرمایا کہ " نہیں ، میں نے طلاق تو نہیں دی " یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ باختلافِ الفاظ مذکور ہے ۔ کتاب النکاح میں جو روایت ہے اس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ :-

وان الاخبار التی تشاع ولو کثر ناقلوها ان لم یکن مرجعها الی امر حسی من مشاهدة او سماع لا تستلزم الصدق . فان جزم انصاری وکذا جزم الناس الذین رآهم عمر عند المنبر بذلك محمول علی انه شاع بینهم من شخص بناه علی التوهم الذی توهمه من اعتزال النبی نساءه فظن لکونه لم تجر عادته بذلك انه طلقهن . فشاع ذلك فتحدث الناس به داخلق بهذا الذی ابتداء واشاعة ذلك ان یکون من المنافقین کما تقدم (فتح الباری جلد ۹ کتاب النکاح مطبوعہ مصر ص۲۵۷)

جو خبریں مشہور ہیں اور ان کو نقل کرنے والے چاہے بکثرت ہی ہوں لیکن اگر ان کا مرجع امر حسی نہ ہو یعنی مشاہدہ یا سماع نہ ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اخبار صحیح ہی ہوں ۔ جیسے انصاری کا یقین اور ان لوگوں کا بیان جن کو عمر رضہ نے ممبر رسول کے پاس دیکھا تھا ان کی خبر اس پر محمول ہے کہ ان لوگوں نے ایک شخص سے خبر سنی اور وہ ان میں پھیل گئی اس شخص نے نبی ؐ کو ازواج سے علیحدہ رہتے دیکھا اور آپ کی یہ عادت نہ تھی کہ علیحدہ رہیں تو اسے وہم ہوا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی اور اس شخص سے یہ خبر لوگوں میں پھیل گئی اور لوگوں نے آگے بیان کرنی شروع کر دی ۔ اور عین ممکن ہے کہ جن لوگوں نے ابتداءً اس کی اشاعت کی وہ منافقین سے ہوں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ۔

ملاحظہ کیجئے کہ مسجد نبوی میں تمام صحابہ موجود ہیں اور سب کہہ رہے ہیں کہ آپ نے طلاق دیدی ہے ۔ صحابہ ثقہ ہیں عادل ہیں ۔ ان کی بڑی تعداد واقعے کو بیان کر رہی ہے باوجود اس کے تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نہیں تھا ۔ حافظ ابن حجر نے خیال ظاہر کیا کہ راوی اول کوئی منافق ہوگا ۔ جس نے اس قیاس کی ابتدا کی ہوگی ۔

ثقہ راوی کی خلافِ عقل و مسلّمات روایت مردود ہے

ایک اہم اور ضروری بحث یہ ہے کہ اگر کوئی روایت عقل کے خلاف ہو یا مسلّمات کے خلاف ہو یا دوسرے قرائن صحیحہ سے متضاد ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہوگی یا نہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور سلسلۂ سند متصل ہے ۔ ؟

ابن جوزی کا خیال ہے کہ جو روایت عقل کے خلاف ہو اس کی جرح و تعدیل کی ضرورت نہیں ۔ لیکن عقل کا مفہوم اضافی اور غیر متعین ہے ۔ اس لئے انفرادی روایت میں جانچ پڑتال کا ہونا ضروری ہے ۔ بایں ہمہ یہ اصول اپنی جگہ صحیح اور درست ہے ۔

مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے ہیں ۔ امام رازی اور دوسرے اہل علم نے اس حدیث سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے ۔ اور قرآن شریف میں ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ۔ لہذا آسان صورت یہ ہے کہ ہم اس روایت ہی کو رد کر دیں ۔ اور پیغمبر کو جھوٹا کہنے کے بجائے راوی کو جھوٹا کہدیں ۔

خلاف واقعہ امور میں صحابہ رض کا انکارِ روایت

صحابہ کرام خود اس ضابطہ کی بنا پر بہت سی روایات کو رد کر دیتے تھے ۔

۱ مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس کے سامنے یہ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو آگ چھوئے اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۔ حضرت ابن عباس رض نے کہا اس بناء پر تو لازم آتا ہے کہ ہم گرم پانی سے بھی وضو نہ کریں ۔ حضرت ابوہریرہ رض نے کہا بھتیجے ! جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات سنو تو کہاوتیں نہ کہا کرو (ابن ماجہ و ترمذی ، حدیث الوضوء مما مست النار)

۲ حضرت ابن عباس کے سامنے حضرت علی رض کے بعض مقدمات پیش کئے گئے ۔ حضرت ابن عباس ان کی نقل لیتے جاتے تھے ۔ اور بعض فیصلے چھوڑتے جاتے اور فرماتے تھے کہ وَاللّٰهِ مَا قضی بھذا الا ان یکون ضل (مقدمہ صحیح مسلم)

۳ محمود بن الربیع نے ایک جلسے میں یہ روایت بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خالصًا خدا کے لئے لا الٰہ الا اللہ کہے گا خدا اس پر آگ حرام کر دے گا۔ اس جلسے میں حضرت ابوایوب انصاری بھی موجود تھے۔ جن کے مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سات ماہ تک قیام پذیر رہے تھے۔ اس پر حضرت ابوایوب نے فرمایا واللہ ما اظن رسول اللہ قال ماقلت قط۔
محمود بن الربیع صحابی تھے۔ لیکن حضرت ابوایوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج، عمل اور عادت سے واقف تھے۔ اور یہ روایت اس کے منافی تھی۔ اس لئے اس کو رد کر دیا۔ اور یہ سمجھا کہ راوی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ اور یہ نہیں سمجھا کہ راوی جھوٹا ہے۔ (بخاری باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ)
اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعض صحابہ سے کہا تھا کہ تم سچوں سے روایت کرتے ہو لیکن سامعہ غلطی کر جاتا ہے۔

۴ عمار بن یاسر رضہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے تیمم کی روایت بیان کی تو حضرت عمر رضہ کو یقین نہیں آیا اور فرمایا اتق اللہ یا عمار۔ چنانچہ جب ابوموسیٰ نے عبداللہ بن مسعود کے سامنے اس روایت سے استدلال کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضہ کی اس روایت سے تسلی نہیں ہوئی تھی (بخاری باب التیمم)

۵ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ جب عورت کو طلاق دیدی جائے تو عدت کے زمانے تک شوہر پر اس کا نان نفقہ اور رہائش کا انتظام واجب ہے یا نہیں۔
فاطمہ بنت قیس کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نان نفقہ اور مکان نہیں دلوایا تھا۔ (فاطمہ کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی تھی) اس نے جب یہ حدیث حضرت عمر رضہ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر رضہ نے فرمایا ہم خدا کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر نہیں چھوڑ سکتے۔ جس کی نسبت ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ (صحیح مسلم کتاب الطلاق)

محدثین کا قبولِ روایت میں تامّل

صحابہ کرام کے بعد محدثین میں ہمیشہ ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بناپر

بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا۔ خواہ ان کے رواۃ کتنے ہی ثقہ اور مستند کیوں نہ ہوں۔

۶ ایک ضعیف حدیث ہے "جس نے عشق کیا اور پاکدامن رہا اور وفات پائی وہ شہید ہوگیا"

زاد المعاد میں حافظ ابن قیم نے اس حدیث پر دلائل عقلیہ سے بحث کی ہے اور اسے باطل قرار دیدیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ

لو کان اسناد ھذا الحدیث کالشمس کان غلطا وھما۔

۷ حضرت عباس اور حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا اقض بینی و بین ھذا الکاذب الآثم الغادر الخائن (مسلم۔ کتاب الجهاد۔ باب الفیٔ)

مجھ میں اور اس جھوٹے آثم دھوکے باز اور خائن میں فیصلہ کر دیجئے۔

علامہ ماذری اس روایت کی نسبت لکھتے ہیں:۔

اذا انسدت طرق تاویلھا نسبنا الکذب الی رواتھا۔

(نووی شرح مسلم) اگر تاویل کے تمام راستے مسدود ہوں تو ہم راویوں کو جھوٹا قرار دیں گے۔

۸ بخاری میں روایت ہے کہ خدا نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ گز کا تھا۔ حافظ ابن حجر اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

ویشکل علی ھذا ما یوجد الآن من آثار الامم السابقة کدیار ثمود۔ فان مساکنھم تدل علی ان قاماتھم لم تکن مفرطة للطول علی حسب ما یقتضیه الترتیب السابق..... ولم یظھر الآن ما یزیل الاشکال (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۶ بدء الخلق)

اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو آج پرانے علمی آثار پائے جاتے ہیں، جیسے دیار ثمود تو ان کے رہائشی مکان پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے قد زیادہ لمبے نہیں تھے جیسا کہ ترتیب سابق کا تقاضا ہے اور اب تک کوئی دلیل ایسی ہاتھ نہیں آئی جو اس اشکال کو دور کر سکے۔

۹ عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا۔ اس پر اور بندروں نے جمع ہو کر اسے سنگسار کیا۔ حافظ ابن عبدالبر

نے جو مشہور محدث ہیں اس بناء پر اس حدیث کی صحت میں تامل کیا کہ جانور مکلف نہیں ہیں۔
اس لئے ان کے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ اس بنا پر سزا دی جا سکتی ہے۔
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ

وقد استنکر ابن عبد البر قصة عمرو بن میمون هذه وقال فيها
اضافة الزنا الی غیر المکلف واقامة الحد علی البهائم۔

(فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷، ص۱۲۲)

ابن عبد البر نے عمرو بن میمون کے اس قصے کو اوپرا خیال کیا اور کہا اس میں زنا کی
اضافت غیر مکلف کی طرف ہے اور بہائم پر حد قائم کی گئی ہے۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ظاہر ہے کہ محدثین سند کے ساتھ
ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے قرائن اور شواہد بھی اس کے موافق ہیں یا نہیں۔

روایت بالمعنی

ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنی کا ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ نے جو
الفاظ فرمائے تھے بعینہٖ وہی ادا کرنے چاہئیں یا ان کا مطلب ادا کر دینا کافی ہے۔ محدثین
اس بارے میں اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ بعض محدثین نے روایت باللفظ کو ضروری
قرار دیا۔ جیسے عبدالملک بن عمر۔ ابوزرعہ۔ سالم بن جعدہ۔ قتادہ۔ امام مالک۔ ایک
ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے۔ لیکن اس کی پابندی کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔
اسی لئے عام محدثین نے روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ:-

ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی انما
هو المعنی (ترمذی۔ کتاب العلل)

اگر میں کہوں کہ میں تمہیں وہی سنا رہا ہوں جو روایت میں نے سنی ہے تو
میری تصدیق نہ کرو میں صرف معنی بتا رہا ہوں (الفاظ نہیں)

بعض صحابہ روایت بیان کرنے میں بہت محتاط تھے۔ اسی لئے ان سے کم
روائتیں منقول ہیں۔ اس بحث کا کچھ حصہ پہلے گذر چکا ہے۔

خبر احاد

ایک اور بحث جو کسی طرح غیر اہم نہیں ہے وہ خبرِ احاد کی بحث ہے۔ اس قسم کی روایات کے تسلیم و انکار اور یقینی و ظنی ہونے کے متعلق اہلِ فن کے درمیان اختلاف ہے۔

معتزلہ روایات احاد کے تسلیم کرنے سے منکر ہیں۔ لیکن ان کا یہ انکار بداہت کا انکار ہے ہمارے روزمرہ کے کام، ہزاروں روپے کا لین دین خبرِ احاد پر چلتا ہے۔ خبر احاد میں اعلیٰ درجہ کے یقین سے لے کر شک اور کذب تک تمام مراتب پائے جاتے ہیں۔ راوی کی شخصیت اور اس کے اعتبار کے متعلق ان میں سے کوئی مرتبہ ہمارے تجربے اور مشاہدے کی بنا پر متعین ہوتا ہے۔

لیکن بعض دفعہ واقعہ کی اہمیت اور اس کا غیر معمولی ہونا ہمیں معتبر سے معتبر راوی کی روایت قبول کرنے سے روکتا ہے۔ اور ایسے موقع پر ہم یا تو مزید اسی درجہ کی شہادت سے یقین تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا راوی کی سماعت یا بصارت کی غلطی پر محمول کر کے اسے قبول نہیں کرتے۔ یا راوی کی غفلت اور عدم توجہ پر محمول کر کے اس واقعہ کو رد کر دیتے ہیں۔

مثال نمبر ۱

ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعری حضرت عمرؓ کی خدمت میں گئے۔ اور تین دفعہ اجازت مانگی۔ جواب نہ ملا۔ واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے بلایا اور واپسی کا سبب دریافت کیا۔ ابو موسیٰ نے کہا میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے تین دفعہ اجازت چاہنے کے بعد اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت پر گواہ لاؤ۔ ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ حضرت ابو موسیٰ نے شہادت پیش کی تو جان بچی۔

مثال نمبر ۲

حضرت ابو بکرؓ کے سامنے ایک میت کی دادی نے میراث کا دعویٰ کیا حضرت ابو بکرؓ

نے فرمایا۔ قرآن میں دادی کی میراث مذکور نہیں اور نہ مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت معلوم ہے۔ مغیرہ بن شعبہ نے کہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چھٹا حصہ دلایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضہ نے فرمایا کوئی گواہ پیش کرو۔ مغیرہ نے محمد بن مسلمہ کو شہادت میں پیش کیا۔ انہوں نے مغیرہ کی روایت کی تائید کی تب حضرت ابوبکر رضہ نے اس عورت کو میراث دلوائی۔ (ملخص سیرۃ النبی ص۵۷)

انکارِ حدیث کے لیے حضرت عائشہ رضہ کے اپنے اصول

خلاف قرآن ہونا۔ ۱۔ جو روایت قرآن کے خلاف ہو وہ حضرت عائشہ رضہ کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔

مثلاً غزوۂ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نعشوں کے پاس کھڑے ہوکر فرمایا هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا۔ صحابہ رضہ نے عرض کی یارسول اللہ آپ مُردوں کو پکارتے ہیں۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا:۔

مَا انتم باسمع منهم۔ ولكن لا يجيبون۔ یہ روایت جب حضرت عائشہ رضہ سے بیان کی گئی تو انہوں نے کہا کہ "باسمع" نہیں بلکہ "باعلم" فرمایا تھا اس کے بعد حضرت عائشہ رضہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ الآية

اور:۔ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔

وہم پر مبنی ہونا

۲ جس روایت کی بنیاد اوہام پر ہو وہ بھی حضرت عائشہ رضہ کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً

حضرت ابوہریرہ رضہ کی یہ روایت کہ بدشگونی تین چیزوں میں ہے عورت، گھر، اور گھوڑا۔ اسے حضرت عائشہ رضہ نے سُنا تو فرمایا کہ ابوہریرہ رضہ نے پوری بات نہیں سنی۔ آپ یہ فرمارہے تھے کہ یہود کا یہ خیال ہے کہ بدشگونی......

فطری مسلمات کے خلاف ہونا

۳ جو روایت فطرت کے مسلمہ اصول کے خلاف ہو وہ بھی حضرت عائشہ رضہ کے لئے قابل قبول نہیں ہے ۔ مثلاً

حضرت ابن عباس کی یہ روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار خدا ئے عزوجل کو دیکھا ۔ المسروق تابعی نے حضرت عائشہ رضہ سے جا کر پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے ۔ تو حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا تم نے ایسی بات کہی جس کو سن کر رو نگٹے کھڑے ہو گئے ۔ جو تم سے یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ کہتا ہے ۔ پھر یہ آیت پڑھی :۔
لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار ۔ اور وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب ۔

معمولاتِ دین کے منافی ہونا

۴ ایسی شاذ روایت بھی حضرت عائشہ رضہ کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے جو معمولاتِ دین کے منافی ہو ۔ مثلاً

حضرت ابو ہریرہ رضہ کی یہ روایت کہ :۔
من لم یوتر فلا صلوٰۃ لہ ۔
حضرت عائشہ رضہ نے اسے سُنا تو فرمایا میں نے ابوالقاسم کو یہ کہتے سنا ہے اور مجھے اب تک یاد ہے کہ جو پانچ نمازیں وضو کے ساتھ وقت پر پورے رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرتا رہا اس میں کوئی کمی نہیں کی تو اس نے خدا سے عہد لے لیا کہ وہ اس پر عذاب نہ کرے گا ۔ اور جس نے کمی کی اس نے عہد نہیں لیا ۔ خدا چاہے تو بخشدے اور چاہے تو عذاب دے ۔

سہولتِ شرعیہ کے منافی ہونا

۵ جو حدیث سہولتِ شرعی کے منافی ہو وہ بھی حضرت عائشہ رضہ کے لئے قابلِ قبول

نہیں ہے ۔

جیسے حضرت ابن عمر رضؓ کا یہ فتویٰ کہ عورتیں ضروری غسل بال کھول کر کریں ۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا کہ ابن عمر کیوں نہیں کہہ دیتے کہ عورتیں اپنا سر منڈا دیں ۔ ہم آپؐ کے زمانے میں غسل کرتی تھیں اور بال نہیں کھولتی تھیں ۔

عظمتِ انسانی کے منافی ہونا

۶ وہ روایت بھی حضرت عائشہ رضؓ کے لیئے قابل قبول نہیں ہے جو عظمتِ انسانی کے منافی ہو ۔ مثلاً

ابو ہریرہؓ کی یہ روایت کہ اگر نمازی کے آگے سے گدھا یا عورت گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے ۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا عورتیں اس درجہ گر گئیں کہ گدھوں میں شامل ہوگئیں ۔ میں گھر میں لیٹی ہوئی تھی اور آپؐ نماز پڑھتے تھے ۔ بلکہ بعض دفعہ اپنے ہاتھ سے میرا پاؤں ایک طرف کر دیتے تھے ۔

عام ضابطہ شرعی کے منافی ہونا

۷ جو روایت عام ضابطہ ، شرعی کے خلاف ہو وہ بھی حضرت عائشہ رضؓ کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے ۔ مثلاً

حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی یہ روایت کہ اگر مجھے خدا کی راہ میں کوڑا بھی لگے تو وہ مجھ کو ناجائز بچے کے آزاد کرنے کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز بچے اگر غلامی کی حالت میں ہوں تو ان کو آزاد کرنا کوئی ثواب کا کام نہیں ہے ۔

جب حضرت عائشہ رضؓ کو ابو ہریرہ رضؓ کی یہ روایت معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا خدا ابو ہریرہ رضؓ پر رحم کرے نہ اچھی طرح سُنا اور نہ اچھی طرح ادا کیا ۔ اصل قصہ یہ ہے کہ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ ۔ کے بارے میں کسی نے کہا یا رسول اللہ صلعم ہمارے پاس لونڈیاں غلام کہاں ۔ کسی کے پاس کوئی حبشن ہے ۔ اس کو ناجائز عمل کی اجازت دیجائے ۔ اس سے

جو بچہ پیدا ہو اس کو آزاد کر دیا جائے ۔ تو ارشاد ہوا کہ مجھ کو خدا کی راہ میں ایک کوڑا بھی لگے تو مجھ کو اس سے زیادہ پسند ہے کہ اس بری بات کی اجازت دوں ۔ اور اس سے جو بچہ پیدا ہو اسکو کہوں کہ آزاد کرو ۔

خلاف عقل ہونا

۸ جو روایت عقل کے خلاف ہو وہ بھی حضرت عائشہ رضہ کے لئے قابل انکار ہے ۔ مثلاً

ابو ہریرہ رضہ کی یہ روایت کہ جو مُردے کو غسل دے اس کو غسل کرنا چاہیے ۔ اور جو جنازہ اٹھائے اسے وضو کرنا چاہیئے ۔ اسے حضرت عائشہ رضہ نے سُنا تو فرمایا رحم الله ابا عبد الرحمٰن سمع شيئًا فلم يحفظ ۔
ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں :- انكم لتحدثون من غير كاذبين ولا مكذبين ولكن السمع يخطى ۔

نتیجہ

نقدِ حدیث کے مندرجہ بالا اصول اور قواعد کے مطابق ہشام بن عروہ کی مبحوث عنہا ناقص روایت اصول حدیث کے خلاف اور قابل انکار ہے اس لئے کہ :-

روایت ہشام ضابطہ تخلیق الٰہی کے خلاف ہے

ہشام بن عروہ کی یہ ناقص روایت قرآن کے بتائے ہوئے کائنات کے تدریجی خلقت اور نشو و نما کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں کیا گیا ہے ۔ اور روزِ ازل سے انسان اس فطری ارتقاء پر زندگی گزارتا آرہا ہے ۔

۱ ان فى خلق السموت والارض واختلاف الليل والنهار لايت لاولى الالباب ۔

۲ والله اخرجكم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئًا وجعل

لکم السمع والابصار والافئدة لعلکم تشکرون ٥ الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ما یمسکھن الا اللہ ان فی ذلک لاٰیت لقوم یومنون ٥

۳ ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ٥ ثم جعلناہ نطفة فی قرار مکین ۔ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ۔ ثم انشانٰہ خلقًا اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ۔

۴ اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوة ثم جعل من بعد قوة ضعفا و شیبة ۔ یخلق ما یشاء ۔ وھو العلیم القدیر ۔

۵ واللہ خلقکم من تراب ثم من نطفة ثم جعلکم ازواجا ۔

۶ یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقا من بعد خلق فی ظلمٰت ثلٰث ۔ ذلکم اللہ ربکم لہ الملک لا الٰہ الا ھو ۔ فانی تصرفون

۷ ھو الذی خلقکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم یخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ثم لتکونوا شیوخا ۔

۸ فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا ۔ لا تبدیل لخلق اللہ ۔

۹ ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا ۔

۱۰ ایحسب الانسان ان یترک سدی ۔ الم یک نطفة من منی یمنی ۔ ثم کان علقة فخلق فسوی ۔ فجعل منہ الزوجین الذکر والانثی ۔

ان تمام مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ اس کائنات کے نظم و ضبط پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے ۔ اور اس کے بعد انسان کو اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ اتنا عجیب نظم بغیر کسی صانعِ حکیم کے نہیں ہو سکتا ۔ خصوصیت سے انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں ایک تدریج کا ذکر فرماتا ہے ۔ یہ تدریج قدرت کا ایک مستحکم نظم ہے ۔ اس نظم کو توڑ کر کائنات کا کوئی فرد باہر نہیں نکل سکتا ۔ انسان کی پیدائش عام طور سے نو مہینے میں ہوتی ہے ایک خاص مدت تک بچہ دودھ پیتا ہے ۔ پھر

۱) بیشک آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں۔ اہل عقل کے لئے۔

۲۔ اور اللہ تعالٰے نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اس نے تم کو کان دیئے اور آنکھ اور دل دیئے تاکہ تم شکر کرو۔ کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کے تلے میدان میں مسخر ہو رہے ہیں ان کو کوئی نہیں تھامتا بجز اللہ کے اس میں ایمان والے لوگوں کے لئے چند دلیلیں ہیں (النحل ۷۸)

۳۔ اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے یعنی غذا سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفے سے بنایا جو کہ ایک مدت معینہ تک ایک محفوظ مقام یعنی رحم میں رہا پھر ہم نے اس نطفے کو خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنایا۔ پھر ہم نے اس بوٹی کے اجزاء کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے (مؤمنون - ۱۴)

۴ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا کیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جاننے والا قدرت رکھنے والا ہے (روم ۵۴) اللہ نے تم کو منا مٹی سے پیدا کیا ہے پھر استقلالاً نطفہ سے پیدا کیا پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔ (فاطر - ۱۱) تم کو تمہاری ماں کے پیٹ میں ایک کیفیت سے دوسری کیفیت پر بناتا ہے۔ تین تاریکیوں میں یہ ہے تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی لائق حکومت نہیں سو ان دلائل کے بعد تم کہاں پھرے جا رہے ہو۔ (الزمر - ۶)

۷۔ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر تم کو بچہ کر کے ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے پھر تم کو زندہ رکھتا ہے تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ (غافر - ۶۶)

۸۔ جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہیں چاہیئے بس سیدھا دین یہی ہے۔ (روم - ۳۰)

۹۔ اور آپ خدا کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے ردوبدل نہ پاویں گے۔ (احزاب - ۶۲)

۱۰۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا یہ شخص ابتداء میں ایک قطرہ منی نہ تھا جو عورت کے رحم میں ٹپکایا گیا تھا۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالٰے نے اس کو انسان بنایا۔ پھر اعضاء درست کئے پھر اس کی دو قسمیں کر دیں نر اور مادہ (قیامہ - ۲۵)

دانت نکل آتے ہیں۔ کھانے پینے لگ جاتا ہے۔ پھر وہ عارضی دانت گر جاتے ہیں۔ قوای نشوونما پاتے چلے جاتے ہیں۔ ۱۲۔ ۱۴ سال کی عمر سے ایک اور تغیر شروع ہوتا ہے۔ قدرت نوعی اور جنسی افعال کی تکمیل کے لئے فرد کو تیار کرتی ہے۔ جوانی کی علامات اس میں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ مرد ہونے کی صورت میں داڑھی اور مونچھیں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ آواز بھاری ہو جاتی ہے۔ ناک کے نتھنے کھلنے اور ان میں بال اُگنے لگتے ہیں۔ بغل اور عانے پر بال آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ عورت ہونے کی صورت میں سینے میں ابھار پیدا ہونے لگتا ہے۔ ایام شروع ہو جاتے ہیں۔ جسم میں ایک خاص تناسب پیدا ہو جاتا ہے۔ غددِ نسوانی اپنا پورا کام شروع کر دیتے ہیں۔

کچھ عرصے تک انسانی قوای کمال کی حالت میں چلتے رہتے ہیں۔ پھر ان میں انحطاط آنا شروع ہو جاتا ہے۔ انسان جوانی سے بڑھاپے کی طرف لوٹتا ہے رفتہ رفتہ توالد و تناسل کی قوتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور ایک روز انفرادی حیثیت سے ختم ہو جاتا ہے۔

قدرت نے ہر نوع کے لئے علیحدہ علیحدہ ضابطے مقرر کئے ہیں۔ ہر نوع کے افراد اس ضابطہ کے مطابق پیدا ہوتے ہیں۔ جوان ہوتے ہیں۔ بوڑھے ہوتے ہیں۔ مر جاتے ہیں۔

جو لوگ انواع کا تجربہ رکھتے ہیں وہ بتلا سکتے ہیں کہ فلاں فلاں نوع میں بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے یہ ضابطے ہیں۔ اور توالد و تناسل کے یہ ضابطے ہیں۔ موسم اور آب و ہوا کے اختلاف کی بنا پر فرد کے حالات میں کچھ اختلاف ہو جاتا ہے۔ لیکن بہت زیادہ نہیں ہوتا۔ قدرت کے انہی ضابطوں پر شریعت کے بہت سے احکام موقوف ہیں۔ مثلاً قربانی کے جانور کے لئے ایک خاص عمر شرط ہے۔ زکوٰۃ میں جو جانور لئے جاتے ہیں وہ عمروں کے لحاظ سے لئے جاتے ہیں۔ ہماری شرعی زندگی میں یہ ضابطہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ پردے کے احکام۔ خلوت صحیحہ کے احکام مہر کے احکام۔ تکلیفاتِ شرعیہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ حدود کا قیام۔ جرائم کا ثبوت سب اسی ضابطے پر موقوف ہیں۔ بچہ تو کسی حکم کا مکلف ہی نہیں ہے۔ جب بالغ ہو جائے تب اس پر اعمال فرض

ہوسکتے ہیں۔
جب کسی فرد میں خاص علامات جسمانی جن کا شریعت نے اعتبار کیا پیدا ہوجاتی ہیں۔ تو اس پر احکام شرعیہ واجب ہوجاتے ہیں۔ لڑکی کو جب ایام شروع ہوجاتے ہیں، لڑکے کو جب احتلام ہونے لگتا ہے۔ علیٰ ہذا لڑکی میں قبول حمل کی صلاحیت اور لڑکے میں احبال کی قابلیت بلوغ کی علامات ہیں۔ لیکن اگر یہ علامات ظاہر نہ ہوں تو فقہاء نے تجربے اور مشاہدے کی بناء پر کچھ ضابطے مقرر کئے ہیں۔ جن سے کسی فرد کے بلوغ کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔
یہ بحث اگرچہ براہ راست ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی لیکن یہ واضح کرنے کے لئے کہ فقہاء نے بلوغ کی اوسط عمر کیا مقرر کی ہے۔ ہم ان اقوال کی روشنی میں اس روایت پر گفتگو کریں گے۔
یہ روایت چونکہ عمر کے قدرتی ضابطوں کے خلاف ہے۔ اس لئے اس پہلو سے اس پر گفتگو کرنا ضروری ہے۔

صغر و بلوغ کی فقہی بحث

الصغر وصف فی الانسان من ولادته الی ان یبلغ الحلم۔ وسبب الصغر عدم تکامل القویٰ الانسانیة البشریة مایعرف به بلوغ الصغیر۔ ویعرف بلوغ الصغیر تارة بالسن وتارة بعلامات تدل علی انه قد بلغ وان لم یبلغ حد السن المقرر فی بیان ذلك تفصیل المذهب۔

صغر انسان میں وہ وصف ہے جو پیدائش سے بالغ ہونے تک پایا جاتا ہے اور سبب صغر بشری قوائے نفسانیہ کی عدم تکمیل ہے۔ جن پر بلوغت مبنی ہے اور جن سے بلوغت پہچانی جاتی ہے۔ بلوغت کبھی عمر سے معلوم کی جاتی ہے اور کبھی ان علامات سے جو ظاہر کرتی ہیں کہ بچہ بالغ ہوگیا اور اگر مقررہ عمر تک نہ پہنچا ہو تو اس کے بیان میں تفصیل مذاہب

یہ ہے ۔

۱ حنفی نقطۂ نظر

الحنفية قالوا يعرف البلوغ فى الذكر بالاحتلام وانزال المنى واحبال المرأة ۔ وفى الانثى بالحيض والحبل ۔ فاذا لم يعلم شىء من ذلك عنهما فان بلوغهما يعرف بالسن فمتى بلغ سنهما خمس عشرة سنة فقد بلغ الحلم على المفتى به ۔ وقال ابوحنيفة انما يبلغان بالسن اذا تم الذكر ثمان عشرة سنة والانثى سبع عشرة سنة ۔

حنفیہ نے کہا مذکر میں بلوغ معلوم کیا جاتا ہے احتلام سے انزال منی سے اور عورت کو حاملہ کرنے سے اور مؤنث میں حیض سے اور حمل سے اور جب مذکورہ بالا علامات میں سے کوئی علامت بھی نہ پائی جائے تو عمر سے بلوغت کا حکم لگائیں گے جب دونوں کی عمر پندرہ سال ہو جائے تو وہ مفتی بہ قول کے مطابق بالغ ہو گئے اور امام ابو حنیفہ نے کہا وہ عمر کے لحاظ سے تب بالغ قرار دیئے جائیں گے ۔ جب مذکر اٹھارہ سال پورے کر لے اور مونث سترہ سال ۔

۲ مالکی نقطۂ نظر

وقال المالكية يعرف البلوغ بعلامات ۔ احدها انزال المنى مطلقا فى اليقظة او فى الحلم ۔ وثانيها الحيض والحبل وهو خاص بالمرأة ۔ وثالثها انبات شعر العانة الخشن ۔ اما الشعر الرقيق (الزغب) فانه ليس بعلامة ۔ ومتى نبت شعر العانة الخشن كان ذلك علامة على التكليف بالنسبة لحقوق الله من صلوٰة وصوم ونحوهما ۔ وحقوق عباد الله على التحقيق ۔ ورابعها نتن الابط ۔ خامسها فرق

الادنبة الانف۔ وسادسها غلظ الصوت۔ فاذا لم يظهر شيء من ذلك كان بلوغ الصغير بالسن۔ وهو ان يتم ثمان عشرة سنة وقيل يبلغ بمجرد الدخول في السنة الثامنة عشر۔

مالکیہ نے کہا بلوغت چند علامات سے پہچانی جاتی ہے۔

۱۔ پہلی انزال منی مطلقاً ہوتے ہیں مہیا جاگتے ہیں

۲۔ دوسرے حیض اور حمل یہ مخصوص ہے عورت سے اور

۳۔ تیسرے عانہ پر موٹے سخت بال اُگ آنا اور زُدیں کا پایا جانا علامت بلوغ نہیں ہے۔ جب سخت بال پیدا ہو جائیں تو یہ تکلیفات شرعیہ کو لازم قرار دیں گے۔ جیسے حقوق اللہ نماز روزہ وغیرہ اور حقوق العباد، تحقیق یہی ہے۔

۴۔ بغل میں بو کا پیدا ہونا

۵۔ پانچویں نتھنوں کا پھیل جانا

۶۔ چھٹے آواز کا پھٹ جانا۔ بھاری ہو جانا اور اگر ان علامات میں سے کوئی چیز ظاہر نہ ہو تو پھر عمر کے لحاظ سے بالغ کہیں گے۔ اور وہ یہ ہے کہ اٹھارہ سال پورے کر لے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اٹھارویں سال میں داخل ہوتے ہی بلوغت کا حکم لگا دیا جائے گا۔

۳ شافعی نقطہ نظر

والشافعية قالوا يعرف بلوغ الذكر والانثىٰ بتمام خمس عشرة سنة بالتحديد۔ ويعرف بعلامات۔ وذلك منها الامناء۔ ومنها الحيض في الانثىٰ۔ وهو ممكن اذا بلغت تسع سنين تقريبًا۔

شافعیہ نے کہا مذکر و مونث کا بلوغ پندرہ سال پورے ہوتے ہی ثابت ہو جائیگا۔ اور علامات سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ ان میں سے منی کا نکلنا اور مونث میں حیض کا آنا اور یہ ممکن ہے ۹ سال کی عمر میں۔

۴ حنبلی نقطہ نظر

والحنابلة قالوا يحسب بلوغ الصغير ذكرا كان او انثى بثلاثة اشياء . احدها انزال المنى يقظة او مناما سواء كان باحتلام اوجماع او غير ذلك . والثانى نبات شعر العانة الخشن الذى يحتاج فى ازالته الى الموسى . واما الشعر الرقيق (الزغب) فانه ليس بعلامة . الثالث بلوغ سنهما خمس عشرة سنة كاملة . وتزيد الانثى على الذكر شيئين احدهما الحيض وثانيهما الحمل .

حنابلہ نے کہا مونث ہو یا مذکر بلوغت کا حکم تین چیزوں کی وجہ سے لگایا جائیگا

۱۔ انزال منی سوتے یا جاگتے چاہے احتلام سے ہو یا جماع سے یا اور کسی طرح سے

۲۔ دوسرے عانہ پر سخت بال آجائیں جنہیں اُسترے سے صاف کرنے کی ضرورت ہو نرم بال علامت نہیں ہیں

۳۔ تیسرے دونوں کی عمر پندرہ سال کامل ہو جائے مرد کے مقابلے میں عورت میں دو علامات زیادہ ہیں حیض اور حمل ۔

سِنِ بُلوغ

تمام آئمہ مجتہدین نے اوسط عمر ۱۵ سال تسلیم کی ہے ۔ اگر علاماتِ بلوغ مکمل طور پر ظاہر ہوں تو عمر کی کوئی قید نہیں ہے ۔ لیکن اگر علامات ظاہر نہ ہوں تو سب نے بالاتفاق کم از کم پندرہ سال اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے ۱۷ سال اور اٹھارہ سال مقرر کی ہے ۔ اور سنِ رُشد کو اس سے بھی آگے جاکر تسلیم کیا ہے ۔ ۱۸ سے ۲۵ تک اس کی حد مقرر کی ہے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اُحد میں سے ان لڑکوں کو نکال دیا تھا

جن کی عمر ۱۵ سال نہیں تھی ۔ حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں شریک نہیں ہونے دیا کیونکہ میری عمر ۱۴ سال کی تھی اور جنگ احزاب میں شامل فرمالیا کیونکہ میری عمر ۱۵ سال ہوچکی تھی ۔ عام طور پر عامۃ الناس اسی عمر میں بالغ ہوتے ہیں اس لئے فقہاء نے اسی کو معتبر خیال کیا ۔

بلوغ فطری

فطرت حیوانی یہ ہے کہ بلوغ کے بعد ایک خاص زمانہ آتا ہے جس میں مادۂ حیوان کو تقرب کی خواہش ہوتی ہے ۔ ہر نوع میں اس کی علامات جُدا جُدا ظاہر ہوتی ہیں جو بعض حیوانات کے متعلق تجربے اور مشاہدے سے ہمیں بھی معلوم ہیں ۔ خصوصیت سے پالتو جانوروں میں ہر روز مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور تجربہ کی بنا پر بتایا جا سکتا ہے کہ جانوروں میں سے فلاں فلاں نوع میں بلوغت کی عمر یہ ہے ۔ اور خاص خاص نوع میں فلاں فلاں موسم توالد و تناسل کے ہیں ۔

بلوغ انسانی

انسان ایک متمدن ذی حیات ہے ۔ اس نے اپنی اس طبعی خواہش کو فطرت کے ہاتھ سے لے کر اپنے ارادے کے تابع کر لیا ۔ اس لئے سکونِ قلب کے ساتھ اپنے فطری جذبے کو جب پورا کرنے کا موقع ملتا ہے ۔ تو اس کے لیئے اپنے آپ کو تیار پاتا ہے ۔ لیکن یہ عمل یکطرفہ نہیں ہے ۔ بلکہ دو صنفوں کا برابر کا معاملہ ہے ۔ جب تک فریقین عمل توالد کے لئے تیار نہ ہوں ۔ اس کا انجام پانا مشکل ہے ۔ جب ایک فرد میں صلاحیتِ عمل ہی پیدا نہ ہوئی ہو ایسی صورت میں تکمیل عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ بلکہ مخالف صنف میں بھی باوجود صلاحیت کے جذبۂ عمل بیدار نہیں ہوتا ۔ یہ جذبہ فعل میں صلاحیتِ محل سے بیدار ہوتا ہے ۔ اور فریقین کی ملاطفت سے اس میں استحکام پیدا ہوتا ہے ۔

جن نا پختہ بچیوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ عمل تولید کے دواعی کیا ہیں وہ

بالغ آدمی کے لئے کس کام کی؟ ہم میں سے کسی نے آج تک نہیں سُنا کہ سلیم الطبع آدمی نے چھوٹی بچی سے تقارب کیا ہو۔ کسی غیر متمدن قوم کے عمل میں بھی یہ بات داخل نہیں۔ حتیٰ کہ افریقہ کے وحشی قبائل بھی اس سے نا آشنا ہیں۔ بلکہ چھوٹی بچی کے ساتھ یہ ظلم اور زحمت ہے۔ عامل کے لئے بھی بجائے استلذاذ کے اذیت کا سبب ہے۔ اور صنف مقابل کو بلا وجہ ذبح کرنے کے مترادف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب تاریخ میں ہم یہ واقعہ پڑھتے ہیں تو طبیعت میں تنگی محسوس کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا میلان چھوٹی بچیوں کی طرف ہو تو نفسیات کے نقطۂ نظر سے ایسے شخص کو ذہنی مریض تصور کیا جائے گا۔

مقصدِ بلوغ

زن وشوئی کا فطری مقصد بقائے نسل ہے۔ مگر قدرت نے افرادِ نوع سے یہ مشکل کام لینے کے لئے اس میں ایک لذت رکھدی ہے۔ اس لئے اس عمل کا مقصد فرد کی لذتیت کے سوا توالد وتناسل ہی ہے۔ جب محل میں صلاحیت ہی نہ ہوگی تو نہ فرد کو لذت حاصل ہوگی اور نہ فطرت کا مقصد تناسل ہی پورا ہوگا۔ اول تو اس حالت میں کوئی سلیم الطبع انسان اس عمل کے لئے تیار ہی نہ ہوگا۔ اور اگر غلطی سے کسی خبط الحواسی کا مرتکب ہو بھی گیا تو بعد میں اسے نادم ہونا پڑے گا۔

بلوغ اور متمدن اقوام

متمدن قوموں کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے۔ جو تسلسل اور باقاعدگی افعال کی وجہ سے ان کی فطرت بن جاتا ہے۔ ان کے رسم ورواج میں ایک تسلسل اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی ایک ایسے ضابطے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے کہ متمدن قوم کا ہر فرد شعوری اور غیر شعوری طریقہ سے اس سے ہٹنا پسند نہیں کرتا۔ ان کے رہنے سہنے۔ کھانے پینے۔ میل جول۔ آپس کے برتاؤ۔ کاروبار،

تعلیم و تربیت ، رشتہ داروں سے تعلقات ، بیاہ شادیوں کے رسم و رواج ۔ حتیٰ کہ مخصوص لباس اور مرنے جینے تک کی با قاعدہ رسوم اور ضابطے ہوتے ہیں ۔ اور اپنے وقت پر اپنی اپنی جگہ افراد قوم ان رسوم کو مشین کی طرح انجام دیتے ہیں ۔

متمدن قوموں میں بیاہ شادی اوائل عمر میں نہیں کی جاتی ۔ ان میں کم سنی کی شادی کا رواج نہیں ہوتا ۔ بلکہ جب بچے پختہ عمر اور پختہ ذہن کو پہنچ جاتے ہیں تب شادی کی جاتی ہے ۔ اس سے بھی بڑھ کر جب وہ کمانے کھانے لگ جاتے ہیں اس وقت شادی کی جاتی ہے ۔

بُلوغ اور تمدّن عرب

عرب اسلام سے پہلے ایک متمدن قوم تھی ۔ تجارت اس کا پیشہ تھا ۔ اب تک یہ بات ایک ضابطے کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ تجار سب سے زیادہ ہوشیار طبقہ ہوتا ہے ۔ عربوں کی تجارت ساری دنیا سے تھی ۔ وہ مشرقی ممالک سے بھی تجارت کرتے تھے ۔ اور مغربی ممالک سے بھی ۔ اصل میں اولادِ ابراہیم علیہ السلام ہونے کی وجہ سے چار ہزار سالہ ملّت ابراہیمی کے رسم و رواج اُن میں پائے جاتے تھے ۔ مہمان نوازی ۔ صلہ رحمی ، ضعیفوں اور غریبوں کی امداد ۔ نوائب حق پر اعانت ۔ پاس عہد ۔ شجاعت ان کی نمایاں خصوصیات تھیں ۔

ان کے ہاں شادی بیاہ کی پختہ رسوم تھیں ۔ طلاق کے قاعدے تھے ۔ مہر کی پابندی تھی ۔ نکاح کا عام اعلان کیا جاتا تھا ۔ عورتیں سرمایۂ عزت سمجھی جاتی تھیں ۔ برادری کی رائے کا پورا لحاظ کیا جاتا تھا ۔ نکاح کے بعد ولیمہ کا طریقہ تھا ۔ تعددِ ازدواج کا عام رواج تھا ۔ اولادِ نرینہ کو زندگی کا بہترین سرمایہ اور قوت کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا ۔

لڑکیوں کی شادی کی عمر ۱۸ سال سے لے کر تیس سال تک تھی ۔ لڑکے کی مالی حالت کو دیکھا جاتا تھا ۔ بڑھاپے کے نکاح کو عیب نہیں سمجھا جاتا تھا ۔ نکاح ثانی ایک عام بات تھی ۔ عورتیں غیرت مند اور فہم و ذکاء کی مالک تھیں ۔

قدیم تاریخ عرب میں بچپن کی شادی کا کہیں سراغ نہیں ملتا ۔ مُردے تک کی رسوم مقرر تھیں ۔ مُردے کو نہلانا ، کفنانا اور دفنانا سب کچھ مروّج اھ

مقرر تھا۔

اسلام نے ان کے معاشرتی ڈھانچے میں بہت کم تبدیلی کی ہے۔ جو اعمال روحِ اسلام کے منافی تھے ان کو ترک کر دیا اور جو اعمال روحِ اسلام سے متصادم نہیں تھے۔ ان کو جوں کا توں قبول کر لیا۔

عربوں کے متمدن ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کی زبان وسیع اور مختلف النوع کیفیات کی مظہر ہے۔ ایک ایک کیفیت کے لیے کئی کئی لفظ ملتے ہیں۔ اور کسی قوم کی زبان کی وسعت اس کے کمالِ تمدن کی دلیل ہوتی ہے۔ شعر ترقی یافتہ ذہن کا نتیجہ اور اثر ہوتا ہے۔ تنوعِ واردات اور جدّتِ افکار زبان کی وسعت کے اسباب بھی ہیں۔ اور آثار بھی۔ عرب کے اشعار کا ذخیرہ اس کے تمدن کا ریکارڈ ہے۔

متمدن قوم ہونے کی وجہ سے عرب میں صغرسنی کی شادی کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ کسی بھی متمدن قوم میں اس کا عام رواج نہیں ملتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں ۱۹۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۰ سال کی عمر میں کیں۔ جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں سِیَر کی کتابوں سے حوالے دے کر ثابت کریں گے۔

بلوغ اور اعاظمِ رجال

دنیا کے اعاظم رجال کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی اتنی کم عمر لڑکی سے شادی نہیں کی۔

دنیا کی تاریخ عورتوں کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ اور شاہی محلات کی سازشوں میں تو اس کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ مختلف شاہان وقت نے اپنے اپنے وقت میں سینکڑوں شادیاں کیں۔ لیکن ان کے محلات میں کسی کم سن لڑکی کی شادی کا وجود نہیں ملتا۔ یہ عمل اعاظمِ رجال کے کردار کے منافی اور ان کی بلند ہمتی کے خلاف ہے۔

بلوغ اور انبیاء سابقین

انبیاء سابقین کی کتابوں میں بہت کچھ تحریف ہوئی ہے لیکن کمسن بچی سے

تقارب کی کوئی آیت کسی آسمانی کتاب میں نہیں ملتی۔

بلوغ حضرت صدیقہ رض

حضرت عائشہ رض جسامت کے لحاظ سے دبلی پتلی تھیں۔ جیسا کہ ان کے اپنے بیان سے ظاہر ہے۔ اس لئے ایک نحیف الجثہ لڑکی کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کافی قبل از وقت بلوغ تک پہنچ جائے۔
اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ۹ سال کی عمر میں بالغ ہونا فطرت انسانیہ اور عادت اللہ کے خلاف ہے۔

روایت ہشام
احکام اتباع و عظمت رسول کے خلاف ہے

مندرجہ ذیل آیات میں اتباع و احترام رسول اور عظمت رسول کا سختی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔

۱ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین ٥
۲ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ۔
۳ فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۔
۴ الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبًا عندھم فی التوراۃ والانجیل۔ یامرھم بالمعروف و

ينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبت ويحرم عليهم الخبئث ويضع عنهم اصرهم والاغلل التى كانت عليهم فالذين امنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذى انزل معه اولئك هم المفلحون .

۵ قل ان كان اباؤكم وابناؤكم واخوانكم وازواجكم وعشيرتكم واموال ناقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها احب اليكم من الله ورسوله وجهاد فى سبيله فتربصوا حتى ياتى الله بامره . والله لا يهدى القوم الفاسقين . (توبه)

۶ النبى اولى بالمومنين من انفسهم وازواجه امهتهم (احزاب)

۷ لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الاخر وذكر الله كثيرا. (احزاب)

۸ ان الذين يوذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والاخرة واعدلهم عذابا مهينا . والذين يوذون المومنين والمومنات بغير مااكتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبينا . (احزاب)

۹ يايها الذين امنوا لا تكونوا كالذين اذوا موسى فبراه الله مما قالوا وكان عندالله وجيها . (احزاب)

۱۰ يايها الذين امنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبى ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض ان تحبط اعمالكم وانتم لا تشعرون . ان الذين يغضون اصواتهم عند رسول الله اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى . لهم مغفرة واجر عظيم. ان الذين ينادونك من وراء الحجرات اكثرهم لا يعقلون . ولو انهم صبروا حتى تخرج اليهم لكان خيرا لهم والله غفور رحيم . (حجرات)

۱۱ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی (النجم)

۱۲ وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔ (الحشر)

۱۳ یاایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا (احزاب)

بعثت برائے تزکیہ نفس

پہلی آیت میں خدا نے تعالیٰ اپنی خاص عنایت کا ذکر فرماتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی فرمائی کہ انہیں میں سے اپنا پیغمبر بھیجا جو انہیں قرآنی آیت سناتا ہے۔ جو سراسر موعظت پر مشتمل ہیں۔ ان آیات میں بہترین نظام زندگی ہے۔ قصص امم سابقہ ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کے مستحکم ضابطے ہیں۔ ترقی و تنزل کے اسباب واضح طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ جزاء و سزا کے عادلانہ احکام ہیں۔ انسانی نفس کے تزکیہ کے لئے صالح عقائد ہیں۔ معتدل اعمال ہیں۔ متوازن زندگی گزارنے کا جامع پروگرام ہے۔ اعمال سیئہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ان سے بچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ نفسانی بیماریوں کے دور کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ نبی نے معتدل زندگی کا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے لئے زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی پیش کی ہے۔ لوگوں کو علوم قرآن میں مہارت پیدا کروائی ہے۔ اور علم کے دریا بہا دیئے ہیں۔ حالانکہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

یہ ارشاد خداوندی بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ وبا کے دنوں میں کوئی مہربان حاکم کسی دانا حکیم کو مجرب نسخے اور کامل دوائیں دے کر بیماریوں کے علاج کے لئے بھیجے اور لوگ اس مہربان حاکم کی ہدایات پر عمل کر کے ہلاکت سے بچ جائیں۔

جسے خدا معلم الحکمت بنا کر بھیجے اس کے اقوال و اعمال سراسر حکمت کے مطابق ہوں گے۔ ان میں افراط و تفریط کا شائبہ تک نہ ہوگا۔

۱۔ درحقیقت اللہ تعالٰے نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کر وہ ان لوگوں کو اللہ تعالٰی کی آیتیں پڑھ پڑھ سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے۔ (آل عمران - ۱۶۴)

۲۔ پھر اگر تم کسی امر میں باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ (النساء - ۵۹)

۳۔ پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کر ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کر لیں (النسآء - ۶۴)

۴۔ جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر) جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی موصوف پر ایمان لاتے ہیں، ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں۔ جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔ (اعراف - ۵۶)

۵۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور یہ وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالٰے اپنا حکم (سزائے ترک ہجرت) بھیجدیں اللہ تعالٰی بے حکمی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا (توبہ - ۲۴)

۶۔ نبی مؤمنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔ (احزاب - ۶)

۷ اور تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔ (احزاب - ۲۱)

۸۔ بیشک جو لوگ اللہ تعالٰے اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں۔ اللہ تعالٰے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو، ایذا پہنچاتے ہیں وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں (احزاب ۵۸)

۹۔ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے کچھ تہمت تراش کر موسیٰ کو ایذا دی تھی سو اللہ

نبی کریم ؐ کے فرمان ہی معیار فیصلہ ہیں

انسان عبارت ہی جذبات و نفسیات سے ہے۔ انسان اور حیوان میں فرق یہ ہے کہ حیوانی زندگی میں کھانا پینا، اور توالد و تناسل ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن حیوان نفسیاتی زندگی سے عاری ہے۔ اور انسانی زندگی کی بنیاد ہی نفسیاتی زندگی پر ہے (اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ جذبات اور ان میں اعتدال رکھنے والی عقلِ حاکم) جب انسان کے دماغ پر کسی خاص جذبہ کا غلبہ ہوتا ہے اور دوسرے جذبات مغلوب ہوجاتے ہیں اور عقلِ حاکم بھی جذبے کی شدت کے سامنے بے بس ہو جاتی ہے پھر انسان اس غالب جذبے کی عینک سے ہر واقعے کو دیکھتا ہے۔ اور اس حالت میں اچھے اور بُرے کی تمیز نہیں کرسکتا۔ اپنی غلط بات اور اپنے غلط عمل کو بھی صحیح تصور کرتا ہے۔ اور ایسا سمجھنے اور کرنے پر انسان مجبور و مقہور ہوتا ہے۔ اس لئے ہماری زندگی میں لازمی طور سے ایسے ذریعے کی ضرورت ہے جو جذبات سے پاک ہو اور شدتِ جذبات کے وقت بے لاگ کسوٹی کا کام دے۔ اور ہم اپنے قول اور عمل کو اس کسوٹی پر پرکھ کر فیصلہ کر سکیں کہ ہمارا فلاں قول اور عمل صحیح ہے اور فلاں غلط ہے۔ وہ کسوٹی، خدا کا کلام اور رسول کی ذات ہے۔ اس لئے کسی جھگڑے کے وقت جب جذبات متلاطم ہوں۔ جھگڑے کی وجہ سے ذہنی فضا مکدر ہو۔ جذبات کی شدت میں آدمی نہ سوچ سکتا ہو اور نہ کچھ کرسکتا ہو تو اسے چاہیے کہ خود کچھ کرنے کی بجائے اپنا معاملہ خدا اور رسول کے سپرد کردے۔

دُنیا کھیل نہیں دارالعمل ہے

یہ کائنات بے مقصد نہیں ہے۔ یہ حیات و ممات قدرت کا محض کھیل نہیں ہے۔ یہ دنیا دارالعمل ہے۔ ہم جو کچھ یہاں کرتے ہیں اس کے ثمرات ہیں جو ہمیں آخرت میں بھگتنے ہوں گے۔

تعالیٰ نے ان کو بری ثابت کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک معزز تھے۔ (احزاب)

۱۰۔ اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔ اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو۔ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال برباد ہو جاویں اور تم کو خبر بھی نہ ہو بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے اور جو لوگ حجروں کے باہر سے آپؐ کو پکارتے ہیں۔ ان میں اکثروں کو عقل نہیں ہے اور اگر وہ ذرا صبر اور انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا کیونکہ ادب کی بات تھی اور اللہ غفور رحیم ہے (حجرات - ۵)

۱۱۔ اور نہ آپؐ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے (النجم ۴)

۱۲۔ اور رسول جو کچھ تم کو دے دیا کریں لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں۔ (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رک جایا کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے۔ (حشر)

۱۳۔ اے نبی ہم نے تم کو بے شک اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ مؤمنین کے بشارت دینے والے ہیں اور کفار کے ڈرانے والے ہیں۔ اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ روشن چراغ ہیں۔ (احزاب - ۴۶)

جب ہم نے اس نظریئے کو قبول کرلیا ۔ اور اس کے مطابق اپنی زندگی کا لائحہ عمل مرتب کرلیا تو وہ ذات جس نے زندگی کے لئے یہ لائحہ عمل دیا۔ اور وہ ماخذ جہاں سے ہدایات جاری ہوتی ہیں ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے ۔ اگر ہم اصل ماخذ ہدایات سے بے نیاز ہو جائیں تو یہ خسرانِ مبین ہے ۔ اور اگر اس کے فرستادہ رسول سے جو ان ہدایات کو عملی صورت دے کر دکھاتا ہے اور ہدایات خداوندی کا مجسم نمونہ بن کر ہمارے سامنے آتا ہے بے نیاز ہو جائیں تو زندگی کے سیدھے راستے سے ہٹ کر تباہی کا راستہ اختیار کریں گے ۔ اعاذنا اللہ منہ ۔

غرض ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر موقع اور ہر محل پر خدا اور رسول کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے ۔ اور ہر تنازعے اور ہر جھگڑے کے وقت خدا اور رسول کے احکام کے سامنے سر جھکا دیں ۔ اور ان کے فیصلے کو برضا و رغبت قبول کریں ۔

فرامینِ رسول ہی ماخذِ ہدایت ہیں ۔

تیسری آیت میں ہمارے ایمان کا معیار اور اس کی پہچان بتائی گئی ہے ۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور امت کے لئے صریح حکم ہے کہ جب تم نے خدا کے وجود اور رسولوں کے ارسال کے نظریئے کو قبول کرلیا تو جو ہدایات رسول لے کر آیا ہے اس کو اپنی زندگی کے رہنما اصول کے طور پر تسلیم کرو ۔ اور شرحِ صدر کے ساتھ قبول کرو ۔ رسول کے فیصلے کو آخری اور ناطق خیال کرو ۔ اور یہ سمجھو کہ اسی میں ہماری بھلائی ہے ۔ اگر ہم اس معاملے میں اس سیرۃ کا اظہار نہ کریں گے تو ردِ عملی کا شکار ہو جائیں گے ۔ زندگی متوازن رہنے کے بجائے غیر متوازن ہو جائے گی ۔ اور زندگی کے لئے ماخذ ہدایات خدا اور رسول نہ رہیں گے ۔ بلکہ ہمارا اپنا نفس ماخذِ ہدایات بن جائے گا ۔ جس کے پاس تاریکیوں اور ضلالتوں کے سوا کچھ نہیں ہے ۔ جس پر ہر وقت جذبات سوار رہتے ہیں ۔ اور جہاں چاہیں اسے کھینچ لے جاتے ہیں جو مطیۃ جذبات ہو وہ ماخذ ہدایات کیسے بن سکتا ہے ۔
پھر حکم یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ رسول کا فیصلہ ہی قبول کریں ۔ بلکہ اپنے خلاف فیصلے پر اپنی طبیعت میں انقباض بھی محسوس نہ کریں ۔ اور یہی سمجھیں

کہ ہم غلطی پر تھے ۔ اس فیصلے نے ہمیں سیدھا راستہ دکھلایا ۔ اور اندھیرے میں ہمیں اس فیصلے نے روشنی دکھائی ۔

جذبے سے مغلوب انسان میں یہ صلاحیت ہی نہیں رہتی کہ وہ صحیح فیصلہ کر سکے ۔ بلکہ صحیح فیصلہ قبول کرنے کی صلاحیت بھی ختم ہو جاتی ہے ۔ ایسے مواقع پر انسان کی قوتِ فیصلہ جواب دے جاتی ہے اور اسے طبعًا رہنمائی کی احتیاج محسوس ہوتی ہے ایسے ہی مواقع پر اپنے مخلص اور خیر خواہ لوگوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے ۔ اور ایسے وقت میں وہ ان کے مشورے اس لیئے قبول کرتا ہے کہ ایک تو وہ لوگ کسی خاص جذبے سے اتنے شدید متاثر نہیں ہوتے جتنا خود صاحبِ معاملہ ہوتا ہے ۔ دوسرے صاحبِ معاملہ کو ان کی خیر خواہی پر اعتماد ہوتا ہے ۔ حالانکہ ہمارے خیر خواہ بعض دفعہ ناقص معلومات کی بنا پر اور بعض دفعہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر اور بعض دفعہ صاحبِ معاملہ سے متاثر ہو کر ایسا مشورہ دیتے ہیں جو واقعہ میں مفید نہیں ہوتا اور آئندہ زندگی میں تجربہ اسے غلط ثابت کر دیتا ہے ۔ لیکن اس موقعہ پر خیر خواہوں کا غلط مشورہ قبول کر لیا جاتا ہے ۔

بھلا بتایئے تو کہ اللہ اور رسول سے زیادہ مومنین کا خیر خواہ کون ہے ۔ خدا عالم الغیب ہے ۔ کوئی امر اس سے پوشیدہ نہیں ۔ رسول کے متعلق خدا خود فرماتا ہے :۔ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۔ اس لیئے مومنین کے متعلق رسول کے فیصلے ہر حالت میں مفید ہیں ۔ اسی لیئے ہر حالت میں برضا و رغبت قابلِ قبول ہیں ۔ ان فیصلوں سے قطع نظر پوری زندگی میں ہمیں وہی راستہ اختیار کرنا چاہیئے جو رسول نے اپنے ارشاد و عمل سے معین فرما دیا ۔ فلاح و فوز کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے آپ کا اتباع ۔ اس زندگی میں ہمیں آپ ہی کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے ۔ آپ کے ہر عمل میں ہمارے لیئے اسوہ ہے ۔ اور ہماری کامیابی و سرفرازی اسی میں ہے کہ ہم آپ کی سنت سے سرِ مو انحراف نہ کریں ۔ الا یہ کہ کسی امر کو خود خدا تعالےٰ نے نبی کے لیئے خاص قرار دیا ہو ۔ خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۔

یہ آیت ۳ اگرچہ تنازعات اور خصومات کے لیئے اتری ہے لیکن یہ حکم پوری زندگی کے لیئے ہے کہ آپ کے ہر حکم کو بہتر سمجھ کر قبول کریں اور آپ کے ہر عمل کو بہتر سمجھ کر اختیار کریں ۔ نیز آپ کے ہر عمل کو آخری نمونہ

مور کریں ۔ نبی کی تما
ر جامع تصور کر کے

نبی کی کوف

چوتھی آیت میں
میں ذکر ہے ۔ اگر تم
پر ایمان لے آنا ضرو
یاد رہے کہ
اور رفع مضرت ، پر
ہوتا ہے کہ نفع
اس دنیا کی
لیئے ہیں جو مفید
امور کی اصل تو
کے ذریعے انسا
نسل انسانی کے
بڑوں کا ادب کر
کسی نظام کے
کرنا ۔ ظلم سے
یہ سب
نے ان کو بطور
یا مضر ہونے
ایسے امور
میں
تجربہ کے
" منک

تصور کریں ۔ نبی کی تمام زندگی بہترین اعمال سے عبارت ہے ، ہم آپ کے عمل کو جامع تصور کر کے اس پر اپنے عمل کی بنیاد رکھیں ۔

نبی کی کوئی تعلیم عالمگیر انسانی صداقتوں کے منافی نہیں

چوتھی آیت میں اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے کہ اس نبی کا ہماری سابقہ کتابوں میں ذکر ہے ۔ اگر تم انجیل پڑھتے ہو اور اس کو خدا کی کتاب خیال کرتے ہو تو اس نبی پر ایمان لے آنا ضروری ہے ۔

یاد رہے کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اس زندگی میں جلبِ منفعت اور رفع مضرت پر مجبول ہے ۔ ہر معاملہ میں انسان کا غیر شعوری احساس یہی ہوتا ہے کہ نفع حاصل ہو اور نقصان سے بچا رہے ۔

اس دنیا کی زندگی میں انسانی نسل نے تجربہ اور عمل سے کچھ امور متعین کر لئے ہیں جو مفید ہیں ۔ ان سے افراد کی بھلائی اور نسل کی بہتری وابستہ ہے ۔ ان امور کی اصل تو خدا کی ہدایات ہی ہیں جو اس نے ہر زمانے میں اپنے پیغمبروں کے ذریعے انسانی نوع کو دی ہیں ۔ لیکن یہی امور مسلسل تجربات کے بعد نسل انسانی کے مسلمات تسلیم کئے جاتے ہیں ۔ مثلاً حقوق العباد کا خیال رکھنا بڑوں کا ادب کرنا ۔ چھوٹوں پر شفقت کرنا ۔ والدین کی خدمت و اطاعت کرنا ۔ کسی نظام کے تحت زندگی بسر کرنا ۔ اچھی حکومت قائم کرنا ۔ جھوٹ سے پرہیز کرنا ۔ ظلم سے بچنا ۔ قتل ناحق کا مرتکب نہ ہونا ۔ چوری نہ کرنا وغیرہ ۔

یہ سب کلیے ایسے ہیں جو ثبوتِ صحت سے مستغنی ہیں ۔ نسل انسانی نے ان کو بطور مسلمات قبول کر لیا ہے ، ان کا حوالہ کافی ہے ۔ ان کے مفید یا مُضِر ہونے پر کوئی دلیل نہیں مانگتا ۔ اور نہ اس پر کوئی دلیل دیتا ہے ۔ ایسے امور جن کا افادہ بطورِ مسلمات انسان نے قبول کر لیا ہے ، شرعی زبان میں " معروف " کہلاتے ہیں ۔ اور جن امور کی برائی طویل تجربہ کے بعد بطور مسلمات تسلیم کر لی گئی ہے وہ شرعی زبان میں " مُنکَر " کہلاتے ہیں ۔

تو رسول کوئی نیا اصول لے کر نہیں آیا ۔ وہی پرانا سبق ہے جو یاد کرایا جا رہا ہے ۔

شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه کبر علی المشرکین ماتدعوھم الیه ۔ الله یجتبی الیه من یشاء ویھدی الیه من ینیب ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر رسولوں کی بنیادی تبلیغ ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی فرماتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں ۔ لوگوں کو اسی پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں ۔ یہ کوئی اوپری اور نئی بات نہیں ہے ۔ بلکہ نسل انسانی کے تجربات ہیں انہیں کو اپنا اصول بناؤ ۔ کھانے پینے میں جو چیزیں صحت بخش ہیں بدل ما یتحلل کی صلاحیت رکھتی ہیں ۔ تندرستی اور بقاء نوعی و شخصی میں ممد ہیں ان کے استعمال کی عام اجازت ہے ۔ یہ دنیا اور اس کی جائز پاکیزہ چیزیں ہمارے لئے ہیں ۔ لیکن جو چیزیں مضر صحت ہیں ۔ فرد اور نوع کی بقاء میں ممد نہیں ہیں ان سے منع کر دیا گیا ہے ۔ ہاں کچھ چیزیں اپنی ذات میں جائز ہیں ۔ لیکن ان کے حصول کا طریقہ صحیح نہیں ہے ان سے بھی منع کر دیا گیا ہے ۔ اگر غلط طریقوں سے حاصل کی ہوئی چیزوں کی اجازت دی جائے تو کھانے پینے کی راہ سے نہیں بلکہ غلط معاشرتی اور غلط تمدنی عمل سے انسانی زندگی اور نسل انسانی تباہ ہو جائے گی ۔ اس لئے ضروریات زندگی کے حصول کے طریقے متعین کر دیئے گئے ہیں جن میں نوع انسانی کی بھلائی اور فلاح ہے ۔ اور اس کے خلاف جو طریقے ہیں وہ تباہی کا موجب ہیں ۔ چوری کا مال حرام ہے ۔ ڈکیتی حرام ہے ۔ دھوکے سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ یا وہ چیزیں حرام قرار دیدی گئی ہیں جو کسی بنیادی عقیدے سے متصادم ہوں جیسے غیر اللہ کے نام کے کھانے ۔

خدا تعالیٰ نے یہ بڑی مہربانی فرمائی ہے کہ اپنے رسول کے ذریعے ان رسوم اور فضول عقائد سے نجات دلا دی جو نوع انسانی کی ترقی میں بڑی رکاوٹ تھے ۔ اور ہمارے ذہن کو ہر قسم کی غلامی سے آزاد کرا دیا ۔

صرف ایک خدا کے سوا اور سب کے سامنے رسوم عبودیت ادا کرنے سے آزاد ہو گئے ۔ اوہام اور ذہنی بیماریوں سے نجات دلادی ۔ زندگی کا کام اتنا آسان اور ہلکا ہو گیا کہ انسان اپنے آپ کو بیحد ہلکا محسوس کرنے لگا ۔

۵ - محبّت رسول ؐ کا غلبہ

پانچویں آیت میں ان بنیادی امور کا ذکر ہے جن سے جُدا رہ کر انسان زندگی نہیں گزار سکتا ۔ اور جو ہماری زندگی کے اعمال کے محرّکات اور محور ہیں ۔ ان سے آدمی راحت ولذت حاصل کرتا ہے ۔ یہ مایۂ افتخار و مباہات ہیں ۔ مگر اسلام نے ان چیزوں سے دلی تعلق کو بے لگام نہیں چھوڑا ۔ بلکہ ان کے متعلق بھی ایک ضابطہ بنا دیا گیا ہے کہ اگر یہ چیزیں خدا اور رسول کے راستے میں حائل ہیں زحمت اور مصیبت ہیں ۔ اور اگر حائل نہیں ہیں تو رحمت اور باعث خیر ہیں ۔

ہماری زندگی کے اول و آخر رہنما خدا اور رسول ہیں ۔ اور باقی چیزیں اس کے بعد ہیں ۔ اگر وسائل کی محبت خدا اور رسول کی محبت پر غالب آجائے تو ہم نے کھویا ہے کمایا نہیں ہے ۔ اور اگر خدا اور رسول کی محبت ان پر غالب ہے ۔ تو ہم کامران ہیں ۔

اگر تمہارے آباد اجداد جن پر تم فخر کرتے ہو ۔ تمہاری اولاد جو تمہاری زندگی کے ثمرات ہیں ۔ اور جن کو تم اپنی طاقت خیال کرتے ہو اور تمہاری ازواج جو تمہارے دل کی راحت ہیں اور وہ مال جو تم نے پیدا کیا اور وہ تجارت کہ جس کے فیل ہو جانے کا تمہیں ہر وقت ڈر رہتا ہے ۔ اور یہ تمہارے قلعے اور محل اگر خدا اور رسول سے زیادہ محبوب ہیں اور اعلائے کلمۃ اللہ کے راستے میں حائل ہیں تو یہ سب تمہارے لئے موجب خسران ہیں ۔

۶ - نبی اپنی ہر حیثیت میں واجب الاطاعت ہیں

آیت ۶ کا کچھ حصہ تیسری آیت کے ضمن میں گزر چکا ہے ۔ تم اپنے متعلق زیادہ بہتر نہیں سوچ سکتے ۔ رسول کی ہدایات مومنین کے لئے ان کے اپنے

سوچنے سے زیادہ بہتر ہیں ۔

انسان کی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے ۔ ایک اس کی اپنی ذات ہے ، اس کے متعلق سوچنا فرد کا معاملہ ہے ۔ دوسرے وہ معاشرہ ہے جس میں انسان رہتا ہے ۔ اس کے متعلق سوچنا زندگی کے اجتماعی امور کے متعلق سوچنا ہے ۔ ان دونوں زندگیوں میں ایک توازن ہے ۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ساتھ ساتھ رہتی ہیں ۔ لیکن اگر کہیں آکر دونوں زندگیاں متصادم ہوں تو اجتماعی زندگی کے تقاضوں کو بشرطیکہ وہ اسلام کے تابع ہوں ترجیح دی جائے گی ۔ اسی کا نام جہاد ہے ۔ نبی کی زندگی چونکہ عملی نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ امام ریاست کی زندگی بھی ہے اس لئے نبی دونوں حیثیتوں میں مطاع ہے ۔ اسی لیئے فرمایا کہ

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم ۔

نبی باپ جیسی شفقت رکھتا ہے اور امتیوں کا باپ ہوتا ہے ۔

۷ ۔ نبی کے تمام اقوال و اعمال معصوم عن الخطا ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر ہے ۔ ان کے ہر ہر عمل کو نمونہ سمجھ کر اپنی زندگی کا جزو بنالو ۔ اگر دین اور دنیا کی بھلائی چاہتے ہو ۔ نبی کے اقوال و اعمال معصوم عن الخطا ہوتے ہیں ۔ کسی عمل کا نبی سے سرزد ہونا ہی ثبوت ہے اس کا کہ یہ عمل خیر ہے ۔ کسی قول کا نبی کی زبان سے صادر ہوجانا ہی اس کی صحت کا ضامن ہے ۔ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کی عصمت کا اہتمام فرما دیا ہے تو اب یہ بحث ہی غلط ہو جاتی ہے کہ فلاں قول نبی صحیح ہے اور فلاں نہیں ہے ۔ اور فلاں عمل نبی درست ہے ۔ اور فلاں عمل نبی درست نہیں ہے ۔
ہم اپنی روزمرہ زندگی میں ذرائع کی حفاظت پر یقین کر کے اپنی زندگی کے اہم معاملات کو ان سے وابستہ کر لیتے ہیں اور ان پر بے دھڑک عمل کرتے ہیں حالانکہ ہمارے ان محفوظ طریقوں میں کتنی غیر محفوظ مثالیں ملتی ہیں ۔ کسی مشہور کمپنی کی دوا خریدتے وقت ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ کیا لیبل اور مہر درست ہے ۔ اس کے بعد ہم آنکھیں بند کر کے اسے خرید لیتے ہیں ۔ میونسپلٹی کے نلوں کا پانی محض اس اعتماد پر پیتے ہیں کہ کمیٹی نے اس کی صفائی اور حفاظت کا انتظام کیا ہے اور یہ

مفر صحت اجزا سے پاک ہے۔ بازار سے اس یقین پر سودا خرید کر لاتے ہیں کہ دکان دار پورا تول کر دیتا ہے۔ کیونکہ گورنمنٹ وزن کے بٹوں کی نگرانی کرتی ہے۔ ریلوں اور ہوائی جہازوں میں نہایت اطمینان سے سفر کرتے ہیں اس لئے کہ ہمیں یقین ہے کہ ڈرائیور اور پائلٹ اناڑی نہیں ہیں۔ کیونکہ گورنمنٹ نے یقین دلایا ہے کہ ڈرائیور ٹرینڈ رکھے گی وغیرہ وغیرہ۔

جب خدا تعالیٰ نے اپنا نبی بھیجا ہے تو یقیناً اس کے اقوال و اعمال معصوم عن الخطا ہیں۔ آنکھیں بند کر کے ہمیں اس کے ہر قول کو قبول کرنا چاہیے۔ اور اس کے ہر عمل کو اپنانا چاہیے۔

ہماری طبیعت میں زیغ ہو سکتا ہے۔ ہماری فطرت کج ہو سکتی ہے۔ لیکن نبی کے اقوال اور اس کے اعمال میں اعتدال اور خیر محض کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی لائی ہوئی ہدایت واضح اور روشن ہے۔

کتاب بغیر نبی کے چیستان ہوتی ہے۔ ہر شخص اس کی من مانی تعبیر کر سکتا ہے اپنے ذہن کے مطابق الفاظ کو اپنی پسند کے معنی پہنا سکتا ہے۔ لغت میں ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنے مقصد کے معنی اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن اگر نبی کا عمل اور نبی کا قول ان قرآنی معنی کے ساتھ ساتھ معلوم ہو تو پھر من مانی کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔ جس مجمل آیت کی تفسیر آپ نے خود فرمائی ہو وہ آنے والوں کے لئے حرف آخر ہے۔ یعلمھم الکتٰب والحکمۃ کے مطابق ہے۔

۷۔ نبی کا کوئی عمل فطرۃ اور معروف کے خلاف نہیں

قرآن نے جب رسول کے عمل کو اسوہ بنا دیا تو گویا اس پر صحت و عصمت کی مہر لگا دی۔ اب ہمارے لئے یہ تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کا عمل واقع میں صحیح ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ نبی اپنی امت کے لئے مطاع مطلق ہے۔ صرف یہ تحقیق کرنے کی ضرورت پیش آئے گی کہ آیا آپ نے یہ عمل کیا بھی ہے یا نہیں۔ یا جو قول ہمارے سامنے نبی کا قول بنا کر پیش کیا گیا ہے وہ حضور نے فرمایا بھی ہے یا نہیں۔ ثابت

ہو جانے کے بعد نبی کا ہر عمل اسوہ اور نبی کا ہر قول لائق قبول ہے۔ کسی مسلمان کے لئے جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہو یہ گنجائش ہی نہیں رہتی کہ آپ کے کسی عمل کے جواز کی صحت کو شک کی نظر سے دیکھے۔ آپ کا اسوہ ہر حال میں قابل اتباع ہے اور حجت ہے بلا دلیل ثابت ہے۔ محض یہ ثبوت کہ آپ نے ایسا کیا، ہمارے لئے کافی ہے۔ نبی کا کوئی عمل اور کوئی قول فطرتِ سلیمہ اور معروف کے خلاف ہوتا ہی نہیں۔

قرآن ایک ضابطۂ حیات ہے جس کی بنا پر ۲۳ سال کے عرصہ میں آپ نے ایک مسلم معاشرہ قائم کیا۔ جاہلیت اور اسلام کے درمیان ایک واضح خط کھینچ دیا آپ کی ۲۳ سالہ زندگی قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ نبیوں کے لئے خدا کی صیانت اور حفاظت ہی ان کے عمل کو خالص اور قابل اتباع بناتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے نمونہ ہیں۔ ہمیں اس اونچے معیار تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر نہ پہنچ سکیں تو یہ ہماری کوتاہی اور بدقسمتی ہے۔

۸ نبی کے کام میں دخل اندازی سنگین جرم ہے۔

ہم خدا تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے محکوم ہیں۔ اس کی اس وسیع کائنات میں ہماری حیثیت ایک ذرے سے بھی کم ہے۔ اگر تمام مخلوق مل کر باغی ہو جائے تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ نفس الامر میں کسی کو یہ قدرت ہی نہیں ہے کہ خدا کو نقصان پہنچا سکے۔ یا تکلیف دے سکے۔ خدا کی ذات اس سے وراء ثم وراء الوراء ہے۔

رسول خدا کا پیغام بر ہوتا ہے۔ وہ مامور ہے کہ خدا کے احکام لوگوں تک پہنچائے اور اپنی زندگی کو نمونے کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ نبیوں کے کسی کام میں ان کی اپنی کوئی ذاتی منفعت نہیں ہوتی، وہ تبلیغ کا کام ذاتی مصالح کی بنا پر انجام نہیں دیتے۔ اور کوئی دنیوی اجر ان کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ ان اجری الا علی اللہ۔ ان کی ساری جدوجہد اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ ان کی خوشی اور غمی کا پیمانہ بس یہی ہے۔

کہ اگر ان کی تبلیغ کا کام خاطر خواہ ہو رہا ہے تو وہ خوش ہیں۔ جو لوگ اس تبلیغ میں ان کے معاون ہیں وہ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور جو اس کام میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں وہ عنداللہ وعندالرسول مردود اور مغضوب ہیں۔ جب نبی صالح نظام کی بنیاد رکھتا ہے تو اس کی زد ان لوگوں کے مفاد پر پڑتی ہے جنہوں نے اپنے اقتصادی اور سیاسی ڈھانچے کو اپنے مفاد کے لئے مضبوط سماجی حلقوں میں کسا ہوا ہوتا ہے۔ اور عوام پر اپنی خدائی قائم کی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ لوگ انبیاء کے دشمن بن جاتے ہیں، ان کے تبلیغ واصلاح کے کام میں رکاوٹ پیدا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے۔ اس کی پاک سیرت پر حملے کرتے ہیں۔ اسے خود غرض بتاتے ہیں۔ اسے کاہن، ساحر اور مجنون کے خطاب دیتے ہیں اس کے خلاف یہ لوگ بے بنیاد افواہیں پھیلاتے ہیں۔ اور جب ان باتوں سے کام نہیں چلتا تو یہ مفاد پرست گروہ نبی کے خلاف سازشیں کرکے اس کو قتل کرنے کے منصوبے بناتے ہیں۔ اس کے قتل کے خفیہ اور علانیہ طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اور جب اس میں بھی ان لوگوں کو ناکامی ہوتی ہے تو اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر عوام کو اس بے داغ سیرت انسان کے خلاف بھڑکا کر میدان کارزار قائم کرکے عوام کو اس میں جھونک دیتے ہیں۔

انبیاء سابقین کی اور ان کے مخالفین کی یہی تاریخ ہے

؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اس کا تسلسل اسی طرح رہا ہے۔ نبی اور اس کے متبعین کے خلاف امکان بھر کوئی حربہ ایسا نہیں ہوتا جسے وہ استعمال نہ کرتے ہوں۔ ان مفاد پرست لوگوں کے دلوں میں بغض ہوتا ہے اور نبی کی لائی ہوئی روشنی سے انہیں سخت نفرت ہوتی ہے۔ اپنی اس عداوت اور نفرت کا اظہار وہ مختلف عنوان سے کرتے ہیں۔

اگر کوئی شخص حکومت کے کسی نمائندے کی سرکاری کام انجام دیتے ہوئے بےعزتی کرے یا اس کے سرکاری کام میں رکاوٹ پیدا کرے تو یہ بے عزتی حکومت کی بے عزتی تصور ہوتی ہے۔ اور حکومت اپنے تمام ذرائع اس توہین کے مرتکب کے خلاف استعمال کرتی ہے اظہار نفرت سے لے کر جرم کی آخری سزا تک اس کو نہیں بخشتی۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ نبی بھی احکم الحاکمین کا نمائندہ

ہوتا ہے ۔ اس لئے اس کے اصلاحی اور تبلیغی کاموں میں رکاوٹ مداخلت بکار سرکار ہے ۔ نبی کی ایذاء خود احکم الحاکمین کی ایذاء ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نبی کریم صلعم کی ایذاء کو اپنی ایذاء قرار دیتا ہے ۔ اور رسول کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی سے تعبیر کرتا ہے ۔

یہ ہے وہ ایذاء اللہ و ایذاء الرسول ۔ اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے خدا کی طرف سے کھلی بیزاری کا اعلان لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ ۔ یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو متبعین رسول کو محض اتباع کی وجہ سے تکلیف دیتے ہیں ۔ اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ان پر بے بنیاد بہتان طرازی کرتے ہیں ۔ اس پاک گروہ پر رکیک حملے کرنے کی وجہ سے کھلے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی سزا انہیں بھگتنی ہوگی ۔

آیت نمبر ۹

اس آیت میں جماعت کے لوگوں سے خطاب ہے اور انہیں ہدایت ہے کہ نبی کے ساتھ کس طرح کا تعلق رکھیں ۔ اس کا اتباع دل سے کریں ۔ اس کے ہر حکم کو بلا چون وچرا تسلیم کریں ۔ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے نبی کو تکلیف پہنچے ۔ اس آیت میں یہی کہا گیا ہے کہ اے ایمان والو موسےٰؑ کے متبعین کی طرح نہ ہونا کہ انہوں نے موسیٰؑ کو تکلیف پہنچائی

موسےٰ علیہ السلام کچھ روز کے لئے بنی اسرائیل سے جدا ہوئے تو بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ۔ جہاد میں چلنے کے لئے کہا گیا تو کہنے لگے :۔

فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون ۔ جماعت کے اجتماعی ذرائع سے فائدہ اٹھاتے رہنا ۔ لیکن جب جماعتی مفاد کے لئے قربانی مانگی جائے تو اس سے گریز کر جانا ۔ اپنی کمزوریوں اور نفسانی خواہشات کو چھپانے کے لئے نبی کے احکام کو ناقابلِ عمل بتانا منافقین کا شیوہ ہے ۔

۱۰ اتباع رسول مع ادبِ رسول

آیت نمبر۱ میں ہمارے ایمان کی کسوٹی پیش کی گئی ہے، جب ہم کسی کا اتباع کرتے ہیں اور کسی کے حکم پر چلتے ہیں تو اس کے پیچھے ایک ایسا ذہن ہوتا ہے جو اعمال کی اچھائی اور برائی کا فیصلہ پہلے کرلیتا ہے۔ اور حکم دینے والی ذات کے متعلق پہلے سے ایک مقام متعین کرلیتا ہے۔

ہمارے اعمال اور افعال کے پسِ پردہ ایک سیرت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی کو دیکھتا ہے اسی کا نام نیت ہے۔ اسی کو تقوای سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہر محرک جذبے کی کچھ علامات ہوتی ہیں۔ ان علامات کو دیکھ کر اس جذبے کے وجود اور اس کی خفت و شدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ نبی کے مقام کا پورا احترام ملحوظ رکھیں۔ حتیٰ کہ نبی کی مجلس میں ہماری آواز اور انداز گفتگو ایسا ہونا چاہیئے کہ جو نبی کے احترام کو ظاہر کرے۔ اتنے اونچے مت بولو کہ تمہاری آواز نبی کی آواز سے اونچی ہو جائے۔ اس سے حبطِ اعمال کا ڈر ہے۔ جو لوگ ان آداب کا خیال رکھتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے۔

یہ حکم آواز ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر وہ عمل جو جذبہ احترام اور جذبہ اتباع کی کمی کو ظاہر کرے باعثِ نقصان ہے اور حبطِ اعمال کا سبب ہے۔

اسی سے علماء نے یہ مسائل اخذ کئے ہیں کہ اہانت نبی کفر ہے۔ کیونکہ سلبِ ایمان کی دلیل ہے۔ دانستہ استکراہِ رسول کفر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص نبی کو معیارِ خیر نہیں مانتا بلکہ اپنی ذات کو معیار اور کسوٹی تسلیم کرتا ہے۔ اور نادانستہ ایسے افعال کا مرتکب ہونا جو موہم باستکراہ ہوں حبطِ اعمال کا سبب ہو سکتا ہے۔

مومنین کے متعلق آپس میں ایک دوسرے کے احترام اور جان و مال کو نقصان نہ پہنچانے کا حکم ہے۔ بلکہ بھلائی اور بہتری کا حکم ہے۔ اسی لئے کہا گیا۔ انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم۔ ان کے اموال اور نفوس کو محفوظ قرار دیدیا ہے۔ سباب المومن فسوق وقتالہ کفر فرمایا گیا۔

آیت نمبر۱۲

اس آیت میں فرمایا گیا کہ نبی کا ہر قول قابل اخذ اور اس کا ہر عمل لائق اتباع

ہے۔ اس لئے کہ وہ معصوم ہے۔ اس کا ہر قول اور عمل مؤید من اللہ ہے۔ اس کی صحت پر خدائی مہر ثبت ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ نبی جو حکم دے اسے کرو۔ اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ کیونکہ اس کے حکم کا ماخذ محفوظ ہے۔ ہر امر کے تمام اسباب خدا کے نزدیک روشن ہیں، جن امور سے روکا جاتا ہے ان سے رک جاؤ۔ خدا پر وہ تمام امور روشن ہیں جن کی وجہ سے تمہیں روکا جا رہا ہے۔ اسے پوری طرح معلوم ہے کہ ان ممنوع اعمال کے کرنے سے تمہیں کیا نقصان پہنچے گا۔

۱۳۔ نبی کے نورِ ہدایت کے سوا کہیں نور نہیں

یہ مضمون قرآن شریف میں کئی جگہ آیا ہے۔ اللہ تعالے آپ کو شاہد فرماتا ہے۔ کیونکہ اپنی امت کے اعمال پر آپ شہادت دیں گے۔ آپ مبشر ہیں۔ یعنی خوشخبری دینے والے۔ کہ اچھے اعمال کرنے والے اس کے ثمرات سے محروم نہیں رہتے، دوسری دنیا میں جب انسان کو اپنے اعمال کے نتائج قبول کرنے پڑیں گے۔ اگر اچھے اعمال کئے ہوں گے تو جزا اچھی ملے گی۔ اور اگر برے اعمال کئے ہوں گے۔ تو ان کی پاداش بھی برداشت کرنی پڑے گی۔ اچھے اعمال کے لئے آپ مبشر ہیں۔ اور برے اعمال کے لئے نذیر ہیں۔

پھر ارشاد ہے کہ آپ سراج منیر ہیں۔ آپ ہدایت کے چمکتے ہوئے سورج ہیں۔ ہدایت کا تصور آپ کی ذات کے بغیر محال ہے۔ روشنی اور نورانیت کلیتہً آپ کی ذات سے وابستہ ہے۔ اگر کوئی شخص روشنی کا طالب ہے تو آپ سے رجوع کرنا لازمی اور لابدی ہے۔ یہ جنس گراں مایہ کہیں اور دستیاب نہیں ہو سکتی۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز در پئے مصطفیٰ

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ تمام آیات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱ - خدائے تعالیٰ سرچشمہ ہدایت ہے۔

۲ - نبی ان ہدایات کا معصوم ذریعہ ہے۔ اس کے قول اور عمل میں کوئی کھوٹ

شامل نہیں ہوسکتا ۔ ہر حالت میں قابل اخذ اور لائق اتباع ہے ۔

۳ ۔ نبی معروف کا حکم دیتا ہے ۔ منکر سے روکتا ہے ۔ اس کے تمام اقوال واعمال معروف پر مشتمل ہیں ۔ اس کے اقوال و افعال میں منکرات ہرگز نہیں پائے جاتے ۔

۴ ۔ نبی اور نبی کے احکام ہر چیز پر مقدم ہیں ۔ نبی کی محبت تمام محبتوں کا سرتاج ہے ۔ ہر محبت نبی کی محبت سے مغلوب رہنی چاہیے ۔

۵ ۔ ہر جذبے کی کچھ علامات ہوتی ہیں ۔ اس جذبۂ محبت اور جذبۂ اطاعت کی علامات کا اظہار ہونا چاہیے ۔ اس کی مخالف علامات کا صدور اگرچہ نادانستہ ہی کیوں نہ ہو حبطِ اعمال کا سبب ہے ۔

۶ ۔ ہمارے ہر ذوق کے کمال کی یہ کسوٹی ہے کہ ذوقِ رسول سے مطابق ہو جائے ۔

ربطِ بحث

اس ساری مفصل بحث کا ربط ہمارے مدعا کے ساتھ یہ ہے کہ :۔

چونکہ ہمارے لئے مشکل ہے کہ ہم ہر قول اور ہر عمل رسول کے متعلق تعین کے ساتھ یہ معلوم کرلیں کہ آیا یہ قول حقیقت میں قولِ رسول ہے یا نہیں ۔ اور عمل کے متعلق یہ معلوم کرلیں کہ آیا حقیقت میں یہ عمل رسول ہے یا نہیں ۔

محض سند کے سہارے کسی قول کو قولِ رسول اور عمل کو عملِ رسول ثابت کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہم خیال کرتے ہیں ۔ سند کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی ہوتا ہے جو طبیعت میں اعتماد پیدا کرتا ہے کہ یہ قولِ رسول ہے اور یہ عمل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۔

اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ روایت کا سند کی صحت کے باوجود مندرجہ ذیل صفات سے متصف ہونا ضروری ہے ۔

۱ ۔ کلام مسند از قسم کلام رسول ہو ۔ رسول کے دیگر ثابت شدہ کلام سے مغائر نہ ہو ۔

۲ ۔ عمل مسند ۔ رسول کے دیگر ثابت شدہ اعمال سے مطابقت رکھتا ہو ۔

۳ ۔ اس کے الفاظ لسان ترجمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ہوئے الفاظ

کے ہم پلہ اور معیاری ہوں ۔ رکیک المعنی نہ ہوں ۔ (اگر روایت باللفظ ہو)

۴۔ اس کا مفہوم اور مطلب وہی فخامت وعظمت رکھتا ہو جو عموماً کلامِ رسول میں پائی جاتی ہے ۔

۵۔ اس کلام یا عمل سے نبی کی عظمت جھلک رہی ہو ۔

۶۔ کسی بنیادی عقیدے سے متصادم نہ ہو ۔

۷۔ نبی کی سیرت یا عظمت کو داغدار نہ کرتا ہو ۔

۸۔ ایسا کھرا سونا ہو کہ کسوٹی پر پورا اترتا ہو ۔

۹۔ اس کلام میں روشنی اور نورانیت ہو ۔ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال کے مصداق ایسا ہیرا ہو جس کی چمک خود ہی اپنا ثبوت ہو ۔

۱۰۔ فطرتِ انسانی سے ہٹا ہوا قول یا عمل نہ ہو ۔ جس کے کرنے یا کہنے سے فطرتِ انسانی ابا کرتی ہو ۔

ایک مفید اخلاقی بحث

انسانی عمر کے دور مختلف ہوتے ہیں اور ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں ۔ ادوار کے اختلاف کے لحاظ سے اس کے فطری تقاضے بھی بدل جاتے ہیں ۔ بچپن کا کچھ تقاضا ہوتا ہے ۔ جوانی کے تقاضے دوسرے ہوتے ہیں ۔ بڑھاپے میں انسان بچپن اور جوانی کے اثرات سے آزاد اور بڑھاپے کے تقاضوں میں محصور ہوتا ہے ۔

انسانی زندگی کے مختلف دور

۱۔ بچپن میں ناپختگی ذہن کی وجہ سے بیشتر اعمال تقلیدی ہوتے ہیں جسم بالیدگی کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ اس لئے بچے قدرتاً بھاگ دوڑ اچھل کود میں مصروف رہتے ہیں ۔ جوانی میں نئی قوتیں ابھر آنے کی وجہ سے ان کے تقاضوں کے زیر اثر آجاتا ہے ۔ نئی امنگیں اور نئے جذبات اسے اٹھائے پھرتے ہیں ۔ رفتہ رفتہ

ان جذبات میں اعتدال آنا شروع ہو جاتا ہے۔ زندگی کی ذمہ داریاں انسان کو سنجیدہ بنانا شروع کر دیتی ہیں اور انسان کے مزاج میں اعتدال آنا شروع ہو جاتا ہے۔ کہولت میں کچھ تو اضمحلال آجانے کی وجہ سے کچھ طبعاً جذبات کے بار بار تکمیل پا جانے کی وجہ سے طبیعت دھیمی ہو جاتی ہے اور اعمال میں شدت اور تیزی کے بجائے ایک نرمی اور سکون پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بڑھاپا آنے کے بعد انسان مجسم سکون ہو جاتا ہے۔ ساری عمر کے تجربات کا پشتارا اس پر لدا ہوتا ہے۔ اس لئے احتیاط وحزم اس کے افعال و اعمال میں نمایاں نظر آنے لگتے ہیں۔ اس لحاظ سے عمر کے ایک دور کے اعمال دوسرے دور سے مختلف ہوتے ہیں۔ کچھ معاشرتی تقاضوں سے اور کچھ سوسائٹی کے دباؤ سے جذبات کی تسکین کے راستے متعین ہوتے جاتے ہیں۔ ان متعین طرق سے باہر اگر کوئی شخص قدم رکھتا ہے تو معاشرہ اسے پسند نہیں کرتا اور بعض صورتوں میں تو اجازت ہی نہیں دیتا۔

عمر کے لحاظ سے اعمال و عادات کا تعین پورے معاشرے کے ذہن پر ثبت ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص بچوں میں گولیاں کھیلتا نظر آئے تو ہر دیکھنے والا اس کے بچہ ہونے کا فتویٰ لگا دیتا ہے۔ یا مثلاً کوئی جوان آدمی سڑکوں پر گھیرا دوڑتا نظر آئے تو یا تو ہم اسے نیم پاگل تصور کریں گے یا کہیں گے کہ اس کے دماغی قویٰ کی ابھی تک تکمیل نہیں ہوئی۔ زبان کے محاوروں اور کہاوتوں تک میں معاشرے کے اس اجتماعی ذہن کا بیان موجود ہے۔ (یعنی ادوار کے فرق کا) مثلاً بوڑھی گھوڑی لال لگام۔ سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شریک ہونا۔ وغیرہ۔

تسلت عمایات الرجال عن الصبیٰ
ولیس فوادی عن هواک بمنسل
فقالت یمین الله ما لک حیلةٌ
وما ان اری عنک الغوایة تنجلی

ایک بوڑھا آدمی جوانوں کے طور طریقے اختیار کرے تو معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ پھر طفولیت، جوانی اور بڑھاپے کے اعمال میں بھی درجات ہوتے ہیں۔ ہر دور میں اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ تینوں قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں۔

لوگوں کے اعمال و افعال سے ان کے اقوال و گفتار سے ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے ۔ اور ان کے مقام کو متعین کیا جاتا ہے ۔ یہ محض الفاظ ہی نہیں ہیں کہ جس پر چاہو ان کا اطلاق کر لو ۔ بلکہ شریف ، رذیل ، لئیم حلیم ، سخی بخیل ، شجاع و جبان انسانی کوائف ہیں اور پھر ان کوائف میں بھی درجات ہیں جو لوگوں کے افعال سے متعین کئے جاتے ہیں ۔

غرض انسانی حرکات و سکنات ذہنی کوائف کے نتائج ہیں ۔ اور تمام افعال و اعمال ذہنی کوائف کے معلول ہیں ۔ دو چیزوں میں علت و معلول کا تعلق دو لزوم کے وجود اور لزوم کو ظاہر کرتا ہے ۔

یہ اعمال و افعال اپنی ذات میں ایک مستحکم شہادت رکھتے ہیں کہ کس درجے کے انسان سے یہ سرزد ہوئے ہیں ۔ علیٰ ہذا اقوال ، کلام کرنے والے کی ذہنی کیفیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں ۔ اور تمام قومیں اس ضابطے سے شعوری طور پر واقف ہیں ۔ بیشتر اعمال و اقوال سے عمر کے ادوار کا تعین اور درجے کا تعین کیا جاتا ہے ۔ مثلاً آپ کے سامنے کوئی عشقیہ داستان بیان کی جائے اور اس داستان میں جنسی دواعی کی تسکین اور بیان کا بھونڈا طریقہ نظر آئے تو آپ یہ معلوم کئے بغیر کہ حضرت عاشق کی عمر کیا ہے یہ فیصلہ دیدیں گے کہ یہ کسی جوانی کے دور کی داستان ہے ۔ اور یہ شخص اس دور کے ادنیٰ درجہ میں شامل ہے ۔ اگر آپ کو یہ بتلایا جائے کہ یہ ایک بوڑھے آدمی کی داستان ہے یا ایک پیر یا لیڈر یا مذہبی پیشوا کی داستان ہے تو اول تو آپ تسلیم ہی نہیں کریں گے ۔ اور اگر یقین کی حد تک آپ کو شہادت مل جائے تو آپ اس پر تمام انسانی عیوب کا لیبل لگا کر اور ذہنی مریض قرار دے کر اس قصے ہی کو ختم کر دیں گے ۔

ہم فلسفے کی ان پیچیدہ بحثوں میں الجھنا نہیں چاہتے کہ اعمال کی صحت اور اچھائی کا کیا معیار ہے ۔ اور اس کے اسباب کیا ہیں ۔ اگر ہم اس بحث میں پڑ جائیں تو یہ مضمون فلسفۂ اخلاق پر ایک خشک مضمون ہو جائے گا ۔ اور اس کا افادہ بھی کم ہوگا ۔ ویسے بھی یہ ہمارے مضمون سے بلا واسطہ تعلق نہیں رکھتا ہے ۔

ہر دور کے مسلمہ معروفات

ہمیں تو صرف اس بات سے غرض ہے کہ کچھ اعمالِ انسانی اپنی ذات میں ایسے

ہیں جن کو معاشرے کے اجتماعی شعور نے مکارمِ اخلاق میں بطور مسلمات شامل کرلیا ہے۔ جن لوگوں سے یہ اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ لوگ صاحب مکارمِ اخلاق ہیں۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ معاشرے کی نظر میں ان کا سماجی مقام ہو یا نہ ہو۔ اور کچھ اعمال اپنی ذات میں ایسے ہیں کہ ان کو رذایل اخلاق میں بطور مسلمات شامل کرلیا گیا ہے۔ اور جن لوگوں سے وہ اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ رذائل اخلاق کے مرتکب ہیں۔ اور شر الدواب ہیں۔ خواہ ان کا سماجی مقام کتنا ہی بلند ہو۔

جن لوگوں سے مکارم اخلاق کا صدور ہوتا ہے وہ منبع خیر ہیں اور جن سے رذائل اخلاق کا صدور ہوتا ہے وہ منبع شر ہیں۔

منبع خیر سے صدورِ شر نہیں ہو سکتا

مکارمِ اخلاق کے حاملین کی ذہنی کیفیت رذائل اخلاق کے حاملین کی ذہنی کیفیت سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ ان دونوں میں علاقۂ تضاد ہے۔ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ منبع خیر منبع شر نہیں ہو سکتا۔ اور منبع شر منبع خیر نہیں ہو سکتا۔

یہ تصور بالکل غلط ہے کہ ہر عمل ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔" اور ایک شخص سے ایک عملِ خیر، پھر اس کے فوراً بعد ایک عمل شر۔ پھر عمل خیر۔ پھر عملِ شر کا صدور ہو سکتا ہے" جو ذہنی کیفیت خاص قسم کے عمل کا تقاضا کرتی ہے اس سے ایک ہی قسم کے اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ جس ذہنی کیفیت کو ہم نے خیر سے تعبیر کیا ہے اُس سے مسلسل ان اعمال کا صدور ہوگا جو اس خاص ذہنیت، کا تقاضا ہیں یعنی اعمال خیر کا۔ لہذا منبع خیر سے ہمیشہ اعمال خیر ہی سرزد ہوں گے۔

اسی طرح اس کے مقابل دوسری ذہنی کیفیت سے قطعاً پہلی ذہنیت کے خلاف اعمال سرزد ہوں گے۔ اس مخالف کیفیت کو ہم نے شر سے تعبیر کیا ہے۔ جو اعمال اس کیفیت کے نتیجے میں سرزد ہوں گے وہ شر ہی ہوں گے۔

غرض منبع شر سے شر ہی سرزد ہوگا۔ اس لئے کہ "گندم از گندم

بروید جوٗ از جوٗ " البتہ بعض اعمال خیر اپنی ظاہری شکل وصورت میں بعض دفعہ اعمالِ شر سے مشابہ ہو جاتے ہیں ۔ اور ہمارے لئے اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ عمل خیر ہے یا عمل شر۔ لیکن اگر اس کے منبع کا پتہ لگ جائے تو ہم فوراً فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ عمل خیر ہے یا عمل شر ۔

مثلاً قتل ایک عمل شر ہے ۔ لیکن قتل بالحق نہ صرف ضروری ہے بلکہ فروغِ زندگی اور سکونِ زندگی ہے ۔ ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب لعلکم تتقون ۔

اعمال خیر کا اپنا ایک پورا شجرہ ہے ۔ اور اسی طرح اعمال شر کا بھی ایک پورا شجرہ ہے ۔ یہ دونوں شجرے علیحدہ علیحدہ ہیں ۔ ان کو دیکھتے ہی ہم پہچان سکتے ہیں کہ یہ عمل اعمال کے فلاں فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے ۔ کوئی عمل شر خواہ کتنا ہی بہروپ بھر لے اور اعمال خیر میں شامل ہونے کی کوشش کر لے لیکن وہ اپنے بنیادی خدوخال کی وجہ سے پہچان لیا جائے گا ۔ اسی طرح عمل خیر کو کہیں بھی چھپا دیا جائے ۔ دیکھتے ہی پہچان لیا جائے گا کہ یہ عمل خیر ہے ۔

انبیاء کی تعلیم کا ایک حصہ یہی مسلمات انسانیت ہیں اور مکارمِ اخلاق پر مشتمل ہیں ۔ الحکمۃ ضالۃ المومن سے اسی طرف اشارہ ہے ۔

اطاعتِ رسول کا حکم شعوری اور اختیاری ہے

ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ ...... کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا اور رسول کے احکام "بمے سجادہ رنگین کن ..." قسم کے ہیں ۔ بلکہ نبی کے احکام کے عقلی پہلو اتنے روشن ہوتے ہیں کہ صاحبِ عقل ان کی روشنی کو محسوس کرتا ہے ۔ اور اسی لئے بطیبِ خاطر انہیں قبول کرتا ہے ۔ نبی کا کوئی حکم انسانی فطرت اور عقلِ سلیم کے خلاف نہیں ہوتا ۔ نبی کے قول اور اس کے عمل کے نتائج روز روشن کی طرح واضح ہوتے ہیں ۔ ہمیں انہی اعمال کا حکم دیا گیا جنہیں ہم آسانی کے ساتھ پورا کر سکیں ۔ اور فطرت میں ان کے لئے ابا نہ ہو ۔

البتہ کچھ امور ایسے بھی ہیں کہ ہم کسی حیثیت سے ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ وہ امور عقل کی گرفت سے آزاد اور حواس کی سرحد سے باہر کے امور ہیں۔ ان کا تعلق محض اعتقادات سے ہے۔ بس مان لینے کی بات ہے۔ چونکہ ہمارے ان محرکات، کا نامعلوم رشتہ ان امور سے وابستہ ہے جن کا ادراک ہم نہیں کر سکتے اس لئے ان کا ماننا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ اس زندگی اور احکام کے ماخذ اور اس کائنات اور اس کے خالق میں ربطِ واقعی کا اظہار ہو۔ اور انسان کی زندگی بامقصد مسلسل اور مربوط ہو۔ انسان ایسے تمدن کی بنیاد رکھے جس کی کوئی ابتدا اور جس کی کوئی انتہا ہو اور انسانی اعمال کا کوئی محور ہو۔ اس کے اچھے اور برے کی کوئی کسوٹی ہو۔

نبی کی اصلی ضرورت اسی پوشیدہ حصے کی وجہ سے ہے جس تک کسی طرح ہماری رسائی نہیں۔ ہم کسی طرح بھی اس حالت میں نہیں ہیں کہ نبی جو غیب کے امور بیان کرتا ہے۔ اس کی تکذیب کر سکیں۔ ہاں تصدیق کرنے کی بھی کوئی حسی بنیاد نہیں ہے۔ لیکن نبی کا دعوائے نبوت خلاف عقل نہیں۔ اور نبی کا کوئی حکم، نبی کا کوئی قول و عمل خلاف فطرت اور خلاف عقل نہیں۔ نبی کی پاکیزہ زندگی اس کے منبع خیر ہونے کو ظاہر کر رہی ہے۔ اور ان امورِ غیب کے ماننے سے زندگی بامقصد ہو جاتی ہے۔ صالح تمدن وجود میں آتا ہے۔ اس لئے صاحبِ عقل اسے تسلیم کرتا ہے اور اس کے فوائد سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ زندگی کے عام معاملات میں نبی کا کوئی حکم ایسا نہیں جو انسانی تجربات، مشاہدات اور انسانی فطرت کے خلاف ہو۔ اور ذوقِ سلیم پر بار ہو۔

البتہ بعض واقعات ایسے ہیں جن تک ہماری محدود عقل کی رسائی نہیں، ہمیں نبی کے نورِ نبوت سے روشنی حاصل کرنی چاہیئے۔ اور نبی کی خیر خواہی اور اس کے معصوم ذریعے پر بھروسہ کر کے ایسے واقعات کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔

جب تک اعمال و افعال ان غیب کے سرچشموں سے سیرابی حاصل کرتے رہیں گے وہ سرسبز و شاداب رہیں گے۔ وہ سدا بہار پھول ہوں گے۔ ان کی خوشبو سے معاشرہ معطر رہے گا۔ اور جب اعمال کا رشتہ ان غیبی منبعوں سے منقطع ہو جائے گا تو اعمال کی روح ختم ہو جائے گی۔ اور

یہ کاغذی پھول بن جائیں گے۔ جو جاذبِ نظر تو ضرور ہوں گے لیکن ان میں طراوت، بالیدگی اور خوشبو نہ ہوگی جو جانِ بہار ہے۔

انسان کے اعمال اور ان کے عقائد کا رشتہ بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ درخت اور اس کی جڑیں۔ درخت سامنے اور مرئی ہوتا ہے اور جڑیں پوشیدہ اور غیر مرئی ہوتی ہیں اور وہ غذا جو درخت جڑوں کے ذریعے حاصل کرتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ غیر مرئی ہے۔ اگر یہ جڑیں کاٹ دی جائیں اور خشک ہو جائیں تو درخت بھی خشک ہو جائے گا۔ اور اس کی تمام زندگی ختم ہو جائے گی۔ خشک حالت میں شاید کچھ دیر کھڑا رہے لیکن زندہ حالت میں نہیں بلکہ مردہ صورت میں۔

کلامِ نبوت کی شناخت

جو لوگ اقسامِ کلام کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں اور نظم و نثر پر ان کی نگاہ وسیع ہے وہ شعر سن کر ہی بتا سکتے ہیں کہ یہ شعر فلاں شاعر کا ہے یا فلاں دور کا ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے یہ شعر اور اس کا شاعر اور اس کا دور یاد کیا ہوا ہے۔ بلکہ مزاولتِ کلام کی وجہ سے ان لوگوں کے ذہن میں شعراء کے کلام کی خصوصیات اس طرح پیوست ہوتی ہیں کہ وہ نفسِ کلام سے متکلم کی ذات کا حکم لگا دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ شعر فلاں شاعر کا ہو سکتا ہے فلاں کا نہیں۔

ایک مرتبہ ایک فاضل دوست نے فرمایا مجھے غالبؔ کا یہ شعر بہت پسند ہے ؎

"ہجر کی رات جاگنے والو — کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی"

میں نے کہا یہ غالبؔ کا کلام نہیں ہے۔ دیوان منگوا کر دیکھا تو یہ شعر اس میں نہ مل سکا۔

مولانا محمد حسین آزاد نے "آبِ حیات" میں لکھا ہے کہ کسی نے غالب کے سامنے اسدؔ دکھنی کا یہ شعر پڑھا (اور غالبؔ نے خود بھی اپنے ایک خط میں ایک دوست کو لکھا ہے کہ "اسی طرح زمانۂ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مقطع پڑھا:) کہ

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی — مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے سن کر عرض کیا کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مقطع ہے اس پر بقول اس کے رحمت خدا کی۔ اور اگر میرا ہو تو مجھ پر "لعنت" (مکتوب بنام قاضی عبدالجلیل صاحب)

اسی طرح نثر کا حال ہے۔ بعض لوگوں کے اندازِ بیان میں اچھوتا پن۔ ترکیب کلام میں شگفتگی۔ مزاح میں ایسی چاشنی ہوتی ہے کہ ہم اسے دیکھ کر ہی پہچان جاتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کا انداز بیان ہے۔

مثلاً غالب کے خطوط کا انداز بیان عبارت دیکھ کر ہی پہچان لیا جاتا ہے کہ غالب کی نثر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتا ہے کہ کثرتِ مزاولت کی بنا پر اور مقام نبوت کے پیش نظر ہم پہچان سکتے ہیں کہ یہ نبی کا کلام ہو سکتا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا۔

علی ہذا ہم آپ کے افعال و اعمال کے متعلق بادی النظر میں ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ عمل نبی کے اعمال میں سے ہو سکتا ہے اور یہ عمل نہیں ہو سکتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کھلی کتاب ہے۔ اسے ہر شخص پڑھ سکتا ہے۔

نبی کی زندگی دو حصوں میں منقسم نہیں ہوتی۔ پرائیوٹ زندگی اور پبلک زندگی۔

کی قسم کی کوئی بات نبی کی زندگی میں نہیں ہے۔ وہاں تو ایک ہی زندگی ہے اور وہ ہے تقویٰ اور طہارت کی زندگی۔

روایت ہشام عظمت نبوت کے سراسر خلاف ہے

مندرجہ بالا ضوابط کو سامنے رکھ کر جب حضرت ہشام کی زیر بحث روایت کو دیکھتے ہیں تو یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے خلاف نظر آتی ہے

آپ ؐ کی عظمت ایک تاریخی حقیقت ہے۔ آپ ؐ نے تاریخ بنائی ہے۔ پورا عرب آپ ؐ کے خلاف تھا۔ آپ کی اپنی قوم خلاف تھی۔ محض خدا کے بھروسے پر اپنے عزم و ثبات سے دنیا کی تاریخ کا رُخ بدل دیا۔ اور کردار کے وہ روشن نمونے پیش کئے کہ آج بھی ان کی چمک دمک اسی طرح باقی ہے۔

آپ شرافتِ انسانی اور حیا کا مجسمہ تھے۔ اس لئے آپؐ نے فرمایا الحیاء شعبۃ من الایمان۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وکان اشد حیاءً من العذراء فی خدرھا۔

جس ذاتِ گرامی کی حیاء کنواری لڑکیوں سے زیادہ ہو اس کے متعلق ایسی روایت بیان کرنا جسے طبیعت کسی طرح بھی قبول نہ کرے فہم سے بالاتر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم میاں بیوی ایک دوسرے کے سامنے بے ستر نہیں ہوئے۔ جس نبی کے وقار اور اعتدال کا یہ حال ہو کہ زندگی بھر قہقہہ لگا کر نہ ہنسے۔ جس کی مجالس کی یہ کیفیت ہو کان علی رؤسھم الطیر۔ جس نے دنیا کو پاکیزگی اور نفاست کا سب سے اونچا معیار دیا ہو جو عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے مصافحہ نہ کرے جس کے غض بصر اور طہارت قلب کے لئے صریح احکام ہوں، اس ذات کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے ۹ سالہ کم سن بچی سے بنا کی شدید ترین گستاخی نہیں تو اور کیا ہے۔ ع

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

روایت کا انکار عظمتِ رسول کے انکار سے بہتر ہے

۱ امام رازی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ والی روایت کو صرف اس لئے رد کر دیا کہ نبی کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے سے یہ بہتر ہے کہ راوی کو جھوٹا قرار دیدیا جائے۔ نبی کے جھوٹا ہونے سے راوی کا کاذب ہونا زیادہ آسان ہے۔

۲ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مشاجراتِ صحابہ کا قطعی انکار کر دیا ہے۔ اور مندرجہ ذیل آیت سے استدلال فرمایا ہے۔

محمد رسول اللہ ج والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ج تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا ط ۔

اس آیت کی رُو سے آپس میں صحابہ کی محبت بنص قطعی ثابت ہے۔ اور والذین معہ عمومیت پر دال ہے۔ جو لوگ بھی آپ کے ساتھی تھے اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے رحماء رحیم کی جمع ہے۔ رحیم صفتِ مشبہ اور مبالغہ ہے

صفتِ مشبہ میں استمرار اور دوام ہوتا ہے۔ یعنی یہ محبت ایسی نہیں کہ ایک وقت میں پائی جائے اور دوسرے وقت میں نہ پائی جائے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ انہیں محبت رہی۔ مبالغہ کا مطلب یہ ہے کہ معمولی محبت نہیں تھی بلکہ بہت گہری محبت تھی۔ ایسی محبت میں انقطاع اور عداوت کو راہ نہیں مل سکتی۔ اس لیئے آپ ص کی ذات گرامی کی وجہ سے صحابہ میں جو محبت قائم ہوئی تھی وہ ہمیشہ علی حالہ قائم رہی۔

اگر ہم مشاجراتِ صحابہ کو تسلیم کریں تو اس محبت کا انقطاع لازم آتا ہے۔ اور سطحیت بھی لازم آتی ہے۔ جو آیت کے خلاف ہے۔ اس میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے اب ہم آیت کے مضمون میں غیر ضروری تاویل کریں اور اس آیت کے ایسے معنی بیان کریں جو خدا کے منشاء کے خلاف ہیں۔ تاکہ مشاجرات کے لئے جگہ ہو سکے۔ یا پھر مشاجرات کا بالکل ہی انکار کردیں۔

اور آیت کے مضمون میں کوئی تاویل نہ کریں۔

مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی صورت اختیار فرمائی۔ تمام مشاجرات کا انکار کر دیا۔ پھر فرمایا کہ مشاجراتِ صحابہ خبرِ آحاد سے ثابت ہیں اور صحابہ کی محبت نص قطعی سے ثابت ہے۔ جب نص اور خبرِ واحد میں تضاد ہو تو خبرِ واحد کو ترک کر دیا جائے گا۔ کیونکہ نصِ قطعی کا منکر کافر ہے اور خبرِ واحد کا منکر کافر نہیں ہے۔ اس لیئے ہم خبرِ آحاد کا منکر ہونا قبول کرتے ہیں تاکہ انکار نص کے کفرِ صریح سے بچ جائیں۔

نصِّ قرآنی کے مقابلہ میں خبرِ احاد کی کوئی حقیقت نہیں

بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ نص کے مقابلہ میں خبرِ آحاد کو ترک کر دینا چاہیئے۔ اس لئے ہم نص سے ثابت شدہ حقائق کے مقابلہ میں اس روایت ہشام کو ترک کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ جو روائت اصولِ دین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت واحترام سے متصادم ہو اس کو سنتے ہی کہہ دینا چاہیئے کہ یہ ہرگز قبول نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کذب والی روایت میں تاویل ہو سکتی ہے۔ لیکن اس روایت بَنِیْ بِھَا میں تو تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ حرمت نبی نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ استخفاف نبی بنص قطعی کفر ہے۔ اس لئے اس روایت کو جو حرمتِ نبی کو مجروح کرتی ہو اور استخفافِ رسول کا موجب ہو نہ صرف قابلِ ترک ہے۔ بلکہ قابلِ نفرت ہے۔

اور یہ کوئی روایت بھی تو نہیں ہے۔ یہ تو استخراجِ ہشام ہے جو ناقص ہے۔ اور ناقص معلومات پر مبنی ہے۔ یہ تو ہشام کا ایک تاریخی بیان ہے۔ جو قابلِ ترک ہے۔ خبرِ واحد کے ترک سے حبط اعمال کا ڈر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نادانستہ بھی استخفافِ رسول کا واہمہ ہوگیا تو بنص قطعی حبطِ اعمال کا ڈر ہے۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ رواۃِ روایات، رجال کتب اور رجال صحیحین پر ایمان نہیں لائے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت پر ہزارہا رواۃ اور خبرِ آحاد کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ اور نص کے مقابلہ میں ان کی بات کو رد کیا جا سکتا ہے۔ نصِ قطعی، بہرحال نص ہے اور قابلِ اتباع ہے۔

اگر خبر واحد نص کے منافی نہ ہو تو قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے ۔ لیکن اگر منافی نص ہو تو قابلِ رد ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق اور یہ روایت مکارم اخلاق سے متصادم ہے بفحوائے آیت لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ آپ کا ہر عمل نمونہ ہے ۔ خواہ ہم اس پر عمل کریں یا نہ کریں ۔ اگر ہم آپ کے کسی عمل کا اتباع نہ کریں تو یہ اپنی کمزوری اور غفلت کی وجہ سے ہوگا ۔ لیکن ہمارا دل ضرور گواہی دے گا کہ یہ قابلِ اتباع سنت ہے ۔ اور ہم اس اسوہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے اپنے دل میں ندامت محسوس کریں گے ۔

مسلمان کی عزت و آبرو کو اسلام نے اسی طرح محترم قرار دیا ہے جیسے کہ اس کی جان ۔ جسطرح قتل نفس حرام ہے اسی طرح ہتک عزت بھی حرام ہے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ من قتل دون مالہ فھو شھید ومن قتل دون عرضہ فھو شھید ۔ تو یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا سوال ہے ۔ جس عمل کو ہم کسی عامی آدمی کی طرف منسوب نہیں کر سکتے اور اپنے لئے ایسے عمل کو باعثِ ہتک عزت خیال کرتے ہیں ایسا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا کس درجہ باعثِ ہتک عزت اور حرام ہوگا ۔

یہاں بھی یہی کیفیت ہے کہ علماء نے ہشام بن عروہ کی روایت کو قبول کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسا عمل منسوب کر دیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکارم کی نفی ہے ۔ اور جو نبوت کے مقام سے کوئی مناسبت ہی نہیں رکھتا ۔

اگر ہمارے کوئی قابلِ احترام بزرگ جن کی بات کو ہم نے کبھی غلط نہ پایا ہو یہ فرمائیں کہ (نعوذ باللہ) کسی حدیث میں مکھیاں کھانے کا حکم ہے اور ہمیں اس حکم پر عمل کرنا چاہیئے تو ممکن ہے کہ آنکھیں بند کرکے ان کی روایت پر عمل کرنے کے لیئے مکھیاں نگل جائیں اور بہ تکلف اس عمل کی عادت بھی ڈال لیں ۔ یا کیپسول میں بند کرکے کھانا شروع کر دیں ۔ لیکن اس طبعی کراہت کو دور نہیں کر سکتے جو مکھیوں سے طبیعت میں پیدا ہوتی ہے ۔

هشام کی روایت نام نہاد توجیہات کے خول میں بھی کراہت سے پاک نہیں ہوئی

بالکل اسی طرح ممکن ہے کہ رواۃ کے ثقہ ہونے کی وجہ سے یہ روایت تسلیم کر لی جائے۔ لیکن اِس عمل میں جو طبعی کراہت ہے وہ دور نہیں ہو سکتی، ہم زبان سے اس واقعے کی توجیہیں کر کے اپنے ضمیر کو سُلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ضمیر کی کھٹک نہیں جاتی۔ ہم اس عمل کے بڑے بڑے فائدے بیان کرتے ہیں اور حضرت عائشہ رضؓ کی کم سِنی کے نکاح کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ دیکھئے دین کا کتنا بڑا حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے ہمیں ملا۔ اگر نبی کریم ؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ذہین اور فطین لڑکی سے نکاح نہ کرتے تو ہمیں دین کا یہ حصہ کیسے ملتا۔ نیز آپ کو نورِ نبوت سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی دین کی خدمت کرے گی۔ اس لئے آپ ؐ نے حضرت عائشہ رضؓ سے قبل از وقت شادی کی۔ کیونکہ اگر شادی کی عمر تک انتظار کیا جاتا تو انہیں وقت ہی نہ ملتا کہ آپ سے استفادہ کر سکتیں۔

مگر ان توجیہات کے باوجود اس واقعے کی کراہت بدستور موجود ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دین کی بہت زیادہ خدمت کی۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ نورِ نبوت سے آپؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی دین کی خدمت کرے گی۔ لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ نکاح کے وقت ان کی عمر چھ سال اور بِنا کے وقت ۹ سال تھی۔

اسی طرح یہ توجیہہ کہ آپؐ نے ہر قسم کا نمونہ پیش کیا ہے۔ بوڑھی سے بھی نکاح کیا۔ بچی سے بھی نکاح کیا۔ کنواری سے بھی نکاح کیا بیوہ سے بھی نکاح کیا۔ ان توجیہات سے ایک خاص قسم کے ذہنوں کو تو تسکین ہو سکتی ہے۔ لیکن ان میں حقائق سے ٹکرانے کی طاقت نہیں ہے۔

کیا حضرت خدیجہ رضؓ نکاح کے وقت بوڑھی تھیں

اور ہمیں تو اس میں بھی کلام ہے کہ ابتداء میں آپ ؐ نے بوڑھی عورت سے نکاح کیا۔

ابن عباس رضؓ کی روایت ہے کہ جس وقت حضرت خدیجہ رضؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اس وقت خدیجہ کی عمر ۲۸ یا ۲۵ سال تھی
(ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۱۱)

منصب نبوت انسانِ کامل کو دیا جاتا ہے

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ منصب نبوت انسان کامل کو تفویض کیا جاتا ہے۔ اس کے قویٰ کامل ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی جسمانی نقص نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ناقص الخلقت لوگوں یعنی لنگڑوں۔ لولوں، بدعقل، کم عقل، بدذوق اور کورذوق لوگوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجتا۔

انبیاء کے ذوق کامل اور لطیف ہوتے ہیں۔ ان میں لطیف اشیاء کا لطیف شعور بدرجۂ اتم ہوتا ہے۔ حسن و جمال کے معاملہ میں بھی ان کا ذوق خود ایک معیار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب انصار عورتوں سے شادی کرو تو دیکھ لیا کرو۔ ان کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔ ان فی اعینھم شیئا۔

ایک صحابی رضؓ نے شادی کی تو آپؐ نے فرمایا کنواری سے کی ہے یا بیوہ سے۔ اس نے کہا بیوہ سے۔ آپ نے فرمایا کنواری سے کیوں نہ کی کہ فریقین شادی کا صحیح لطف اٹھاتے۔

لیکن ہمارا ایک دینی حلقہ کہتا ہے۔
کہ آپ کو بوڑھی اور بچی کا خیال ہی نہ تھا۔ (نعوذ باللہ)

آپؐ نے ہر قسم کی رُہبانیت کو ناپسند فرمایا

آپؐ نے متاہل زندگی کی تعریف فرمائی۔ رہبانیت کی مذمت کی۔ اس لئے کہ یہ تو تمدن کی اصل ہے۔ اور حسن سے متاثر ہونا انسانی فطرت ہے۔ شریعت نے منکوحہ بیوی سے لطف حاصل کرنے میں کوئی قید نہیں لگائی۔ آپ مسواک کا بہت اہتمام فرماتے تھے کہ منہ سے بُو نہ آئے۔ حتیٰ کہ مجالس میں بدبُودار اشیاء کھا کر آنے کی ممانعت فرماتے تھے۔ جمعہ کی حاضری سے پہلے غسل کو سنت قرار دیدیا تھا۔ اُس دور کے معیار کے مطابق سر پر بال رکھے ہوئے تھے۔ تیل لگاتے تھے۔ مانگ نکالتے تھے۔ سر اور داڑھی میں کنگھی کرتے تھے۔ سُرمہ لگاتے تھے۔ لباس صاف سُتھرا رکھتے تھے۔ خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ غرض ایک نفیس طبع آدمی اپنے آپ کو بہتر حالت میں رکھنے کی جو کوشش کرتا ہے آپ بھی وہی کرتے تھے۔

یہ اعمال بتلا رہے ہیں کہ آپ میں کامل ذوقِ جمال تھا۔ بیویوں کے معاملے میں بھی آپ کا ذوق کُند نہیں تھا۔ اس لئے ذوقِ سلیم اور کمال اخلاق اس کم سنی کی بناء کے متحمل ہی نہیں تھے۔

نکاحِ عائشہ بامقصد تھا بے مقصد نہیں تھا

نبی کی زندگی بامقصد ہوتی ہے بے مقصد نہیں ہوتی۔ اس کا کوئی عمل عبث اور بے مقصد نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضؓ سے شادی اسی مقصد کے لیے تھی جس مقصد کے لئے شادیاں کی جاتی ہیں یعنی حصول اولاد کے لئے نرینہ اولاد کی خواہش انسانی فطرت ہے۔ آپ کے نرینہ اولاد نہیں تھی اس لئے یہ نکاح کیا۔ نرینہ اولاد مانگنا انبیاء کی سنت ہے۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً۔
هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا۔

کسی عام راوی کی روایت کے مقابلہ میں آجائے تو افقہ راوی کی روایت کو قبول کیا جائے گا۔

اس ضابطہ کی بنا پر کئی مسائل پیدا ہو گئے۔ اگر دو راویوں کی روایت میں تضاد ہو تو سب سے پہلے کوشش کی جائے گی کہ ان میں جمع کی کوئی صورت نکل آئے۔ ورنہ ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دے کر راجح پر عمل کریں گے مرجوح کو ترک کر دیں گے۔ اور اگر کوئی روائت نص کے خلاف ہو تو راجح اور مرجوح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی روائت بدیہیات یا مشاہدات یا فطرت کے مسلمہ اصول کے خلاف ہو لیکن شہادت نہایت قوی ہو تو بطور خارق اسے تسلیم کر لیں گے ورنہ ترک کر دیں گے۔

یہ روایت ہشام محض ہشام سے مروی ہے۔ یہ خبر واحد ہے بلکہ اثرِ تابعی ہے جو اس کے غلط تاثر اور ناقص یادداشت پر مبنی ہے۔ اس کے مقابلہ میں صحیفۂ کائنات کی ایک واضح آیت ہے یعنی یہ کہ بلوغ کے لئے ایک خاص عمر ہے۔ اور اس سے بہت پہلے بالغ ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

کائنات کے اس ضابطے اور فطرت کے مسلمہ اصول کے خلاف ایک راوی کی روایت بلکہ ایک راوی کا اپنا قیاس جس کی کوئی اصل بھی نہ ہو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ معمولی مسائل میں راوی سے دوسرا مؤید طلب کرتے تھے۔ تاکہ روائت میں جو بھول چوک ہو وہ نکل جائے۔ اس نادر خبر کے قبول کرنے میں کم از کم شہادت کا ضابطہ تو قبول کرنا چاہیئے تھا۔ جس کے لئے قرآن شریف تو معمولی کاروبار میں بھی حکم دیتا ہے کہ اس کو استعمال کرو۔

فان کان الذی علیہ الحق سفیہا او ضعیفا او لا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ بالعدل ط واستشھدوا شھیدین من رجالکم ط فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی ط (بقرہ)

بسرہ کی مس ذکر والی حدیث میں قاضی مدینہ ربیعہ نے کہا تھا کہ میں اس عورت کی شہادت اس جوتے کے بارے میں بھی قبول نہ کروں چہ جائیکہ

نماز کے بارے میں جو دین کا ستون ہے اور نماز موقوف ہے طہارت پر۔ کیا صحابہ میں سے کوئی بھی بُسرہ کے سوا دین کے قیام کے لئے نہیں رہا تھا۔

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ معاملہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کے اتباع اور مکارم اخلاق اور مقام نبوت کا ہے تمام دنیا ئے اسلام میں صرف ہشام ہی اکیلے تھے جو اس روایت کو بیان کرتے۔ اس روایت کے راوی تو ابتدا ہی سے حد تواتر تک ہونے چاہئیں تھے۔ تب جاکر یہ روایت قابل غور ہوتی۔ ڈیڑھ سو سال کے بعد ایک شیخ فانی ایسی غلط روایت بیان کرتا ہے جو نبوت کے کاموں کی نفی کرتی ہے۔ ایسی روایت کو پہلے ہی مرحلے میں رد کردینا چاہیئے تھا۔ اور حضرت ہشام سے اس کا ثبوت مانگنا چاہیئے تھا۔ لیکن مقام تعجب ہے کہ زجر و توبیخ کے بجائے اس کی بے سروپا روایت کو سر اور آنکھوں پر رکھا گیا۔ اور اسے معجزہ سمجھا گیا۔ حالانکہ فہرست معجزات منقولہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے اور ذخائر روایات میں کسی محدث اور مورخ نے اسے بطور معجزہ ذکر نہیں کیا۔

معجزہ کی ماہیت اور تعریف کے لحاظ سے بھی یہ عمل معجزہ نہیں ہو سکتا۔ تعریف معجزہ یہ ہے نبی کا ایسا فعل جو بتائیدِ اللہ نبی کی ذات سے سرزد ہو اور دوسرے لوگ اس کے کرنے پر قادر نہ ہوں۔ معجزہ دلیل نبوت ہوتا ہے۔ اس لئے منکرین نبوت نے ہمیشہ انبیاء سے معجزات طلب کئے ہیں۔ تاکہ انبیاء کی صداقت کا حسی ثبوت خود مشاہدہ کرلیں۔ معجزہ حقیقۃً خدا تعالےٰ کا فعل ہوتا ہے جس کا ظہور انبیاء کے ذریعے ہوتا ہے۔ نبی اپنے ارادے اور اختیار سے معجزات نہیں دکھاتا۔ معجزات قرآن سے یہی مطلب واضح ہے جو ہم نے بیان کیا اگر معجزہ نبی کا فعل ہوتا تو حضرت موسیٰؑ عصائے موسیٰ سے نہ ڈرتے۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ معجزہ سے کم نہیں ہے۔

کسی عورت سے نکاح کرنے اور تقرب میں کیا معجزیت ہے۔ یہ تو فطری اعمال ہیں۔ ان میں تو کافر اور مسلم میں بھی کوئی تمیز نہیں ہے۔ پھر نابالغ بچی سے تقارب میں تو طبعی اور فطری کراہت ہے۔ اسے کون معجزہ خیال کرے گا اور اس سے کون متاثر ہوگا یہ عمل تو انسان کامل کے کردار سے

کم تر درجے کا عمل ہے اور نبی کا مقام تو انسان کامل سے بلند تر ہے۔ اس ادنیٰ درجے کے جنسی عمل اور مقام نبوت میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ اس لئے اسے معجزہ کہنا طفل تسلی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

قبول روایت کے لئے ہمارا پسندیدہ ضابطہ

ہمارے نزدیک روایات کے قبول کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی خبر فطرت کے ضابطوں کے خلاف ہو تو اس کے لئے بہت قوی اور کثیر شہادت کی ضرورت ہے۔ اتنے آدمیوں کی شہادت کہ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا یا سہو و نسیان اور تقلیدِ اعمیٰ کا شکار ہونا مشکل ہو۔ اور اگر روز مرہ ہونے والے واقعات میں سے کوئی واقعہ ہو تو معمولی روایت کو بھی قبول کرلیا جائے گا۔ اس ناقص روایت مبحوثہ کی رُو سے حضرت عائشہ رضہ کی عمر کا معاملہ ایک حسی معجزہ ہے۔ لہٰذا اس کے لئے جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کثیر اور معتبر شہادت ہونی چاہئیے تھی۔

معمول کے مطابق پیش آنے والے واقعات کے متعلق اگر روائتیں مختلف ہو جائیں تو قوی راوی کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن اگر قوی و مستند راوی خلاف عقل و خلافِ مشاہدہ اور خلافِ تجربہ روایت بیان کرے تو اس کے مقابلہ میں واقدی یا کلبی جیسے داستان گو اسی واقعے کو ایسی صورت سے بیان کریں کہ وہ واقعہ نہ خلافِ عقل ہو نہ مشاہدے کے خلاف ہو نہ تجربہ کے خلاف ہو تو ان کی روایت کو ان مستند راویوں کی روایت کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے گی۔

بظاہر یہ جھوٹے اور سچے کا مقابلہ ہے۔ اور سچے کو ہمیشہ ترجیح ہونی چاہئیے۔ لیکن ان الکاذب قد یصدق وان الصادق قد یخطی۔ (جھوٹا کبھی کبھی سچ بول دیتا ہے اور سچے سے کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں تو جھوٹے کے ساتھ گواہ ہیں۔ جو اس کے سچ کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اور سچ کے پاس اپنے قول کے سوا کوئی شہادت نہیں۔

اگر سچا آدمی یہ کہے کہ جون کے مہینے میں ٹھیک دن کے بارہ بجے

نصف النہار میں ایک دم سورج غروب ہوگیا تھا اور رات شروع ہوگئی تھی۔ اس کے مقابلہ میں جھوٹا آدمی یہ کہے کہ نہیں بات یہ ہوئی تھی کہ سخت گھٹا ٹوپ اٹھنے کی وجہ سے رات معلوم ہونے لگی تھی۔ اور رات کے شروع ہونے تک وہ گھٹا مسلط رہی تھی پھر رات شروع ہوگئی تھی۔ تو آپ کس کی بات کو تسلیم کریں گے؟ یقیناً جھوٹے کی بات تسلیم کریں گے۔ کیونکہ اس کی تائید فطرۃ اللہ، تجربہ اور مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اس لئے جس کے ساتھ یہ گواہ ہوں گے اس کی بات مستند ہوگی۔

اس لئے ہم اس باب میں اربابِ سِیَر کا ضعیف قول بھی قبول کریں گے جو یہ کہتے ہیں کہ بناء کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر زیادہ تھی۔ اور ہمیں اس پر موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

لیکن اگر اربابِ سِیَر بھی وہی بات کہیں جو اصحابِ سُنن کہہ رہے ہیں یعنی بناء کے وقت حضرت عائشہ رضؓ ۹ سال کی تھیں تو ان کی روایت کو ان کے جھوٹا ہونے کی وجہ سے رد کردیں گے۔ اس لئے کہ ان کی اس روایت میں دو کمزوریاں شامل ہوجاتی ہیں۔ ایک ان کی داستان سرائی۔ دوسرے روائت کا خلافِ واقعہ ہونا۔

عُلماء نقلِ حدیث کے تمام ضابطوں کو تسلیم تو کرتے ہیں لیکن استعمال کے وقت ہر روایت سے مرعوب ہو جاتے ہیں

مذکورہ بالا تمام ضابطوں اور اصولوں سے علماء واقف ہیں۔ اور حقیقت میں یہ انہیں کے بنائے ہوئے ضابطے اور اصول ہیں۔ لیکن جب ان اصولوں کے انطباق کا موقع آتا ہے تو عقیدت اور روایت کے استناد کا پہاڑ سامنے آجاتا ہے اور ان ضوابط کے انطباق میں حائل ہو جاتا ہے۔

واقعہ افک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

لولا اذ سمعتموه قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا ج سبحنک ھذا بھتان عظیم ۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم اس آیت کو عمر عائشہ کے بہتان کے خلاف اسی طرح پڑھیں اور اپنے فکر کی تطہیر کریں ۔ اور مزید برآں قرآن کی دوسری آیت کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ط ان یقولون الا کذبا کو بھی سامنے رکھتے ہوئے اس بہتان سے علی الاعلان جرأت ایمانی کے ساتھ برأت کا اظہار کر دیں ۔ اس لئے کہ :۔ تحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم ۔

نبی کا مقام ، ان کی پاکیزہ سیرت اور پختہ کردار ۔ اور حضرت ابوبکر کی بیدار مغزی نیز اس واقعہ کا فطرۃ اللہ کے خلاف ہونا ۔ ان تمام امور کا تقاضا تھا کہ ہم سنتے ہی اس قصے کا انکار کر دیتے ۔ اور فوراً یہ کہہ دیتے کہ سبحنک ھذا بھتان عظیم ۔ لیکن تمام امت پر حضرت ہشام بن عروہ کی نام نہاد اور ناقص روایت ایسی غالب آئی کہ تمام اصول وضوابط تہہ کرکے رکھ دیے گئے ۔

ایک غلط روایت کی شہرت نے صحیح روایات کا بھی خاتمہ کردیا

جب کسی روایت کو بطور ایک علمی حقیقت کے قبول کر لیا گیا ہو تو اہل علم صرف اسی روایت کو اپنی کتابوں میں نقل کریں گے ۔ اور مخالف روایت مرورِ زمانہ سے خود بخود فنا ہو کر رہ جائے گی ۔ اور اس کے بعد ہم تک وہی روایت پہنچے گی جسے اہل علم نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ۔ جس کو نقل ہی نہیں کیا گیا وہ ہم تک آخر پہنچتی کیسے ؟

حضرت عائشہ رضہ کی عمر کی غیر معتبر اور ناقص روایت جب اہل علم کے سامنے آئی تو مخالف روایتیں میدان چھوڑ گئیں ۔ اگر کچھ لوگوں کے پاس اس کے خلاف کوئی مواد ہوگا بھی تو انہوں نے اس مواد کو اس روایت ہشام کی روشنی میں درست کر لیا ہوگا ۔ یا مخالف روایت کو بالکل ہی ترک کر دیا ہوگا ۔

خلاصہ جملہ مباحث

مندرجہ بالا جملہ مباحث کے بعد ہم صاف صاف کہنا چاہتے ہیں کہ روایت ہشام مندرجہ ذیل علل کی بنا پر قطعاً ناقابل قبول ہے ۔

۱ یہ روایتِ ہشام عقل کے خلاف ہے ۔

۲ یہ روایت ہشام تجربے اور مشاہدے کے خلاف ہے ۔

۳ 〃 〃 فطرۃ اللہ اور عادۃ اللہ کے خلاف ہے

۴ یہ روایت ہشام نفسِ عظمت رسول کے خلاف ہے

۵ 〃 〃 بلوغ کے فطری ضابطہ کے خلاف ہے

۶ 〃 〃 مکارمِ اخلاق کے خلاف ہے

۷ 〃 〃 مقام نبوت کے خلاف ہے

۸ 〃 〃 نبی کریمؐ اور صدیق اکبرؓ کی پاکیزہ سیرتوں کے خلاف ہے

۹ 〃 〃 اس دور کے معمول کے خلاف ہے

۱۰ 〃 〃 حقیقتِ واقعیہ کے خلاف ہے

۱۱ ۔ ہشام نے اَنَا یَومَئِذٍ بِنْتُ تِسْعٍ ناقص نقل کیا ہے

۱۲ ۔ ہشام نے بَنیٰ بِھَا وَھِیَ بِنْتُ تِسْعٍ کو بھی ناقص تعبیر کیا

۱۳ ۔ نَکَحَھَا النَّبِیُّ وَھِیَ بِنْتُ سِتٍّ کلام ہشام ہے

۱۴ ۔ بَنیٰ بِھَا وَھِیَ بِنْتُ تِسْعٍ بھی کلام ہشام ہے

۱۵ ۔ وَکَانَتْ عِنْدَہٗ تِسْعًا ۔ یا بنت ثمان عشر بھی کلام ہشام ہے ۔

۱۶ ۔ اس روایت ہشام میں ایک جملہ بھی حضرت عائشہ رضہ کا نہیں

۱۷ ۔ یہ پوری روایت ہی کلام ہشام ہے

۱۸ ۔ اس روایت کی عروہ کی طرف نسبت ہی کذب ہے

۱۹ ۔ اس روایت کو عنعنے کے ذریعے نیچے سے اوپر پہنچایا گیا ہے ۔

۲۰ ۔ یہ پوری کی پوری روایت موضوع ہے ۔

۲۱ ۔ اس روایت کے تمام متابعات و شواہد خود یہی روایت ہے جس کو مدلسین نے دوسری اسناد سے جوڑ کر نئی روایات بنا دیا ہے ۔

۲۲ ۔ اصطلاح محدثین میں یہ روایت سند کے اعتبار سے ۱ ۔ مرسل ۔ ۲ منقطع ۳ ۔ معضل ۔ ۴ ۔ مدلس ۔ ۵ معنعن ۔ ۶ ۔ مقطوع ۷ شاذ ۔ ۸ منکر ۹ اور مردود ہے ۔

۲۳ اور متن کے لحاظ سے مدرج بلکہ موضوع ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی
کم عمری کا دوسرا ماخذ
گڑیوں اور سہیلیوں کی روایات

پہلے ہمارا خیال تھا کہ لعب کی روایات پر تفصیلی بحث نہ کریں ۔ اس لئے کہ جب حضرت ہشام کی تزوج والی روایت پر ہم من کل الوجوہ بحث کر چکے تو کھیل کی روایات بھی خود بخود ختم ہو جاتی ہیں ۔

لیکن چونکہ کھیل کی روایات دو قسم کی ہیں ۔ ایک لعب بالبنات کی اور دوسری حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی ۔ پہلی قسم کی روایات ہشام سے مروی ہیں ۔ اور دوسری قسم کی روایات کے راوی حقیقت میں ہشام نہیں ہیں ۔ بلکہ یہ روایات زہری کے ذریعہ سے منقول ہیں ۔ اس لئے ان کے اسناد اور متون پر بھی بحث کرنا ضروری ہے ۔ لہٰذا ہم پہلے لعبُ بالبنات کی روایات پر بحث کریں گے ۔

گڑیوں کی روایات

یہ روایات صراحۃً حضرت عائشہ رض کے بچپن پر دلالت کرتی ہیں ۔ اور یہ تمام روایات حضرت ہشام سے منقول ہیں ۔ مثلاً

حدثنا محمد بن قال اخبرنا ابو معاویة قال حدثنا ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کنت العب بالبنات عند رسول اللہ فکان لی صواحب یلعبن معی وکان رسول اللہ اذا دخل ینقمعن منہ فیسربھن الی فیلعبن معی ۔

(بخاری باب الانبساط الی النساء جلد دوم ص۹۰۵)

ہم سے حدیث بیان کی محمد بن نے اس سے کہا ہمیں خبر دی ابو معاویہ نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اس نے حضرت عائشہ رض سے انہوں نے کہا میں کھیلا کرتی تھی گڑیوں سے ۔ نبی صلعم کے پاس اور میری سہیلیاں میرے ساتھ

کھیلتی تھیں اور جب رسول اللہ صلعم تشریف لاتے تھے تو میری سہیلیاں کھیل سے رُک جاتی تھیں۔ اور اِدھر اُدھر ہو جاتی تھیں۔ آپ کی وجہ سے اور آپ انہیں میری طرف بھیجتے تھے۔ پھر وہ میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔

مسلم:- حدثنا یحییٰ بن یحییٰ قال حدثنا عبد العزیز بن محمد عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت انہا کانت تلعب بالبنات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت تاتینی صواحبی فکن ینقمعن من رسول اللہ قالت فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسربهن الی۔

وحدثناہ ابو کریب قال حدثنا ابو اسامۃ ح قال وحدثناہ زہیر بن حرب قال اخبرنا جریر ح قال وحدثناہ محمد بن بشر کلهم عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ بهذا الاسناد۔ قال وفی حدیث جریر کنت العب بالبنات فی بیتہ وهن اللعب۔

(مسلم جلد دوم باب المناقب فضل عائشہ رض)

یحییٰ بن یحییٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے عبدالعزیز بن محمد نے حدیث بیان کی ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلعم کے پاس گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری سہیلیاں میرے پاس آیا کرتی تھیں۔ اور وہ رسول اللہ صلعم سے چھپ کر اِدھر اُدھر ہو جاتی تھیں اور رسول اللہ صلعم انہیں میری طرف متوجہ کرتے تھے۔

اور ابو کریب نے ہم سے یہی حدیث بیان کی اس نے کہا ابو اسامہ نے ہم سے حدیث بیان کی ح اور اس نے کہا زہیر بن حرب نے ہم سے یہی حدیث بیان کی اس نے کہا ہمیں جریر نے خبر دی ح اس نے کہا محمد بن بشر نے ہم سے یہی حدیث بیان کی ان تمام نے ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اسی اسناد سے اس نے کہا حدیث جریر میں ہے میں گڑیوں سے کھیلتی تھی آپ کے گھر میں۔ اور بنات سے مراد کھلونے ہیں۔

۱۔ ہم سے حدیث بیان عبداللہ نے اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث کی۔ اس نے کہا ہم سے عبدالرزاق نے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے معمر نے حدیث بیان کی۔ ہشام بن عروہ سے۔

مسند احمد:- ۱۔ حدثنا عبد اللہ ثنی ابی ثنا عبد الرزاق ثنا

معمر عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رض قالت کنت العب بالبنات فیاتینی صواحبی فاذا دخل رسول الله فررن منه فیاخذهن رسول الله صلی الله علیه وسلم فیردهن الیّ .

(مسند امام احمد جلد ۶ ص ۱۶۶)

اس نے اپنے باپ سے اس نے حضرت عائشہ رض سے انہوں نے کہا میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میرے پاس میری سہیلیاں آیا کرتی تھیں۔ پس جب رسول اللہ صلعم گھر میں داخل ہوتے تھے وہ بھاگ جاتی تھیں اور آپ انہیں پکڑ کر میرے پاس لاتے تھے۔

۲۔ حدثنا عبداللہ ثنی ابی قال حدثنا محمد بن بشر قال حدثنا هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رض قالت انها کانت تلعب بالبنات فکان النبی ؐ یاتی بصواحبی یلعبن معی

(مسند جلد ۶ ص ۲۳۳)

عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی اس نے باپ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا وہ کھیلا کرتی تھی گڑیوں سے اور نبی صلعم میری سہیلیوں کو لایا کرتے تھے۔ وہ میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔

ابن ماجہ :۔ حدثنا حفص بن عمر ثنا عمرو بن حبیب القاضی قال حدثنا هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رض قالت کنت العب بالبنات وانا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فکان یسرب الی صواحباتی فتلاعبنی ۔ (ابن ماجہ ۔ باب عشرۃ النساء ص ۱۴۲)

ہم سے حدیث بیان کی حفص بن عمر نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی قاضی عمر بن حبیب نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ہشام بن عروہ نے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میں رسول اللہ صلعم کے پاس ہوتی تھی پس آپ میری سہیلیوں کو میرے پاس لایا کرتے تھے۔ اور وہ میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں

ابوداؤد :۔ حدثنا مسدد ثنا حماد عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رض قالت کنت العب بالبنات فربما دخل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وعندی الجواری فاذا دخل خرجن واذا خرج

دخلن (ابوداؤد جلد دوم کتاب الادب - باب فی اللعب)

مسدد نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا حماد نے ہم سے حدیث بیان کی، ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے انہوں نے کہا میں کھیلا کرتی تھی اور بسا اوقات میرے پاس رسول اللہ صلعم آتے تھے اور میرے پاس (آس پاس) چھوکریاں ہوتی تھیں، جب آپ گھر میں داخل ہوتے وہ نکل جاتی تھیں اور جب آپ باہر جاتے تو پھر اندر آجاتی تھیں۔

یہ سب روایات ہشام بن عروہ کی ہیں

مذکورہ بالا روایات ہم نے مختلف کتب حدیث سے نقل کی ہیں۔ اور یہ سب ہشام بن عروہ سے منقول ہیں اور ان سب روایات میں گڑیوں سے کھیلنے کا ذکر ہے۔ ہم پہلے مفصل بحث کر چکے ہیں کہ حضرت ہشام نے یہ طے کرلیا ہے کہ حضرت عائشہ رض کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخر تک بالکل بچی ثابت کریں۔

چونکہ ہشام بن عروہ روایتِ تزوج کے راوی ہیں اور یہ روایت ان کا استنباط ہے۔ جسے وہ اپنے باپ کی طرف منسوب کرکے بیان کرتے ہیں۔ نیز لعب بالبنات کے راوی بھی وہی ہیں۔ اور یہ لعب کی روایت انہوں نے اپنے باپ سے سنی ہوگی۔ اس لیے انہوں نے اپنی تزوج والی غلط روایت کی وجہ سے یہ قیاس کرلیا کہ حضرت عائشہ رض نکاح کے بعد بھی گڑیاں کھیلتی ہوں گی۔ چنانچہ لعب بالبنات کی اس روایت کو ان کے استخراج کے ساتھ ملا کر ایک روایت بنا دیا۔ اصل میں ہشام کا استخراج یہ تھا کہ نکح النبی عائشۃ وھی بنت ست وبنی بھا وھی بنت تسع ومات عنھا وھی بنت ثمان عشر لیکن ان دونوں روایتوں کو ملا کر انہوں نے ایک روایت بنا دیا اور اس طرح بیان کرنا شروع کردیا۔

ان میں دو روایات کو جمع کرکے غلط نتیجے تک پہنچایا گیا ہے

۱- اخبرنا سفیان عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رض قالت تزوجنی رسول الله وانا ابنة سبع وبنی بی وانا ابنة تسع وكنت العب بالبنات فكن جوار ياتيننی فاذا رأين رسول الله انقمعن فكان رسول الله يسربهن الی -

(كتاب اختلاف الحديث للامام الشافعی علی حاشية كتاب الام جزء سابع ص۱۸۱ مطبوعه مصر)

ہمیں خبر دی سفیان نے ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضؓ سے انہوں نے کہا مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور میں سات سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی اور میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی میری پڑوسی چھوکریاں میرے پاس آتی تھیں جب وہ رسول اللہ صلعم کو دیکھتی تھیں تو منتشر ہو جاتی تھیں پھر رسول اللہ صلعم انہیں میرے پاس لاتے تھے۔

۲۔ اخبرنا مسلم بن ابراهیم اخبرنا جعفر بن سلیمان اخبرنا هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضؓ قالت تزوج بی النبی صلی الله علیه وسلم وانا ابنة سبع سنين ودخل بی وانا ابنة تسع سنين وكنت العب بالبنات مع صواحبی. فاذا جاء دهن بين ايدينا يقول لنا النبیؐ مكانكن۔

(ابن سعد جلد ۸ ص۶۱ ذکر عائشة رضؓ)

مسلم بن ابراہیم نے ہمیں خبر سنائی اس نے کہا جعفر بن سلیمان نے ہمیں خبر سنائی اس نے کہا ہشام بن عروہ نے ہمیں خبر دی اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضؓ سے اس نے کہا نبی صلعم نے مجھ سے نکاح کیا اور میں سات سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی اور میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ پس جب آپ آتے تھے اور وہ میرے پاس ہوتی تھیں تو آپ فرمایا کرتے تھے اپنی جگہ بیٹھی رہو۔

۳۔ اخبرنا محمد بن عمر اخبرنا ابن ابی الزناد عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضؓ قالت تزوجنی رسول الله صلی الله عليه وسلم وانا بنت ست سنين ودخل علی وانا بنت تسع سنين ولقد دخلت عليه وانی لالعب بالبنات مع الجواری فيدخل فينقمع عنه صواحبی فيخرجن فيخرج رسول الله فيسربهن علی (ابن سعد جلد ۸ ص۵۹ ذکر عائشة رضؓ)

محمد بن عمر نے ہمیں خبر سنائی اس نے کہا ہمیں ابن ابی الزناد نے خبر سنائی۔ ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضؓ سے اس نے کہا رسول اللہ صلعم نے مجھ سے نکاح کیا اور میں چھ سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی میں آپ کے پاس گئی تو میں گڑیاں کھیلا کرتی تھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ جب آپ گھر میں داخل ہوتے تو میری سہیلیاں منتشر ہو جاتیں اور نکل جاتیں اور رسول اللہ صلعم گھر سے نکل کر انہیں پکڑ کر میرے پاس لاتے۔

مذکورہ بالا ہر دو مختلف روایات کے جمع کر دینے سے حضرت عائشہ رضؓ کے رخصتی کے بعد بھی ہونے پر گویا مہر لگ گئی ہے۔

اس آخری روایت کی سند میں واقدی ہے۔ لیکن متن روایت چونکہ دوسری اسناد سے بھی مروی ہے۔ اس لئے واقدی کا اس میں ہونا مضر نہیں ہے)

ہشام کے شاگرد نے تین روائتیں جمع کر کے اور خرابی پیدا کر دی ہے ۔

ہشام بن عروہ کے ایک تلمیذ حماد بن سلمہ نے ہشام سے ایک روائت ایسی بیان کی ہے جس میں دو سے آگے بڑھ کر تین روائتیں جمع کر دی ہیں ۔ اور حضرت عائشہ رضہ کی صغر سنی کی تکمیل کر دی ہے :-

اخبرنا یزید بن هارون اخبرنا حماد بن سلمة عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضہ قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وانا بنت ست سنین وادخلت علیه وانا بنت تسع سنین وکنت العب علی ارجوحة ولی جمة فاتیت وانا العب علیها فاخذت فهیئت ثم ادخلت علیه وما رای صورتی فی حریرة (ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۵۹ ذکر عائشة رضہ)

ہمیں خبر دی یزید بن ہارون نے اس نے کہا ہمیں خبر دی حماد بن سلمہ نے ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضہ سے انہوں نے کہا مجھ سے رسول اللہ صلعم نے نکاح کیا اور میں چھ سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی اور میں جھولے میں کھیلتی تھی میرے بال چھوٹے تھے مجھے لایا گیا میں اس پر کھیل رہی تھی مجھے پکڑا گیا اور تیار کیا گیا اور مجھے آپؐ کے پاس پہنچایا گیا اور میں اپنی صورت چمکتے ہوئے ریشم میں دیکھ رہی تھی ۔

اس روائت سے یہ مستفاد ہے کہ عائشہ رضہ ابھی اتنی بچی تھیں کہ سر پر بال بھی نہیں تھے کہ رخصتی ہو گئی ۔

ان مرکب روایات کے رواۃ میں وہی تزوج والی روائت کے رواۃ ہیں جن پر ہم بحث کر چکے ہیں ۔ علاوہ ازیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایات بھی ہشام کے آخری سفر عراق کی مرویات ہیں۔ کیونکہ اندازِ روایت عنعنے کا ہے ۔ اور ایسی روایات کے متعلق امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ وکان لا یرضاہ مالکا ۔ وقد نقم علیه حدیثه لاهل العراق ۔

بعض رواۃ نے تو حضرت عائشہ رضہ کے کھیل کو غزوۂ تبوک تک پہنچا دیا	حدثنا محمد بن عوف

حدثنا سعید بن ابی مریم حدثنا یحیی بن ایوب قال حدثنی عمارة بن غزیة ان ابراھیم بن محمد حدثه عن ابی سلمة بن عبدالرحمن عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت قدم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من غزوة تبوك او خیبر وفی سھوتھا ستر فھبت ریح فکشفت ناحیة الستر عن بنات لعائشة رض لعب۔ فقال ما ھذا یا عائشة قالت بناتی ورای بینھن فرسا له جناحان من رقاع فقال ما ھذا الذی اری وسطھن قالت فرس قال وما ھذا الذی علیه قالت جناحان۔ قال فرس له جناحان؟ قالت اما سمعت ان لسلیمان خیلا لھا اجنحة قالت فضحك رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حتی رایت نواجذہ۔ (ابوداؤد۔ کتاب الادب ص ابن ماجہ ص)

محمد بن عوف نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی سعید بن ابی مریم نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی یحییٰ بن ایوب نے اس نے کہا عمارہ بن غزیہ نے ہم سے حدیث بیان کی بیشک ابراہیم بن محمد نے اس سے حدیث بیان کی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے عائشہؓ سے اس نے کہا رسول اللہ صلعم غزوہ تبوک سے واپس آئے یا غزوہ خیبر سے ان کے گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا ہوا چلی تو پردے کا ایک کونہ کھل گیا۔ جس کے پیچھے عائشہ رضؓ کے کھلونے تھے آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے اے عائشہ انھوں نے کہا میری گڑیاں ان میں آپ کو ایک گھوڑا نظر آیا جس کے دو پر تھے آپؐ نے فرمایا یہ ان کے بیچ میں میں کیا دیکھ رہا ہوں اس نے کہا دو بازو ہیں آپ نے فرمایا گھوڑا اور اس کے دو بازو اس نے کہا آپ نے نہیں سنا حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے کئی پر تھے اس نے کہا آپ ہنس دیئے اور میں نے ہنسنے سے آپ کی کچلیاں دیکھیں۔

حالانکہ غزوہٴ تبوک کے وقت حضرت عائشہ رضؓ ہشام کی روایت کی رُو سے سترہ سال کی تھیں۔

اس روایت کی سند پر ہم روایت تزوج کے ضمن میں گفتگو کر چکے ہیں۔ یہ شاہکار بھی سعید بن حکم کا معلوم ہوتا ہے۔

کھیل کے راوی بھی وہی ہیں جن پر تزوج کی روائت کے دوران بحث کی جا چکی ہے

ان روائتوں کے راوی تقریبًا وہی ہیں جو تزوج کی روایات کے ہیں۔ بلکہ ایک سند میں تو عبدالرزاق عن معمر عن ہشام ہے۔ اور عبدالرزاق اور معمر پر اور تمام رجالِ اسناد پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔

افسوس:۔ حضرت عائشہ رضؓ کے کھیل کے واقعات کو اس طرح مشتہر کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضؓ اور کھیل لازم و ملزوم بن گئے۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کا تصور بلا کھیل کے مشکل ہو گیا۔ اور ہشام کی بناء تسع والی روایت کی وجہ سے ہمارے رواۃ کے ذہن پر ایسا بچپن طاری ہوا کہ انہیں حضرت عائشہ رضؓ کی ہر بات میں حضرت عائشہ رضؓ کے ہر واقعہ میں بچپن نظر آنے لگا۔ رخصتی کے لئے بُلایا تو جھولنے میں تھیں۔ منہ بھی دھونا نہیں آتا تھا۔ رخصتی کے وقت ماں نے منہ دھویا۔ بناء کے وقت کھلونے ساتھ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی گھر میں تشریف لاتے تو حضرت عائشہ رضؓ سہیلیوں کے ساتھ کھلونوں میں مشغول ہوتیں۔ اور انتہا یہ کہ حضرت عائشہ رضؓ کے ہر عمل کی توجیہہ اس طفلانہ ذہن سے کی جانے لگی۔ کوئی نام یاد نہ آیا تو بچپن کی وجہ سے آیت یاد نہ آئی تو بچپن کی وجہ سے۔ کھانا اچھا نہیں پکتا تو بچپن کے باعث۔ آٹا گوندھتی گوندھتی سو جاتی ہیں کہ بچی تھیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عائشہ رضؓ کو ہمیشہ کے لئے بچی بنا کر رکھ دیا گیا

حضرت عائشہ رضؓ کی کم عمری کی روایت بیان کرنے والوں میں کچھ شیعہ رُواۃ بھی ہیں۔ خصوصیت سے عبدالرزاق بن ہمام صنعانی اور جعفر بن سلیمان انہوں نے ان روایات کو اپنے رنگ میں رنگ کر حضرت عائشہ رضؓ پر بچپن کا ایسا لیبل لگایا کہ اس قسم کی روایات سے ان کی پوری زندگی کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں گذاری تھی اس پر بچپن کا ٹھپہ لگا کر بے اعتبار بنا دیا اور حضرت عائشہ رضؓ کی زندگی تضاد کا شاہکار بن کر رہ گئی۔

حضرت عائشہ رضؓ کو ایک متضاد شخصیت بنا دیا گیا

یعنی ۹ سال کی عمر میں وہ پوری عورت شادی شُدہ بھی تھیں اور

ایسی بالکل بچی بھی تھیں جنہیں منہ دھونا بھی نہیں آتا تھا ۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت چہیتی بیوی تھیں مگر زفاف میں کھلونے ساتھ تھے ۔
خاتم الانبیاء کی محترم حرم تھیں مگر ہر وقت چھوکریوں کے ساتھ کھلونوں میں لگی رہتی تھیں ۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کا التفات اپنی طرف چاہتے تھے مگر حضرت عائشہ رض کو
بنات اور صواحب سے فرصت ہی نہ تھی ۔ گویا میاں اور بیوی میں بُونِ بعید تھا ۔
آپ گھر تشریف لاتے تو گھر کٹ پتلیوں کا عجائب خانہ بنا رہتا تھا ۔
بعض دفعہ حضرت عائشہ رض کی سہیلیوں کو آنحضرت ص سے چھپنا پڑتا تھا ۔
پرلے درجے کی کھلنڈری تھیں (نعوذ باللہ) مدینے کی کھلنڈری لڑکیاں سارا دن حضرت
عائشہ رض کے گھر میں رہتی تھیں ۔
ازواج کے ایک گروپ کی لیڈر تھیں ۔ مگر حضرت سلیمان ع کے گھوڑے سرہانے رکھے
رہتے ۔

حقیقت یہ ہے :۔ حقیقت یہ ہے کہ ہشام کی نام نہاد روایت کی وجہ سے حضرت عائشہ رض کے متعلق رواۃ کا ذہن اتنا چھوٹا ہو چکا تھا اور خود ان راویوں پر اس درجہ بچپن طاری ہو چکا تھا کہ انہوں نے اسلام سے پہلے کی مکی زندگی کے کھلونوں کو مدنی زندگی میں لا کر بیان کرنا شروع کر دیا ۔

۱۔ اسلام کی ابتدائی زندگی کے متعلق اور مکے کے واقعات کے متعلق سب سے مستند ذریعہ حضرت عائشہ رض کی روایات ہیں حتیٰ کہ بدء وحی کی روایت کی راویہ بھی حضرت عائشہ رض ہی ہیں ۔ خدا تعالیٰ نے ان کو غضب کا حافظہ دیا تھا ۔ بدو شعور سے لیکر مدینے کی ہجرت تک کے واقعات ان کو از بر تھے ۔ اس لئے وہ اپنی ابتدائی زندگی کے حالات حتیٰ کہ گڑیاں کھیلنے کے زمانے کے حالات نہایت شرح و بسط سے سناتی تھیں ۔ جزئیات تک کو نظر انداز نہیں فرماتی تھیں ۔ یہ زمانہ اسلام سے پہلے کا زمانہ تھا ۔ یہ حضرت عائشہ رض کی طفولیت کی باتیں ہیں شباب ہی سے آنحضرت صلعم کی حضرت ابوبکر رض سے دوستی تھی اور گھر جیسا تعلق تھا ۔ حضرت عائشہ رض کا یہ بیان کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز صبح شام ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت یہ حالات پیش آئے ہوں گے جن کا ان روایتوں میں ذکر ہے ۔ آپ حضرت عائشہ رض کو کھیلتے دیکھتے ہوں گے اور وہ چھوٹی چھوٹی بچیاں آں حضرت ص کو بزرگ خیال کر کے اِدھر اُدھر ہو جاتی ہوں گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازراہِ شفقت و تفریح ان بچیوں

کو حضرت عائشہ رض کے پاس کر دیتے ہوں گے۔

اس وقت آنحضرت کو خیال نہیں تھا کہ یہ بچی کسی وقت میری بیوی بنے گی اور حضرت ابو بکر رض کو بھی معلوم نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے داماد ہوں گے۔ اور حضرت عائشہ رض تو اس وقت بالکل بچی تھیں وہ اس وقت آنحضرت ص کو عم کی حیثیت سے جانتی تھیں۔ اس لئے ان روایات سے کسی امر پر استدلال سرے سے باطل ہے۔

یہ تو حضرت عائشہ رض کے حافظے کا کمال تھا کہ انہیں مہد تک کے حالات یاد تھے وہ انہوں نے بیان کر دئیے۔ یہ ان کے معصوم زمانے کی باتیں تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے بہت پہلے کی بابت ہے۔

اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ نکاح اور رخصتی کے بعد مدینے میں یہ واقعات پیش آتے تو ان تمام مذکورہ بالا روایات میں حضرت عائشہ رض کے گڑیوں سے کھیلنے کا ذکر ہے اور کھیل کھلونوں اور ساتھیوں کی معیت میں ہوتا ہے۔ اس لئے بنات اور صواحب کا ذکر بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے لیکن پوری کوشش کے باوجود ہمیں ان صواحب کا پتہ نہ چل سکا کہ یہ کون تھیں اور کہاں غائب ہوگئیں

معلوم یہ ہوتا ہے کہ بے مسمی (بے نام و نشاں) صواحب ہیں جن کا خارجی وجود تھا ہی نہیں۔ یہ حضرت ہشام کی ذہنی مخلوق ہیں۔ جن سے ان کے سوا کوئی واقف نہ ہو سکا۔ یہ طرز روایت ان کے شوق روایت پر دال ہے۔

اگر ان صواحب کا کوئی واقعی وجود ہوتا تو بعد کی زندگی میں وہ اس واقعے کو بیان کرتیں کہ ہم حضرت عائشہ رض کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا کرتے تھے۔ اور ہمیں دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے۔ لیکن کسی عورت کا اس قسم کا بیان تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ صواحب انصار کی بیٹیاں تھیں یا مہاجرین کی بیٹیاں تھیں۔ ان کے ماں۔ باپ، بھائی۔ بہن۔ بیٹے بیٹیاں کون تھے۔ یہ بچپن کی رخصتی کا واقعہ تو ایسا تھا کہ ہر ایک اسے یاد رکھتا۔ اور موقع بہ موقع ذکر کرتا۔ پھر ان خوش نصیب عورتوں کو اپنی زندگی کے ان عجیب واقعات کو جی بھر کے خوب خوب بیان کرنا چاہئیے تھا۔ کہ ہمیں نبی کریم ص کے گھر میں مسجد نبوی کے احاطے میں نبی کریم ص کی پیاری بیوی کے ساتھ کھیلنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ اور مزید برآں اس ذریعے سے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوتی تھی ۔ انہیں ہرصورت خوش بختی کا ذکر کرنا چاہیئے تھا
مدینے کے اصحاب علم کا ایک گروہ بڑی بوڑھیوں سے آنحضرت ص کے عہد مبارک کے واقعات معلوم کرنے کے لئے گھر گھر پھرا کرتا تھا ۔ زہری اپنے وقت میں اس معاملے میں پیش پیش تھے لیکن ان کو مدینے کی پوری بستی میں ایک عورت بھی ایسی نہیں ملی جو ان صواحب کے متعلق کچھ بتا سکتی ۔ کبھی کسی نے نہیں کہا کہ میں یا میری ماں خالہ ، پھوپھی ، دادی ، نانی ان صواحب میں شامل تھیں ۔

یہ تمام روایتیں الا ماشاء اللہ حضرت ہشام سے منقول ہیں ۔ اس لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو ہشام مظلوم ہیں کہ بعد کے رواۃ نے ہر رطب و یابس ان کی طرف منسوب کر دیا جیسا کہ حسن بصری کے ساتھ ہوا جو نہایت ثقہ اور متقی تابعی ہیں ۔

آپ وعظ و تذکیر اور صوفیاء کرام کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجئے ۔ ہر قسم کی موضوعات ان سے منسوب ملتی ہیں ۔ ارباب تصوف کے بیشتر سلسلے حسن بصری کے ذریعے حضرت علیؓ سے چلے ہیں ۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ حسن بصری رح کا حضرت علی رض سے نہ لقاء ثابت نہ سماع ابھی حسن پیدا بھی نہیں ہوئے تھے یا ابھی بے شعور بچے تھے کہ حضرت علی رض شہید ہو گئے تھے ۔ اور یا پھر حضرت ہشام کا شغل ہی یہ ہو گیا تھا کہ حضرت عائشہ رض کے متعلق اپنے استنباط کو مستحکم بنانے کے لئے بچپن کے لوازمات دل کھول کر بیان کرنے شروع کر دیئے تھے اور حضرت عائشہ رض کے بچپن کے کھیل کے واقعات خوب لطف لے کر بیان کرتے تھے ۔ واللہ اعلم ۔

بھلا غور تو کیجئے :۔ بھلا غور تو کیجئے یہ کس کردار کی تصویر ہے ۔ کیا اسی کردار کی جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔

فضل عائشۃ رض علی نساء العالم کفضل الثرید علی سائر الطعام

ان لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ ان واقعات سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق کیا خیال پیدا ہوگا ۔ اور آپ کا متوازن کردار دنیا کے سامنے کس رنگ میں ظاہر اور اعداء اسلام کے لئے حوصلہ افزاء ہوگا ۔

حضرت عائشہ رض کی تنقیص کرتے کرتے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص تک جا پہنچے ہیں ۔

نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات واستغفر اللہ من نقل ھذہ الھفوات ۔

کیا صرف عائشہ رض ہی کھیلتی تھیں؟

بچپن ہر ایک پر ہی گزرتا ہے۔ زندگی میں ہر بچہ کھیلتا ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے متعلق کہیں کھیل کا ذکر نہیں۔

آپ کی تمام صاحبزادیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں خانۂ نبوت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی ہے۔ خصوصیت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا بچپن آپ ص کی نبوت کے زمانہ میں گزرا ہے۔ یہ سب صاحبزادیاں ایک متمول ماں کی لاڈلی بیٹیاں تھیں کھلونے بھی ہوں گے۔ کھیلتی بھی ہوں گی۔ سہیلیاں بھی ہوں گی۔ لیکن کہیں بھی اُن کے کھلونوں کا ذکر ہے؟ یہ حضرت عائشہ رض کے کھلونے کیا ایسے ہو گئے کہ ان کی تشہیر ابدالآباد تک کی جانی ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے:- حقیقت یہ ہے کہ نام نہاد روایت ہشام کی وجہ سے حضرت عائشہ رض کے متعلق رُواۃ کا ذہن اتنا چھوٹا ہو چکا تھا اور خود ان راویوں پر اس درجہ بچپن طاری ہو چکا تھا کہ انہوں نے اسلام سے پہلے کی یعنی مکی زندگی کے کھلونوں کو مدینے کی زندگی میں بیان کرنا شروع کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کی کم عمری کا

تیسرا ماخذ

گانے کی روایات

عیدالاضحیٰ کے دنوں میں گانے کی روایات

یہ روایات حضرت عروہ سے مروی ہیں۔ اور حضرت عروہ سے ان تمام کو بیان کرنے والے صرف دو راوی ہیں اور کوئی نہیں ہے۔ ۱۔ ایک ہشام بن عروہ (۲)، دوسرے زہری۔

بعض محدثین نے خال خال ان کا متابع بھی پیش کیا ہے۔ ہم ان روایات کو مختلف کتب حدیث سے پیش کر رہے ہیں۔ ان کے متن کے الفاظ میں بہت کم اختلاف ہے البتہ اسناد مختلف ہیں۔

۱ بخاری بروایت عبید بن اسماعیل (ہشام)

حدثنا عبید بن اسماعیل قال حدثنا ابواسامۃ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت دخل علی ابوبکر و عندی جاریتان من جواری الانصار یوم بعاث قالت ولیستا بمغنیتین۔ فقال ابوبکر بمزامیر الشیطان فی بیت رسول اللہ۔ وذلک فی یوم عید۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاابابکر ان لکل قوم عیدا فھذا عیدنا۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ باب الحراب والدرق فی المسجد)

عبید بن اسماعیل نے ہم سے حدیث بیان کی ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا میرے پاس ابوبکر آئے اور میرے پاس دو چھوکریاں تھیں۔ انصار کی لونڈیوں میں سے یوم بعاث کے گیت گا رہی تھیں وہ گانے والیاں نہیں تھیں پس ابوبکر نے کہا مزامیر شیطان اور رسول اللہ صلعم کے گھر میں ؟ اور عید کے دن میں پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے ابوبکر ہر قوم کا ایک عید کا دن ہوتا ہے پس یہ ہماری عید ہے۔

عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸
طبقہ ثانیہ عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶
تاسعہ ابواسامہ	سنہ ۱۲۱	سنہ ۲۰۱
عاشرہ عبید بن اسماعیل	سنہ	سنہ ۲۵۰

(بخاری)

۲ مسلم بروایت ابوبکر بن ابی شیبہ (ہشام)

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ قال حدثنا ابواسامۃ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رض قالت دخل علی ابوبکر وعندی جاریتان من جواری الانصار تغنیان بما تقاولت الانصار یوم بعاث ولیستا بمغنیتین فقال ابوبکر بمزمور الشیطان فی بیت رسول اللہ وذلک فی یوم عید فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابابکر ان لکل قوم عیدا وھذا عیدنا

(مسلم۔ باب العیدین)

۲- ابوبکر بن شیبہ نے بیان کیا اس نے کہا ہم سے ابواسامہ نے حدیث بیان کی ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے انہوں نے کہا میرے گھر ابوبکر رض آئے اور میرے پاس دو لونڈیاں تھیں انصار کی لونڈیوں سے گا رہی تھیں جو انصار نے یوم بعاث کے متعلق کہا ہے لیکن وہ باقاعدہ گانیوالی نہیں تھیں۔ ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ کے گھر میں اور مرموز شیطان یہ عید کے دن میں تھا پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ اے ابوبکر ہر قوم کی عید ہوتی ہے۔ اور یہ ہماری عید ہے۔

	طبقہ	نام	سنہ	سنہ
۲		عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸
	ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
	خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶
	تاسعہ	ابواسامہ	سنہ ۱۲۱	سنہ ۲۰۱
	عاشرہ	ابوبکر بن ابی شیبہ	سنہ ۱۶۴	سنہ ۲۳۵

(مسلم)

۳۔ مسلم بروایت یحییٰ بن یحییٰ (ہشام) | وحدثناہ یحیی بن یحیی وابوکریب جمیعًا عن ابی معاویۃ عن ہشام بہذا الاسناد

وفیہ جاریتان بدف (مسلم باب العیدین)

اور یہی حدیث یحییٰ بن یحییٰ نے بیان کی اور ابوکریب نے اکٹھی ابی معاویہ سے اس نے ہشام سے اسی سند کے ساتھ البتہ دو لونڈیاں دف کے ساتھ تھیں ۔

	طبقہ	نام	سنہ	سنہ
۳۔		عائشہ رض		سنہ ۵۸
	ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
	خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶
	تاسعہ	ابومعاویہ	سنہ ۱۱۳	سنہ ۱۹۵
	عاشرہ	یحییٰ بن یحییٰ	سنہ ۱۴۲	سنہ ۲۲۶
		، ابوکریب		

(مسلم)

۴۔ مسلم بروایت ہارون بن سعید الایلی (زہری) | وحدثنی ہارون بن سعید الایلی قال نا ابن وہب قال

اخبرنی عمرو ان ابن شہاب حدثہ عن عروۃ عن عائشۃ رض قالت ان ابا بکر دخل علیہا وعندہا جاریتان فی ایام منیٰ تغنیان وتضربان ورسول اللہ مسجی بثوبہ فانتہرہما ابوبکر فکشف رسول اللہ فقال دعہما یا ابابکر فانہا ایام عید (مسلم باب العیدین)

۴۔ ہارون بن سعید ایلی نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے ابن وہب نے حدیث بیان کی اس نے کہا مجھے خبر دی عمرو نے کہ ابن شہاب نے یہ حدیث عروہ سے سنی اُس نے عائشہ رض سے اس نے کہا کہ ابوبکر رض اس کے گھر میں آئے اس کے پاس اس وقت دو

لونڈیاں تھیں یہ منیٰ کے ایام تھے گا رہی تھیں اور بجا رہی تھیں اور رسول اللہ صلعم منہ پر چادر تانے لیٹے تھے پس ابوبکر رضہ نے ان دونوں کو جھڑکا پس رسول اللہ صلعم نے منہ کھولا اور فرمایا اے ابوبکر رضہ چھوڑ دو ان دونوں کو یہ ایام عید ہیں

۴ -			
	عائشہ	سنہ	سنہ ۵۸
ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
رابعہ	زہری	سنہ ۵۸	سنہ ۱۲۴
سابعہ	عمرو بن الحارث	سنہ	سنہ ۱۵۰
تاسعہ	عبداللہ بن وہب	سنہ ۱۲۵	سنہ ۱۹۷
عاشرہ	ہارون بن سعید	سنہ ۱۷۰	سنہ ۲۵۳

(مسلم)

۵- نسائی بروایت قتیبہ بن سعید (زہری)

اخبرنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا محمد بن جعفر عن معمر عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا وعندہا جاریتان تضربان بدفین فانتہرہما ابوبکر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعہن فان لکل قوم عیدا

(نسائی جلد ۱ - ضرب الدف یوم العید ص ۲۳۶)

۵ قتیبہ بن سعید نے ہمیں خبر دی اس نے کہا محمد بن جعفر نے ہمیں خبر دی معمر سے اس نے زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضہ سے کہ رسول اللہ صلعم گھر میں داخل ہوئے اور اس کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو دو دف بجا رہی تھیں پس ان کو ابوبکر رضہ نے ڈانٹا پس نبی صلعم نے کہا انہیں چھوڑ دو ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے ۔

	عائشہ رضہ	سنہ	سنہ ۵۸
ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
رابعہ	زہری	سنہ ۵۸	سنہ ۱۲۴
سابعہ	معمر	سنہ ۹۶	سنہ ۱۵۴
عاشرہ	محمد بن جعفر	سنہ	سنہ ۲۲۸
عاشرہ	قتیبہ بن سعید	سنہ ۱۵۰	سنہ ۲۴۰

(نسائی)

۶ - نسائی بروایت احمد بن حفص (زہری)	اخبرنا احمد بن حفص عبداللہ قال حدثنی ابی قال حدثنی

ابراھیم بن طھمان عن مالک ابن انس عن الزھری عن عروۃ انہ حدثہ ان عائشۃ حدثتہ ان ابا بکر ن الصدیق دخل علیھا وعندھا جاریتان تضربان بالدف وتغنیان ورسول اللہ مسجی بثوبہ وقال مرۃ اخری متسج بثوبہ فکشف عن وجھہ فقال دعھما یا ابا بکر فانھا ایام عید وھن ایام منیٰ ورسول اللہ یومئذ بالمدینۃ ۔

(نسائی جلد ۱ - باب الدف ص ۲۳۶)

۶ - احمد بن حفص عبداللہ نے ہمیں خبر دی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا ابراہیم بن طہمان نے مجھے حدیث بیان کی مالک بن انس سے اس نے زہری سے اس نے عروہ سے اس نے حدیث بیان کی کہ عائشہ رض نے عروہ کو بتلایا کہ ابوبکر رض اس کے گھر آئے اس کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلعم کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے تھے اور دوسری دفعہ کہا اپنے کپڑے میں لیٹے تھے آپ نے چہرہ کھولا اور فرمایا اے ابوبکر رض انہیں چھوڑ دو یہ عید کے دن ہیں وہ ایام منیٰ تھے اور رسول اللہ صلعم اس وقت مدینے میں تھے

۶ -	عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸
ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
رابعہ	زہری	سنہ ۵۸	سنہ ۱۲۴
سابعہ	مالک بن انس	سنہ ۹۳	سنہ ۱۷۹
سابعہ	ابراہیم بن طہمان	سنہ	سنہ ۱۶۸
عاشرہ	امام احمد	سنہ ۱۶۴	سنہ ۲۴۱
حادی عاشرہ	احمد بن حفص عبداللہ	سنہ ۱۱۵	سنہ ۲۹۰

(نسائی)

۷ مسند امام احمد بروایت عبداللہ	حدثنا عبداللہ ثنی ابی حدثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ

عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ ان ابا بکر دخل علیھا ورسول اللہ

عندها يوم فطر او اضحى و عندها جاريتان تضربان بدفين فانتهرهما ابو بكر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم دعنا يا ابا بكر ان لكل قوم عيدا وان عيدنا هذا اليوم (مسند احمد جلد ۶ صـ ۹۹)

۷۔ عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا محمد بن جعفر نے ہم سے حدیث بیان کی ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے کہا شعبہ نے اس نے عائشہ رض سے کہ ابوبکر رض اس کے گھر میں گئے اور رسول اللہ صلعم اس کے پاس تھے یوم فطر تھا یا ضحیٰ اور اس کے پاس دو لونڈیاں تھیں دو دف بجا رہی تھیں پس ابوبکر رض نے ان دونوں کو ڈانٹا پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا چھوڑ دو اے ابوبکر رض ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے۔ اور ہماری عید یہ دن ہے۔

۷۔		
عائشہ رض	سنہ	۵۸ سنہ
عروہ	۲۳ سنہ	۹۴ سنہ
ہشام	۶۱ سنہ	۱۴۶ سنہ
شعبہ	سنہ	۱۶۰ سنہ
محمد بن جعفر	سنہ	۲۲۸ سنہ
امام احمد	۱۶۴ سنہ	۲۴۱ سنہ
عبداللہ	۲۱۵ سنہ	۲۹۰ سنہ

(مسند امام احمد)

جملہ روایات کا مرکزی مضمون

دوسری کتب حدیث میں بھی یہ روایۃ تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ آتی ہے۔ اس قسم کی روایات سے بھی حضرت عائشہ رض کا بچپن ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اور یہ کہ بچپن کے باعث ان کو گانا سننے کا شوق تھا۔ حالانکہ نہ ان سے بچپن ثابت ہوتا ہے اور نہ گانا سننے کا شوق۔ اس لئے کہ روایت کا مرکزی مفہوم یہی ہے کہ حضرت عائشہ رض کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ دو لونڈیاں آئیں اور انہوں نے گانا شروع کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھ کر ایک طرف لیٹ رہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رض آ گئے۔ انہوں نے لونڈیوں کو ڈانٹ دیا کہ نبی کے گھر میں یہ کیا فضول حرکت ہے۔ آپ نے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا کہ اے ابوبکر ان سے درگزر کرو۔

ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے آج ہماری عید ہے ، عید کی وجہ سے انہیں اپنے جذبات مسرت ظاہر کرنے کی اجازت ہے ۔ یہ دو نوں لونڈیاں انصار کی لونڈیوں میں سے تھیں اور یوم بعاث کے گانے گا رہی تھیں ۔ کوئی با قاعدہ گانے والی نہ تھیں ، بلکہ غیر ماہر چھوکریاں تھیں ۔ محض عید کی خوشی میں شغل کر رہی تھیں یہ بقر عید کے دن تھے ۔ یہ ایک اتفاقی امر تھا ۔ کہ عید کے دن یہ گانے کا واقعہ حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں پیش آیا ۔ اور حضرت ابو بکر رضؓ نے ان کو یا حضرت عائشہ رضؓ کو ڈانٹا ۔

غیر اہم واقعہ کو اہم بنا دیا گیا

حضرت ابو بکر رضؓ کے ڈانٹنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ " کیوں نبی کریم کے آرام میں خلل ڈال رہی ہو ، تمہیں اتنا بھی احساس نہیں ہے کہ آپؐ آرام فرما رہے ہیں اور تم ٹرٹرا رہی ہو ۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ گانا سننے کا شوق رکھتی تھیں ۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ لونڈیاں دوسری ازواج کے ہاں بھی عید منانے گئی ہوں اور وہاں بھی انہوں نے بعاث کا گانا گایا ہو ، حضرت عائشہ رضؓ نے یہ واقعہ سُنا دیا ہو اور آگے یہ بات رواۃ تک پہنچ گئی ہو ۔ دوسری ازواج نے یہ قصہ کسی کو نہ سنایا اور آگے یہ بات نہ چلی ہو ۔

یہ روایات سراسر مدرج اور ملفق روایات ہیں ۔

مندرجہ بالا لونڈیوں کے گانے کی روایات اور صفحاتِ آئندہ میں آنے والی حبشیوں کے کھیل دیکھنے کی روایات سے ہمیں براہ راست کوئی تعرض نہیں ہے ۔ ہم ان روایات کے منکر نہیں ہیں ۔ ان کے معانی اور مطالب سے بحث کرنا علمائے حدیث کا کام ہے ۔ ہمیں تو صرف تاریخی حیثیت سے یہ جانچنا ہے کہ آیا کوئی ایسا واقعہ پیش آیا یا نہیں ، اور اس کا حضرت عائشہ رضؓ کی کم عمری سے کیا تعلق ہے ۔

چونکہ ان روایات میں رواۃ نے تلفیق کی ہے اور ان روایات کو بنیاد بنا کر ان میں بعض رواۃ نے اپنی طرف سے ناجائز اضافے یعنی ادراج کیا ہے اور وہ ادراج اصل روایت کا جزو بن چکا ہے اور اس ادراج نے ان روایات کا بھی حلیہ بگاڑ دیا ہے ۔ اور حضرت عائشہؓ کے متعلق شدید غلط فہمی پیدا کی ہے ۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان تمام روایات کا تحقیقی

جائزہ لیا جائے اور یہ متعین کیا جائے کہ اصل روایات کتنی ہیں اور ادراج کتنا ؟ نیز یہ ظاہر کیا جائے کہ اصل روایت میں یہ اضافہ کس نے کیا ؟ کب کیا ؟ کیوں کیا . اور یہ قابل قبول بھی ہے یا نہیں .

اس کے لئے ہمیں نہ صرف ان میں سے بعض روایات کے متن پر گفتگو کرنی ہوگی بلکہ ان کے اسناد کی بھی تحقیق کرنی ہوگی . اور رجال پر تحقیقی نظر ڈالنی ہوگی . اور حدیث کی بعض اصطلاحات کی توضیح بھی کرنی ہوگی . مقابلے اور موازنے کے لئے کچھ تفصیل سے بھی کام لینا ہوگا .

اور یہ جملہ ضروری مباحث ہم آئندہ صفحات میں حبشیوں کے کھیل والی روایات کو درج کرنے کے بعد اکٹھے پیش کریں گے .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری کا

چوتھا ماخذ

حبشیوں کے کھیل کی روایات

بیشتر روایات ہشام سے منقول ہیں

یہ روایات بیشتر ہشام بن عروہ سے منقول ہیں ۔ کچھ زہری سے بھی منقول ہیں ، یہ دونوں عروہ سے روایت کرتے ہیں ۔ اور عروہ حضرت عائشہ رضؓ سے اور ایک روایت حضرت عائشہ رضؓ سے بذریعہ عبید ابن عمیر منقول ہے اور ایک روایت حضرت عائشہ رضؓ سے بذریعہ ابو سلمہ مروی ہے ۔

اسی سلسلہ میں محض ایک مجمل روایت صرف زہری نے سعید بن المسیب سے اور انہوں نے ابو ہریرہ رضؓ سے روایت کی ہے ۔ یعنی یہ حبشیوں کے کھیل کی روایت حضرت عائشہ رضؓ کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے بھی منقول ہے ۔ ابو ہریرہ رضؓ سے اس روایت کو نقل کرنے والے سعید بن المسیب ہیں ۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کی روایت کے راوی ایک عروہ ہیں ، دوسرے عبید بن عمیر رضؓ اور تیسرے ابو سلمہ رضؓ ۔

عروہ کی اس کھیل کی روایت میں حضرت عمر رضؓ کا ذکر نہیں ہے ۔ سعید بن المسیب کی روایت میں حضرت عمر رضؓ کے ڈانٹنے کا ذکر ہے ۔ یہ دونوں روائتیں زہری کے ذریعے ان کے تلامیذ کو پہنچی ہیں ۔

ہم پہلے حضرت عائشہ رضؓ والی روائت پر مختصر بحث کریں گے اور اس کے بعد

سعید بن المسیب رضؓ والی روایت کو لیں گے ۔

۱۔ بخاری بروائت عبدالعزیز

حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح بن کیسان عن ابن شھاب قال اخبرنی عروۃ بن زبیر ان عائشۃ رضؓ قالت۔ رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون فی المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسترنی بردائہ انظر الی لعبھم ۔

عبداللہ بن عزیز نے ہم سے حدیث بیان کی ۔ اس نے کہا ابراہیم بن سعد نے ہم سے حدیث بیان کی صالح بن کیسان سے اس نے ابن شہاب سے اس نے کہا مجھے عروہ بن زبیر نے بتلایا عائشہ رضؓ نے کہا ایک دن میں نے رسول اللہ صلعم کو اپنے حجرے کے دروازے پر دیکھا اور حبشی لوگ مسجد میں کرتب دکھا رہے تھے اور رسول اللہ صلعم مجھے اپنی چادر سے ڈھانپے ہوئے تھے اور میں ان کے کرتب دیکھ رہی تھی ۔

۱۔ زہری عن عروہ عن عائشہ رضؓ پہلی روائت میں مسجد کا ذکر ہے ۔
۲ 〃 〃 〃 دوسری روائت میں مسجد کا ذکر نہیں ہے
۳ عبید بن عمیر عن عائشہ رضؓ مسجد کا ذکر ہے ۔
۴ ہشام عن عروہ عن عائشہ رضؓ حبشیوں کا کھیل عید کے دن مگر مسجد نہیں ہے ۔
۵ 〃 〃 〃 مسجد میں
۶ ابو سلمہ عن عائشہ رضؓ 〃 〃 〃 مسجد میں مگر عید کا دن نہیں ہے

۱	عائشہ رضؓ	سنہ	سنہ ۵۸
ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
رابعہ	زہری	سنہ ۵۸	سنہ ۱۲۴
رابعہ	صالح بن کیسان	سنہ	سنہ ۱۴۱
ثامنہ	ابراہیم بن سعد	سنہ	سنہ ۱۸۵
عاشرہ	عبدالعزیز بن عبداللہ		

(بخاری)

۲- بخاری بروایت ابراھیم بن المنذر | دا ابراھیم بن المنذر قال حدثنا وھب قال اخبرنی

یونس عن ابن شھاب عن عروۃ عن عائشۃ رض رایت النبی والحبشۃ یلعبون بحرابھم ۔ (بخاری باب جلد اول)

ابراہیم بن منذر نے کہا وہب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا مجھے یونس نے بتلایا بن شہاب سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور حبشی لوگ کھیل رہے تھے ۔

۲-	عائشہ رض	سنہ	سنہ ۵۸
ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
رابعہ	زہری	سنہ ۵۸	سنہ ۱۲۴
سابعہ	یونس بن یزید	—	سنہ ۱۵۹
تاسعہ	ابن وہب	سنہ ۱۲۵	سنہ ۱۹۷
عاشرہ	ابراہیم بن المنذر	—	سنہ ۲۳۶

(بخاری)

۳- مسلم بروایت ابراھیم بن دینار | حدثنا ابراھیم بن دینار و عقبۃ بن مکرمۃ العمی وعبد

بن حمید کلھم عن ابی عاصم واللفظ لعقبۃ قال نا ابو عاصم عن ابن جریج قال اخبرنی عطاء قال اخبرنی عبید بن عمیر قال اخبرتنی عائشۃ رض انھا قالت للعابین وددت انی اراھم قالت فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقمت علی الباب انظر بین اذنیہ وعاتقہ وھم یلعبون فی المسجد قال عطاء فرس او حبش قال لی ابن عتیق بل حبش ۔

(مسلم ۔ باب العیدین)

ابراہیم بن دینار اور عقبہ بن مکرمہ العمی اور عبد بن حمید تمام نے ابی عاصم سے اور لفظ عقبہ کے ہیں اس نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ابو عاصم نے بن جریج سے اس نے کہا مجھے عطاء نے بتلایا اس نے کہا مجھے عبید بن عمیر نے خبر دی اس نے کہا مجھے عائشہ رض نے خبر دی اس نے کہا کھیلنے والوں کو چاہا کہ میں انہیں دیکھوں ، اس نے کہا رسول اللہ صلعم کھڑے ہو گئے میں دروازے میں کھڑی ہو گئی آپ کی گردن اور کانوں کے بیچ میں

سے انہیں دیکھ رہی تھی اور وہ مسجد میں کھیل رہے تھے عطاء نے کہا فارسی تھے یا حبشی مجھے بن عتیق نے کہا حبشی تھے ۔

۳ ۔		عائشہ رضؓ	—	۵۸ھ
	ثانیہ	عبید بن عمیر	—	۷۲ھ
	ثالثہ	عطاء	—	۱۱۴ھ
	سادسہ	ابن جریج	۷۵ھ	۱۵۰ھ
	تاسعہ	ابوعاصم النبیل	—	۲۱۲ھ
	حادی عشر	عبد بن حمید	۱۸۵ھ	۲۴۹ھ
	"	عقبہ بن مکرم	—	—
	عاشرہ	ابراہیم بن دینار	—	۲۳۲ھ

(مسلم)

۴ ۔ نسائی بروائت محمد بن آدم | اخبرنا محمد بن آدم عن عبدۃ عن هشام عن ابیہ عن عائشۃؓ

قالت جاءت السود ان یلعبون بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم عید ۔ فدعانی کنت اطلع علیہم من فوق عاتقہ فمازلت انظر الیہم حتی کنت انا اللتی انصرفت ۔ (نسائی ضرب الدف یوم العید)

محمد بن آدم نے ہمیں خبر دی عبدہ سے اس نے ہشام سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضؓ سے اس نے کہا سوڈانی آئے نبی ؐ کے سامنے کھیلنے لگے آپ نے مجھ بلایا میں آپ کی گردن پہ جھا نکنے لگی میں دیر تک دیکھتی رہی پھر خود ہی لوٹ آئی ۔

۴ ۔		عائشہ رضؓ	—	۵۸ھ
	ثانیہ	عروہ	۲۳ھ	۹۴ھ
	خامسہ	ہشام	۶۱ھ	۱۴۶ھ
	ثامنہ	عبدہ بن سلیمان	—	۱۸۷ھ
	عاشرہ	محمد بن آدم	۲۰۵ھ	—

(نسائی)

۵ ۔ مسلم بروایت جریر عن ہشام | حدثنا زہیر بن حرب قال اخبرنا جریر عن هشام عن

ابیہ عن عائشۃ رض قالت جاء حبش یزفنون فی یوم عید فی المسجد فدعانی النبی فوضعت راسی علی منکبہ فجعلت انظر الی لعبھم حتی کنت انا التی انصرف عن النظر الیھم ۔

۵۔ زہیر بن حرب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہمیں خبر دی جریر نے ہشام سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا حبشی آئے عید کے دن مسجد میں کرتب دکھانے لگے مجھے نبی صلعم نے بلایا میں نے اپنا سر آپ کے کندھے پر رکھدیا اور میں ان کے کھیل کو دیکھنے لگی یہاں تک کہ میں خود ہی ان کے دیکھنے سے ہٹ گئی ۔

۵	عائشہ رض	—	۵۸ھ
	عروہ	۲۳ھ	۹۴ھ
	ہشام	۶۱ھ	۱۴۶ھ
ثامنہ	جریر بن عبدالحمید	۱۱۷ھ	۱۸۸ھ
عاشرہ	زہیر بن حرب	۱۶۰ھ	۲۳۴ھ

۶۔ مسلم بروایت یحییٰ بن یحییٰ (مسلم) حدثنا یحییٰ بن یحییٰ قال حدثنا یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ ح وحدثنا ابن نمیر قال انا محمد بن بشر کلاھما عن ھشام بھذا الاسناد ولم یذکرا فی المسجد (مسلم باب العیدین)

یحییٰ بن یحییٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ نے ہم سے حدیث بیان کی ح اور ابن نمیر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا محمد بن بشر نے ہم سے حدیث بیان کی ان دونوں نے ہشام سے اسی اسناد کے ساتھ اور ان دونوں نے مسجد کا ذکر نہیں کیا ۔

	عائشہ رض		۵۸ھ
	عروہ	۲۳ھ	۹۴ھ
	ہشام	۶۱ھ	۱۴۶ھ
تاسعہ	محمد بن بشر		۲۰۳ھ
ء	عبداللہ بن نمیر	۱۱۵ھ	۱۱۹ھ
عاشرہ	یحییٰ بن یحییٰ		۲۳۴ھ

تاسعہ	یحییٰ بن زکریا	سنہ ۹۴	سنہ ۱۸۴

(مسلم)

۷۔ **مسند امام احمد بروایت عبداللہ** | حدثنا عبداللہ ثنی ابی قال حدثنا محمد بن بشر قال حدثنا هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رض ان الحبشة لعبوا لرسول الله فدعاني فنظرت من فوق منكبه حتى شبعت (مسند امام احمد جلد ۶ ص ۲۳۳)

عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا مجھ سے میرے باپ نے حدیث بیان کی اس نے کہا محمد بن بشر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہشام بن عروہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے کہ حبشی کھیل رہے تھے رسول اللہ صلعم کے لئے آپ نے مجھے بلایا۔ میں نے آپ کے مونڈھے پر سے دیکھا۔ یہاں تک کہ میرا جی بھر گیا۔

۷		عائشہ رض		سنہ ۵۸
		عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
		ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶
	تاسعہ	محمد بن بشر		سنہ ۲۰۳
	عاشرہ	امام احمد	سنہ ۱۶۴	سنہ ۲۴۱
	ثانی عشر	عبداللہ	سنہ ۲۱۵	سنہ ۲۹۰

(مسند امام احمد)

۸۔ **نسائی بحوالہ فتح الملہم** | وفی روایت یزید بن رومان فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما شبعت قالت فجعلت اقول لا لانظر منزلتی عنده. قال رسول الله حسبك قلت يا رسول الله لا تعجل (نسائی بحوالہ فتح الملہم باب العیدین)

یزید بن رومان کی روایت میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کیا جی نہیں بھرا۔ اس نے کہا میں کہنے لگی نہیں تاکہ میں آپ کے نزدیک اپنا مرتبہ دیکھ لوں رسول اللہ صلعم نے فرمایا کافی ہے تیرے لئے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ جلدی نہ کیجئے۔

عائشہ رض	سنہ ۵۸
ابو سلمہ	

رابعہ	محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی	—	۱۲۰ھ
خامسہ	ابن الہاد یزید بن عبداللہ	—	۱۳۹ھ
۹ }	زکریا بن نصیر	۱۲۵ھ	۱۹۷ھ
۱۰ }	ابن وہب	۱۲۵ھ	۱۹۵ھ
عاشرہ	یونس عبدالاعلیٰ	۱۶۰ھ	۲۶۴ھ

(مشکل الآثار)

۹ نسائی بحوالہ فتح الباری | وفی روایۃ النسائی عنہا سمعت لغطا وصوت صبیان فقام النبی فاذا حبشیۃ تزفن والصبیان حولہا فقال یا عائشۃ رض تعالیٰ فانظری

(فتح الباری جلد ۲ ص ۳۵۵ مطبوعہ مصر)

نسائی کی روایت میں ہے جو عائشہ رض سے منقول ہے شور اور بچوں کی آواز سنی. پس نبی کریم صلعم کھڑے ہوئے تو دیکھا حبشنیں اچھل کود رہی ہیں اور بچے ان کے گرد ہیں آپ نے فرمایا اے عائشہ رض دیکھ۔ یونس نے ہم سے حدیث بیان کی.

۱۰۔ مشکل الآثار بروایت یونس | حدثنا یونس ثنا ابن وھب حدثنی زکریا بن نصیر عن ابن الھاد عن محمد بن ابراھیم بن الحارث التیمی عن ابی سلمۃ عن عائشۃ قالت دخلت الحبشۃ المسجد یلعبون فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا حمیراء اتحبین ان تنظری الیھم فقلت نعم ۔ فقام بالباب وجئتہ فوضعت ذقنی علی عاتقہ واسندت وجھی الی خدہ وان قولھم یومئذ ابالقاسم (ابوالقاسم) طیبا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبک ۔ قلت یا رسول اللہ لا تعجل ثم قال حسبک فقلت یا رسول اللہ لا تعجل ومالی احب انظر الیھم ولکن احببت ان یبلغ النساء مقامی او مکانی عندہ ۔ (مشکل الآثار جلد اول ص ۱۱ و فتح الباری جلد ۲ باب العیدین ص ۳۵۵ مطبوعہ مصر)

۱۰۔ اس نے کہا وہب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا زکریا بن نصیر نے مجھ سے حدیث بیان کی ابن ہاد سے اس نے محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی سے اس نے ابوسلمہ سے اس نے عائشہ رض سے۔ اس نے کہا حبشی مسجد میں داخل ہو گئے پس نبی صلعم نے فرمایا اے حمیرا کیا تو پسند کرتی ہے انہیں دیکھے میں نے کہا ہاں: پس آپ دروازے میں کھڑے

ہو گئے اور میں آپ کے پاس آئی میں نے اپنی ٹھوڑی آپ کے کندھے پر رکھ دی اور اپنا چہرہ آپ کے گال سے لگالیا اور اس دن وہ پکار رہے تھے اے ابوالقاسم راضی ہیں پس رسول اللہ نے فرمایا کافی ہے میں نے کہا یا رسول اللہ جلدی نہ فرمائیں پھر آپ نے فرمایا کافی ہے میں نے کہا یا رسول اللہ جلدی نہ فرمائیں مجھے ان کا دیکھنا پسند نہیں ہے میں یہ چاہتی تھی کہ عورتیں دیکھ لیں میرا مقام آپ کے نزدیک کتنا ہے ۔

ان مذکورہ بالا روایات میں حبشیوں کے مسجد میں یا مسجد کے ملحقہ میدان میں کھیلنے کا ذکر ہے۔

ان سب روایات میں ایک ہی واقعہ ہے

یہ سب روایات ایک ہی واقعہ پر مشتمل معلوم ہوتی ہیں ۔ رواۃ کے مختلف ہو جانے سے انداز بیان مختلف ہوگیا۔ حقیقت میں یہ فوجی کرتب اور حربی مشقیں تھیں ان کا دیکھنا منع نہیں ہے ۔ ان پر لعب کا اطلاق مجازاً ہے ۔ کہ ان کے دیکھنے سے طبیعت میں انبساط ہوتا ہے ۔ ورنہ حقیقت میں یہ کھیل نہیں تھے ۔ مسجد نبویؐ میں ان اعمال حربیہ کو آپ خود بھی دیکھ رہے تھے اور آپ کے پیچھے کھڑی ہو کر حضرت عائشہؓ بھی دیکھ رہی تھیں پس پردہ کسی بالغ عورت کا اعمال حربیہ کو دیکھنا ممنوع نہیں ہے آپ اپنے حجرے میں پردے کے اہتمام کے ساتھ یہ حربی مشقیں دیکھ رہی تھیں

ان روایات سے حضرت عائشہ رض کا بچپن ہرگز ثابت نہیں ہوتا

ان روایات کا حضرت عائشہ رض کے بچپن اور شوق لہو ولعب سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے ۔ لبعض رواۃ نے اس سادہ واقعہ کو بھی اپنی طرف سے اضافے کرکے حضرت عائشہ رض کے بچپن اور شوق لہو ولعب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے ۔ اور وہ لوگ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے ہیں ۔ ائمہ محدثین نے ایسے لوگوں کے اضافے کو بلاتحقیق قبول کرلیا ہے ۔ اور اس طرح یہ روایات بھی حضرت عائشہ رض کے بچپن کے کھیل کی روایات میں شامل ہو گئی ہیں ۔

ہم ان روایات کو پڑھتے وقت یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت بالکل بچی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پشت اس طرح کھڑی تھیں کہ جیسے بچے بڑوں کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اس طرح کھیل دکھا رہے تھے جیسے بڑے آدمی بچوں کو دکھایا کرتے ہیں ۔

اسی باب میں آگے ہم اس روایت کے اضافے پر مفصل بحث کریں گے ۔

اِن اعمال حربیہ کے دیکھنے کی خواہش حضرت عائشہ رضؓ نے نہیں کی تھی

روایت نمبر۴ کے بعد کی روایات سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے خود ان اعمال حربیہ کے دیکھنے کی خواہش نہیں کی بلکہ نبی کریم ﷺ نے خود فرمایا کہ عائشہ رضؓ آؤ دیکھو۔
اور پھر حضرت عائشہ رضؓ تھوڑی دیر دیکھ کر خود ہی اُکتا گئیں اور ہٹ گئیں۔ ان میں خاص طور سے دیکھنے کی چیز بھی کیا تھی۔ چند عربی مشقیں ہی ہوتی تھیں۔ بعض رواۃ نے اس ایک ہی واقعہ کو جو ۷ھ میں وفدِ حبشہ کے موقع پر پیش آیا تھا۔ استمرار کے صیغے سے بیان کر کے عادتِ مستمرہ میں تبدیل کر دیا کہ ایسا ہوتا رہتا تھا۔ یعنی حبشہ مسجد میں کھیلتے ہی رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حبشیوں کے کھیل دیکھتے ہی رہتے تھے اور حضرت عائشہ رضؓ کو دکھلاتے ہی رہتے تھے۔ حالانکہ نہ یہ حضرت عائشہ رضؓ کا بیان تھا اور نہ یہ واقعہ بار بار پیش آیا تھا۔
محض راویوں کے اندازِ بیان نے اسے متعدد واقعات میں تبدیل کر دیا۔
آخری روایت میں حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے جواب میں واضح کر دیا ہے کہ انہیں ان جنگی مشقوں کے دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہیں تو محض اس بات کی خوشی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ جس ہیئت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ کھڑے تھے اس سے ان کی محبت کا مقام معلوم ہو رہا تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ دوسری ازواج پر ظاہر کرنا چاہتی تھیں کہ دیکھ لو میرا مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا ہے۔ اس ہیئت قیام میں طول پیدا کر کے خود اس سے مسرور ہو رہی تھیں اور دوسری ازواج پر اپنا تفوق ظاہر کر رہی تھیں۔
علاوہ ازیں ۷ھ میں حضرت کے بچی ہونے کا تصور ہر حال میں غلط ہے۔ روایت ہشام کی رُو سے بھی ان کی عمر اس وقت ۱۶ سال تھی۔
الغرض حبشیوں کے کھیل کی روایات سے کسی طرح بھی حضرت عائشہ رضؓ کا بچپن ظاہر نہیں ہوتا۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کا مقام ضرور ظاہر ہوتا ہے۔
ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضؓ خود فرماتی ہیں کہ وای نساء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان احظی عندہ منی۔

(مسلم کتاب النکاح)

روایات زہری عن سعید بن المسیب

بخاری بروایت ابراھیم بن موسے

حدثنا ابراھیم بن موسیٰ ثنا ھشام عن معمر عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ رض بینا الحبشۃ یلعبون عند النبی بحرابھم دخل عمر فاھوی الی الحصی محصبھم بھا وقال دعھم یا عمر ب وزاد علی ثنا عبدالرزاق عن معمر فی المسجد ۔

(بخاری کتاب الجھاد ۔ باب اللھو والحراب صـ ۴۰۶)

ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے ہشام نے حدیث بیان کی معمر سے اس نے زہری سے اس نے سعید بن المسیب سے اس نے ابوہریرہ رض سے جب حبشی اپنے ہتھیاروں کے نبی صلعم کے سامنے سے کھیل رہے تو عمرؓ آئے کنکریاں اٹھانے کے لئے جھکے پھر حبشیوں پر کنکریاں پھینکیں آپ نے فرمایا اے عمر انہیں جانے دو اور زیادہ کیا ......

کہ عبدالرزاق نے ہم سے حدیث بیان کی معمر سے کہ یہ مسجد میں واقعہ گزرا ۔

	ابوہریرہ رض	—	۵۸ سنہ
ثانیہ	سعید بن المسیب	—	—
رالبعہ	زہری	۵۸ سنہ	۱۲۴ سنہ
سالبعہ	معمر	۹۶ سنہ	۱۵۴ سنہ
تاسعہ	ہشام بن یوسف		۱۹۷ سنہ
عاشرہ	ابراہیم بن موسیٰ		۲۲۰ سنہ

(بخاری)

۲۔ مسلم بروائت محمد بن رافع

حدثنی محمد بن رافع و عبد بن حمید قال عبد انا وقال ابن رافع نا عبدالرزاق عن معمر عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ بینما الحبشۃ یلعبون عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحرابھم اذ دخل عمر بن الخطاب فاھوی الی الحصباء

...بسبھم بھا فقال لہ ر...
...سنم جلد اول باب العید...
محمد بن رافع اور عبد بن...
...کہا ہمیں حدیث بیان کی عبد...
...اس نے ابوہریرہ رض سے...
...ے انہوں نے کنکریاں ا...
...ے اے عمرؓ رض

	ابوہریرہ
ثانیہ	سعید بن المسیب
رالبعہ	زہری
سالبعہ	معمر
تاسعہ	عبدالرزاق
عاشرہ	عبد بن حمید
حادی عشر	محمد بن رافع

نسائی بروائت ...

...حدثنی الزھری عن...
...بشۃ یلعبون فی ال...
...یہ وسلم دعھم یا ع...
(نسائی ۔ صنو...
ہمیں خبر دی اسحا...
...نے کہا ہمیں حدیث...
...سیب سے اس نے ا...
...عمر رض نے انہیں ڈا...
...ار فدہ ہیں ۔
۱۔ ابوہریرہ رض

نحجبهم بها فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعہم یا عمر۔
(مسلم جلد اول باب العیدین)

محمد بن رافع اور عبد بن حمید نے مجھ سے حدیث بیان کی عبد نے کہا ہمیں خبر دی ابن رافع نے کہا ہمیں حدیث بیان کی عبدالرزاق نے معمر سے اس نے زہری سے اس نے سعید بن المسیب سے اس نے ابوہریرہ رضہ سے جبکہ حبشی کھیل رہے نبی صلعم کے سامنے اس وقت عمر بن الخطاب آئے انہوں نے کنکریاں اٹھائیں اور حبشیوں کو ماریں تو آپ نے فرمایا انہیں چھوڑ دے اے عمر رضہ

۲۔	ابوہریرہ	—	۵۸ھ
ثانیہ	سعید بن المسیب	ـــھ	ـــھ
رابعہ	زہری	۵۸ھ	۱۲۴ھ
سابعہ	معمر	۹۶ھ	۱۵۴ھ
تاسعہ	عبدالرزاق	۱۲۶ھ	۲۱۱ھ
عاشرہ	عبد بن حمید	۱۸۵ھ	۲۴۹ھ
حادی عشر	محمد بن رافع		۲۴۵ھ

(مُسلم)

۳ نسائی بروایت اسحاق بن موسیٰ | اخبرنا اسحاق بن موسیٰ قال حدثنا الولید بن مسلم قال حدثنا الاوزاعی

قال حدثنی الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ رضہ قال دخل عمر والحبشۃ یلعبون فی المسجد فزجرہم عمر۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعہم یا عمر انما ہم یعنی بنی ارفدہ
(نسائی ۔ ضرب الدف یوم العید)

ہمیں خبر دی اسحاق بن موسیٰ نے اس نے کہا ہمیں حدیث سنائی ولید بن مسلم نے اس نے کہا ہمیں حدیث سنائی اوزاعی نے اس نے کہا مجھے حدیث سنائی زہری نے سعید بن المسیب سے اس نے ابوہریرہ رضہ سے اس کے پاس عمر رضہ آئے اور حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے عمر رضہ نے انہیں ڈانٹا تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے عمر رضہ انہیں چھوڑ دو۔ یہ لوگ بنو ارفدہ ہیں۔

۳۔ ابوہریرہ رضہ

ثانیہ	سعید بن المسیب	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
سابعہ	زہری	سنہ ۵۸	سنہ ۱۲۴
سابعہ	عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی		سنہ ۱۵۷
ثامنہ	ولید بن مسلم	سنہ ۱۹۵	سنہ
عاشرہ	اسحاق بن موسیٰ		

(لنسائی)

یہ روایت معلوم نہیں کہ اسی واقعے سے متعلق ہے جو عروہ کی روائت میں مذکور ہے۔ یا کوئی دوسرا واقعہ تھا، جس میں یہ صورت پیش آئی۔ کیونکہ عروہ عن عائشہ کی معتبر روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور صرف اسی ایک روائت میں حضرت عمر رضؓ کے ڈانٹنے کا ذکر ہے۔

اس روایت میں یہ بھی مذکور نہیں ہے کہ وہ عید کا دن تھا بلکہ حبشیوں کی پہلی روایات میں بھی جو زہری عن عروہ عن عائشہ رضؓ ہیں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ عید کا روز تھا۔

علاوہ ازیں اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان۔ انما ھو بنو ارفدہ ظاہر کر رہا ہے کہ عید کا دن نہیں تھا۔ یعنی یہ تو حبشی ہیں ان کا تو کام ہی کرتب دکھانا ہے۔ ان سے درگذر کرو۔

کھیل کی اس روایت میں جو سعید بن المسیب سے منقول ہے حضرت عائشہ رضؓ کا چونکہ کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ کوئی اور واقعہ ہو۔ اور حضرت عمر رضؓ نے ان حبشہ کو ڈانٹا ہو۔ یا وہی واقعہ ہو۔ لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کے زجر کا ذکر نہ کیا ہو۔ مگر یہ بات مستبعد ہے۔

روایت معمر اور توہین عمر رضؓ

ہم اس روائت کے متعلق ضمناً اتنا ضرور عرض کر دینا چاہتے ہیں

ا بخاری کی پہلی روایت میں ہشام بن یوسف عن معمر ہے۔

ب عبدالرزاق عن معمر ہے اور اس میں مسجد بھی ہے۔

دونوں روائتوں کا مضمون وہی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ عبدالرزاق کی چابکدستی ہے یہ شخص غالی شیعہ ہونے کی وجہ سے توہین اکابر صحابہ سے نہیں رکتا۔ ہمارے نزدیک اصل روایت عبدالرزاق کی ہے ہشام تو عبدالرزاق کے خوشہ چین ہے۔ امام بخاریؒ نے ہشام کی روائت کو اس لئے قبول کیا کہ ان سے پہلے کوئی اور محدث اس روائت کو عبدالرزاق سے لے چکے ہوں گے۔

۲ ۔ مسلم کی روایت میں مذکورہ بالا مضمون عبدالرزاق عن معمر سے ہے ۔

معمر کی روایت میں حضرت عمر رضؓ کا ذکر جس انداز سے کیا گیا ہے وہ ان کے مرتبے اور شان سے فروتر ہے ۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت عمر رضؓ حق کے بارے میں سخت تھے۔ واشدھم فی امر اللہ عمر رضؓ ۔ لیکن جس وحشت کا اظہار حضرت عمر رضؓ کے متعلق اس قسم کی روایات میں کیا جاتا ہے وہ تو ایک بدّو اور دیہاتی ہی سے توقع کی جا سکتی ہے ۔ چہ جائے کہ حضرت عمر رضؓ جیسے سلجھے ہوئے تربیت یافتہ صحابی سے ۔ وہ بھی ۹ھ میں اس وقت اُن سے اس قسم کے بدویانہ رویّہ کا اظہار ہو ۔ جبکہ ان کی تربیت کو عرصہ دراز گذر چکا تھا ۔ پتھر اٹھا کر پھینکنا اور ڈھیلے مارنا خفیف الحرکاتی پر دال ہے ۔ یہ حضرت عمر رضؓ کی خوبی کا بیان نہیں ہے بلکہ مذمت کا پہلو لئے ہوئے ہے ۔

البتہ دوسری قسم کی روایت جو اوزاعی کے ذریعے نسائی میں آئی ہے حالانکہ اس میں ولید بن مسلم ہے جو علماء جرح کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے ۔ لیکن اس روایت میں جو محض فزجرہ عمر رضؓ ہے یہ واقعہ کی صحیح تعبیر ہے ۔

معمر کی روایات میں عبدالرزاق کی چابکدستی

چونکہ معمر کی روایات بیشتر عبدالرزاق کی معرفت آئی ہیں اس لئے یہ شخص اپنی چابکدستی سے اچھی خاصی روایت کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے اگر خدا نے توفیق دی تو ہم عبدالرزاق کی ان روایات پر جو کتب حدیث میں مذکور ہیں علیحدہ مفصل بحث کریں گے ۔ اور یہ بات واضح کریں گے کہ اس ہنرمند نے کس طرح چھوٹے چھوٹے وضعی جملے معتبر روایات میں شامل کئے ہیں ۔ اور علماء حدیث نے انہیں اضافۂ ثقہ سمجھ کر قبول کرلیا ہے ۔ اور اس سے عبدالرزاق کا مقصد مثالبِ صحابہ کا اظہار ہے ۔ یہ روایات جن میں اس شخص نے یہ ہنرمندی دکھلائی ہے متعدد رواۃ اہلسنت سے منقول ہیں ۔ لیکن اس کے اضافوں کے بعد ان روایات کا اصلی حسن ضائع ہو چکا ہے ۔

اس روایت زہری کے متن میں بھی اضطراب ہے جیسے کہ ہم آگے چل کر واضح کریں گے ۔

ابو داؤد طیالسی نے اس کو عروہ کی مرویات میں ذکر کیا ہے ۔ سعید ابن المسیب کی روایت سے ذکر نہیں کیا ۔ یعنی عروہ عن عائشہ رضؓ بیان کیا ہے ۔ اس لئے اس کی سند میں بھی اضطراب ہے ۔

ہوسکتا ہے کہ یہ روایت مرسلات زہری سے ہو

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت مرسلات سعید بن المسیب میں سے ہوگی۔ بعد کے راوی نے اسے موصول کرنے کے لئے غلبۂ ظن کی بنا پر (بجائے عروہ عن عائشہ رض کہنے کے یا عن عائشہ رض کہنے کے (کیونکہ اس روایت کی اصل راوی حضرت عائشہ رض ہی ہیں) اس روایت کی نسبت حضرت ابوہریرہ رض کی طرف کردی۔ کیونکہ سعید بن المسیب کی اکثر روایات حضرت ابوہریرہ رض سے ہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ رض کے داماد اور تلمیذ خاص تھے۔

علاوہ ازیں حضرت ابوہریرہ رض ۷ھ میں فتح خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اگرچہ وفد حبشہ بھی ۷ھ ہی میں آیا ہے۔ لیکن وہ حضرت ابوہریرہ رض کی آمد سے پہلے آچکا تھا۔ اس لئے حضرت ابوہریرہ رض اس واقعہ کے شاہد نہیں ہیں۔ بلکہ اسی طرح راوی ہیں جیسے عروہ۔ اور اس اصل روایت عروہ میں حضرت عمر رض کا ذکر نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رض کے متعلق یہ ادراج عبدالرزاق کا ہے۔ انہوں نے ہی زہری سے اور پھر سعید بن المسیب کا ذکر کیا ہے اور معمر کے نام سے یہ روایت بیان کی ہے اور معمر کے ٹھیکیدار خود عبدالرزاق ہیں۔ بعد کے رواۃ نے اسے مرسل سعید بن المسیب سے موصول ابوہریرہ رض بنادیا۔ کیونکہ سعید بن المسیب ابوہریرہ رض کے راوی اور ان کے داماد تھے۔

تلفیق بین الروایات

تلفیق کے معنی یہ ہیں کہ دو علیحدہ علیحدہ روائتوں کو جمع کرکے ایک کردیا جائے اور پھر انہیں ایک ہی سند سے بیان کردیا جائے۔

چنانچہ رواۃ نے لونڈیوں کے گانے کی روائت اور حبشیوں کے کھیل کی روایات کو جمع کرکے ایک روائت بنالیا اور ایک ہی سند سے اس طرح بیان کرنا شروع کردیا۔

تلفیق بخاری میں | احمد حدثنا ابن وہب قال اخبرنی عمرو ان محمد بن عبدالرحمٰن الاسدی حدثنا عن عروۃ عن عائشۃ رض قالت دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش وحول وجھہ ودخل

ابوبکر فانتهرنی وقال مزمارة الشیطان عند النبی ؟ فقال دعها فلما غفل غمزتهما فخرجتا۔ وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب فاما سألت رسول اللّٰہ واما قال تشتهین تنظرین فقلت نعم۔ قال فاذهبی
(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ باب الحراب والدرق فی المسجد)

۱ احمد نے بیان کیا ہم سے حدیث بیان کی ابن وہب نے اس نے کہا مجھے خبر دی عمرو نے کہ محمد بن عبدالرحمٰن اسدی نے کہا ہمیں حدیث سنائی اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا کہ نبی صلعم میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو لونڈیاں تھیں جو بعاث کے گیت گا رہی تھیں تو آپ فرش پر لیٹ گئے اور دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ ابوبکر رض آئے اور مجھے ڈانٹا اور کہا شیطانی آلات نبی ص کے سامنے ؟ آپ نے فرمایا ان سے ہٹ جاؤ چھوڑ دو اسے۔ جب وہ ذرا غافل ہوئے میں نے ان کو آنکھ سے اشارہ کیا اور دونوں کھسک گئیں اور عید کا دن تھا۔ سوڈانی فوجی ہتھیاروں کے مختلف داؤ دکھاتے ہوئے پایا تو میں نے خود رسول اللّٰہ ص سے درخواست کی یا آپ نے خود فرمایا کیا تو چاہتی ہے کہ انہیں دیکھے میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا چل دیکھ لے۔
۱۔ عائشہ رض ۵۸ھ

ثانیہ	عروہ		
سادسہ	محمد بن عبدالرحمٰن الاسدی		۱۲۴ھ
سابعہ	عمرو بن الحارث		۱۵۰ھ
تاسعہ	ابن وہب	۱۲۵ھ	۱۹۵ھ
عاشرہ	احمد	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ

(بخاری)

اس روایت میں غناء جاریتین اور لعب حبشہ فی یوم العید کی روایتوں کی تلفیق ہے۔

۲۔ تلفیق مسلم میں | حدثنی هارون بن سعید الایلی و یونس بن عبد الاعلیٰ واللفظ لهارون

قالا انا ابن وهب قال انا عمرو ان محمد بن عبدالرحمٰن حدثه عن عروة عن عائشة رض قالت دخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وعندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش وحول وجهه فدخل ابوبکر رض فانتهرنی وقال مزمار الشیطان عند رسول اللّٰہ ؟ فاقبل علیه رسول اللّٰہ ص فقال دعهما فلما غفل غمزتهما فخرجتا۔ وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب فاما سألت رسول اللّٰہ واما قال تشتهین تنظرین

فقالت نعم فاقامنی وراءہ وخدی علی خدہ وھو یقول دونکم دونکم یا بنی ارفدہ حتی اذا مللت قال حسبک قلت نعم قال فاذھبی

(مسلم باب العیدین)

مجھے حدیث سنائی ہارون بن سعید ایلی نے اور یونس بن عبدالاعلیٰ نے اور الفاظ ہارون کے ہیں ان دونوں نے کہا ہمیں ابن وہب نے خبر دی اس نے ہمیں خبر دی عمرو نے کہ محمد بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی عروہ سے اس نے حضرت عائشہ رض سے اس نے کہا رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور میرے پاس دو لونڈیاں بعاث کے گانے گا رہی تھیں آپ آکر فرش پر لیٹ رہے اور منہ دوسری طرف کر لیا پس ابوبکر رض آئے اور مجھے جھڑکا اور کہا شیطانی گانا رسول اللہ صلعم کے سامنے۔ آپ نے ابوبکر رض سے مخاطب ہو کر فرمایا ان دونوں کو چھوڑ دو (کچھ نہ کہو) جب ابوبکر رض ذرا غافل ہوئے میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا اور وہ کھسک گئیں وہ عید کا دن تھا سوڈانی ہتھیاروں سے اپنا فن دکھلاتے تھے یا تو میں نے سوال کیا آپ نے خود فرمایا کیا تو چاہتی ہے کہ ان کا یہ فن دیکھے میں نے اثبات میں جواب دیا آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا میرا چہرہ آپ کے چہرے سے چھو رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے ذرا آہستہ آہستہ اپنے فن کا مظاہرہ کرو اے بنی ارفدہ۔ یہاں تک کہ جب اکتا گئی آپ نے فرمایا کافی ہے۔ میں نے کہا ہاں فرمایا "جا"۔

۲۔

عائشہ رض		سنہ ۵۸
عروہ		سنہ ۹۴
محمد بن عبدالرحمٰن		سنہ ۱۲۴
عمرو بن الحارث		سنہ ۱۵۰
ابن وہب	سنہ ۱۲۵	سنہ ۱۹۵
یونس بن عبدالاعلیٰ	سنہ ۱۶۰	سنہ ۲۶۴
ہارون بن سعید	سنہ ۱۷۰	سنہ ۲۵۳

(مسلم)

بخاری اور مسلم کی ان دونوں روایات میں غناء جاریتین اور لعب السودان (الحبشہ) فی یوم العید کی تلفیق ہے۔

۳- تلفیق مسند امام احمد میں

حدثنا عبداللہ ثنی ابی قال ثنا وکیع عن هشام ابن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رض قالت کانت الحبشۃ یلعبون فی یوم عید فدعانی رسول اللہ فکنت اطلع علی عاتقہ فانظر الیهم فجاء ابوبکر رض فقال النبی دعها فان لکل قوم عیدا وهذا عیدنا۔

(مسند امام احمد جلد ۶ ص ۲۳۳)

عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھے حدیث بیان کی۔ اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی وکیع نے ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے وہ عائشہ رض سے اس نے کہا حبشی عید کے دن کھیلا کودا کرتے تھے پس مجھے رسول اللہ صلعم نے بلایا۔ میں آپ کے کندھے کے اوپر سے انہیں دیکھ رہی تھی پس ابوبکر رض آئے پس نبی صلعم نے فرمایا انہیں چھوڑ دو ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

۳- عائشہ رض

ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
خامسہ	ہشام	سنہ ۶۱	سنہ ۱۴۶
تاسعہ	وکیع	سنہ ۱۲۸	سنہ ۲۰۰
عاشرہ	امام احمد	سنہ ۱۶۴	سنہ ۲۴۱
حادی عشر	عبداللہ	سنہ ۲۱۵	سنہ ۲۹۰

(مسند امام احمد)

اس روایت میں غناء جاریتین کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ صرف حبشہ کے کھیل کا ذکر ہے۔ مگر غناء جاریتین والی روایت میں حضرت ابوبکر رض کے منع کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "دعها" کا جو حصہ ہے وہ موجود ہے۔

۴- مزید تلفیق بخاری میں

بعض نے غناء جاریتین فی یوم العید اور حبشہ کے کھیل کی روایت اور حضرت عمر رض کے زجر کی روایت کو ایک روایت بیان کیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے:-

حدثنا یحیی بن بکیر حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شهاب عن عروۃ عن عائشۃ رض ان ابا بکر دخل علیها وعندها جاریتان

فی ایام العید تدففان وتضربان والنبی صلی اللہ علیہ وسلم متغشی بثوبہ فانتھرھما ابوبکر فکشف النبی عن وجھہ فقال دعھما یاابابکر فانھا ایام عید وتلک الایام ایام منی وقالت عائشۃ رض رایت النبی؎ یسترنی وانا انظر الی الحبشۃ وھم یلعبون فی المسجد فزجرھم عمر فقال النبی دعھم امنًا بنی ارفدہ (بخاری جلد اول)

۴۔ یحییٰ بن بکر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے لیث نے حدیث بیان کی عقیل سے اس نے ابن شہاب سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے کہ ابوبکر رض آئے اور اس کے پاس دو لونڈیاں تھیں عید کے دنوں میں جو دف بجا رہی تھیں اور گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلعم چادر ڈھانپے ہوئے تھے۔ ان دونوں کو ابوبکر رض نے دھمکایا تو نبی صلعم نے اپنا چہرہ کھولا اور فرمایا ان دونوں کو چھوڑ دو (کچھ نہ کہو) اے ابوبکر رض یہ تو عید کے دن ہیں اور یہ دن ایام منیٰ تھے یعنی عید الاضحیٰ تھی اور میں نے دیکھا نبی صلعم مجھے اپنی چادر سے ڈھانپ رہے ہیں اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی ہوں اور وہ مسجد کے صحن میں کھیل دکھا رہے ہیں پس ان کو عمر رض نے ڈانٹا پس نبی صلعم نے فرمایا نرمی برتو بنی ارفدہ سے۔

۴۔	عائشہ رض		
ثانیہ	عروہ		
رابعہ	زہری	۵۸ھ	۱۲۴ھ
سادسہ	عقیل بن خالد		۱۴۴ھ
سابعہ	لیث بن سعد		۱۷۵ھ
عاشرہ	یحییٰ بن بکر	۱۶۰ھ	۲۳۱ھ

(بخاری)

۵۔ **تلفیق مسند ابوداؤد طیالسی** ابوداؤد طیالسی نے جو حدیث ہیں سب سے مقدم کتاب ہے۔ اس روایت کو زہری نے زمعہ کے واسطے سے سب سے الگ بیان کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رض نے بنی ارفدہ کو نہیں بلکہ بناتِ ارفدہ کو کسی اور موقعہ پر ڈانٹا تھا۔

حدثنا زمعة عن الزهري عن عروة عن عائشة قالت كانت الحبشة يدخلون المسجد فجعلوا يلعبون ورسول الله يسترني وانا انظر اليهم - جارية حديثة السن - فجاء عمر فنهاهن فقال رسول الله دعهن يا عمر رض ثم قال هن بنات ارفدة -
(مسند ابو داؤد طیالسی ص۲۰۴ مطبوعہ مصر)

۵ - ہم سے حدیث بیان کی زمعہ نے اس نے زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا - حبشی مسجد میں داخل ہو جاتے تھے اور کھیلنے لگتے تھے اور رسول اللہ صلعم مجھے چھپا لیتے تھے اور میں انہیں دیکھتی رہتی تھی میں نوجوان چھوکری تھی پس عمر رض آئے انہوں نے ان لونڈیوں کو منع کیا پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا - انہیں چھوڑ دو - پھر کہا ارفدہ کی لڑکیاں ہیں ۔

۵ -	عائشہ رض	۵۸ھ
	عروہ	۹۴ھ
	زہری	۱۲۴ھ
	زمعہ	؟ھ
	ابو داؤد طیالسی	۲۰۴ھ

(ابو داؤد طیالسی)

تلفیق کا سلسلہ شروع میں عام تھا

روایت بالمعنی کی بناء پر تلفیق بین الروایات کا سلسلہ شروع میں عام تھا - ایک روایت کے اچھے جملے دوسری روایت میں عام طور سے شامل کر دیئے جاتے تھے ۔

شروع شروع میں جب روایات جمع کرنی شروع کی گئیں تو صحابہ رض نے اپنی یادداشت کی بنا پر واقعات پیش آمدہ بیان کر دیئے اور سننے والے نے اسے حافظہ میں محفوظ کر لیا اور ضرورت کے وقت اس سے کسی مسئلہ میں استنباط کر لیا ۔

اس کے بعد یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال کو جمع کر لیا جائے کہ ابھی وہ لوگ زندہ ہیں جنہوں نے آپ کے افعال کو دیکھا اور اقوال کو سنا ہے - کیونکہ اس کے بغیر قرآن کی آیات کے مطالب تشنہ تھے - اس لئے کہ جب تک کلیئے کے انطباق کی کوئی مثال سامنے نہ ہو تو تسلی نہیں ہوتی ۔

تغنتی
دعہما
رایتا
ن فزجرہم
یث بیان
کہ ابو بکر رض
تین اور گا
نے دھمکایا
و بکر رض یہ
یکھا نبی صلعم
مسجد کے
بایا نرمی برتو
سب سے
شت کو زہری
ہوتا ہے
قعہ پر

اس وقت اس ضرورت کا شدید احساس ہوا اس وقت بہت سے صحابہ وفات پا چکے تھے ۔ یا اکثر ممالک اسلامی میں منتشر ہو چکے تھے ۔ اس لئے ابتدائی دور میں جمع حدیث و سنت کا کام اجتماعی طور پر نہ ہو سکا ۔

دورِ اوّل میں نقلِ احادیث

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں دورِ فتن کا آغاز ہو چکا تھا جو بنو مروان کے وقت میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا گروہ بن گئے تھے ۔ شیعہ ، ناصبی ، خارجی وغیرہ فرقوں کی بنیاد پڑ چکی تھی ۔ عقائد و کلام کی بحثیں جنم لے چکی تھیں اس لئے شروع میں جمع حدیث کے باب میں رطب و یابس سب قبول کرنا پڑا ۔

تابعین میں جمع احادیث

جمع حدیث کا بیشتر منظم کام دورِ تابعین میں ہوا ۔ اختلافِ حالات ، مراتبِ حفظ ، دیانت داری ، ذوق راوی اور بیانِ صحابی کی بناء پر ایک ہی واقعے کے متعلق روایات مختلف ہو گئیں ۔ بعض صحابہ سے جو واقعات ملے وہ بہت مجمل تھے ۔ کیونکہ وقوع کے وقت تو صحابی کو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ مجھے کسی وقت یہ واقعہ بیان کرنا ہوگا ۔ اور زمانہ کے گزرنے سے تفاصیل واقعہ ذہن سے اتر جاتی ہیں اور نفسِ واقعات کا دھندلا سا خاکہ ذہن میں رہ جاتا ہے ۔ جزئیاتِ واقعہ تو بہت کم یاد رہ جاتی ہیں ۔ ہم خود روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ عدالتوں میں ایک ہی واقعہ کے عینی شاہدوں میں اختلاف ہو جاتا ہے ۔ علم کا طالب نفس واقعہ سے زیادہ تفصیل چاہتا ہے اور وہ ملتی نہیں تو اس خلاء کو سامع اپنے ذہن اور قیاس سے پورا کرتا ہے ۔ کبھی یہ قیاس صحیح ہوتا ہے ۔ اور کبھی غلط ۔ کبھی نفس واقعہ سے مطابقت رکھتا ہے اور کبھی روحِ واقعہ کو فنا کر کے رکھ دیتا ہے ۔ بعد کے سامع اور راوی کے لئے یہی قیاس روایت کا جز بن جاتا ہے ۔ اور جب واقعہ اور قیاس سے مرکب روائت ضبطِ تحریر میں آ جاتی ہے تو پورا کلام حدیث بن جاتا ہے ۔

دورِ تابعین میں تلفیق کثرت سے کی گئی

دورِ تابعین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و افعال تحریر میں آ چکے تھے ۔ طلابِ علم احفظ اور اضبط کی روایت کو اصل قرار دے کر ایک ہی روایت میں درستی اور ایزاد کرتے رہتے تھے ۔ بلکہ ایک واقعہ کے اچھے اچھے جملے دوسرے واقعے میں شامل کر دیتے تھے ۔

اس سے بھی زیادہ یہ کہ دو واقعوں کے مشابہ ہونے کی بنا پر ان کو ایک دوسرے

میں مدغم کرکے ایک روائت بناکر پیش کرتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات جو مختلف واقعات پر مشتمل ہیں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں ۔

کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مفصل روایات جو ایک ہی واقعہ پر مشتمل ہوتی ہیں ۔ اجمال اور تفصیل میں آکر دو واقعے بن جاتی ہیں ۔ اسی لئے دور تابعین اور تبع تابعین میں بیشتر روایات تلفیق بین الروایات کی وجہ سے اور اسناد کے مختلف ہونے کی وجہ سے متعدد ہوگئیں ۔

روایت ۳ میں ہشام کا استنباط معلوم ہوتا ہے

روایت ۳ حبشیوں کے کھیل میں حضرت ابو بکرؓ کا منع کرنا ظاہر کیا گیا ہے ۔ حالانکہ حضرت ابو بکرؓ نے محض ان دو لونڈیوں کو روکا تھا جو حضرت عائشہؓ کے گھر میں گا رہی تھیں ۔ حبشہ کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ کا ذکر نہیں ملتا لیکن اس روایت ہشام میں حضرت ابو بکرؓ کا ذکر ملتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہشام سے اس روایت میں سہو ہوا ہے ۔ آخر عمر میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا ۔ اختلاط شروع ہو گیا تھا ۔ اس کی وجہ سے یہ غلطی ہوئی ۔ کیونکہ وکیع ہشام کے آخری تلمیذ ہیں ۔ ہشام کی وفات ۱۴۶ھ میں ہوئی ۔ وکیع کی پیدائش ۱۲۸ھ ہے ۔

حبشہ کی روایت میں یوم عید کا اضافہ بطور تلفیق کے ہوا

اسی طرح جن رواۃ نے غناء اور لعب بالحراب کی روایات میں تلفیق کی انہوں نے حبشہ والی روایات میں یوم عید کا اضافہ کر دیا ۔ مفرد روایات میں یوم عید نہیں ہے ۔ مگر تلفیق میں یہ جملہ اس غنا کی روایت سے حبشہ کی روایت میں آ گیا ۔

ابوداؤد کی روایت میں تضاد ہے

ابوداؤد طیالسی کی روایت میں صراحۃً تضاد ہے ۔ اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس روایت کے متن میں کافی اضطراب ہے ۔ اور سند بھی اضطراب سے خالی نہیں ۔

ابوداؤد نے پہلے اس روایت کو عروہ کی روایت بتلایا ہے حالانکہ دوسری کتب حدیث میں یہ روایت جس میں حضرت عمرؓ کے منع کرنے کا ذکر ہے عروہ کی روایت نہیں ہے ۔ جیسے کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ۔

"هُنَّ" کی ضمیر تلفیق پر دلالت کرتی ہے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی طویل واقعہ تھا جس کو زہری یا اس کے تلمیذ زمعہ نے خلط ملط کر دیا ۔ یہ واقعہ لونڈیوں کی روایت سے متعلق تھا ۔ وہ کسی موقعہ پر گا رہی تھیں ۔ حضرت عمرؓ نے انہیں منع کیا اور نبی کریم ؐ نے حضرت عمرؓ کو روک دیا ۔ راوی نے اس کا جوڑ حبشہ کے کھیل کی روایت کے ساتھ لگا دیا ۔ حالانکہ یہ بالکل بے میل اور بے جوڑ بات ہے ۔

اس میں شک نہیں ہے کہ عربی میں جب فاعل جمع مکسر ہو تو فعل واحد مؤنث استعمال کر لیتے ہیں ۔ لیکن اس روایت میں هُنَّ ہے ۔ ضمیر واحد مؤنث هَا نہیں ہے ۔ پھر هن کا بار بار تکرار ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو منع کیا تھا اور بناتِ ارفدہ کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ عورتیں تھیں مرد نہیں تھے ۔ آپ کے جواب کا منشاء یہ ہے کہ یہ حبشنیں ہیں ان کا کام ہی گانا بجانا ہے ۔ ان کو چھوڑ دو ۔

یہ ظاہر ہے کہ مسجد میں کرتب دکھانے والے مرد تھے عورتیں نہیں تھیں ۔ اب ہمیں بالکل معلوم نہیں ہے کہ وہ کیا موقع تھا کیا واقعہ تھا ۔ کس جگہ یہ واقعہ پیش آیا اور کب آیا ۔ اگر راوی کے آخری الفاظ صحیح ہیں تو ضرور اس کھیل کے واقعہ سے مختلف کوئی اور واقعہ تھا ۔

اس کے علاوہ اس روایت میں "جاریۃ حدیثۃ السن" والا جملہ قطعاً بے محل اور بے موقعہ ہے ۔ جس کا سیاق اور سباق سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ راوی نے تو اپنے خیال سے اس میں ربط پیدا کرنا چاہا ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ٹکڑا حبشیوں کے کھیل سے بالکل بے ربط ٹکڑا ہے ۔

علاوہ ازیں اگر اس جملہ سے حضرت عائشہ رضؓ مراد ہیں تو حضرت عائشہ رضؓ اپنے متعلق اس قسم کے ہلکے الفاظ استعمال نہیں کر سکتیں ۔ حضرت عائشہ رضؓ کی جگہ کوئی اور عام عورت بھی ہوتی تو سنہ میں جبکہ ان کو رہتے سہتے چھ سال ہو چکے تھے سات آٹھ خرانٹ ساتھ تھیں ، ہرگز ان کے ہاتھ میں اپنی خفت کا حربہ نہ دیتیں ۔

جب انہوں نے عروہ کو یہ واقعہ سنایا تھا تو اس وقت تو اس واقعے کو گزرے ہوئے چالیس پینتالیس سال ہو چکے تھے ۔ اس وقت حضرت عائشہ رضؓ بوڑھی ہو چکی تھیں ہرگز اپنے لئے یہ تعبیر اختیار نہ فرماتیں ۔

ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ زہری کا عروہ سے سماع ثابت ہی نہیں ۔ اس لئے انہوں نے

ضرور یہ روایت کسی اور سے سُنی ہوگی وہ معلوم نہیں کوئی ثقہ راوی ہے یا ضعیف۔ ممکن ہے اسی سے یہ گڑبڑ ہوئی ہے۔ واللہ اعلم)

حبشیوں کے کھیل کی وہ روایات جن کے آخر میں فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو ہے۔

۱۔ بخاری بروایت اسحاق بن ابراہیم | حدثنا اسحاق بن ابراهيم الحنظلی عن عیسی عن الاوزاعی

عن الزهري عن عروة عن عائشة رض قالت رأيت النبي صلى الله عليه و سلم يسترني بردائه وانا انظر الى الحبشة يلعبون فى المسجد حتى اكون انا التى اسأم ۔ فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو ۔ بخاری جلد ۲ نظر المرأة الى الحبشة ص۷۸۸)

اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے عیسیٰ سے اس نے اوزاعی اس نے زہری اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا میں نے نبی صلعم کو دیکھا کہ آپ مجھے اپنی چادر سے ڈھانپ رہے ہیں اور میں حبشیوں کو مسجد میں کھیل دکھاتے دیکھ رہی ہوں یہانتک کہ میں خود ہی اکتا جاتی تھی۔ دیکھو تو کھیل کی حریص نوجوان چھوکری کے انداز۔

۱۔	عائشہ رض	۵۸ سنہ
ثانیہ	عروہ	۹۴ سنہ
رابعہ	زہری	۱۲۴ سنہ
سابعہ	الاوزاعی	۱۵۷ سنہ
ثامنہ	عیسیٰ بن یونس	۱۸۷ سنہ
عاشرہ	اسحاق بن ابراہیم	۲۳۸ سنہ

(بخاری)

۲۔ بخاری بروایت عبداللہ بن محمد | حدثنا عبداللہ بن محمد قال حدثنا ھشام بن یوسف اخبرنا

معمر عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رضہ کان الحبش یلعبون بحرابھم فسترنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا انظر فمازلت انظر حتی کنت انصرف. فاقدروا قدر الجاریۃ الحدیثۃ السن الحریصۃ علی اللھو۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ باب عشرۃ النساء)

۲۔ عبداللہ بن محمد نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہشام بن یوسف نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہمیں معمر نے خبر دی۔ زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضہ سے۔ حبشی کھیل دکھا رہے تھے اپنے آلات حرب سے پس رسول اللہ صلعم نے مجھے اپنی چادر میں چھپا لیا اور میں دیکھ رہی تھی دیر تک دیکھتی ہی رہی پھر میں خود لوٹ آئی دیکھو تو کھیل کی دل دادہ نوجوان چھوکری کے انداز۔

۲۔	عائشہ رضہ	سنہ ۵۸
ثمانیہ	عروہ	سنہ ۹۴
رابعہ	زہری	سنہ ۱۲۴
سابعہ	معمر	سنہ ۱۵۴
تاسعہ	ہشام بن یوسف	سنہ ۱۹۸
عاشرہ	عبداللہ بن امام محمد	سنہ ۲۳۱

(بخاری)

۳۔ مسلم بروایت ابوطاہر | حدثنی ابو طاھر قال اخبرنا ابن وھب قال اخبرنی یونس عن ابن شھاب عن

عروۃ قال قالت عائشۃ رضہ واللہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقوم علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون بحرابھم فی المسجد و رسول اللہ یسترنی بردائہ لکی انظر الی لعبھم ثم یقوم من اجلی حتی اکون انا التی انصرف. فاقدروا قدر الجاریۃ الحدیثۃ السن الحریصۃ علی اللھو۔ (مسلم باب العیدین)

ابوطاہر نے مجھے حدیث بیان کی اس نے کہا ہمیں خبر دی ابن وہب نے اس نے کہا مجھے خبر دی یونس نے ابن شہاب سے اس نے کہا عروہ سے اس نے کہا عائشہ رضہ

اس نے کہا واللہ میں نے رسول اللہ صلعم کو اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑے دیکھا اور حبشی کھیل دکھلا رہے تھے اپنے ہتھیاروں سے (صحن) مسجد میں اور رسول اللہ صلعم مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے تاکہ میں ان کا کھیل دیکھ سکوں پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہتے یہاں تک کہ میں خود ہی لوٹ آتی دیکھو تو کھیل پر فریفتہ نوخیز چھوکری کے نخرے)

۳	عائشہ رض	سنہ ۵۷
ثانیہ	عروہ	سنہ ۹۴
رابعہ	ابن شہاب زہری	سنہ ۱۲۴
سابعہ	یونس بن یزید	سنہ ۱۵۹
تاسعہ	ابن وہب	سنہ ۱۹۷
عاشرہ	ابوطاہر احمد بن عمرو مصری	سنہ ۲۵۵

(مسلم)

۴ - نسائی بروایت علی بن خشرم

اخبرنا علی بن خشرم حدثنا الولید قال حدثنا الاوزاعی عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ رض قالت رایت رسول اللہ یسترنی بردائہ وانا انظر الی الحبشۃ یلعبون فی المسجد حتی اکون انا اسأم . فاقدروا قدر الجاریۃ الحدیثۃ السن الحریصۃ علی اللہو .

(نسائی جلد اول ص ۲۳۶ ضرب الدف یوم العید)

علی بن خشرم نے ہمیں خبر دی اس نے کہا ولید نے ہمیں حدیث بیان کی اس نے کہا اوزاعی نے ہم سے حدیث بیان کی زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا میں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا چھپائے ہوئے چادر میں اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی (جو صحن) مسجد میں کھیل دکھا رہے تھے یہاں تک کہ میں خود ہی اکتا گئی دیکھو تو کھلنڈری نوخیز چھوکری کے انداز .

۴ .	عائشہ رض		سنہ ۵۷
ثانیہ	عروہ	سنہ ۲۳	سنہ ۹۴
رابعہ	زہری	سنہ ۵۸	سنہ ۱۲۴
سابعہ	اوزاعی		سنہ ۱۵۷
ثامنہ	الولید		سنہ ۱۹۵

عاشرہ	علی بن خشرم	سنہ ۲۵۷

(نسائی)

۵۔ مسند امام احمد بروایت ابی المغیرہ | حدثنا عبداللہ ثنی ابی ثنا ابوالمغیرۃ ثنا الاوزاعی قال

حدثنی الزہری عن عروۃ عن عائشۃ رض قالت رایت رسول اللہ ؐ یسترنی بردائہ وانا انظر الی الحبشۃ یلعبون فی المسجد حتی اکون انا التی اسأم فاقدروا قدر الجاریۃ الحدیثۃ السن الحریصۃ علی اللھو۔

(مسند امام احمد ص۸۴ جلد ۶ ذکر عائشہ رض)

۵۔ عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا ابوالمغیرہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا اوزاعی نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا زہری نے مجھ سے حدیث بیان کی عروہ سے اس نے کہا عائشہ رض سے اس نے کہا میں نے دیکھا رسول اللہ صلعم مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے ہیں اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی ہوں جو مسجد میں کھیل دکھا رہے ہیں یہانتک کہ میں خود اکتا گئی دیکھو تو کھیل پر جان دینے والی نوخیز چھوکری کے انداز۔

۵۔	عائشہ رض	
ثانیہ	عروہ	
رابعہ	زہری	
سابعہ	الاوزاعی	سنہ ۱۵۷
تاسعہ	ابوالمغیرہ عبدالقدوس	سنہ ۲۱۲
عاشرہ	امام احمد	سنہ ۲۴۱
ثانی عشر	عبداللہ	سنہ ۲۹۰

(مسند امام احمد)

۶۔ مسند امام احمد بروایت عبدالرزاق | حدثنا عبداللہ ثنی ابی ثنا عبدالرزاق ثنا معمر عن الزہری

عن عروۃ عن عائشۃ رض قالت واللہ رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقوم علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون بالحراب ورسول اللہ یسترنی بردائہ لانظر الیھم من بین اذنہ وعاتقہ ثم یقوم من اجلی حتی اکون

اناالتی انصرف فاقدروا قدر الجاریۃ الحدیثۃ السن الحریصۃ علی اللھو ۔ (مسند امام ص۱۶۵)

۶۔ عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا عبدالرزاق نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا معمر نے ہم سے حدیث بیان کی زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا واللہ میں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہیں اور حبشی ہتھیاروں کا کھیل دکھا رہے ہیں اور رسول اللہ م مجھے چادر سے چھپا رہے ہیں تاکہ میں انہیں دیکھوں آپ کے کان اور مونڈھے کے درمیان سے پھر میری وجہ سے آپ کھڑے رہے یہاں تک کہ میں خود ہی لوٹ آئی دیکھو تو کھلنڈری نوجوان چھوکری کے انداز

۶۔ عائشہ رض		۵۸ھ
عروہ	۲۳ھ	۹۴ھ
زہری	۵۸ھ	۱۲۴ھ
معمر	۹۶ھ	۱۵۳ھ
عبدالرزاق	۱۲۶ھ	۲۱۱ھ
امام احمد	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ
عبداللہ	۲۱۵ھ	۲۹۰ھ

(مسند امام احمد)

۷ مسند امام احمد بروایت محمد بن مصعب | حدثنا محمد بن مصعب ثنا الاوزاعی عن

الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رض قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرتی یسترنی بردائہ وانا انظر الی الحبشۃ کیف یلعبون حتی اکون انا اسأم ۔ فاقدروا قدر الجاریۃ الحدیثۃ السن الحریصۃ علی اللھو ۔

(مسند امام احمد)

۷۔ عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی محمد بن مصعب نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی اوزاعی نے زہری سے اس نے کہا عروہ سے اس نے کہا عائشہ رض سے اس نے کہا رسول اللہ صلعم میرے حجرے میں تھے مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی ۔ کیسے کھیل دکھا رہے ہیں یہاں تک کہ میں خود ہی اکتا گئی ۔ دیکھو تو کھیل پر مر مٹنے والی

نوجوان لڑکی کے انداز ۔

۷ ۔ عائشہ

ثانیہ عروہ

رابعہ زہری

سابعہ الاوزاعی ۱۵۷ھ

تاسعہ محمد بن مصعب ۲۰۸ھ

عاشرہ امام احمد ۲۴۱ھ

ثانی عشر عبداللہ ۲۹۰ھ

(مسند امام احمد)

۸ حدثنا ابراھیم بن محمد بن سفیان نا الحسن بن بشر نا ابو اسامۃ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رض بھذا الحدیث وقالت رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یسترنی بردائہ وانا انظر الی الحبشۃ وھم یلعبون وانا جاریۃ فاقدروا قدر الجاریۃ الحدیثۃ السن ۔

۸ ۔ حضرت عائشہ رض نے کہا میں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا آپ مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی جو کرتب دکھلا رہے تھے اور میں بچی ہی تھی ۔ دیکھو تو نوجوان لڑکی کے ناز ۔

۸ ۔ عائشہ رض

ثانیہ عروہ ۹۴ھ

خامسہ ہشام ۶۱ھ ۱۴۶ھ

تاسعہ ابو اسامہ ۱۲۱ھ ۲۰۱ھ

حادی عشر الحسن بن بشر ۲۴۴ھ

ابراہیم بن محمد بن سفیان

(مسلم)

۹ ۔ مسند امام احمد | حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا یعقوب قال ثنی ابی عن صالح عن ابن شہاب عن عروۃ عن عائشۃ رض قالت واللّٰہ رأیت رسول اللّٰہ صلعم علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون فی المسجد ورسول اللّٰہ صلعم یسترنی بردائہ لکی انظر الیھم ثم یقوم من اجلی

حتی اکون انا اللتی انصرف فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو ۔

۹ ۔ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے واللہ میں نے رسول اللہ صلعم کو اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھا اور حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے اور رسول اللہ صلعم مجھے اپنی چادر میں ڈھانپ رہے تھے تاکہ میں اطمینان سے کھیل دیکھ سکوں پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہتے تھے یہانتک کہ میں خود ہی ہٹ آتی تھی دیکھو تو نوجوان لونخیز لڑکی کے انداز ۔

۹	عائشہ رضؓ	
ثانیہ	عروہ	
رابعہ	زہری	۱۲۴ھ
رابعہ	صالح بن کیسان	۱۴۱ھ
ثامنہ	ابراہیم بن سعد	۱۸۵ھ
تاسعہ	یعقوب بن ابراہیم	۲۰۸ھ
عاشرہ	امام احمد	۲۴۱ھ
ثانی عشر	عبداللہ	۲۹۰ھ

(مسند امام احمد)

۱ ۔ اصل میں یہ وہی مفرد روایت ہے جو پہلے مختلف سندوں سے ہم لکھ چکے ہیں ۔ لعب حبشہ بالحراب والی یہ روایت مختلف کتب حدیث میں مذکور ہے ۔ لیکن اس کا آخری جملہ یعنی فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو محل نظر ہے ۔ اور ہمیں اس جملہ کے متعلق تحقیق کرنی ہے کہ آیا یہ جملہ حضرت عائشہ رضؓ سے منقول ہے ۔ یا بعد میں کسی نے بڑھایا ۔ اور اگر اضافہ کیا تو کس نے کیا ۔

اس سلسلہ میں ہم روایات کی اسناد پر بھی اس حیثیت سے گفتگو کریں گے کہ رواۃ نے اس جملے کو قبول کرنے میں کیا غلطی کی ہے ۔

روایت حفظ کے دور کی روایت نہیں ہے ۔ بلکہ تحریری دور کی ہے ۔ جب روائتیں مقررہ سانچے میں ڈھل چکی تھیں ۔ محض اسناد کا اختلاف ہوتا تھا ۔ روایت وہی رہتی تھی ۔

یہ روایت اگر ایک سند سے مذکور ہوتی تب بھی وہی تھی ۔ اب بہت سی اسانید سے مذکور ہے تب بھی وہی ہے ۔

ـة عن
رسول اللہ
ون وانا
رمیں چھپا
ہی تھی ۔
ثنی ابی
ئشہ رضؓ
ون فی
ہم من اجلی

فاقدِ رُوا والی روایات پر سندا بحث

تلامیذ عائشہ رض | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لعب بالحبشہ کو بیان کرنے والے محض تین راوی ہیں

١ ۔ عبید بن عمیر ۔ ٢ ۔ ابو سلمہ ۔ ٣ ۔ عروہ

١ ۔ عبید بن عمیر | ان کی روایت ؎٣ مسلم میں آئی ہے ۔ اور اس میں فاقدروا نہیں ہے ۔

٢ ۔ ابو سلمہ | ان کی روایت ؎١ مشکل الآثار میں ہے اور اس میں بھی نہیں ہے ۔

٣ ۔ عروہ | عروہ سے بیان کرنے والے تین راوی ہیں ۔

١ ۔ ابو الاسود ۔ ٢ ۔ ہشام بن عروہ ۔ ٣ ۔ ابن شہاب

١ ۔ ابو الاسود | لیکن رواۃ عروہ میں سے ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن الاسدی کی روایت میں بھی فاقدروا کا نام و نشان نہیں ہے ۔

٢ ۔ ہشام بن عروہ | ہشام سے اس روایت کو بیان کرنے والے ان کے پانچ ہیں ۔ چار کے بیان فاقدروا سے خالی ہیں ۔

١ ۔ عبدہ بن سلیمان کوفی ۔ ان کی روایت فاقدروا سے خالی ہے

٢ جریر بن عبدالحمید کوفی ان کی روایت بھی 〃 〃 〃 〃

٣ عبداللہ بن نمیر کوفی 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

٤ محمد بن بشر العبدی کوفی 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

٥ ابو اسامہ ۔ تلامیذ ہشام میں سے بس ان کی روایت میں فاقدروا موجود ہے ۔

یہ اضافہ کس نے کیا ؟ | امکان تو اس بات کا بھی ہے کہ خود ابو اسامہ نے اپنے استاد کی روایت میں یہ اضافہ کر دیا

لیکن حقیقت اس کے خلاف نظر آتی ہے ۔ اس لئے کہ جب کوفہ کے چار معاصر اور اس روایت کو بغیر اضافہ کے بیان کر رہے ہیں تو ابو اسامہ کو کیا پڑی تھی کہ اس میں

اضافہ اس روایت میں یا الحسن
لئے کہ یہ ثانی الذکر راوی اپنے
گمان یہی ہے کہ اسی نے یہ اضافہ
وہ ازیں ہشام کی یہ روایت جس
ہے ۔ اور اس کے الفاظ میں تغیر
لیسا ہے ۔ ہشام فاقد
کا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم

ابن شہاب زہری

عروہ سے ثابت ہی نہیں ہے
کسی سے سُنی ہو گی ۔ مگر دو
کی روایت میں فاقدروا
لیا ۔ اور زہری نے اسے
رض کی کم سنی کے نکاح اور
ان میں مذکورہ جملہ کیسے اد

رواۃ زہری | زہری سے چھ تلامیذ

١ صالح
٢ عقیل
٣ یونس
٤ زمعہ
٥ الاوزاعی
٦ معمر

١ ۔ صالح | صالح نہیں

یہ اضافہ یعقوب بن ابراہیم کر سکتا ہے ۔ اسی نے اضافہ

کرتے ۔ یہ اضافہ اس روایت میں یاالحسن بن لبشر کوفی کا ہوسکتا ہے یا ابراہیم بن محمد بن سفیان کا ۔ اس لئے کہ یہ ثانی الذکر راوی اپنے تشخص اور حالات کے اعتبار سے بالکل مجہول ہے ۔ اور غالب گمان یہی ہے کہ اسی نے یہ اضافہ کیا ہے ۔

علاوہ ازیں ہشام کی یہ روائت جس میں **فاقدرو ا** کا اضافہ ہے ۔ اس تحریری زبان میں نہیں ہے ۔ اوراس کے الفاظ میں تغیر ہو گیا ہے ان آخری الفاظ کی نسبت **ہشام** کی طرف **تدلیساً** ہے ۔ ہشام **فاقدروا** سے بالکل بے خبر ہیں ۔ اور یہ اضافہ ان کی وفات کے بعد کا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم آئندہ واضح کریں گے ۔

۳ - ابن شہاب زہری عروہ سے اس روایت کے تیسرے راوی ابن شہاب زہری ہیں ۔ لیکن پہلی بحث تو اس سلسلہ میں یہ ہے کہ زہری کا سماع عروہ سے ثابت ہی نہیں ہے تو پھر لامحالہ زہری نے یہ روائت مذکورہ بالا رواۃ میں سے کسی سے سُنی ہوگی ۔ مگر دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ عروہ کے دوسرے راویوں کی روایت میں **فاقدروا** ہے ہی نہیں تو پھر زہری کی روایت میں یہ اضافہ کہاں سے آگیا ۔ اور زہری نے اسے آگے کیسے نقل کر دیا ؟ زہری بیچارے تو حضرت عائشہ رض کی کم سنی کے نکاح اور بناء کی روایت ہی سے ناواقف ہیں ۔ وہ حضرت عائشہ رض کی شان میں مذکورہ جملہ کیسے ادا کر سکتے تھے ۔

رُواۃ زہری زہری سے اس روایت کو نقل کرنے والے ان کے مندرجہ ذیل چھ تلامیذ ہیں :-

۱	صالح بن کیسان مدنی	سنہ ۱۴۱
۲	عقیل بن خالد الایلی	سنہ ۱۴۴
۳	یونس بن یزید الایلی	سنہ ۱۵۹
۴	زمعہ بن صالح یمانی	
۵	الاوزاعی شامی	سنہ ۱۵۷
۶	معمر بن راشد بصری	سنہ ۱۵۳

۱ - صالح صالح بن کیسان ہی کی وہ روایت جو بخاری میں ہے اس میں تو فاقدروا[1] نہیں ہے ۔ لیکن جو روایت مسند امام احمد میں ہے اس میں یہ اضافہ ہے ۔ مگر یہ اضافہ یعقوب بن ابراہیم بن سعد کا ہے ۔ کیونکہ یہی طبقہ عاشرہ کا راوی ہے اور اضافہ کرسکتا ہے ۔ اسی نے اضافہ ثقہ خیال کرتے ہوئے روایت صالح میں یہ اضافہ کیا ہے

اصل اضافہ پر گفتگو آگے آرہی ہے ۔

٢ **عقیل** | عقیل بن خالد کی کسی روایت میں بھی فاقدرا نہیں ہے ۔

٣ **یونس** | ایسے ہی یونس بن یزید کی روایت جو بخاری میں ابراہیم بن المنذر سے ہے ۔اس میں فاقدرا نہیں ہے ۔ مگر ظاہر ہے جو روایت مسلم میں ہے اس میں موجود ہے اور اس پر ہم آخر میں بحث کریں گے ۔

٤ **زمعہ** | زمعہ بن صالح کی روایت جو ابوداؤد طیالسی میں ہے اس میں فاقدرا کے الفاظ نہیں ہیں صرف جاریۃ حدیثۃ السن ہے ۔جیسا کہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ۔

علاوہ ازیں اس روایت کے متن میں کافی اضطراب ہے ۔ معلوم نہیں کیا سنا کیا کہا ۔ اور ان کی روایت اس تحریری زبان میں بھی نہیں ہے ۔ اور اس پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں

سند زمعہ پر تفصیلی بحث | اس روایت کی سند یہ ہے ۔

١	عائشہ رضا		سنہ [illegible]
٢	عروہ	سنہ ٢٣	سنہ ٩٤
٣	زہری	سنہ ٥٥	سنہ ١٢٤
٤	زمعہ	سنہ ١٢٦	سنہ ٢٠٤
٥	سلیمان بن داؤد		
٦	ابوداؤد طیالسی		

زمعہ کے بارے میں علماء کی آراء | زمعہ بن صالح الجندی الیمانی نے مکہ میں اقامت کرلی تھی ۔ اور وہ زہری ۔عمرو بن دینار اور ابن طاؤس وغیرہ سے روایت کرتے ہیں ۔ ان سے سفیانان ۔ عبدالرزاق وغیرہ روایت کرتے ہیں ۔ حالانکہ یہ سب ان کے اقران ہیں ۔ ان کے متعلق علماء جرح وتعدیل کی آراء ملاحظہ ہوں ۔

عبداللہ بن امام احمد فرماتے ہیں — هو ضعيف

ابن معین فرماتے ہیں — هو ضعيف

آجری نے ابوداؤد سلیمان بن اشعث سے نقل کیا ہے — ضعيف

سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے کئی دفعہ ہشام بن حجر کو زمعہ سے کہتے سُنا ہے
انما انت جدی ۔ مالك والحديث یعنی آپ میرے دادا کی جگہ ہیں۔ آپ کو حدیث سے کیا واسطہ

ابوداؤد کہتے ہیں لا اخرج حدیث زمعہ

بخاری کہتے ہیں یخالف فی حدیثہ

ترکہ ابن مہدی اخیرًا

قال ابوحاتم ضعیف الحدیث

قال النسائی فی الجرح والتعدیل ضعیف

علماء کی ان آراء کی موجودگی میں ان کی روایت جو زہری سے ہے قابل اعتماد نہیں ہے۔

۵ الاوزاعی زہری کے پانچویں راوی الاوزاعی ہیں۔ اور ان کی روایت میں فاقل رہا موجود ہے۔

عبدالرحمٰن بن عمرو بن ابی ۔ ان کا اصل نام محمد تھا۔ انہوں نے بیروت میں مستقل قیام کر لیا تھا۔

اوزاع دمشق کے قریب ایک قریہ تھا اسی کی طرف یہ منسوب ہیں۔ اصل میں ان کے آباء سندھ کے سبایا میں سے تھے، شام میں لائے گئے تو یہیں کے ہو رہے۔

اوزاعی نے ستر سال کی عمر میں بیروت کے کسی حمام میں گر کر وفات پائی۔

شیوخ اوزاعی ۱ یہ قتادہ ۲ نافع مولیٰ ابن عمر ۳ زہری ۴ محمد بن ابراہیم التیمی اور محمد بن سیرین ۔ ۶ عبداللہ بن زکریا ۷ خالد جلاہ ۸ یحییٰ بن کثیر سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ دوسرے آئمہ فن سے بھی استفادہ کیا ہے۔

محمد بن سیرین لیکن ابن حبان نے ثقات میں لکھا ہے کہ یہ محمد بن سیرین سے ایک محررہ نسخہ روایت کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے محمد بن سیرین سے سنا کچھ بھی نہیں۔ پھر ابن حبان نے اوزاعی کے تلمیذ ولید کے واسطے سے لکھا ہے کہ اوزاعی نے خود بیان کیا کہ میں بصرہ اُس وقت پہنچا کہ حسن بصری کی وفات کو چالیس روز ہو چکے تھے۔ محمد بن سیرین بیمار تھے۔ ہم ان کی زیارت کو گئے تو انہوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ میرے پاس نہ بیٹھیں۔ محض کھڑے کھڑے زیارت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم

ںذرتے
یت مسلم
بن فاقل رہا
ہے جیسا
سنا کیا کہا
کر چکے ہیں
ہیں اتفا
دینار
غیرہ روایت
یل کی آراء

اندر گئے اور کھڑے کھڑے سلام کیا۔ پھر واپس چلے آئے

نافع مولیٰ بن عمر رض

ابوزرعہ الدمشقی کا بیان ہے کہ نافع سے اوزاعی نے ایک روایت بھی نہیں سُنی۔ عباس نے ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لـم یسمع من نافع شیئاً

عبد اللہ بن زکریا

ابن ابی حاتم نے مراسیل میں لکھا ہے کہ اوزاعی کی عبد اللہ بن زکریا سے ملاقات نہیں ہوئی۔

ابی مصبح۔ خالد بن حلاج

اوزاعی نے ابی مصبح سے کچھ نہیں سنا۔ خالد بن حلاج سے کچھ نہیں سُنا۔ عمرو بن واحد کا بیان ہے کہ

اوزاعی کا خود کہنا ہے کہ اس نے ایک صحیفہ اپنے استاد

یحییٰ بن کثیر

یحییٰ بن کثیر کو دیا کہ اس کو مجھ سے بیان کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ایک صحیفہ اپنے استاد

زہری

زہری کو دیا اور کہا کہ آپ یہ صحیفہ مجھ سے بیان کر سکتے ہیں۔

یعقوب بن ابی شیبہ نے یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ اوزاعی زہری کے بارے میں اتنے مستند نہیں جتنے کہ امام مالک ہیں

ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد سے اوزاعی کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا "حدیثہ ضعیف"

بیہقی نے لکھا ہے کہ امام احمد کی مراد اس قول سے یہ ہے کہ وہ بعض روایات جن سے اوزاعی نے استدلال کیا ہے۔ ضعیف ہیں۔ اس لئے کہ اوزاعی روایت میں اضعف ہیں لانہ اضعف فی الروایۃ۔

ابوعوانہ نے ولید بن مسلم کا یہ قول اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ اوزاعی کی کتابیں واقعہ رجفہ میں جل گئی تھیں۔ بعد میں ایک شخص ان کے پاس ان کی کتابوں کی نقلیں لایا اور اس نے کہا کہ یہ آپ کی اصلاح کردہ نقلیں ہیں۔ دیکھئے یہ آپ کے اپنے قلم کی اصلاح ہے۔ لیکن اوزاعی نے ان پیش کردہ کتابوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ کچھ سُنا تھا کہ اوزاعی کی وفات ہو گئی۔ تہذیب التہذیب جلد ۶ صـ ۲۴۳ نمبر ۴۵۴

تلامیذ اوزاعی

اوزاعی سے روایت کرنے والے بہت ہیں۔ اور دس تلامیذ تو وہ ہیں جو اوزاعی میں معتبر ہیں۔ اور ان دس میں سے اسرا

روایت کا کوئی ایک بھی راوی نہیں ہے۔

مالکؒ ۔ ثوری ۔ ابن ابی الزناد ۔ یحییٰ بن سعید القطان اور ہقل بن زیاد جو اوزاعی کے معتمد ترین راوی ہیں ۔ بلکہ کاتب الاوزاعی ہیں ۔ اور اس لقب سے مشہور تھے ۔ یہ روایت بیان نہیں کرتے ۔ امام احمد رح ان کے متعلق فرماتے ہیں

لا نکتب حدیث الاوزاعی عن اوثق من ھقل ۔ وما کان بالشام اوثق منہ وکان الاوزاعی اوصی الیہ ۔ مات سنہ ١٨١ھ ۔

اوزاعی کے ایک اور معتمد راوی مروان بن محمد ہیں ۔ یہ بھی اس روایت کے راوی نہیں ایک معتمد راوی بشر بن بکر ہیں ۔ ابن المبارکؒ ہیں ۔ شعبہ ہیں ۔ حمزہ بن ربیعہ ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ مگر کوئی بھی ان معتمدین میں سے اس روایت کا راوی نہیں ۔

البتہ اوزاعی سے اس روایت کو بیان کرنے والے ان کے مندرجہ ذیل چار تلامیذ ہیں مگر وہ معتمدین میں سے نہیں ہیں ۔

١ الولید بن مسلم
٢ العیسیٰ بن یونس
٣ محمد بن مصعب
٤ ابوالمغیرہ

علماء جرح و تعدیل ان چاروں تلامیذ کے بارے میں مندرجہ ذیل آراء رکھتے ہیں

١ ۔ **ولید بن مسلم شامی** | اوزاعی کی روایت بذریعہ ولید بن مسلم نسائی میں آئی ہے ۔ ولید کی نسبت مروزی نے امام احمد سے نقل کیا ہے ۔ کان الولید کثیر الخطاء ۔

امام احمد نے ابن معین سے سُنا ہے کہ ابن معین نے بیان کیا کہ میں نے ابومسہر کو کہتے سُنا ہے کہ ولید ابو السفر سے اوزاعی کی روائتیں لیتے تھے اور آگے بیان کرتے تھے ۔ حالانکہ کان ابو السفر کذاباً ۔

ابومسہر ہی کا بیان ہے کہ :- کان الولید بن مسلم یحدث حدیث الاوزاعی عن الکذابین ثم یدلسھا عنھم

(یعنی ولید کذابین سے حدیث اوزاعی لیتے تھے پھر ان کذابین کو ترک کر کے خود اوزاعی سے روایت شروع کر دیتے تھے ۔)

صالح بن محمد کا بیان ہے کہ میں نے ہیثم بن خارجہ کو ولید سے کہتے سُنا ہے کہ تم

نے اوزاعی کی حدیث کا ستیاناس کر دیا ۔ ولید نے پوچھا کیسے ؟ ہیثم نے کہا تم عن الاوزاعی عن نافع ۔ اور عن الاوزاعی عن الزہری روایت کرتے ہو ۔ جبکہ تمہارے علاوہ دوسرے اساتذہ حدیث اوزاعی اور نافع کے درمیان عبداللہ بن عامر الاسلمی کو لاتے ہیں نیز اوزاعی اور زہری کے درمیان ابراہیم ابوالہیثم بن مرہ کا اضافہ کرتے ہیں ۔

ولید نے جواب دیا میں تو اوزاعی کی ان سے جان چھڑاتا ہوں اور اوزاعی کا مرتبہ بلند کرتا ہوں ۔

ہیثم نے کہا کہ سب ضعفاء ہیں جن کو تم ترک کر دیتے ہو ۔ اور ان کی احادیث مناکیر کو اوزاعی کے سر تھونپ دیتے ہو ۔ اور پھر ان کی نسبت کسی ثقہ سے کر دیتے ہو ۔ تو ان احادیث مناکیر کی نسبت سے تو اوزاعی کا مرتبہ گر جاتا ہے ۔ بلند نہیں ہوتا ۔

اس کے بعد ولید نے میری بات کا جواب نہیں دیا ۔

دارقطنی نے لکھا ہے کہ ولید ارسال کا مرتکب تھا اور تدلیس تسویہ بھی کیا کرتا تھا ۔ یعنی اوزاعی کی ان روایات میں جو انہیں ضعفاء سے پہنچی تھیں ۔ ان ضعفاء کو درمیان سے نکال کر ان کی نسبت ایسے شیوخ سے کر دیتا تھا جن سے اوزاعی ملے تھے ۔ مثلاً عن الاوزاعی عن نافع بنا دیا تھا ۔

ولید نے امام مالکؒ سے دس احادیث ایسی بیان کی ہیں جن کی کوئی حقیقت اور کوئی اصل نہیں ہے ۔ ان دس میں سے چار نافع سے ہیں ۔ اس کی تفصیل صدقہ بن خالد کے ذکر میں گذر چکی ہے ۔ (تہذیب التہذیب)

امام احمد نے فرمایا کہ ولید نے جو سنا اور جو نہیں سنا ان سب کو مختلط کر دیا ۔ ولید کے ہاں منکرات زیادہ ہیں ۔

ولید کا تدلیس تسویہ

ائمہ اور علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ افتتاح صلوٰۃ کے وقت آیا نماز بسم اللہ سے شروع کی جائے یا بغیر بسم اللہ کے الحمد سے شروع کی جائے ۔ اصحاب حدیث امام مالکؒ کے خلاف ہیں اور امام شافعیؒ بھی اس مسئلہ میں محدثین کے ساتھ ہیں ۔ اس کے متعلق ایک حدیث مسلم میں الولید بن مسلم عن الاوزاعی منقول ہے ۔ حدیث یہ ہے :-

" حدثنا الاوزاعی عن قتادة انه كتب اليه يخبره عن انس بن مالكؓ انه حدثه قال صليت خلف النبی وابی بكر وعمر وعثمان

فکانوا یستفتحون بالحمد للہ رب العلمین ولا یذکرون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی اوّل قرأۃ ولا فی آخرھا "۔

اوزاعی نے ہمیں حدیث بیان کی قتادہ سے کہ اس نے اس کی طرف لکھا وہ اسے انس بن مالک سے خبر دے رہے تھے۔ کہ انس نے قتادہ کو حدیث سنائی اس نے کہا میں نے نبی صلعم کے پیچھے نماز پڑھی اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی پس وہ نماز شروع کرتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں پڑھتے تھے۔ شروع قرأت میں اور نہ قراءۃ کے آخر میں

اس روایت پر بحث کرتے ہوئے علامہ سیوطی تدریب الراوی میں رقم طراز ہیں کہ

" ولید مدلس ہے اور تدلیس تسویہ کا مرتکب ہے۔ اگرچہ اس نے صراحۃ کہا ہو کہ میں نے شیخ سے سنا ہے۔

اور اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ان دونوں میں کوئی واسطہ نہیں ہے تب بھی یہ ضروری ہے کہ اس حدیث کو غیر معتبر ہی قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ قتادہ تو مادر زاد نابینا تھے اور انہوں نے ضرور کسی دوسرے سے لکھوایا ہوگا۔ وہ کاتب کون تھا؟ اس کا نام ہی معلوم نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ وہی مجروح ہو۔ یا اس نے قتادہ کا صحیح مفہوم اپنی عبارت میں ادا نہ کیا ہو۔ پھر روایت بالکتابت ویسے بھی مختلف فیہ ہے۔

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ:-

" اس کے علاوہ اس روایت کے متن اور سند میں بیحد اضطراب ہے۔ لہٰذا اس سے کوئی سند اور حجت حاصل نہیں کی جا سکتی۔

یہ روایت بالمعنی ہے اس میں راوی سے غلطی ہو گئی ہے "

آخر میں علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ

" اس حدیث میں ضعف کے نو (۹) علل ہیں

۱۔ مخالفت احفظ ۲ مخالفت اکثرین ۳ انقطاع ۴ تدلیس تسویہ من الولید ۵ کتابت ۶ جہالت کاتب ۷ اضطراب فی اللفظ ۸ الادراج ۹ دوسرے صحابہ سے اختلاف " (تدریب الراوی ص۱۶۵ مطبوعہ مصر)

الغرض الولید بن مسلم کی اوزاعی سے روایت اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ یہ روایت ولید نے اوزاعی سے سنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی اور ضعیف راوی سے سنی ہو اور نسبت اوزاعی سے کردی ہو۔

ہمیں اس روایت کی صحت میں کلام نہیں ہے۔ ہمیں تو اس میں فاقد سا وا کے اضافے پر اعتراض ہے۔ اور یہ اضافہ اس روایت میں بہت بعد میں ہوا ہے۔ اور زہری اور ہشام کے دامن اس اضافے سے پاک ہیں۔

٢۔ **عیسیٰ بن یونس** اوزاعی سے فاقد روا کے دوسرے راوی عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحاق ہیں۔ ان کی روایت بخاری میں ہے۔ ہشام بن عروہ۔ یحییٰ بن سعید۔ معمر بن راشد اور اوزاعی سے روائت کرتے ہیں اور کوفہ کے رہنے والے ہیں۔

مذکورہ بالا اساتذہ کے علاوہ اپنے باپ یونس، اپنے بھائی اسرائیل، اپنے چچا زاد بھائی یوسف بن اسحاق، سلمان تیمی، اعمش، ابن جریج، ثوری اور شعبہ سے بھی روائت کرتے ہیں۔

انہوں نے اپنے دادا ابواسحاق کو دیکھا ہے مگر ان سے روایت نہیں لی۔ اس لحاظ سے ان کی پیدائش سنہ ١٢٦ یا سنہ ١٢٠ ہوگی۔ اور ابواسحاق کی وفات سنہ ١٢٩ھ میں ہے۔

شیوخ میں سے ان سے روایت بیان کرنے والے ان کے والد یونس ہیں اور حماد بن سلمہ ہیں جو ان سے عمر میں بڑے ہیں۔

اقران میں سے ولید بن مسلم، موسیٰ بن رعین ہیں۔ جو ان کے ہمعصر ہیں۔

تلامیذ میں سے ان کے بیٹے عمرو بن عیسیٰ اور علی بن خشرم وغیرہ ہیں۔

عیسیٰ ایک سال حج کو جاتے تھے اور ایک سال جہاد میں شریک ہوتے تھے اعمش کے خصوصی تلامیذ میں سے ہیں جو انہیں چھوڑتے ہی نہ تھے۔ **کان عیسیٰ من اصحاب الاعمش لایفارقونہ۔**

عیسیٰ کا بیان ہے کہ ہمیں اعمش نے چالیس احادیث ایسی سنائی ہیں جن میں ضربِ رقاب کا حکم ہے اور یہ حدیثیں اعمش کو ابواسحاق سے پہنچی ہیں اور ابواسحاق سے ان احادیث کا اعمش کے سوا کوئی اور راوی نہیں ہے۔ اور اعمش خاص طور سے ابواسحاق سے احادیث فتن کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے۔

خیال یہ ہے کہ عیسیٰ نے ہشام بن عروہ سے کوئی ایک آدھ روایت ان کے آخری سفر عراق میں سنی ہو گی۔ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ کوفے والے بیس سال کی عمر سے پہلے کسی شاگرد کو علم حدیث شروع ہی نہیں کراتے تھے۔

علاوہ ازیں ہشام کے آخری تلامیذ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ ان کے آخری تلامیذ

ربیعہ بن نمیر، مخاضر، یونس بن بکر، ابواسامہ، عبدہ اور وکیع ہیں۔
اسی طرح اعمش کے ساتھ بھی سال چھ مہینے رہے ہوں گے۔ کیونکہ ۱۴۷ھ میں اعمش کی وفات ہوگئی تھی جبکہ عیسیٰ کی عمر بیس اکیس سال کی تھی۔

عیسیٰ بن یونس کے متعلق ائمہ کے اقوال

عیسیٰ بن یونس غیر محتاط آدمی تھے۔

اثرم نے امام احمد کا قول بیان کیا ہے کہ یہ حدیث ہدیہ کو موصول بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے تمام رواۃ مرسل بیان کرتے ہیں۔
ابن معین فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن یونس حدیث ہدیہ (ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہؓ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبل الهدية ولا يأكل الصدقة) کو موصول بیان کرتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ص
تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے مختصراً ان کے متعلق کہا ہے کہ یہ مخطی ہیں۔ (احادیث میں غلطیاں کرتے ہیں۔ مدلس ہیں (ہر قسم کی تدلیس کرتے ہیں) اور متروکین سے اخذ روایت کرتے ہیں) اس کے بعد انہیں تدلیساً بہتر بنا دیتے ہوں گے)۔
یہ کوفہ کے مدلسین کے گروہ اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور متشیعین کوفہ میں سے ہیں۔ ان کے دادا ابواسحاق اور ان کی اولاد، علی ہذا ان کے شیخ خصوصی اعمش محدثین کوفہ میں سے ہیں۔ لیکن سب تشیع میں مشہور ہیں۔

عیسیٰ بن یونس کا سماع اوزاعی سے ثابت نہیں

یہ عیسیٰ شام میں جا بسے تھے لیکن ان کا قیام شام اوزاعی کی وفات کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے۔
انہوں نے یہ روایت ولید بن مسلم سے لی ہے۔ یہ روایت چونکہ اس طبقے میں معروف روائت تھی اس لئے کسی سند سے بھی ذکر کر دینا قابل قبول ہوتا۔ تحریری زبان میں تھی اس لئے کسی چھان بین کی ضرورت ہی نہ تھی۔
عیسیٰ نے یہ روائت اوزاعی کے کسی بھی شاگرد سے لے لی ہو لیکن اضافہ فاقـ ل من وا بہرحال ولید یا عبدالرزاق دونوں میں سے کسی نے کیا ہے۔ اور تدلیساً پوری روایت اوزاعی کی طرف منسوب کر دی۔ اور اس اضافے سے ہمارے خیال کے مطابق اوزاعی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

بہرحال عیسیٰ بن یونس کا اوزاعی سے سماع ثابت نہیں ہے معاصرت ضرور ہے۔ اگر بہ تکلف سماع ثابت ہی ہوجائے تو یہ اضافہ یقیناً کسی اور سے لیا ہے۔

غرض اوزاعی کی روایت میں یہ اضافہ عیسیٰ کے ذریعہ سے ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔

۳۔ **محمد بن مصعب** | اوزاعی سے اس روایت کو بیان کرنے والے تیسرے راوی محمد بن مصعب بن صدقۃ القرقسائی ابوالحسن نزیل بغداد ہیں۔ جن کی روایت مسند امام احمد میں ہے۔

محمد بن مصعب اوزاعی، امام مالک، ابوبکر بن ابی مریم، اسرائیل اور حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے امام احمد بن حنبل، زہیر بن حرب اور ابن نمیر روایت کرتے ہیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سُنا ہے کہ وہ فرماتے تھے، حدیث القرقسائی اوزاعی سے متقارب ہے۔ اور جو حماد سے بیان کرتے ہیں اس میں تخلیط ہے۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ھو لیس بشی (وہ کچھ بھی نہیں ہے) پھر محمد بن مصعب کی ایک حدیث بیان کرنے کے بعد یحییٰ بن معین نے کہا لم یکن من اصحاب الحدیث۔ کان مغفلا۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابن معین اس کے بارے میں سیئ الرائے تھے۔

ابن معین ہی کا قول ہے کان صاحب غزو لیس یدری ما یحدث

ابن ابی الخیثمہ کا بیان ہے کہ ہم محمد بن مصعب کے دروازے پر تھے کہ ابن معین آئے اور محمد بن مصعب سے کہا اپنی کتاب نکالو جس سے تم حدیثیں بیان کرتے ہو۔ تو ابن مصعب نے کہا "فاصلح الصبیل" ابن معین سخت غضبناک ہوئے اور اس سے کہا "لا ارتفعت لک رایتک ابدا"۔ پھر ابن معین نے فرمایا کہ میں نے ابن مصعب کے پاس کتاب نہیں دیکھی، ہمیشہ زبانی روایتیں بیان کرتے دیکھا۔

نسائی نے فرمایا ھو ضعیف۔

صالح بن محمد نے کہا ضعیف فی الاوزاعی

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے ابوزرعہ سے پوچھا ابن مصعب کے متعلق کیا رائے ہے، فرمایا آدمی تو سچا ہے۔ لیکن احادیث منکرہ بیان کرتا ہے، میں نے

کہا یہ ضعف کی بات نہیں ہے۔ فرمایا اس سے اس میں غلطی ہوگئی۔
ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ ضعیف الحدیث ہے۔
صالح بن محمد کا بیان ہے عامۃ احادیثہ عن الاوزاعی مقلوبۃ۔ وقد روی عن الاوزاعی غیر حدیث کلھا مناکیر لیس لھا اصل۔
ابن حبان نے کہا یقلب الاسانید و یرفع المراسیل لا یجوز الاحتجاج بہ۔
حاکم ابو احمد نے کہا " روی عن الاوزاعی احادیث منکرۃ "
وفات ۲۰۸ھ (تہذیب التہذیب ص ۴۵۸ جلد ۹ ۷۴۰ و میزان الاعتدال
اس کیفیت کی موجودگی میں ابن مصعب کی یہ روایت اوزاعی اور اس اضافہ کے ساتھ قابل قبول نہیں، امام احمد نے یہ روایت ان سے غالباً اس لئے قبول کرلی کہ ان کے پاس دوسری سند سے یہ روایت موجود تھی، جب ایک روایت معتبر راوی سے مقررہ الفاظ میں مذکور ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے، پھر وہی روایت کسی دوسرے راوی سے انہیں الفاظ میں کسی دوسرے شیخ سے ملتی ہے تو اس کے قبول کرنے میں کیا تکلف ہو سکتا ہے، دور تبع تابعین میں زیادہ زور تعدد اسناد پر تھا۔ روایت تو ایک ہی ہوتی ہے۔ اسناد مختلف ہو جانے سے اس میں زور اور استحکام ہو جاتا ہے۔
ہمارا خیال ہے کہ یہ روایت محمد بن مصعب نے تدلیساً اوزاعی کی طرف اس کی نسبت بڑھانے کے لئے بیان کردی ہے۔ ورنہ محمد بن مصعب کا تو اوزاعی سے سماع بھی نہ ہوگا۔ اس لئے ان کی وفات ۲۰۸ھ میں ہوئی اور اوزاعی کی وفات ۱۵۷ھ میں ہوئی یعنی دونوں کی وفات میں ۵۱ سال کا فرق ہے۔ اگر ہم ان کی عمر ستر پچھتر سال کی تسلیم کریں تو بالکل نوعمری میں ان کا اوزاعی سے سماع ثابت ہو سکتا ہے۔ ہمیں ان کا سن پیدائش معلوم نہ ہو سکا ورنہ ان کی عمر کا مسئلہ طے ہو جاتا۔ بہرحال یہ زبانی روایت بیان کرتے تھے۔ اس لئے پچاس سال میں زبانی بات عام طور سے بھول جاتی ہے۔
پھر یہ روایت اسی تحریری زبان میں ہے اس لئے ضرور یہ انہوں نے کسی اور سے سُنی ہوگی۔ اور نسبت اوزاعی کی طرف کردی۔ ہو سکتا ہے ولید سے سُنی ہو۔
الغرض ابن مصعب کی زبانی اس روایت کا یہ اضافہ اوزاعی سے ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

۴- **ابُوالمغیرہ** اوزاعی سے بیان کرنے والے چوتھے راوی ابوالمغیرہ عبدالقدوس بن الحجاج ہیں یہ روایت بھی مسند امام احمد میں ہے۔

یہ حمص شام کے رہنے والے ہیں اور ان کے حالات سے کتب رجال خاموش ہیں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ اوزاعی سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے امام احمد نے روایت لی ہے اور دوسرے آئمہ فن نے ان کی روایت اسحاق بن منصور اور امام احمد کے واسطے سے لی ہے انہوں نے حمص میں وفات پائی اور ان کی نماز جنازہ امام احمد نے پڑھائی۔ سن وفات ۲۱۲ھ ہے بعض اہل علم نے ان کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

امام بخاری نے ان سے تین روائتیں قبول کی ہیں (میزان الاعتدال نمبر ۱۰۷۸)

یہ صاحب بھی روائت میں غیر محتاط معلوم ہوتے ہیں۔ مرسل روایات اور منقطع روایات کو موصول کرنے میں ماہر ہیں۔ اور موضوع روایات تک کو بیان کرنے میں گھبراہٹ محسوس نہیں کرتے۔ ان کی ایک موضوع روایت اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص۱۰۷ جلد ۱ میں علامہ سیوطی نے بیان کی ہے جو درج ذیل ہے اور جسے امام احمد نے بھی اپنے مسند میں ذکر کیا ہے۔

حدثنا ابوالمغیرۃ حدثنا اسماعیل بن عیاش حدثنا الاوزاعی و غیرہ عن الزہری عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب رض قال ولد اخی ام سلمۃ غلام فسموہ بالولید فقال النبی ؐ سمیتموہ باسم فراعنتکم. لیکونن فی ھذہ الامۃ رجل یقال لہ الولید فھو شر علی ھذہ الامۃ من فرعون لقومہ۔

ہمیں اس روایت پر متن کی جہت سے کوئی بحث نہیں کرنی۔ ہے محض سند کو دیکھنا ہے۔ اس کی سند میں اوزاعی اور ابوالمغیرہ کے درمیان ایک اور راوی اسماعیل بن عیاش ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ ابوالمغیرہ اور اوزاعی کے درمیان مذکورہ بالا روایت فاقد میں بھی کوئی واسطہ ہے جس کو ابوالمغیرہ نے اپنی سند کو اونچا کرنے کے لئے ترک کر دیا ہے۔ جیسا کہ ہم پچھلی روایت میں لکھ چکے ہیں کہ ابن مصعب اور اوزاعی کے درمیان واسطہ ہونا چاہئیے اسی طرح یہاں بطریق اولیٰ واسطہ ہونا چاہئیے۔ اس لئے کہ ابوالمغیرہ کی وفات ۲۱۲ھ میں ہے اور اوزاعی کی وفات ۱۵۷ھ میں ہے۔ ان دونوں کی وفات میں پچپن سال کا فرق ہے اگر وفات کے وقت ابوالمغیرہ کی عمر ۷۵ سال ہی زیادہ تسلیم کی جائے تو باسٹھ لوعمری

میں سماع ہو سکتا ہے ۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ شامی اہل علم تیس سال سے پہلے حدیث حاصل نہیں کرتے تھے پھر اس ابوالمغیرہ اور اسماعیل بن عیاش کی سند نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ اوزاعی اور ابوالمغیرہ میں واسطہ ہے ۔

چونکہ ولید کو فرعون قرار دینے کی روایت بڑی کٹھن تھی اس لئے اس میں ابوالمغیرہ نے اپنے شیخ کو ظاہر کر دیا اور فاقس روا والی روایت چلتی ہوئی روایت تھی اس لئے درمیان میں سے اصل راوی کو نکال کر اپنی نسبت کو اونچا کر لیا ۔

ابوالمغیرہ کی یہ سند منقطع ہے اس لئے اوزاعی سے ان کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہے ۔ معلوم نہیں درمیان میں کون واسطہ تھا اور اسے کیوں ترک کیا گیا ہے ۔

مُعمّر بن راشد

زہری سے اس روایت کے ایک اہم اور چھٹے راوی معمر بن راشد ہیں ۔ ان کی روایت میں فاقس روا کا اضافہ ہے ۔

معمر پر ہم مفصل بحث روایت نزدرج میں کر چکے ہیں ۔

معمر سے آگے اس روایت فاقس روا کو ان سے بیان کرنے والے ان کے دو تلمیذ ہیں ایک عبدالرزاق بن ہمام دوسرے ہشام بن یوسف ۔ معمر کے حالانکہ اور بھی کافی تلامیذ ہیں لیکن وہ اس روایت کی سعادت سے محروم ہیں ۔ مثلاً یحییٰ بن کثیر جو معمر کے استاد بھی ہیں اور معتمر بن سلیمان وغیرہ ۔

مسند امام احمد حنبل رح میں یہ روایت عبدالرزاق سے آئی ہے اور امام بخاری نے اس روایت کو ہشام بن یوسف سے لیا ہے روایت ایک ہی ہے صرف سند کا فرق ہے مصنفین یہ کرتے ہیں کہ جب ایک مصنف کسی روایت کو بڑے شیخ سے ایک واسطے سے ذکر کر دیتا ہے تو دوسرا مصنف پھر اس شیخ سے دوسرا واسطہ تلاش کرتا ہے چونکہ معمر کی اس روایت کو امام احمد ان کے معتمد ترین تلمیذ عبدالرزاق سے مسند میں ذکر کر چکے تھے اس لئے امام بخاری رح اسی روایت کو معمر سے عبدالرزاق کی بجائے ان کے دوسرے تلمیذ ہشام بن یوسف کے واسطے سے لاتے ہیں ۔ اگر امام احمد اپنی مسند میں عبدالرزاق کی روایت نہ لاتے تو امام بخاری رح عبدالرزاق ہی کی روایت کو بیان کرتے ۔ ہشام بن یوسف معمر کے تلامیذ میں عبدالرزاق کے مقابلے میں دوسرے درجے کے راوی ہیں ۔

مسلم اسی روایت کو اپنی کتاب میں ان کے علاوہ دوسرے ذرائع سے لاۓ

ہیں جن پر ہم آئندہ گفتگو کریں گے ۔

ہمیں نفس روایت پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ فاقسّروا کے جملے پر اعتراض ہے اس لئے ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ یہ جملہ شروع ہی سے روایت کا جزو تھا ؟ یا کسی نے بعد میں اضافہ کیا ؟ کس نے کیا اور کب کیا ؟

معمر بن راشد کے سب سے معتمد راوی عبدالرزاق پر روائت تزوج کے سلسلہ میں ہم گفتگو کر چکے ہیں لیکن چونکہ اس روایت میں ہماری تحقیق کے مطابق اس اضافے کے ذمہ دار عبدالرزاق ہی ہیں ۔ اس لئے ہم اس مسئلے پر وضاحت سے گفتگو کریں گے ۔

و باللہ التوفیق ۔

عَبدالرّزاق | مقدمات بحث

عبدالرزاق پر لکھنے سے پیشتر چند مقدمات ہم بطور تمہید پیش کرتے ہیں ۔

۱۔ ایک طبقے کے اصحاب علم عام طور سے مشترک اساتذہ سے علم حاصل کرتے تھے اور ایک دوسرے سے بھی آپس میں استفادہ کرتے تھے ۔ تہذیب التہذیب میں ہے

اما عبدالرزاق والفریابی و ابواحمد زبیری وعبیداللہ بن موسیٰ وابوعاصم وقبیصہ وطبقاتہم فہم کلہم فی سفیان قریب بعضهم من بعض وهم دون یحییٰ ابن سعید وابن مهدی ووکیع وابن المبارک

۲۔ ہر دور کے اساتذہ کے بعض تلامیذ بعض اساتذہ کے بارے میں زیادہ معتبر تصور کئے جاتے ہیں زہری میں سعید ابن المسیب اور ثوری اور ابو معاویہ اعمش میں اور عبدالرزاق معمر میں وغیر ذلک ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس خاص شیخ کے مرویات میں دوسرے تلامیذ کے مقابلے میں اس کی بات کا اور اس کی روایت کا زیادہ اعتبار کیا جائیگا ۔ طول صحبت کی بناء پر یا استاد کا تحریری ذخیرہ ہاتھ آ جانے کی وجہ سے یا امالی شیخ کی بناء پر یہ تفوق ہوتا ہے ۔

۳۔ مرویات شیخ میں حذف وایزاد ان معتمدین خاص کی روایات کی بناء پر عمل میں آتا تھا ۔ دور تہذیب حدیث میں امالی کا طریقہ رائج تھا ۔ شیخ اپنی کتاب سے حدیث بیان کرتا رہتا ۔ تلامیذ لکھتے جاتے تھے ۔

ہر شخص لکھنے میں برابر نہیں ہوتا ۔ بعض تیز لکھتے ہیں ۔ بعض سست لکھتے ہیں بعض صاف لکھتے ہیں ۔ بعض مایُقرَأُ لکھتے ہیں ۔ اور بعض اپنا ہی لکھا ہوا ۔ بعد

ین نہیں پڑھ سکتے۔ بعض کو چھوڑ کر لکھنے کی عادت ہوتی ہے۔ بعض ہو بہو استاد کے الفاظ میں لکھتے ہیں۔ بعض استاد کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔ بعض اس وقت اشارات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ بعد میں مکمل کرتے ہیں۔ بعض اس وقت زبانی سننے پر اکتفا کرتے ہیں۔ بعد میں کسی ساتھی کے اَمالی سے نقل کر لیتے ہیں۔

اگر سبق کے بعد آپس میں ان اَمالی کا مقابلہ نہ کیا جاتے۔ تو مذکورہ بالا اختلاف احوال کی وجہ سے ایک ہی روایت مختلف لوگوں کے پاس کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں ضرورت ہوتی ہے۔ کہ استاد کے اس معتمد خاص کی روایت پر "جس کی رسائی بھی استاد کی کتاب پر ہو" بھروسہ کیا جائے

شیخ کی وفات کے بعد جس کے ہاتھ شیخ کی کتابیں آجائیں۔ اس کے معتمد ترین ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا، دوسرے تلامیذ کے مقابلے میں اس کی بات میں وزن ہوتا ہے اور اس کی روایت معتبر ہوتی ہے۔

۴۔ بعض شیوخ مختلف اسباب کی بناء پر اپنے دور میں مرجع عوام ہو جاتے ہیں۔ کثرت تلامیذ اور مقبولیت عامہ کی بناء پر انکی شخصیت کے گرد عقیدت کے حلقے بن جاتے ہیں۔ ان کی بات اور روایت میں اعتماد پیدا ہو جاتا ہے جو وہ کہیں وہی درست ہوتا ہے۔

۵۔ اگرچہ اساتذہ اپنی کتب کی خاص طور سے حفاظت کرتے تھے کہ ان میں کوئی اور ایزادی نہ کر سکے۔ لیکن بعض لوگ چور دروازے سے ان کی کتابوں تک پہنچ گئے اور ہوشیاری سے اسی خط میں اپنے حسب منشا ان کی کتابوں میں جا و بے جا اضافے کر دیئے۔ اور وہ روایت کا جزو بن گئے۔ یا استاد کی وفات کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ اساتذہ کی کتابیں آئیں انہوں نے آزادی سے ان میں تصرفات کرکے ان کو استاد کی روایت کا جزو بنا دیا۔ اب جن لوگوں کے پاس ان معتبر کتابوں کے خلاف تھا۔ انہیں بھی ان کتابوں کے مندرجات کی بناء پر اپنی روایات میں اصلاح کرنی پڑی۔ انہوں نے اس جزوی ایزادی کو اصل تصور کیا اور اس کی روشنی میں اپنی "ناقص روایت" کی تکمیل کر لی۔ چنانچہ بعض علماء تسلیم کرتے ہیں کہ الدبری نے مصنف عبدالرزاق میں تحریفات کی ہیں۔

بحث | عبدالرزاق صنعاء کے رہنے والے ہیں۔ پیدائش سنہ ۱۲۶ میں

ہوئی ۔ بیس برس کی عمر میں صنعاء میں تعلیم شروع کی ۔ اپنے والد ہمام اور اپنے چچا وہب سے علم حاصل کیا ۔ پھر سلیم بن یونس صنعانی اور معمر بن راشد مقیم صنعاء سے علم حاصل کیا ۔ سات سال تک معمر کی شاگردی میں رہے ۱۵۳ھ تک صنعاء میں ہی رہے ۔ باہر نہیں گئے معمر کی وفات ۱۵۳ھ کے بعد ان کے علوم کے یہی وارث ہوئے ۔ معمر کے حالانکہ اور بھی تلامیذ تھے مگر معمر کی کتاب الجامع جو غالباً آمالی کی شکل میں عبدالرزاق کے پاس تھی اور معمر کی تصحیح شدہ تھی ۔ ان کے پاس ہی رہی ۔ استاد کے دوسرے صحائف مثلاً صحیفۂ ہمام بن منبہ ، صحیفۂ زہری اور استاد کی دوسری یادداشتیں انہی کے قبضہ اور تصرف میں آئیں ۔ الجامع کے واحد راوی یہی ہیں ۔ صحیفہ ہمام بن منبہ کے معمر سے واحد راوی بھی یہی عبدالرزاق ہیں ۔ معمر کی وفات کے بعد پورے عالم بن کر یہ صنعاء سے بغرض تجارت شام گئے ۔ اس سفر میں حج کیا اور مکہ کے اساتذہ مثلاً ابن جریج وغیرہ سے کسب علم کیا ۔ پھر شام میں شام کے اساتذہ سے روایات اخذ کیں ۔ اور دوسرے اہل علم سے مذاکرات جاری رکھے ۔ پھر واپس آ کر مستقل قیام صنعاء ہی میں رکھا ۔ اس سفر حجاز و شام میں الجامع ان کے ساتھ تھی ۔ معمر کے علوم سے لوگوں کو روشناس کرایا ۔ معمر کی بیشتر روایات لوگوں تک انہی عبدالرزاق کے ذریعے پہنچیں ۔

عبدالرزاق کی زندگی کے تین دور ہیں

۱ ۔ ان کا پہلا دور حصولِ علم کا دور ہے ۔ اسمیں یہ عقائد اہل سنت پر قائم تھے اور انہی عقائد کی تبلیغ کرتے تھے ۔ معمر کی وفات یا اس کے کچھ بعد تک یہی دور رہا ۔

۲ ۔ دوسرے دور میں انہوں نے جعفر[۲] سلیمان کی زاہدانہ ہیبت سے متاثر ہو کر مذہب تشیع اختیار کر لیا ۔ اور اس کے زبردست مبلغ بن گئے ۔ فن تقیہ میں ماہر و کامل ہو گئے ۔ بیحد مردم شناس تھے ۔ ہر شخص سے اپنے دل کی بات نہیں کرتے تھے ۔ اپنے اس نئے مسلک کی تبلیغ میں اپنے علمی مقام سے پورا فائدہ اٹھایا ۔ اپنے مخصوص عقائد کو اپنے استاد معمر کی الجامع میں جابجا ۔ چھوٹے چھوٹے جملوں کی شکل میں اس طرح سمو دیا کہ وہ استاد کی روایت کا جزو بن گئے ۔ خصوصیت سے مثالب میں ۔

اکابر صحابہ بالخصوص ، وہ صحابہ جن کا کسی نوع سے حضرت علی رض کے ساتھ اختلاف

رہا تھا اس کی مذمت کے ایسے لطیف طریقے ایجاد کیے کہ بظاہر وہ تعریف معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جب ان کے نفسیاتی و تحت الشعوری اثرات کا جائزہ لیا جائے تو ان کے زہریلے اثرات کا احساس ہوتا ہے۔

ابن معین مشہور ناقد حدیث نے عبدالرزاق کی قلعی واضح الفاظ میں کھولی ہے۔ لیکن اس دور کے علماء نے ابن معین کی تصریحات پر کان نہ دھرا۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک تو اس شخص کی دماغی صلاحیتوں کی وجہ سے اس دور کے علماء اس سے بے حد مرعوب تھے۔ کیونکہ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے اس وقت کی علمی دنیا میں مصنف عبدالرزاق جیسی ضخیم کتاب مرتب کر کے ایک عظیم علمی کارنامہ انجام دیا تھا۔

دوسرے اس کے پاس معمر کی **الجامع** تھی جو اس دور میں علم کا بے مثل خزانہ تھی۔ اس لئے اس دور کے اہل علم عبدالرزاق کا علمی تفوق مرعوب کن حد تک محسوس کرتے تھے اور اس سے کسب علم میں مجبور تھے۔

چنانچہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ماہر فن نے معمر کی مرویات میں چھوٹے چھوٹے جملوں کا حسب موقع ادراج کیا۔ مثلاً روایت تزوج میں جو ہشام کی مشہور روایت ہے۔ **تزوجها النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بنت سبع سنین وبنی بها وھی تسع سنین ومات عنها وھی بنت ثمانی عشر۔**

اس روایت میں عبدالرزاق نے دو طرح تصرف کیا۔ ایک سنداً دوسرے متناً سند میں اس طرح کہ اس روایت ہشام کو زہری کی طرف منسوب کر دیا۔ صرف یہی سند ہے جس میں یہ روایت زہری کی طرف منسوب کر کے عروہ سے نقل کی گئی ہے۔ ورنہ پورے معلوم ذخیرہ حدیث میں زہری سے یہ روایت منقول نہیں ہے البتہ یہ مہربانی کی کہ یہ روایت زہری سے مرسلاً بیان کی اور عروہ پر روایت ختم کر دی۔ اور ساتھ ہی روایت ہشام بھی اس کی متابعت میں ذکر کی۔ یعنی معمر کے ذریعہ۔ مگر یہ بھی مرسل ہی ذکر کی اور عروہ پر اسے ختم کر دیا اور روایت کے الفاظ بھی بیان نہیں کئے۔ صرف **مثلہ** کہہ دیا۔ اس میں راز یہ ہے کہ چونکہ روایت زہری میں جس کو عبدالرزاق نے اصل قرار دیکر پہلے ذکر کیا ہے۔ اس میں **لعبها معها** کا جملہ ہے۔ اس لئے **مثلہ** سے یہی سمجھا جائیگا کہ ہشام کی روایت میں بھی یہ جملہ ہوگا۔ حالانکہ روایت ہشام میں جو عروہ کی سند سے بیان

کی گئی ہے یہ جملہ نہیں ہے ۔ یہ صرف اختراع عبدالرزاق ہے کہ اس نے معمر کے ذریعہ سے لیا اور معنعن حضرت عائشہ رض سے بیان کیا ۔

غرض اس روایت تزوج میں عبدالرزاق نے حسب منشا اضافہ بھی کرلیا اور روایت کی نسبت زہری کی طرف کرکے اپنی منفرد روایت بنالی ۔ اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کیا ہنرمندی کی ہے ۔ بلکہ لوگ اضافہ ثقہ سمجھ کر قبول کر گئے ۔

اس روایت میں عبدالرزاق نے دو تصرف کئے ۔ ایک تعبیر میں تصرف کیا یعنی بنیٰ بھا کی جگہ اھدیت الیہ کہا ۔ اور ان کے تلمیذ عبد بن حمید نے اسے زفت الیہ سے ادا کیا ۔ ان دونوں تعبیروں میں تحقیر عائشہ رض مضمر ہے ۔

اور دوسرا تصرف یہ کہ ایک چھوٹا سا جملہ لعبھا معھا اپنی طرف سے بڑھا دیا ۔ اس جملہ نے حضرت عائشہ رض کے بالکل بچہ ہونے کی اور ناسمجھ ہونے کی تکمیل کردی ۔ بظاہر روایت ہشام سے کوئی زائد بات نہیں کی ۔ لیکن حقیقت میں یہ ظاہر کر دیا کہ جس وقت وہ کاشانہ نبوت میں داخل ہوئیں قطعاً بے شعور ۔ بے اعتبار ۔ گرگڑیوں کی شیدائی ایک بچی تھیں ۔

اسی طرح حبشہ کے کھیل والی روایت کے آخر میں فاقدروا کا اضافہ انہیں عبدالرزاق کا ہے ۔ ہم نے اس فاقدروا والی روایت میں اور اصل روایت میں تعلق پیدا کرنے کی بہت کوشش کی مگر یہ کلام ہی اس سے الگ اور بے ربط ہے ۔ یہ جملہ سراسر عبدالرزاق کا اپنا اضافہ ہے ۔ اس نے معمر کی روایت کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے ۔ اور معمر کے نام پر اس کی روایت شروع کر دی ۔ اس کے بعد معمر کے دوسرے تلامیذ اور دیگر علماء نے اسے معمر کی روایت کا جزو سمجھ کر اسے قبول کرلیا ۔ ورنہ معمر خود اپنی زندگی میں فاقدروا سے قطعاً بے خبر تھے ۔ حتیٰ کہ خود ہشام بن یوسف نے عبدالرزاق کے اضافہ کو اپنے استاد معمر کی مستند روایت سمجھ کر قبول کرلیا ۔ اور روایت کرنا شروع کر دیا جامع معمر عبدالرزاق کے پاس جو تھی عبدالرزاق یہ کتاب لیکر جہاں بھی پہنچے اور اس کے حوالے سے لوگوں کو روایت سنائی لوگوں نے قبول کرلیا ۔

عبدالرزاق شام گئے تو الجامع ساتھ تھی الجامع سے انہوں نے یہ معتبر روایت مع اضافہ فاقدروا کے سنائی تو ابوالولید بن مسلم وغیرہ سب نے اسے قبول کیا ۔

اِدراجِ حدیث

ہم علل حدیث کا ایک مستقل باب مقرر کرکے مجملاً اس میں علل کا ذکر کریں گے۔ یہاں صرف علت کی ایک قسم مدرج کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ ادراج حدیث

ادراج محدثین کی اصطلاح میں یہ ہے کہ راوی روایت کے شروع میں یا درمیان میں یا اخیر میں اپنا یا کسی اور کا کلام اس طرح شامل کردے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ روایت کا جز وہے۔

آخر میں ادراج کی مثال نمبر۱

مدرج کی ایک مثال عبداللہ بن مسعود کی یہ حدیث ہے جس کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے:-

اخذ علقمة بيدى فحدثنى ان عبد الله بن مسعود اخذ بيده وان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذ بيد عبد الله بن مسعود فعلمنا التشهد فى الصلوة . فيه اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلوتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد .

اس میں اذا قلت سے حضرت عبداللہ کا کلام ہے۔ اور تمام حفاظ اس پر متفق ہیں کہ یہ مدرج ہے۔ اس کو شبابہ بن مسوّر نے زہیر سے نقل کیا ہے۔

ففصله قال فقال عبد الله اذا قلت . رواه الدارقطنى وقال شبابة ثقة وقد فصل آخر الحديث وجعله من قول ابن مسعود وهو اصح من رواية من ادرجه .

مثال نمبر۲

اسی طرح حضرت ابن مسعود کی یہ روایت ہے:-

من مات لا يشرك بالله فقد دخل الجنة ومن مات يشرك بالله فقد دخل النار . اس کے بعد خود حضرت ابن مسعود نے کہہ دیا ایک کلمہ میرا ہے اور ایک کلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

مثال نمبر ۳ ۔ و فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رض مرفوعاً للعبد المملوک اجران فوالذی نفسی بیدہ لولا الجہاد فی سبیل اللہ والحج وبر امی لاحببت ان اموت وانا مملوک ۔

اس روایت میں والذی سے حضرت ابوہریرہ کا کلام ہے ۔

شروع میں ادراج کی مثال نمبر ۴ اسبغوا الوضوء ۔ ویل للاعقاب من النار

ہے ۔ جس کا پہلا جملہ ابوہریرہ رض کا ادراج ہے ۔ بخاری میں روایت ہے ۔ عن آدم عن شعبۃ عن محمد بن دینار عن ابی ھریرۃ رض ان ابا القاسم قال ویل للاعقاب من النار ۔

مثال نمبر ۵ یا مثلاً حدیث بسرہ میں ہے :-
من مس ذکرہ او انثییہ فلیتوضأ ۔ ۔

جس میں او انثییہ کا ٹکڑا عروہ کا ادراج ہے ۔

مثال نمبر ۶ حدیث عائشہ رض ہے :-
کان النبی یتحنث فی غار حراء ۔ وھو التعبد اللیالی ذوات العدد ۔

اس میں وھو التعبد .... زہری کا ادراج ہے ۔

ادراج کی چوتھی صورت ادراج کی ایک چوتھی صورت بھی ہے کہ دو مختلف سندوں کی حدیثوں کے بعض جملوں کو ایک دوسرے میں خلط کر دینا جسے ہم تلفیق کہتے ہیں جیسے سعید بن ابی مریم نے کہا :

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تنافسوا ۔ الحدیث

اس کے آخر میں لا تنافسوا ، ابن ابی مریم کا ادراج ہے جو انہوں نے ایک دوسری حدیث سے لیا ہے اور وہ یہ ہے :-

مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ رض ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ۔

یہ دونوں حدیثیں امام مالک ہی سے منقول ہیں ۔ متفق علیہ ہے ۔ اس میں ابن ابی مریم کو وہم ہو گیا کہ یہ مالک عن شہاب ہے ، حالانکہ روایت مالک عن ابی الزناد عن الاعرج ہے ۔

اقسام ادراج
الراوی عقبیہ کلام
فیتوھم انہ من
والثانی ان یکون
والثالث ان یسمع
فیرویہ عنھم
وعبارۃ ابن السمعا
من یحرف الکلم
(تدریب الراوی
ابن دقیق العید
میں ہو تو اس کا پتہ لگ
۱ ادراج کبھی
علیحدہ آ جاتا ۔
۲ یا راوی اپنے
۳ یا آئمہ فن
ہے ۔
۴ یا اس اد
علیہ وسلم سے
۱ ۲
کہا گیا ہے کہ
یہ ہے ۔
" وضرب
لھم احادیث د

عن الاعرج ہے۔ (تدریب الراوی ص۱۲۶)

اقسام ادراج

المدرج وھو اقسام

احدھا[1] فی حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم بان یذکر الراوی عقبیہ کلاما لنفسہ او لغیرہ فیرویہ من بعدہ متصلا فیتوھم انہ من الحدیث۔

والثانی[2] ان یکون عندہ حدیثان باسنادین فیرویھما باحدھما

والثالث ان یسمع حدیثا من جماعۃ مختلفین فی اسنادہ او متنہ فیرویہ عنھم باتفاق۔ وکلھم حرام باتفاق اھل الحدیث والفقہ وعبارۃ ابن السمعانی وغیرہ من تعمد الادراج فھو ساقط العدالۃ ومن یحرف الکلم عن مواضعہ فھو ملحق بالکذابین۔

(تدریب الراوی ص۱۲۷)

ابن دقیق العید کا خیال ہے کہ ادراج اگر شروع روایت میں ہو یا درمیان روایت میں ہو تو اس کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے۔ آخر کے ادراج کا پتہ بعض دفعہ لگ جاتا ہے

۱ ادراج کبھی اس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسری روایت میں یہ مدرج حصہ علیحدہ آجاتا ہے۔

۲ یا راوی اپنے ادراج کو خود ہی بیان کر دیتا ہے۔

۳ یا آئمہ فن (اپنے فن کی مہارت کی بنا پر) واضح کر دیتے ہیں کہ یہ ادراج ہے۔

۴ یا اس ادراج میں کوئی ایسی ناممکن بات ہوتی ہے جس کا صدور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محال یا مستبعد ہو۔

۲ ادراج عبدالرزاق

کہا گیا ہے کہ وضع احادیث کی بہت سی صورتیں ہیں۔ جن میں سے ایک صورت یہ ہے۔

" وضرب امتحنوا باولادھم او ربائب او وراقین فوضعوا لھم احادیث ودسوھا علیھم۔ فحدثوا بھا من غیر ان یشعروا۔

كعبد الله بن محمد بن ربيعة القدامى .... وكحماد بن سلمة ابتلى بربيبه ابن ابى العوجاء ... فكان يدس فى كتبه . وكمعمر كان له ابن اخ رافضى يدس فى كتبه حديثا عن الزهرى عن عبيد الله بن عبد الله عن ابن عباس قال نظر النبى صلى الله عليه وسلم الى على فقال سيّد فى الدنيا وسيد فى الآخرة ومن احبك فقد احبنى وحبيبى حبيب الله وعدوك عدوى وعدوى عدو الله ويل لمن ابغضك بعدى فحدث به عبد الرزاق عن معمر وهو باطل موضوع . كما قاله ابن معين .

وضرب يلجأون الى اقامة الدليل على ما فتوا به بآرائهم . فيضعون ...... الحافظ ابو الخطاب ابن دحيه يفعل ذلك . وضع الحديث فى المغرب المقصر .

(تدريب الراوى ص۱۸۷ بيان وضع حديث)

اور ایک قسم وہ ہے جو اپنی اولاد کی وجہ سے اپنے ربیبوں کی وجہ سے اور کاتبوں اور جلد سازوں کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہو گئے ان لوگوں نے (انؑ نام پر) ان کے لئے حدیثیں وضع کیں اور ان کی کتابوں میں ٹھونس دیں ۔ ان محدثین نے ان کو بیان کیا بغیر یہ جانے کہ یہ ان کی حدیثیں ہیں جیساکہ عبداللہ بن محمد بن ربیعہ قدامی اور جیسے حماد بن سلمہ ۔ ابن ابی العوجاء اپنے ربیب کی وجہ سے مصیبت میں پڑ گئے ۔ وہ ربیب ان کی کتابوں میں وضعی حدیثیں ٹھونس دیتا رہا ۔ اور جیسے معمر ان کا ایک بھتیجا رافضی تھا وہ ان کی کتابوں میں زہری سے عبیداللہ بن عبداللہ سے ابن عباس سے اس سند سے وضعی حدیثیں داخل کرتا رہا ۔ ان وضعی حدیثوں میں سے ایک یہ حدیث ہے ابن عباس نے کہا نبی ص نے علی رض کی طرف دیکھا اور فرمایا تم دنیا میں سردار ہو آخرۃ میں سردار ہو جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور میرا دوست اللہ کا دوست ہے اور تیرا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن اللہ کا دشمن ہے ۔ جہنم ہے اس کے لئے جس نے میرے بعد تجھ سے بغض رکھا ۔ پس اس حدیث کو عبدالرزاق نے معمر سے بیان کیا یہ باطل اور موضوع ہے جیساکہ ابن معین نے کہا اور دوسری قسم وہ ہے جو سہارا لیتے ہیں حدیث کا کہ دلیل قائم کریں ۔ ان فتاویٰ پر جو انہوں نے اپنی رائے سے دیئے ہیں ۔ پس اس کے لئے حدیث وضع کرتے ہیں

حافظ ابو الخطاب بن د
ایک قابل غ
پڑتی ۔ بڑی بڑی چیز
مجرموں کو نظر انداز ک
ہی نہ ہو ۔
اصل موضو
عبدالرزاق کو مورد
قرار دیا ۔ پھر یہ ک
جس کا نہ معمر کو
عبدالرزاق کو معل
آئی ۔ اس نے
علامہ ا
کو بچانے کے
ہیں تو
کے بارے میں
گیا تھا ۔ معمر
بچایا ۔
اس
پڑ گیا کہ عبد
تھا ۔ ورنہ
روایت ا
مستند
نے بھی
اپنی ک

حافظ ابوالخطاب بن دحیہ یہ کرتا تھا۔ اس نے مغرب میں قصر کی حدیث وضع کی۔

ایک قابل غور تحقیق

ان محققین کی عجیب عادت ہے (آنکھیں بند کرکے تحقیق کرتے ہیں) چھوٹی چھوٹی چیزوں پر تو ان کی نظر ہی نہیں پڑتی۔ بڑی بڑی چیزیں تلاش کرتے ہیں۔ اور اس میں بھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اصل مجرموں کو نظر انداز کر دیا جائے ایسے شخص پر الزام دھرا جائے جس میں جرم کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔

اس موضوع روایت کے بارے میں جسے عبدالرزاق معمر سے بیان کرتے ہیں بجائے عبدالرزاق کو مورد الزام ٹھہرانے کے معمر کے ایک بھتیجے پر الزام رکھ دیا۔ پھر اس کو رافضی قرار دیا۔ پھر یہ کہا کہ اس نے چپکے سے یہ روائت معمر کی کتاب میں داخل کر دی۔ جس کا نہ معمر کو پتہ چلا کہ میری کتاب میں یہ غیر جنس داخل کی گئی ہے اور نہ بعد میں عبدالرزاق کو معلوم ہوا کہ استاد کی الجامع میں یہ اجنبی خط میں اجنبی روایت کہاں سے آئی۔ اس نے غیر شعوری طور سے اس کی روایت شروع کر دی۔

علامہ ابن حجر، علامہ سیوطی جیسے محققین کا یہ حال ہے۔ اور یہ سب کچھ عبدالرزاق کو بچانے کے لئے کیا گیا۔

ہمیں تو باوجود تحقیق کے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ معمر کا کوئی بھائی بھی تھا یا نہیں۔ پھر بھتیجے کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا کیا نام تھا اور وہ کہاں رہتا تھا۔ رافضی کیسے ہو گیا تھا۔ معمر کو اس کے رفض کا پتہ نہ چل سکا۔ معمر نے کیوں ایسے چور سے اپنی کتاب کو نہ بچایا۔

اس لمبی چوڑی حدیث کے متعلق تو ہمارے ان محققین کو اس بنا پر نوٹس لینا پڑ گیا کہ عبدالرزاق کے متعلق بعض ناقدین حدیث نے سخت الفاظ میں اظہار حقیقت کیا تھا۔ ورنہ یہ حضرات تو اسے بھی حدیث ہی سمجھتے چلے جاتے۔

ہمارے نزدیک معمر کی کتابوں میں اضافے کرنے والا خود عبدالرزاق ہے۔ زیر بحث روایت تو بہت بڑی روایت تھی اس لئے اس کی ہنرمندی پکڑی گئی۔ ورنہ معمر کی کتاب میں مستند روایات میں چھوٹے چھوٹے جملوں کا جو اضافہ عبدالرزاق نے کیا ہے۔ اس پر تو کسی نے بھی توجہ نہیں کی۔ اور اس زہر کو نہ صرف معمر کی کتاب تک محدود رکھا بلکہ وہاں سے اپنی کتابوں میں منتقل کر کے پورے ذخیرۂ علم کو مسموم کر دیا۔

اسی لئے ابن معین ، العباس عنبری ، زید بن المبارک ، ابن عیینہ نے بعد میں عبدالرزاق سے برئیت کا محض اعلان کیا اور یہ شور مچایا کہ اس سے بچو ۔ یہ چور ہے ۔ حدیث میں چوری کرتا ہے لیکن انہوں نے بھی اس کے شامل کئے ہوئے زہر کو علیحدہ نہیں کیا ۔

ابن معین نے کہا :۔

فواللہ الذی لا الہ الا ھو کان عبدالرزاق اعلی فی ذلک من عبیداللہ بن موسیٰ ماۃ ضعف ۔ ولقد سمعت من عبدالرزاق اضعاف ما سمعت من عبیداللہ ۔

پس اللہ کی قسم کہ جس کے سوا کوئی الہ نہیں عبدالرزاق تو رفض کے متعلق وضع حدیث میں عبیداللہ بن موسیٰ سے سَو گنا زیادہ ہے اور میں نے عبدالرزاق سے کئی گنا زیادہ سُنا جو میں نے عبیداللہ بن موسیٰ سے سُنا ۔

ابن معین نے ضرور عبدالرزاق کی مزخرفات کا مفصل ذکر کیا ہوگا ۔ لیکن اربابِ حدیث نے ان کی بات پر کان تک نہ دھرا ۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ جو امور کھلے طور سے عبدالرزاق کے رفض پر دلالت کرتے تھے ان کو بھی بہت ہلکا کر کے بیان کیا ۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :۔

وقد دخل الیہ ثقات المسلمین وائمتھم وکتبوا عنہ الا انھم نسبوہ الی التشیع ۔ وقد روی احادیث فی الفضائل لم یتابع علیھا ۔ فھذا اعظم ما رموہ من روایتہ لھذہ الاحادیث ولما رواہ فی مثالب غیرھم ۔

اس کے پاس ثقہ لوگ اور مسلمانوں کے امام جاتے رہے اور اس سے روایات لکھیں مگر انہوں نے اسے متشیع سے منسوب کیا ۔ اس نے فضائل میں حدیثیں بیان کیں جن کا کوئی متابع نہیں اور یہ سب سے بڑا اعتراض جو اس کی روایات پر کیا جاتا ہے اور جو مثالب غیر میں بیان کیا وہ بھی قابل اعتراض ہے ۔

اس عبارت کا رجحان یہ ہے کہ لوگوں کی زیادتی ہے کہ عبدالرزاق کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں ۔ اس نے کیا کیا محض فضائل میں احادیث ذکر کی ہیں ۔ اگر ان کا کوئی متابع نہیں ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے ۔ اور مثالب میں کچھ روائتیں ذکر کی ہیں اگر کوئی اور ان کو بیان نہیں کرتا تو اس میں عبدالرزاق کی کیا غلطی ہے ۔

حتیٰ کہ بعض علماء نے عبدالرزاق کی جلالتِ شان کے پیشِ نظر یہ کہا کہ اگر عبدالرزاق مُرتد بھی ہو جائے تو ہم اس کی روایات کو ترک نہیں کر سکتے ۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو کسی قیمت پر بھی عبدالرزاق کی روایات ترک نہیں کرتے تھے۔

محمد بن اسماعیل فزاری کا بیان ہے کہ ہم صنعاء میں تھے۔ ہمیں یہ خبر پہنچی کہ امام احمد اور ابن معین نے عبدالرزاق کی روایت کو ترک کر دیا ہے تو ہمیں بہت دُکھ ہوا ۔ اور ہم نے کہا اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائے تو ہم اس کی روایات ترک نہیں کریں گے ۔

عباس عنبری نے کہا :-

تجشمت الی عبدالرزاق بصنعاء وانہ لکذاب والواقدی اصدق منہ ۔

زید بن المبارک نے کہا :-

کان عبدالرزاق کذابا یسرق الحدیث ۔

غرض جن علماء نے عبدالرزاق پر جرح کی ہے وہ مجمل ہے اور ناکافی ہے ۔ ضرورت اس کی تھی کہ تفصیل کے ساتھ اس کی اغلاط کی نشان دہی کی جاتی ۔ اور روایات میں جو خرابیاں عبدالرزاق نے پیدا کی تھیں انہیں دُور کیا جاتا ۔ ان چند مجمل جرحی اقوال کی وجہ سے ساری توجہ ادھر منعطف رہی کہ فضائل اور مثالب میں عبدالرزاق کی وہ روایات دیکھ بھال کر قبول کی جائیں جن کا کوئی مؤید اور متابع نہیں ہے ۔ لیکن اس طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا کہ معتبر روایات میں جو نامناسب اضافے اس شخص نے کئے ہیں ان کو بھی دیکھا اور پرکھا جائے ۔ ایک چلتی ہوئی اور مقبول روایت میں ایک آدھ جملہ بڑھا دیا جائے تو وہ معلوم بھی نہیں ہوتا ۔ اور گراں بھی نہیں گزرتا ۔ اور جلد ہی وہ اس روایت کا جزو بن جاتا ہے ۔ اس قسم کے اضافے ہر شخص کا کام نہیں ہے ۔ یہ بڑے ماہر فن اور ماہر کلام کا کام ہے کہ سیاق عبارت میں کس جگہ کوئی جملہ رکھا جائے جو عبارت میں کھپ جائے اور لوگ اس کی اجنبیت محسوس نہ کریں ۔

عبدالرزاق نے فضائل میں جو کچھ لکھا وہ اتنا قابلِ غور نہیں ۔ البتہ مثالب میں جو کچھ کہا اس پر نظر کرنے کی ضرورت ہے ۔

مثالب کی جو روایات مستقل اور واضح ہیں وہ پہچانی اور پکڑی جا سکتی ہیں ۔ لیکن غیر مثالب کی دوسری روایات میں مثالب کے طور پر ضمناً اور اداجاً جو جملے بڑھائے گئے ہیں ۔ ان کا پہچاننا اور پکڑنا بہت مشکل ہے ۔

مثلاً اسی روایت زیر بحث میں فاقل رواکا اضافہ ہے۔
اسی طرح روایت انک میں جاریۃ حدیثۃ السن کا اضافہ۔
یہ دونوں عبدالرزاق کے اضافے ہیں۔ روایت انک کے اضافہ پر ہم روایت انک ہی کے سلسلہ میں بحث کریں گے۔
علیٰ ہذا حضرت عمرؓ کے متعلق حبشہ والی روائت میں فدخل عمر فنهاهم یا فزجرهم تھا لیکن عبدالرزاق نے اذ دخل عمر بن الخطاب کے بعد فاهوی الی الحصیٰ یحصبهم کا جملہ شامل کرکے ان پر وحشت و بربریت کا کس خلوشی اور خوبی سے الزام لگایا ہے۔

عبدالرزاق صراحۃً واضع حدیث بھی ہے

عبدالرزاق صرف ادراجات ہی نہیں کرتے بلکہ صریح موضوعات بھی بیان کرتے ہیں۔ اور معمر کی کتاب الجامع میں یہ موضوعات انہوں نے اپنے قلم سے شامل کی ہیں۔ الجامع عبدالرزاق کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ معمر نے تو سُن کر اس کی تصدیق کی تھی۔ اسی لئے بعض اہل علم نے اسے امالی عبدالرزاق میں شمار کیا ہے۔ عبدالرزاق کے لئے نہایت آسان تھا کہ اس میں جو چاہیں اضافہ کر دیں۔ پھر زبان اور بیان میں ماہر ہونے کی وجہ سے ان کے لئے مشکل نہ تھا کہ روایات کی زبان کو بہتر نہ بنا سکیں۔ جو شخص بہروپ کو روپ بنانا چاہتا ہو وہ تمام خامیاں دُور کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور اپنے خیال سے کوئی کمی نہیں چھوڑتا۔ یہ تو سات سال معمر کے پاس بیٹھے ہیں۔ ان کے اندازِ بیان پر پوری قدرت حاصل کرلی ہوگی۔ ان کے مخصوص جملے اور بیان کا طریقہ حتیٰ کہ زبانی اسلوب میں معمر ہی معلوم ہوتے ہوں گے۔ اور دیکھنے اور سننے والوں کو یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ عبدالرزاق نہیں، معمر ہی فرما رہے ہیں۔ خصوصیت سے معمر کے نوجوان تلامیذ تو عبدالرزاق کو ان کا نعم البدل تصور کرتے ہوں گے۔ روایت بالمعنی میں تو ضروری نہیں کہ روایت کو انہی الفاظ میں ذکر کیا جائے جن الفاظ میں اسے متکلم اول نے بیان کیا تھا ایسی صورت میں کلام کی پہچان اور گرفت اور بھی مشکل ہو جاتی ہے

۳ عبدالرزاق کی کچھ موضوعات

حدثنا مؤمل بن وهاب عن عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن عروة بن الزبیر عن عائشة رضؓ عن ابی بکر مرفوعاً النظر

الی علی بن ابی
مؤمل بن و
اس نے عروۃ بن زبیر سے ا
۲۔ حدثنا
عبدالرزاق ثنا
انا خاتم النبی
ا اللاتی الم
محمد بن اس
ابراہیم بن عبداللہ
حدیث بیان کی مح
خاتم النبیین ہو
۳۔ حدثنا
حدثنا معم
علی عمر بن
کبو المسلم
تعطها بع
ان اللہ یقر
من یده ذ
تحیۃ من
صدقہ بن
حدیث بیان کی
بیان کی زہری۔
کو قتل کیا اور
بھی تکبیر کا نعرہ
پہلے عطا کی ا
کہا اللہ تعالیٰ تج
دے دیا۔

النظر الی علی بن ابی طالب عبادۃ (اللآلی المصنوعہ ص۳۴۲)

موئل بن وہاب نے ہم سے حدیث بیان کی عبدالرزاق سے اس نے معمر سے اس نے زہری سے اس نے عروۃ بن زبیر سے اس نے عائشہ رض اس نے ابوبکر سے مرفوعًا علی کو دیکھنا عبادت ہے۔

۲۔ حدثنا محمد بن اسحق القرشی حدثنا ابراہیم بن عبداللہ حدثنا عبدالرزاق ثنا معمر عن محمد عن عبداللہ بن صامت عن ابی ذر کما انا خاتم النبیین کذلک علی وذریتہ یختمون الاوصیاء الی یوم الدین

(اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص۳۶۱)

محمد بن اسحاق قرشی نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ابراہیم بن عبداللہ نے اس نے کہا عبدالرزاق نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا معمر نے ہم سے حدیث بیان کی محمد سے اس نے کہا عبداللہ بن صامت سے اس نے کہا ابوذر سے جیسا کہ میں خاتم النبیین ہوں اسی طرح علی اور اس کی اولاد خاتم الاوصیاء ہے۔ قیامت کے دن تک

۳۔ حدثنا صدقۃ بن موسیٰ حدثنا سلمۃ بن شبیب حدثنا عبدالرزاق حدثنا معمر عن الزہری عن عروۃ ابن الزبیر عن ابن عباس قال قتل علی عمرو بن ودود دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما راٰہ کبر و کبر المسلمون فقال اللھم اعط علیا فضیلۃ لم تعطھا احدا قبلہ ولا تعطھا بعدہٗ ۔ فھبط جبریل ومعہ اترجۃ من رطبۃ فقال ان اللہ یقول حی بھذہ علی علی ابن ابی طالب فدفعھا الیہ فانفلقت من یدہ فلقتین فاذا حریرۃ بیضاء مکتوب فیھا بسطرین۔

(تحیۃ من الطالب الغالب الی علی بن ابی طالب) (اللآلی المصنوعہ ص)

صدقہ بن موسیٰ نے ہم نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا سلمہ بن شبیب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا عبدالرزاق نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا معمر نے ہم سے حدیث بیان کی زہری سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے ابن عباس سے اس نے کہا علی نے عمر بن ود کو قتل کیا اور حضور کی خدمت میں آئے جب آپ نے علی رض کو دیکھا تو تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کا نعرہ لگایا تو آپ نے فرمایا اے اللہ علی رض کو وہ فضیلت عطا کر جو تو نے نہ کسی کو پہلے عطا کی اور نہ کسی کو بعد میں عطا کرے گا پس جبرائیل ع اترے ان کے ساتھ تر ۔ اور کہا اللہ تعالیٰ تحیۃ کہتا ہے علی ابن ابی طالب پر اس تحفے کے ساتھ اور وہ آپ نے علی رض کو دے دیا ۔ وہ علی کے ہاتھ سے پھسل گیا ۔ تو وہ سفید ریشم تھا جس میں دو سطریں لکھی

مقیں ۔ طالب نمالب کی طرف سے تجیہ ہے ۔ علی بن ابی طالب کی طرف

۴ عبدالرزاق کی ہر روایت میں چابکدستی ہے

غرض ہمارے نزدیک عبدالرزاق کی کوئی بھی روایت خواہ وہ کسی چیز سے متعلق ہو ان اکابر صحابہ کے متعلق اس قسم کے تصرفات سے خالی نہیں ہے

غرض اس روایت میں اس جملے فاقدروا کا موجد عبدالرزاق ہے ۔ یہیں سے یہ جملہ دوسری جگہ گیا ہے ۔ دوسروں نے اسے غلط فہمی سے اضافہ ثقہ سمجھ کر قبول کیا اور تدلیساً اصل روایت کے راویوں کی طرف منسوب کر دیا ۔ اب یہ روایت کا جزو بن گیا ۔ یہ تھا عبدالرزاق کا دوسرا دور ۔

عبدالرزاق کا تیسرا دور اور عبدالرزاق کا تیسرا دور وہ ہے جب ان کا حافظہ جواب دے گیا اور بینائی جاتی رہی تھی ۔

اس دور کی روایات کو تمام اہل علم ناقابلِ اعتبار خیال کرتے ہیں ۔

۵ ھشام بن یوسف

ہشام بن یوسف کی روایت وہی ہے جو عبدالرزاق کی ہے ۔ عبدالرزاق کے اعتماد پر ہشام نے یہ مکمل روایت بیان کی ہے جس کو بخاری نے بیان کے لئے منتخب کیا ہے ۔ اس لئے اس روایت پر مزید بحث کی گنجائش نہیں ہے ۔ ہشام بن یوسف عبدالرزاق کے خوشہ چین ہیں ۔ ان کی روائت عبدالرزاق ہی کی روایت ہے ۔ کیونکہ ہشام خود کہتے ہیں کہ حدیث معمر میں عبدالرزاق ہم سب سے احفظ اور اعلم ہیں ۔

لیکن طبقات کے ضابطے سے ہشام کی روایت میں یہ اضافہ عبداللہ المسندی نے کیا ۔ اور اضافہ ثقہ خیال کرکے اپنی روائت ہشام میں جو بغیر فاقدروا کے تھی یہ بڑھالیا ہے ۔ اس لئے کہ معمر کی روایت جو عبدالرزاق سے ہو وہ زیادہ قابل اعتماد ہے ۔ چونکہ اس میں یہ جملہ موجود ہے اس لئے یہ ہشام کی روائت میں بھی ہونا چاہیے ۔

۶ فاقدروا والی روایت مسلم میں بذریعہ یونس بن یزید

مسلم نے اس روایت کو ایک دوسری سند سے پیش کیا ہے ۔ یعنی زہری کے ایک اور تلمیذ یونس بن یزید کے واسطے سے

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ محدثین ایک ہی شیخ کی روائت کو مختلف واسطوں سے لانے کی سعی کرتے ہیں ۔ اگر ایک ہی واسطے سے ایک نے ذکر کر دیا ہے تو دوسرا محدث اس کے علاوہ کوئی دوسرا واسطہ تلاش کرتا ہے ۔

اس روایت کی سند یہ ہے :۔

حدثنی ابوطاہر قال انا ابن وہب قال اخبرنی یونس عن ابن شہاب عن عروۃ ابن زبیر قال قالت عائشۃ . . . . .

اس روایت کی صحت میں کلام نہیں ۔ ابن وہب تک کے رجال درست ہیں اور یہ روایت ابن وہب تک بغیر فاقدروا کے منقول ہوئی ہے ۔ چنانچہ ابن وہب سے یہی روایت بغیر فاقدروا کے ابن شہاب اور یونس کے واسطے سے نہیں بلکہ محمد بن عبدالرحمٰن الاسدی اور عمرو بن الحارث کے واسطے سے بخاری و مسلم میں منقول ہے لہٰذا اس روایت میں فاقدروا کا اضافہ ابن وہب سے نیچے ابوطاہر نے کیا ہے ۔ ابن وہب تک کے رواۃ اس فاقدروا سے قطعاً لاعلم ہیں ۔

ابوطاہر پر جرح | ابوطاہر کنیت ۔ احمد بن عمر نام ۔ مصر کے رہنے والے ۔ وفات ۲۵۰ھ ۔

ان کے متعلق ابوداؤد کا بیان ہے کہ کان ابن معین یحلف انہ کذاب
ابوحاتم فرماتے ہیں تکلم الناس فیہ ۔

ابوحاتم نے بیان کیا کہ مجھے مصر میں یہ کہا گیا کہ ابھی چند روز ہوئے ابوطاہر نے ابن وہب کی کتابیں خریدی ہیں اور کتاب المفضل بن فضالہ بھی خریدی ہے ۔ اس کے بعد ابوطاہر مفضل سے روایت کرتا ہے ۔ انہوں نے کہا ہاں ۔ میں نے اسی وقت قابل ترک خیال کر لیا ۔ اس لیے کہ ابن وہب کا راوی مفضل کی کم درجہ کی روایات بیان نہیں کرے گا ۔

ابوزرعہ نے مسلم پر گرفت کی ہے کہ ابوطاہر کی احمد بن عیسیٰ سے روایت کو مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے ، حالانکہ ابوطاہر کی روایت احمد بن عیسیٰ سے ثابت ہی نہیں ۔

ابوحاتم کا یہ بھی بیان ہے کہ اہل مصر ابوطاہر کو جھوٹا خیال کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر کا خیال یہ ہے کہ لم یتهم بالوضع - انما انکروا علیه ادعاء السماع - یعنی واضع حدیث نہیں ہے مدلس ضرور ہے۔" تہذیب التہذیب جلد ۱ نمبر ۱۱۵)

ان احادیث کی روشنی میں اس روایت میں فاقدروا کا اضافہ ابوطاہر کا ہے۔ ابن وہب کا دامن اس سے بالکل پاک ہے۔ اور اس سے اوپر کے رواۃ کو تو اس فاقدروا کا پتہ ہی نہیں ہے۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ کس طرح اجنبی جملے معتبر روایات کا جزو بن جاتے ہیں۔

مسلم نے اس روایت ابوطاہر کو اس لئے قبول کر لیا کہ ان کے نزدیک یہ مکمل روایت دوسرے واسطے سے بھی ثابت تھی۔ انہوں نے اس کو تائید مزید ہی خیال کیا اور تعدد طرق کے ضابطہ سے اسے اپنی کتاب میں لے آئے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کرنے کے لئے یہ فاقدروا کے اضافہ والی روایت دو اسناد سے منتخب کی اور دونوں ہی محل نظر ہیں۔ اس روایت میں یہ اضافہ مسلم کے شیخ ابوطاہر کا ہے۔ اس سے اوپر کا راوی ابن وہب اس سے بالکل بے خبر ہے اور دوسری روایت جو ہشام ابن عروہ سے ابواسامہ نے اور ابواسامہ سے الحسن بن بشر نے اور الحسن بن بشر سے ابراہیم بن محمد بن سفیان نے بیان کی ہے۔ اس میں یہ اضافہ فاقدروا ابراہیم بن محمد بن سفیان کا ہے۔ اس سے اوپر کے تمام راوی اس سے بے خبر ہیں۔ روایت تو معروف تھی اور عبدالرزاق عن معمر ثابت تھی۔ لیکن چونکہ ان طرق کو دوسرے آئمہ فن محدثین اپنی کتابوں میں لا چکے تھے اس لئے امام مسلم نے یہ واسطے تلاش کئے۔

ائمہ فن فاقدروا کے اضافہ سے بری الذمہ ہیں۔

عجیب بات ہے کہ عروہ کی روایت لعب حبشہ جو زہری سے منقول ہے۔ اس کے آخر میں تو فاقدروا ہے۔ لیکن یہی روایت زہری کے سوا عروہ کے دوسرے تلامیذ سے جو منقول ہے اس میں فاقدروا نہیں ہے۔

ہشام بن عروہ کی روایت کے آخر میں ایک سند سے فاقدروا مروی ہے۔ لیکن ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ الحسن بن بشر یا ابراہیم بن احمد بن سفیان کا کارنامہ ہے۔ اور ہشام اس سے قطعاً لاعلم ہے۔

پھر زہری کے تمام تلامیذ اس سے بے خبر ہیں۔ حالانکہ زہری کے سینکڑوں

تلامیذ ہیں ۔ جن میں بڑے بڑے اہل فن ہیں ۔ ائمہ ہیں ۔ اور کتب رجال میں تصریح موجود ہے کہ ان کے دس تلامیذ تو معتمد ترین تلامیذ ہیں ۔ ان میں سے کوئی اس روایت کا راوی نہیں امام مالک اس روایت کے راوی نہیں ۔ سفیانان میں سے کوئی اس روایت کا راوی نہیں ۔ عمر بن عبدالعزیز ۔ عبداللہ بن مسلم زہری ۔ محمد بن علی بن الحسین ۔ ابن جریج اس روایت کے راوی نہیں ۔ زبیدیما صاحب الزہری اس اضافہ سے بے خبر ہیں ۔ مدینہ کا کوئی شخص اس روایت کا راوی نہیں ۔

زہری کے غیر مخصوص تلامذہ میں سے صرف بیروت کے ایک شخص اوزاعی اور صنعاء کے ایک شخص معمر کی طرف اس روایت کی نسبت کی جاتی ہے ۔ حالانکہ نہ اوزاعی اصحاب زہری میں سے ہیں اور نہ معمر رح اصحاب زہری میں سے ہیں

اور خود اوزاعی کے رواۃ میں سے جو دس رواۃ اوزاعی میں معتبر ہیں ان میں سے ایک بھی اس فاقبدوہ کا راوی نہیں ۔ صرف چار غیر معروف اور مدلسین رواۃ اوزاعی سے یہ روایت نقل کرتے ہیں ۔ جیسا کہ ہم مفصل بتا چکے ہیں ۔

ایک احتمال اوزاعی کے متعلق یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے خود اوزاعی نے ہی یہ روایت معمر کی کتاب الجامع کے اعتماد پر مان لی ہو ۔ اور پھر آگے بیان کر دی ہو ۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ احتمال ضعیف ہے ۔ اس لئے کہ عبدالرزاق نے شام کا سفر ۱۵۶ھ یا ۱۵۷ھ میں کیا ہے ۔ یعنی اوزاعی کی وفات سے کچھ ہی قبل جبکہ اوزاعی کی عمر ستر سال تھی اور اس طویل عمر میں انہوں نے یہ نادر بات پہلے نہ سنی ہو گی ۔ اوزاعی کی پیدائش ۸۹ھ کی ہے ۔ اکابر تابعین کا وقت پایا تھا ۔ اس لیے اوزاعی نے روایت حبشہ میں یہ اضافہ قبول نہ کیا ہو گا ۔ بلکہ یہ اضافہ ان کے تلمیذ ولید نے قبول کیا اور پھر اس اضافہ کو اپنی عادت کے مطابق اوزاعی کی طرف منسوب کر دیا ۔ اور پھر ان سے عیسیٰ بن یونس نے یہ روایت لی ۔ اور یہ خیال کر کے کہ یہ اوزاعی کی روایت ہے ۔ ولید کو درمیان سے نکال کر تدلیساً اوزاعی سے روایت شروع کر دی ۔ اس اضافہ کو قبول کرنے کی زمین پہلے سے ہشام بن عروہ کی روایت تزوج کی وجہ سے تیار تھی ۔ اس لئے کسی کو یہ اضافہ اجنبی نہ معلوم ہوا ۔ ایک معتبر شیخ کی روایت ہو جسے ایک معتبر راوی بیان کرے ۔ بس قبول کرنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے ۔ بلکہ جہاں جہاں بھی عبدالرزاق الجامع لیکر پہنچے ہوں گے لوگوں نے بزعم خود اپنی ناقص روایات کی تکمیل الجامع کے مطابق کرنی ہو گی ۔

رہ گئے معمر : تو ان کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ معمر زہری میں بہت معتبر ہیں۔ اور
زہری کے معتمد علیہ راوی ہیں تو ہمارے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔
معمر نے چودہ سال کی عمر میں پڑھنا شروع کیا۔ اور قتادہ سے جو بصرے کے امام تھے
بہت کم سنا۔ اس لئے کہ قتادہ کی وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ اس وقت معمر غلام تھے۔ مالکوں
کی خدمت سے جو تھوڑا بہت وقت بچتا ہوگا اس میں قتادہ کے پاس جاتے ہوں گے۔ قتادہ
کی وفات کے بعد یہ اپنے مالکوں کی تجارت کے سلسلہ میں مدینہ منورہ گئے۔ اس سفر میں یہ
زہری سے ملک شام کے شہر رصافہ میں جاکر ملے۔ اور ان پر عرض علم کیا۔ ۱۲۴ھ میں زہری
کی وفات ہو گئی۔ تو یہ زہری کی خدمت میں خاص طور پر رہے کب! محض ایک دفعہ
زیارت کر لینے سے کیسے معتمد علیہ اور معتبر بن گئے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زہری سے کچھ تحریری روایات لے کر ان کی اجازت حاصل کر
لی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ معمر جب تک بصرہ میں رہے ان کی روایات کا اعتبار نہیں تھا۔
اس لئے کہ شروع میں علم کم تھا۔ اور آقاؤں کی خدمت سے کچھ وقت بچتا ہوگا تو کچھ حاصل
کرتے ہوں گے۔ لیکن جب آزاد ہوکر بصرہ سے یمن کے شہر صنعاء میں پہنچے تو وہاں ان
کے جوہر کھلے۔ اور انہیں مقام شہرت حاصل ہوا۔

فاقدروا کا اضافہ گستاخانہ تمسخر اور خلاف فطرت ہے

جب ہم غور کرتے ہیں کہ آیا یہ جملہ حضرت عائشہ رض کا ہو سکتا ہے تو قرائن و دلائل
بتاتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض کا جملہ نہیں ہو سکتا۔
اس لئے کہ حضرت عائشہ رض نے اپنے بھانجے عروہ رض سے روایت بیان کی تو اس
میں فاقدروا کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ (اگر یہ تمثیل ہے تب بھی الجاریۃ
الحدیثۃ السن اور الحریصۃ علی اللھو حضرت عائشہ رض پر ہی ہے)
حالانکہ کوئی عورت اپنے آپ کو ایسے ہلکے الفاظ سے تعبیر کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی
اور وہ بھی اس وقت جبکہ اس واقعہ کو چالیس سال گزر چکے۔ اور خود حضرت عائشہ رض
پختہ عمر کو پہنچ چکی تھیں۔
پھر حرم نبوی ؐ جنہیں اپنے مقام کا اور ابوبکر رض کی عظیم بیٹی ہونے کا اور اپنی خودداری
کا پورا پورا احساس ہو کبھی اپنے لئے الحریصۃ علی اللھو
نہیں کہہ سکتی

اس کے علاوہ واقعہ تو سنا رہی ہیں صرف ایک عروہ کو ۔ تو یہ جمع کا صیغہ کہاں سے آ گیا؟ اور خطاب کس سے ہے؟ حقیقت میں یہ جمع کا صیغہ بتلا رہا ہے کہ راوی نے اپنے ہم مشربوں میں بیٹھ کر یہ روایت بیان کی۔ اور پھر از راہ تمسخر کہا فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو یعنی (معاذ اللہ) دیکھو تو کھیلوں پر مر مٹنے والی نوخیز چھوکری کے انداز نخرے۔ نخرے" لاحول ولا قوة الا باللہ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ کسی حد سے بھنے ہوئے دل کے الفاظ ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا وجہ تکلیف دیتی ہے اور آپ تقاضائے شرافت سے کچھ نہیں کہتے۔ مگر اس چھوکری کو قطعاً اس کا احساس نہیں ہے۔ اور یہ الفاظ سوائے عبدالرزاق کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔

اور یہ گستاخانہ الفاظ عروہ کے بھی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ عروہ سے ایسے الفاظ کا صدور اپنی ماں کے حق میں اسکا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ وہ ایسی بے ادبی کر سکتے تھے۔

اور زہری تو وہ ہے جو ہمارے حضرت عائشہ رض کے تزوج بست سنین کے تصور ہی سے ناآشنا تھے۔ زہری کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی تھی انہیں تو اس استخراج ہشام کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ وہ کیسے حضرت عائشہ رض کو الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو کہتے۔

ہشام بن عروہ کی روایت تزوج میں ندرت بیشک ہے کہ بنا کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ۹ سال بتلا رہے ہیں۔ لیکن یہ ہشام کے سہو پر مبنی ہے۔ اس میں استعجاب ہے۔ حیرت ہے ایک امر خارق کا اظہار ہے۔ مگر ہشام کا مقصد توہین و تمسخر نہیں ہے۔ اور فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو کا جملہ اہانت و گستاخی کیلئے وضع کیا گیا ہے۔

عظمت رسول اور عظمت صحابہ عظمت شیوخ سے مقدم ہے

ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور حضرت عائشہ رض کی عزت ان آئمہ فن اور شیوخ حدیث سے زیادہ محبوب ہے۔ اس لئے ہم اس معاملہ میں بے لاگ تنقید کر رہے ہیں۔ ورنہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ خادم حدیث ہیں۔ انہوں نے

دین کی بے حد خدمت کی ہے۔ اگر یہ لوگ خدمت دین پر کمر بستہ نہ ہوتے تو ہم علم کے بہت بڑے ذخیرے سے محروم رہ جاتے۔ ان کی نیت بخیر تھی۔ انہوں نے ان روایات کو خدمت دین سمجھ کر لیا اور اپنی کتابوں میں نقل کیا۔

ان علماءِ حدیث نے خود ہی قبولِ حدیث کے جو ضابطے بنائے ہیں ان ہی کی روشنی میں ہم یہ تنقید کر رہے ہیں۔ ہمیں کسی سے بھی کوئی کد نہیں ہے۔ ہمارے لئے عبد الرزاق کی شخصیت بھی اتنی ہی قابلِ احترام ہوتی جتنی اور اہل علم کی ہے اگر یہ چیزیں ان کی طرف منسوب نہ ہوتیں جو کتابوں میں منسوب ہیں۔ ہمارے لئے عبدالرزاق ایسی ہی قاضی کی شخصیت ہے جیسے لاکھوں کروڑوں آدمی پیدا ہوتے اور مر گئے۔ ان میں سے ایک عبدالرزاق بھی تھے۔ لیکن عبدالرزاق کا کام ہماری مذہبی زندگی پر اثر انداز ہے۔ ہمارے عقائد ان کی معلومات کی وجہ سے متاثر ہیں۔ ہماری قابل احترام ہستیوں کی زندگیاں اس شخص کے بیانات سے متعین ہوتی ہیں۔ اس لئے ہمیں اس ذریعے اور واسطے کو پرکھنا ضروری ہے۔ اور محض اسی وجہ سے ہم نے عبدالرزاق پر قلم اٹھایا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کا حسنِ ظن

ہمارے محدثین کے طبقے میں بڑے بڑے خوش عقیدہ لوگ موجود ہیں۔ ہمیں حافظ ابن حجر کا بڑا احترام ہے۔ یہ شافعی المسلک ہیں۔ اگر شرح حدیث و رجال سے حافظ ابن حجر کو نکال دیا جائے تو ہم ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ یہ رجال پر تحقیق اور بحث سب حافظ ابن حجر کی مرہونِ منت ہے۔ ہم صمیم قلب سے محسوس کرتے ہیں کہ حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کا تمام ملت اسلامیہ پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے یہ گراں بہا خدمت انجام دی ہے۔

لیکن منقول ذخائرِ حدیث کو بچانے میں اور اس کے لئے تاویلاتِ بعیدہ کرنے میں وہ اپنے مقام کا خود خیال نہیں کرتے۔

ہم اپنے اس مضمون میں پہلے لکھ آئے ہیں کہ تسمیہ ولید والی حضرت عمرؓ کی روایت موضوع ہے۔ گو امام احمد نے اسے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ لیکن ابن جوزی نے اسے اپنی موضوعات میں ذکر کیا۔ اور علامہ سیوطی نے اسے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے امام احمد کی مدافعت میں ایک رسالہ لکھا جس میں لکھا ہے کہ یہ تسمیۃ الولید والی حدیث جو اوزاعی عن الزہری منقول ہے موضوع نہیں ہے۔ بلکہ زہری سے اس کے اور بھی متابع پائے جاتے ہیں۔ ایک محمد بن الولید الزبیدی کا۔ زبیدی کے

مخرج کا تو مجھے نام یاد نہیں رہا، معلوم نہیں کہاں دیکھا۔ ہاں دوسرا متابع جو معمر بن راشد عن الزہری ہے یہ ہمیں امالی عبدالرزاق سے ملا ہے۔ سند یہ ہے۔

عبدالرزاق قال انا معمر عن الزہری عن سعید بن المسیب فذکرہ ولم یذکر عمر (القول المسدد فی الذب عن المسند للامام احمد) ص۱۵ مصنفہ حافظ ابن حجر مطبوعہ مصر۔

اسے کہتے ہیں "یک شد دو شد" دو جھوٹوں کی گواہی سے واقعہ ثابت نہیں ہو جاتا۔ یہ روایت زہری چاہے اوزاعی کے ذریعے سے ہو یا معمر کے ذریعے سے کذب موضوع ہے۔ ان دونوں روایتوں میں اوزاعی اور معمر کا نام تو استعمال کیا گیا۔ ورنہ تو بیچ کے رواۃ کا کام ہے۔

ابن جوزی اور سیوطی نے اس پر بحث کی ہے۔ بنو مروان کے دور میں تو کسی کو یہ جرأت نہیں تھی کہ اس قسم کی روایت بیان کرتا۔ ان کا دور گزرنے کے بعد اس قسم کے واضعین حدیث کو یہ جرأت ہوئی کہ نام لے کر اس قسم کی روایتیں وضع کریں۔

عام طور سے متشیع حضرات کی روایات زید بن ارقم، حذیفہ یمانی، عمار بن یاسر، سلمان فارسی اور حضرت ام سلمہ کی نسبت سے ہوتی ہیں۔ اس میں بھی ام سلمہ کے بھائی کے بچے کا ذکر ہے۔ معلوم نہیں وہ کون سے بھائی کا کونسا بچہ تھا)

حضرت عمرؓ کو ایسی روایات بیان کرنے سے کیا واسطہ۔ وہ تو ان روایات پر بھی قدغن لگاتے تھے جو واقعی بیان کرنے کی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو ملکی مہمات مسائل سے ہی فرصت نہ تھی وہ ایسی باتوں کی طرف کیا توجہ دیتے۔ اہم مسائل جن کا تعلق اجتماعی امور سے تھا یا حقوق العباد سے تھا یا اخلاق سے تھا یا عبادات سے تھا ان امور میں ان سے روایات ہیں، لیکن فتن اور پیشین گوئی میں ان کی روایات نہیں ہیں۔ لیکن واضع نے روایت میں زور پیدا کرنے کے لئے اسے حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کر دیا۔ جب روایت وضع ہی کرنی ہے تو کیوں نہ انتہا تک جائے۔ اور حضرت عمرؓ کو بھی کیوں بخشے۔ عبدالرزاق کو اور کیا چاہیئے تھا۔ اس کو بنو امیہ سے خدا واسطے کا بیر تھا ہی۔ اس نے یہ روایت انہیں واضعین سے لی اور معمر کی امالی میں شامل کر کے معمر سے اس کی روایت شروع کر دی۔ معمر زہری میں معتبر ہیں ہی۔ اس طرح یہ روایت زہری کی روایت بن گئی۔ اس میں تسلسل پیدا ہو گیا اور روایت قبول کرنے کے قابل ہو گئی۔

عبدالرزاق چونکہ جعل کا ماہر ہے اس لئے یہ غلطی نہیں کی کہ اسے حضرت عمر سے منسوب کرتا بلکہ سعید بن المسیب پر جاکر روایت بند کر دی ۔ اور مرسلات سعید میں اس روایت کو شامل کر دیا ۔ دوسرے واسطے سے یہ موصول تھی ہی اس لئے یہ روایت خود بخود موصول ہوگئی اور کہنا بھی کچھ نہیں پڑا ۔

اس موضوع روایت کو اگر حضرت عمر رض سے سعید بن المسیب کے ذریعے موصول بیان کیا جائے ۔ پھر بھی یہ مرسل ہے ۔ کیونکہ سعید بن المسیب کا حضرت عمر رض سے نہ لقاء ثابت ہے نہ سماع ۔ جن لوگوں نے یہ غلطی کی ہے وہ اس تاریخ سے واقف نہیں تھے عبدالرزاق اس سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اس روایت کو سعید بن المسیب تک پہنچا کر آگے کچھ نہیں کہا ۔ اور اس روایت کی جڑ بنا دی اور روایت میں اصلیت پیدا کر دی ۔

یہ تو خود علامہ ابن حجر کے بیان سے ظاہر ہے کہ معمر کے آمالی عبدالرزاق ہی کے پاس تھے اور معمر کی الجامع بھی امالی کی شکل میں عبدالرزاق کے پاس تھی تو پھر معمر کے نامعلوم بھتیجے کا کسی اضافے اور ایزاد سے کیا تعلق ۔ اور اس غریب کو کیوں مطعون کیا جائے ۔ معمر کے نامعلوم بھتیجے کی طرف اس جرم کی نسبت کرنا بھی نہیں ماہر فن عبدالرزاق کا کام ہے روایات انک میں ہم اس پر مزید روشنی ڈالیں گے ۔

حضرت عائشہؓ کی کم عمری کا

پانچواں ماخذ

قصہ افکؓ کی روایات

حضرت عائشہ رض کی کم عمری کا پانچواں ماخذ روایتِ افک ہے جس میں آپ خود اپنی زبان سے فرماتی ہیں وکنت جاریۃ حدیثۃ السن ۔ پہلے ہم انہی روایات پر مندرجہ ذیل حیثیات سے بحث کریں گے ۔

۱ آیا قصۂ افک میں انا جاریۃ حدیثۃ السن حضرت عائشہ رض کا اپنا ہی بیان ہے ؟

۲ زہری کی اصل روایت بالمعنی میں یہ جملہ تھا یا نہیں ؟

۳ اگر تھا تو کیا دوسرے قرائن اس کی تائید کرتے ہیں ؟

۴ اور اگر نہیں تھا تو پھر اس اضافے کا ذمہ دار کون ہے ؟

قصۂ افک کے راوی

قصۂ افک کی روایت مندرجہ ذیل صحابہ سے بیان کی جاتی ہے ۔ ۔

۱ ام رومان رض (بخاری).

۲ ابوہریرہ ۔ رض

۳ ابن عمر رض

۴ ابن عباس رض

۵ عبداللہ بن زبیر رض

۶ ابوالیسر رض

۷ حضرت عائشہ رض (صحاح)

صحابہ میں سے حضرت عائشہ رض کے سوا ام رومان کی روایت جو بخاری اور مسند امام احمد میں آتی ہے ۔ اس پر ہم آئندہ جب روایتِ زہری کے مالہٗ وما علیہ پر بحث کریں گے تب گفتگو کریں گے ۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس روایت ام رومان میں کوئی جملہ ایسا نہیں جو حضرت عائشہ رض کی کم عمری پر دلالت کرے ۔

ام رومان کے علاوہ باقی صحابہ کی جو روایات ہیں وہ دوسرے اور تیسرے درجہ کی کتبِ حدیث میں آتی ہیں ۔ ہم نے صرف صحاح اور معتبر کتب پر انحصار کیا ہے ۔

علاوہ ازیں جن رواۃ کے ذریعے یہ روایات منقول ہیں وہ زہری کی روایت سے متاثر ہیں زہری کی روایت ہی ان سب روایات میں جھلک رہی ہے ۔

علاوہ ازیں ہمارے نقطۂ نظر سے جن جملوں پر بحث ضروری ہے اور جو حضرت عائشہ رض کی کم عمری کو ظاہر کرتے ہیں وہ روایت زہری میں موجود ہیں ۔

بہرحال اس تعددِ روایات کا ایک ہی فائدہ ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ دل میں واقعۃً ایک کا اعتماد پیدا ہو ۔ لیکن یہ اعتماد تو نصِ قطعی سے حاصل ہے ۔ مگر نصِ قطعی میں کسی فرد کا نام لئے بغیر اور اس واقعہ کی تفصیل بیان کئے بغیر ہی واقعہ کی طرف اجمالی اشارات پائے جاتے ہیں اور بس ۔

اس لئے ان روایات کے تعدد طرق اور متون کے اختلاف سے براہ راست ہمیں کوئی واسطہ نہیں ۔

رواۃ عائشہ رضؓ حضرت عائشہ رضؓ سے اس روایت کو بیان کرنے والے مندرجہ ذیل تابعین بیان کئے جاتے ہیں ۔

۱	عروہ بن الزبیر
۲	سعید بن المسیب
۳	عبیداللہ بن عبداللہ
۴	علقمہ بن وقاص
۵	ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن
۶	عمرہ بنت عبدالرحمٰن
۷	قاسم بن محمد
۸	اسود بن یزید
۹	مقسم مولیٰ ابن عباس
۱۰	عباد بن عبداللہ بن الزبیر

پہلے چار رواۃ کی روایت کا ایک مجموعہ زہری نے بیان کیا ہے ۔ باقی حضرات سے جو روایات ہیں ان کے متن میں کافی اضطراب ہے ۔ تعدد روایت کے شوق میں ہر رطب و یابس سے مملو ہیں ۔ اس لئے نہ ان روایات سے کوئی استدلال کیا جا سکتا ہے اور نہ ان پر کوئی بحث ضروری ہے ۔ اور تیسرے درجے کی کتب میں آتی ہیں ۔

اس کے علاوہ عروہ کی ایک روایت علیحدہ بھی بیان کی جاتی ہے اور وہ ان کے بیٹے ہشام سے منسوب ہے ۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس کو ہشام سے بیان کرنے والے ان کے مندرجہ ذیل تلامیذ ہیں ۔

۱	فلیح بن سلیمان
۲	ابواسامہ

۳ حماد بن سلمہ
۴ یونس بن بکیر
۵ امام مالکؒ
۶ علی بن مسہر
۷ سعید بن ابی بلال
۸ یحییٰ بن زکریا
۹ ابو ادریس

روایت ہشام خارج از بحث ہے لیکن ہشام کی روایت زہری کی مفصل روایت کا نصفِ اخیر سے بھی کم ہے۔ اور اس میں انا جاریۃ کا فقرہ نہیں ہے۔

بخاری نے سورۃ نورؔ کی تفسیر میں ہشام کی روایت مرسلاً ذکر کی ہے۔ لیکن مسلم اور ترمذی نے اس روائت کو موصولاً بیان کیا ہے۔

بہرحال ہشام کی روایت میں کوئی ایسا جملہ نہیں ہے جو اس واقعہ کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی کم عمری کو ظاہر کرے۔ اس لئے اس حیثیت سے یہ ہماری بحث سے خارج ہے

روایت علقمہ بھی بحث سے خارج ہے علقمہ بن وقاص کی جس روایت کو طبری اور طبرانی نے ایک دوسرے ذریعے سے علیحدہ بھی نقل کیا ہے وہ بھی زہری کی روائت میں سے نصف اخیر کا اجمال ہے اور اس میں بھی انا جاریۃ نہیں ہے۔ لہذا وہ بھی ہماری بحث سے خارج ہے۔

سعید بن المسیب اور عبیداللہ بن عبداللہ سے زہری نے علیحدہ کوئی روایت ہی نہیں کی ہے۔

تلامیذ زہری زہری سے اس روایت کو بیان کرنے والے اگرچہ اُن کے ۲۳ شاگرد ہیں [1] جن کی روائیتیں مجمل یا مفصل تمام کتب حدیث وسیر میں مذکور ہیں مگر صحاح میں زہری کے صرف چار مندرجہ ذیل تلامیذ سے یہ روایت منقول ہے۔ ۱ صالح بن کیسان ۲ یونس بن یزید ۳ فلیح بن سلیمان ۴ معمر بن راشد۔

---

[1] زہری بروائت ابی عوانہ وطبرانی :-
۱ - یحییٰ بن سعید الضاری۔
۲ عبیداللہ بن عمر العمری۔ ۳ اسحاق بن راشد

۴	عطا خراسانی	۵	عقیل بن جریج		

زہری محض بروایت ابی عوانہ :-

۶	محمد بن اسحاق	۷	بکر بن وائل	۸	معاویہ بن یحیٰی
۹	حمید الاعرج				

زہری محض بروایت طبرانی :-

۱۰	زیاد بن سعد	۱۱	ابن ابی عتیق	۱۲	صالح بن ابی الاخضر
۱۳	افلح بن عبداللہ بن المغیرہ	۱۴	اسماعیل بن رافع	۱۵	یعقوب بن عطاء

زہری بروایت مردویہ :-

۱۶	سفیان بن عیینہ	۱۷	عبدالرحمن بن اسحاق	۱۸	صالح بن کیسان
۱۹	یونس بن یزید	۲۰	فلیح بن سلیمان	۲۱	معمر بن راشد
۲۲	نعمان بن راشد				

بخاری اس روایت زہری کو مندرجہ ذیل آٹھ مختلف بابوں میں مجمل اور مفصل طور پر لاتے ہیں ۔

۱	باب الشہادات	۲	جہاد	۳	تفسیر
۴	ایمان و نذور	۵	توحید	۶	اعتصام بالسنۃ
۷	تعدیل النساء	۸	مغازی		

۱ باب شہادات میں اس روایت کی سند یہ ہے ۔

حدثنا حجاج ثنا عبداللہ بن عمر النمیری ثنا یونس عن ابن شہاب

۱ اور اس میں انا جادبۃ موجود ہے ۔

۲ باب جہاد میں اس کی سند یہ ہے ۔

حدثنا حجاج ثنا عبداللہ بن عمر النمیری ثنا یونس قال سمعت الزہری قال سمعت عروۃ ۔۔۔۔ ؟

۳ باب تعدیل النساء میں اس کی سند یہ ہے ۔

حدثنا ابو الربیع سلیمان بن داؤد ؟ بعضہ احسن ثنا فلیح بن سلیمان عن ابن شہاب ۔۔

اس روایت میں بھی انا جادبۃ موجود ہے ۔

۴ باب غزوۂ بنی مصطلق حدیث افک کی سند یہ ہے ۔
حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ ثنا ابراھیم بن سعد عن صالح بن کیسان عن ابن شھاب قال حدثنا عروۃ ....
اس روایت میں بھی اناجادیۃ موجود ہے ۔

۵ کتاب التفسیر سورۃ نور کی سند یہ ہے
حدثنا یحییٰ بن بکیر ثنا اللیث عن یونس عن ابن شھاب قال اخبرنی عروۃ ...
اس میں بھی اناجاریۃ موجود ہے ۔
مسلم میں ہے ۔

۶ ا - عبداللہ بن المبارکؒ عن یونس عن الزھری ....
ب - عبدالرزاق عن معمر عن الزھری
الفاظ معمر میں روایت ہے ، اور اس میں بھی اناجاریۃ موجود ہے ۔

۷ مسند امام احمد ص ۱۹۴ میں ہے ۔
حدثنا عبداللہ ثنی ابی ثنا عبدالرزاق ثنا معمر عن الزھری ....
اس میں بھی اناجادیۃ موجود ہے ۔

زہری کے تمام تلامذہ پر گفتگو بے سود ہے ۔ رواۃ کی کثرت یہ اعتماد پیدا کرتی ہے کہ یہ روایت زہری ہے ۔ اور اس بات کے ہم منکر نہیں ہیں ۔ البتہ اس روایت پر ہماری بنیادی بحث یہ ہے کہ اس روایتِ زہری میں اناجادیۃ حدیثۃ السن کا جملہ کس کا ہے ۔ اور آیا زہری کی اصل روایت میں یہ جملہ تھا یا نہیں ۔

اناجادیۃ کے رواۃ پر بحث

زہری کے ان تلامیذ کی ترتیب یہ ہے جن سے یہ روایۃ صحاح میں مفصل آئی ہے اور جو اس روایت میں اناجادیۃ حدیثۃ السن بیان کرتے ہیں ۔ اگر اس روایت میں اناجادیۃ نہ ہوتا تو اس روایت پر ہمیں بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی ۔

اب ضروری ہے کہ ہم پہلے مندرجہ ذیل چار رواۃ کو جرح و تعدیل کے نقطۂ نظر سے دیکھ لیں ۔ پھر متعین کریں کہ اناجادیۃ کہاں سے آیا ۔ ؟

۱	صالح بن کیسان	۲	معمر بن راشد
۳	یونس بن یزید	۴	فلیح بن سلیمان

۱ صالح بن کیسان

صالح بن کیسان مدنی اور طبقۂ رابعہ میں سے ہیں ۔ الوہیثم کا بیان ہے کہ یہ مروان بن محمد کے زمانہ میں وفات پاگئے تھے ۔
ابن سعد نے واقدی کے واسطے سے لکھا ہے کہ ان کی وفات ۱۴۰ھ کے بعد ہوئی ہے ۔

حاکم نے لکھا ہے کہ صالح کی وفات ایک سو ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی ہے ۔ انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت کو دیکھا ہے ۔ بعد میں زہری سے تلمذ کیا ۔ اور ان سے زبانی علم حاصل کیا جس وقت علم حاصل کرنا شروع کیا ان کی عمر ستر سال کی تھی ۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فرمایا ۔

" ھذہ مجازفۃ قبیحۃ " یہ تو انتہا درجے کی گپ ہے ۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ صالح کی پیدائش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بھی پہلے ہوئی ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ حاکم کو کیسے یہ مغالطہ ہوا ۔ اگر یہی صورت تھی تو انہیں تو اکابر صحابہ سے علم حاصل کرنا چاہیئے تھا ۔

علی ابن المدینی کا بیان ہے کہ صالح تو عقبہ بن عامر کو بھی نہ پا سکے ۔ بلکہ انہوں نے عقبہ کی روایات ان کے کسی تلمیذ سے حاصل کی ہیں

حافظ ذہبی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا میں نے خود دیکھا ہے کہ صالح کی عمر نوّے (۹۰) سال بھی نہیں ہوئی ۔

بخاری کا بیان ہے کہ صالح زُہری سے بڑے تھے (تہذیب التہذیب ۔ بیان صالح بن کیسان)

اوّل تو ہمیں اس میں بھی تامل ہے کہ صالح نے زُہری سے یہ لمبی روایت لی ہو ۔ اس لئے کہ زہری نے یہ روایت خود اپنی زندگی کے آخر میں مرتب کی ہے ۔ کیونکہ جن رواۃ سے یہ روایت زہری نے مرتب کی ہے ۔ ان میں سے عبیداللہ بن عبداللہ بھی ہیں جن کی وفات ۹۸ھ میں ہوئی ہے ۔ اس لئے یہ روایت اس کے بعد ہی مرتب ہوئی ہے اس وقت زُہری کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی ۔ صالح ان سے عمر میں بڑے ہیں تو ان کی عمر اس سے بھی زیادہ ہو گی ۔ اس عمر میں حافظہ میں یہ صلاحیت ہی نہیں رہتی کہ لمبی روایات کو محض زبانی سُن کر یاد رکھ سکے ۔ بڑھاپے میں تو معمولی دعاؤں کا یاد کرنا بھی مشکل ہوتا ہے پھر یہ روایت تو تحریری زبان میں ہے ۔ کیونکہ یہی ایک روایت مختلف سندوں سے منقول ہے ۔ اس کے الفاظ میں بہت تھوڑا اختلاف ہے ۔ اس لئے صالح سے اس لمبی روایت کی نسبت ہی غلط معلوم ہوتی ہے ۔ اگر صالح غیر معمولی حافظہ کے مالک تھے تو کیوں نہ شروع سے طلب علم میں منہمک ہوتے ۔ اس وقت علم ہی یہ تھا کہ روایات سُن کر یاد رکھی جاتیں ۔

اس کے لیئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ مدینہ مرکز علم تھا۔ چلتے پھرتے ہی ایک کثیر تعداد روایات کی جمع ہو جاتی۔ زہری سے خاص تلمذ کی ضرورت ہی نہ تھی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صالح بن کیسان معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ زیادہ سے زیادہ چھوٹی چھوٹی روایات یاد کر لی ہوں گی۔

علاوہ ازیں اس اضافہ انا جارية حديثة السن سے تو صالح بالکل ہی بے خبر ہیں یہ جملہ تو ۱۵۳ھ کے بعد کا ہے۔ اس سے تو ہشام بن عروہ کی روایت بھی خالی ہے جو روایت تزوج کے موجد ہیں۔ جن کی روایت نے حضرت عائشہ رض کے لیئے اس قسم کے جملوں کے لیئے زمین تیار کی۔ صالح قبل از وقت کہاں سے اس بعد کی ایجاد سے واقف ہو گئے تھے۔

صالح کی وفات ۱۴۱ھ کے قریب قریب ہوئی ہے۔ وہ تو روایت تزوج سے بھی لاعلم گئے ہیں۔ ہشام نے اپنے استنباط کا اعلان صالح کی وفات کے بعد عراق میں کیا۔ پھر یہ جملے صالح کی روایت میں کیسے آ گئے۔ اس بات کو ہم آئندہ واضح کریں گے۔

۲ - معمر بن راشد

معمر بن راشد کے حالات تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ ان کی روایت بھی اس اضافہ انا جارية حديثة السن سے خالی تھی۔ جیسے کہ ہم ابھی واضح کریں گے

۳ - یونس بن یزید الایلی

ان کے بارے میں وکیع فرماتے ہیں کان سيء الحفظ سعید سے ایسی روایات بیان کرتے ہیں جو ان کی نہیں ہیں۔

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں۔ لا يعرف الحديث۔ جب لکھتے تھے تو اول یا درمیان میں سے کچھ رہ جاتا تھا۔ روایت میں کچھ حصہ سعید سے اور کچھ حصہ زہری سے لکھا جاتا تھا بعد میں خود ان پر مشتبہ ہو جاتا تھا کہ یہ روایت زہری سے ہے یا سعید سے۔

ابوزرعة الدمشقی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سنا انہوں نے مجھ سے خود فرمایا في حديث يونس عن الزهري منكرات۔ حافظ ابن حجر نے منکرات کی تفصیل دی ہے (تہذیب التہذیب)

یعقوب فارسی نے محمد بن عبدالرحیم سے نقل کیا ہے کہ میں نے علی بن المدینی سے سنا ہے اثبت الناس في الحديث ابن عيينة زياد بن سعد ثم مالك ومعمر ويونس من كتابه۔

ابن سعد نے کہا

ھو الحدیث کثیرۃ ولیس بحجۃ ۔ ربما جاء بالشئی المنکر۔

وفات ۱۵۹ھ (تہذیب التہذیب ص۴۵۰ جلد ۱۱)

زہری مدینہ سے شام جاتے تھے تو راستے میں ایلہ میں ان کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اور واپس آتے تھے تو بھی ان کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اور واپسی میں یہ مدینہ تک زہری کے ساتھ آتے تھے اور ان کے زمیل ہوتے تھے۔ ان کی روایت میں کنت جاریۃ موجود ہے۔ قاعدے اور ضابطے کے لحاظ سے یہ اضافہ یحییٰ بن بکیر کا ہے۔

یحییٰ بن بکیر

یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر مصری (وفات ۲۳۱ھ ولادت ۱۵۴ھ عمر ۷۷ سال طبقہ عاشرہ کے راوی ہیں ان کے بارے میں۔

ابوحاتم کا قول ہے کہ یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ۔

نسائی۔ ضعیف۔ پھر کہا قوی نہیں

امام بخاری رح نے تاریخ میں لکھا کہ یحییٰ بن بکیر نے تاریخ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا میں اس کی نفی کرتا ہوں۔ فانی انفیہ۔

امام بخاری رح نے اس کی یہ روایت تعدد طرق کی بنا پر اور لیث سے مروی ہونے کی بنا پر قبول کی ہے۔ چونکہ مضمون حدیث دوسری معتبر سند سے ثابت تھا۔ اس لئے ان سے بھی قبول کر لیا ورنہ قابل ترک ہے۔

صاحب مؤطا حبیب ابن حبیب رح نے کہا کہ یحییٰ ابن بکیر رافضی تھا۔ وضاع اور کذاب تھا۔ یہ صاحب لغت بھی نہیں تھا۔ اور بیشتر مصری رواۃ روایات میں غیر محتاط ہیں۔

روایت تزوج یونس بن یزید کی زندگی ہی میں چل چکی تھی۔ ممکن ہے فاقد ساوا کا جملہ بھی ان کی زندگی ہی میں معرض وجود میں آچکا ہو اور اس کے ساتھ ہی انا جاریۃ بھی۔ لیکن پھر بھی قیاس یہی ہے کہ جن لوگوں نے زہری اور اس کے دور کو دیکھا ہے ان سے توقع نہیں ہے کہ ان نئے خیالات اور نئی معلومات کو قبول کرلیں۔ جنکا وجود ہی قدماء کے دور میں نہیں تھا۔ آخر ان لوگوں نے برسوں اساتذہ کے پاس رہ کر اخذ علم کیا تھا۔ اس قسم کی کوئی بات تو ان کی زبان سے سنتے اور عام طور سے نقل ہوتی۔ لیکن یہ تو باتیں ہی نئی تھیں۔ انہیں یہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے کیسے قبول کرتے۔ جو جملے یا خیالات طبقۂ تاسعہ میں پیدا ہوئے وہ اس سے پہلے طبقہ میں کیسے پہنچ جاتے اور کیسے

مقبول ہوتے ۔ یہ تو طبقۂ تاسعہ اور اس کے بعد کے طبقات نے قبول کئے ۔ اور اپنی اپنی روایات میں جو انہیں اپنے اساتذہ سے پہنچی تھیں ان کا اسی جگہ اضافہ کیا جہاں ان جملوں کے موجد اول یعنی عبدالرزاق نے لگایا تھا ۔ اور ان لوگوں نے اسے اضافہ ثقہ سمجھ کر قبول کرلیا ۔

۴ فلیح بن سلیمان بن ابی المغیرہ

فلیح ، زہری ، نافع مولی ابن عمر ہشام اور یحیٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں ۔ اور ان سے روایت کرنے والے زیاد ابن سعد ہیں جو ان سے بڑے ہیں ، ان کے بارے ہیں ؛ ۔

عثمان دارمی نے یحییٰ بن معین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ " ضعیف " " لیس بالقوی " لا یحتج بحدیثہ ۔

ابوحاتم کہتے ہیں لیس بالقوی ۔

آجری کہتے ہیں میں نے ابوداؤد سے پوچھا آپ کو معلوم ہے کہ یحییٰ بن سعید " کان یقشعر من احادیث فلیح " ۔

یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ ابو کامل مظفر بن مدرکؒ یتکلم فی فلیح ۔ کیونکہ ابو کامل کے خیال کے مطابق اس وقت عام طور سے محسوس کیا جاتا تھا کہ انہ یتبادل رجال الزہری و یتبادل رجال مالکؒ ۔ قال ابو داؤد وھذا اخطأ عندی ۔

قال ابن معین عاصم بن عبیداللہ وابن عقیلؒ و فلیح لا یحتج بحدیثھم ۔

نسائی فرماتے ہیں : ۔ " ضعیف "

ابن عدی کی رائے ہے : ۔ لفلیح احادیث صالحۃ وغرائب

علی ابن المدینی کہتے ہیں : ۔ " کان فلیح واخوہ ضعیفین "

ابن معین : ۔ ضعیف "

حاکم : ۔ اتفاق الشیخین یقوی امرہ "

برکی نے ابوداؤد سے نقل کیا " لیس بشیء "

طبری کا بیان ہے کہ منصور نے فلیح کو صدقات کا حکم بنا دیا تھا ۔ یہ صلہ تھا اس بات کا کہ فلیح نے منصور کو اطلاعات پہنچائی تھیں کہ بنی حسن کو قید کر دو کہ یہ لوگ آپ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں ۔ اس پر منصور نے "محمد بن عبداللہ بن حسن کو طلب کرکے بازپرس

کی تھی۔

ابن قطان کہتے ہیں کہ سب سے شدید الزام ان پر یہ ہے بلکہ ایک حد تک ثابت ہے کہ صحابہ کے اقوال میں ردوبدل کر دیتے تھے۔ وفات ۱۶۸ھ (تہذیب التہذیب ص جلد)

ان حالات کے پیش نظر ہو سکتا ہے کہ یہ اضافہ خود فلیح بن سلیمان نے قبول کر لیا ہو۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ ابوالربیع سلیمان بن داؤد نے فلیح کی روایت کو اس اضافہ سے "مکمل" کیا ہے۔

حدیث افک میں انا جاریۃ کی مزید تفصیل

زہری کی حدیث افک میں انا جاریۃ تین جگہ آیا ہے۔ اور تینوں ہی جگہ توجیہ کے طور پر آیا ہے۔

پہلی جگہ تو وہ ہے جب ہودج اٹھانے والے خالی ہودج کو یہ سمجھ کر لے گئے۔ کہ حضرت عائشہ رض اس میں موجود ہیں۔ حالانکہ آپ اس میں موجود نہیں تھیں بلکہ ہار کی تلاش میں گئی ہوئی تھیں۔ اس موقعہ پر حضرت عائشہ رض کی زبان سے کہلوایا گیا وانا جاریۃ حدیثۃ السن۔ یعنی مجھے ایسے موقعہ پر ہار تلاش کرنے نہیں جانا چاہئیے تھا۔ اس لئے کہ قافلہ سے رہ گئی تھیں۔ تو گویا اپنی نادانی ظاہر کرنے کے لئے یہ جملہ استعمال کیا ہے۔ یا اس جملہ کا مطلب یہ ہو کہ میں پتلی دُبلی کم عمر بچی تھی۔ وزن کم تھا۔ اٹھانے والوں نے محسوس نہیں کیا اور خالی ہودج کو اٹھا کر رکھ دیا۔

دوسری جگہ بریرہ کی زبان سے کہلوایا۔ "الا انہا جاریۃ حدیثۃ السن تنام عن عجین اہلہا فیاتی الداجن فتاکل العجین"۔

یعنی کم عمر بچہ ہونے کی وجہ سے مزاج میں غفلت تھی۔

تیسری جگہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام یاد نہیں آیا تو اس میں آپ کی زبان سے ادا کر دیا

وکنت جاریۃ حدیثۃ السن لا احفظ کثیرا من القرآن۔

یعنی نام بھول جانے کی وجہ یہ تھی کہ میں بچی تھی۔ مجھے تو قرآن بھی زیادہ یاد نہیں تھا۔

تبصرہ اب تحقیق یہ کرنا ہے کہ آیا یہ جملے حضرت عائشہ رض کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یا نہیں۔ اور ہمارا مؤقف یہ ہے کہ یہ جملے حضرت عائشہ رض کے نہیں ہو سکتے۔

اس لئے کہ: اول تو حضرت عائشہ رض نے جس وقت یہ واقعہ بیان کیا ہوگا۔ اس وقت وہ

بچی تھی ہی نہیں ۔اس لئے ان کی زبان پر ایسا فقرہ آ ہی نہیں سکتا تھا کہ جس میں شائبہ خفت بھی ہو
دوسرے ان کی اپنی زبان سے اپنے متعلق یہ تنقیصی بیان کہ لا احفظ کثیرا من القرآن
بالکل مقتضائے حال کے خلاف ہے ۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رض کو تو وہ سارا قرآن یاد تھا جو
اس وقت تک نازل ہو چکا تھا ۔ بلکہ شانِ نزول اور مواقعِ نزول بھی یاد تھے ۔ کیونکہ اُن کی اپنی
زبانی بخاری میں روایت ہے کہ جب آیت بل الساعۃ موعدھم مکے میں نازل ہوئی
تو مجھے اچھی طرح یاد ہے ۔ اسی طرح یوسف بن ماہک کی اسی روایت میں ہے کہ سورۃ بقرہ
اور سورۃ نساء جب اُتریں تو میں آپ کے پاس تھی ۔

بریرہ حضرت عائشہ رض کی باندی تھیں ۔ اور کم عمر تھیں جن کی وفات حضرت معاویہ رض
کی خلافت کے آخر میں ہوئی ۔ ان کی زبان سے حضرت عائشہ رض کے متعلق کم عمری کا بیان کسی
طرح زیب نہیں دیتا ۔

تیسرے جب حضرت عائشہ رض نے یہ روایت عروہ کو سنائی تو آپ بالکل بوڑھی تھیں ۔ اور اس وقت
وہ تاثرات بالکل ختم ہو چکے تھے جو اس واقعہ کے وقت ذہن میں ہوں گے ۔ اس لئے یہ حضرت عائشہؓ
کا کلام تو کسی صورت سے نہیں ہے ۔

پھر کیا عروہ وغیرہ نے صرف توجیہہ کے طور پر بڑھا دیا ہے ؟

یہ بھی غلط ہے ۔ اس لئے کہ عروہ کی روایت جو ان کے بیٹے ہشام کے ذریعے بیان کی جا
سکتی ہے ۔ اس میں کہیں بھی یہ جملہ نہیں ہے ۔ حالانکہ ہشام روایتِ تزوج کے راوی ہیں ۔ اور
لعب بالبنات کے راوی ہیں ۔ لیکن ان کا یہ خاص ذہن اس روایتِ افک میں شامل نہیں
ہوا ۔ اس سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ روایت تزویج ہشام کی زندگی کے بالکل آخر میں مرتب ہوئی
ہے ۔ اور یہ روایت اس سے پہلے کی ہے ۔

علقمہ بن وقاص کی روایت جو علیحدہ پائی جاتی ہے ۔ اس میں بھی یہ جملہ نہیں ہے ۔

عبیداللہ اور سعید بن المسیب کی روایت میں بھی یہ جملہ نہیں تھا ۔

زہری کے اس روایت کو ترتیب دینے سے پہلے اس واقعہ کے متعلق صرف اشارے
ملتے ہیں ۔ مثلاً ام رومان کی روایت بخاری میں ہے جس میں اس واقعہ کی کوئی تفصیل
نہیں ہے

ہم روایت زہری پر مفصل بحث کے وقت اسے پوری طرح واضح کریں گے ۔

یہ روایت سیرۃ کے درجے کی روایت تھی اسی لئے اصحابِ سیر ہی کے بیان کرنے
کی چیز تھی ۔

۱۔ محدثین میں سے متقدمین نے اسے نہیں لیا۔ اور مسند امام اعظم میں بھی یہ روایت موجود نہیں ہے۔

۲۔ مؤطا میں بھی یہ روایت نہیں ہے۔

۳۔ کتاب الام بھی اس روایت سے خالی ہے

۴۔ امالی معمر میں یہ روایت نہیں ہے۔

۵۔ ابوداؤد طیالسی (المتوفی ۲۰۴ھ) کی مسند میں بھی یہ روایت مفقود ہے۔

سب سے پہلے اس روایت کو عبدالرزاق نے (غالباً) اپنے مصنف میں ذکر کیا۔ اور عبدالرزاق کے واسطے سے امام احمد نے اپنے مسند میں اس روایت کا ذکر کیا۔

غرض تمام کتب احادیث میں عبدالرزاق کی روایت مختلف اسناد سے مذکور ہے۔ اس کی زبان کی ترتیب و تہذیب عبدالرزاق کی کارپردازی ہے۔ پہلے اسے اس نے اپنے مصنف میں رکھا اور پھر وہیں سے امام احمد نے اسے قبول کرلیا۔

نوبت بایں جارسید کہ اب یہ روایات تحریری زبان میں ہیں۔ تغییر الفاظ نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف اسناد مختلف ہیں۔ حتیٰ کہ اس روایتِ زہری کو تو متاخرین نے متواتر کے قریب پہنچا دیا ہے۔

روایات کے ابتدائی دور میں نفس واقعہ کے متعلق جو کچھ بیان ہوتا تھا مختصر ہوتا تھا اور عام طور سے روایت بالمعنی ہوتی تھی۔ الفاظِ روایت کا تعین اور مقررہ ڈھانچہ تو بعد میں ظہور میں آیا۔ اس لئے بعض رواۃ نے وضاحت روایت کے خیال سے یا مضمون روایت کو تشنہ محسوس کر کے روایت کی تشریح اور توجیہہ میں جو کچھ کیا بعد کے رواۃ نے اسے بھی روایت کا جزو بنادیا۔ یا بعض رواۃ نے کسی دوسری مختصر روایت کو جو کسی دوسرے موقع پر آئی تھی یا کسی دوسری ثابت شدہ روایت کا کوئی حصہ اپنی طویل روایات میں دلیل کے طور پر یا کلام میں حسن پیدا کرنے کے لئے رکھ لیا۔ بعض فنکار رواۃ نے اپنے خاص مقصد کے لئے دوسری روایتوں سے کوئی مفہوم اخذ کر کے متعین اور طویل روایتوں میں جہاں مناسب نظر آیا رکھ دیا۔ اور بعض نے تو اپنی طرف سے نیا مفہوم ان روایات میں شامل کر دیا۔ جیسا کہ ہم پہلے کھیل کی روایات میں ثابت کر چکے ہیں (اور اس روایتِ افک کے تفصیلی جائزے کے وقت آئندہ ثابت کریں گے)

اضافہ ثقہ چونکہ اصل روایت کسی ایک معتبر سند سے ثابت شدہ حقیقت ہوتی ہے اس لئے اس میں ایک آدھ جملے کا اضافہ بار نہیں ہوتا

اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اضافہ ثقہ ہے لہذا معتبر ہے۔ اس ثقہ کو یہ روایت کامل پہنچی ہے اور دوسروں کو ناقص یا مجمل پہنچی ہے۔ اس اضافے کو روایت کا جزو بناکر قبول کرلیا جاتا ہے۔ اور اس طرح اپنی دانست میں ناقص روایات کو کامل بنالیا جاتا ہے۔ ارباب درس وتدریس اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں اور وہ اسی ضابطہ کی روشنی میں بہت سی روایات کی توجیہ وتطبیق کیا کرتے ہیں۔

ارباب جرح وتعدیل نے اگرچہ اس ادراج کو نظر انداز تو نہیں کیا لیکن اس قسم پر جتنی زیادہ توجہ کی ضرورت تھی اس میں بہت زیادہ کمی نظر آتی ہے۔ اب حدیث کا دار ومدار سند پر ہے۔ اگر سند قوی ہے تو مضمونِ روایت خواہ کیسا ہی مستبعد ہو اسے قبول کرلیا جاتا ہے اور توجیہ یا تاویل سے اس کی خامی کو پورا کردیا جاتا ہے۔

اہل ہوئی وزیغ کے لئے سب سے مامون اور محفوظ راستہ یہی ہے کہ وہ اپنے خیالات کو کسی مستند حدیث میں کسی مناسب جملہ کی شکل میں مناسب جگہ رکھ دیں۔ اس طرح ان کا یہ کھوٹ تھوڑے عرصہ میں روایت کا جزو بن جاتا ہے اور یہ روایت کامل متصور ہوتی ہے۔ اور اصل روایت ناقص خیال کی جاتی ہے۔ تعدد طرق کی بنا پر اس روایت میں پہلی روایت سے زیادہ جان پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ روایت اصل روایت سے زیادہ مضمون پر مشتمل ہوتی ہے۔

وضع حدیث کی نشاندہی کافی تحقیق اور تدقیق سے کی گئی ہے۔ لیکن وضع کی اس خاص قسم پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ بہت سی روایات میں جو بے محل یا بے میل اور غیر متعلق جملے یا غیر مربوط مضمون نظر آتا ہے یہ اسی خاص ذہن کے رواۃ کا کارنامہ ہے۔

"انا جادیۃ" زہری کا جملہ نہیں ہے

روایت زہری میں انا جادیۃ کا جملہ زہری کا نہیں ہے بلکہ بعد میں شامل کیا گیا ہے اور اضافۂ ثقہ کے اصول سے اس روایت کا جزء بنا ہے۔

زہری اپنی زندگی میں اس حقیقت سے بے خبر تھے۔ زہری کی یہ روایت تمام ارباب سنن اور مصنفین مُنجمات نے ذکر کی ہے۔ مصنف عبدالرزاق کے بعد جتنی کتابیں حدیث میں لکھی گئی ہیں ان سب میں یہ روایت موجود ہے۔ کسی کتاب میں مفصل ہے اور کسی میں مجمل۔

(سند کے لحاظ سے بھی اس روایت کے درجات مختلف ہیں)

زہری سیَر اور مغازی میں امام ہیں ۔ اس وقت تو تمام مغازی اور سیَر کا ذخیرہ انہی سے منقول ہے ۔ ہمیں زہری کے قدیم ماخذوں میں تزوج کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی صِغر سنی کا ذکر نہیں ملتا ۔ اگر زہری اس حقیقت سے باخبر ہوتے تو خوب تفصیل سے اس مسئلے کو بیان کرتے ۔ ارباب سیَر کے الوا آبا ہیں ۔ رائی کو پربت بنانا خوب آتا ہے ۔ داستانوں کو پھیلا کر بیان کرنا جانتے ہیں ۔ درباروں میں رہے ہیں ۔ اس لئے اقسام سخن پر پورا عبور ہے ۔

سیَر و مغازی میں زہری کے دو تلمیذ ہیں ۔

۱ موسےٰ بن عقبہ ۲ محمد بن اسحٰق

یہ دونوں حضرات مغازی اور سیَر میں سند ہیں ۔ اور فنِ تاریخ کے اس باب میں ان کا قول حرفِ آخر ہے ۔

موسےٰ بن عقبہ کی کتاب ضائع ہو چکی ہے ۔

محمد بن اسحاق سے یہ روائت دو کتابوں میں مروی ہے ۔

ابن اسحاق کی اپنی کتاب " سیرت ابن اسحاق " میں انہوں نے خود یہ روایت زہری سے اور زہری کی روایت کے ساتھ عبد اللہ بن ابی بکر کی روائت عمرہ سے ، اور یحیٰ بن عباد بن عبداللہ بن الزبیر کی روائت ، اپنے باپ عباد سے اور عباد کی روائت عائشہ رضؓ سے بیان کرتے ہوئے ان تینوں روایات کو ملا کر ایک روائت بنا کر پیش کیا ہے اور اس میں بھی انا جارية حديثة السن کا جملہ کہیں موجود نہیں ہے ۔

سیرت ابن اسحاق اس اضافہ سے خالی ہے

محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب سیرت ابن اسحاق منصور عباسی کی خدمت میں پیش کی تھی ۔ عباسی دور ۱۳۲ھ سے شروع ہو چکا تھا ۔ منصور اپنے چھوٹے بھائی سفاح کی اچانک وفات (۱۳۶ھ) کے بعد برسرِ اقتدار آیا ۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی حکومت کو مستحکم کر لیا ۔ ابن اسحاق نے ۱۴۴ھ کے قریب یہ کتاب منصور کی خدمت میں پیش کی اور اسی کتاب کے ذریعے منصور کا تقرب حاصل کیا اور دربار میں مقام حاصل کیا ۔ زاں بعد بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی ، سرکاری سرپرستی حاصل ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی خوب تشہیر ہوئی ۔ اس کتاب میں زہری ہی کی روایت ہے اور وہ موجودہ دَور کی کتابوں میں لکھی ہوئی اس روائت سے کچھ زیادہ مختلف تو نہیں ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ ابن اسحاق کا بیان فطری انداز لئے ہوئے ہے ۔

محمد بن اسحاق ۱۵۱ھ تک زندہ رہے ۔ اس وقت تک ان کی یہ کتاب شائع ہو چکی تھی ۔

اگر زہری کی روایت میں یہ جملہ ہوتا تو محمد بن اسحاق کو زہری کے ۲۴ تلامیذ میں سے کوئی تو بتاتا کہ تم نے استاد زہری کی روایت میں سے یہ جملہ ترک کر دیا ہے لیکن ۱۵۱ھ تک کسی نے بھی محمد بن اسحاق کو اس غلطی سے آگاہ نہیں کیا۔

ہمارے ذخائر علمیہ میں قدیم ترین کتاب سیرت ابن اسحاق ہے۔ چونکہ اس کتاب کا ایک نسخہ شاہی کتب خانہ میں تھا اس لئے اس کتاب میں تصرف مشکل تھا۔ اس لئے ابن اسحاق کی کتاب اس اضافہ سے محفوظ رہی۔

یہ اضافہ اس روایت میں کسی ایسے شخص کا ہے جو تزوج عائشہ رضہ سے متاثر ہے اور **لعب بالبنات** کی روایت سے باخبر ہے۔ اور کسی علمی ذخیرے پر اس کی دسترس ہے۔ پھر اس کے ساتھ حضرت عائشہ رضہ سے ناخوش بھی ہے اور خفیہ طریقہ سے ان کی تحقیر کا خواہاں ہے۔ زہری کے ان چاروں رواۃ میں سے ایک راوی بھی ایسا نہیں جو حضرت عائشہ رض کی تحقیر چاہتا ہو۔ پھر آگے ان کے تلامیذ کا جائزہ لیا تو معمر کے تلمیذ عبدالرزاق میں یہ سب "صفات" پائی گئیں۔

عبدالرزاق کے سوا اس اضافے کا کوئی مرتکب نہیں

عبدالرزاق ہی نے لعب بالبنات سے مفہوم اخذ کر کے تزوج کی روایت میں شامل کیا اور "زفت الیہ" **"اھدیت الیہ۔ ولعبھا معھا"** بنادیا اور پھر اسی شخص نے **ناقص سروا** کا زہریلا جملہ انشاء کر کے حبشہ کے کھیل والی روایت میں شامل کیا اور ادراج کے ذریعے اس روایت کا جزو بنادیا۔

اسی شخص نے اس روایت کی تہذیب کے وقت معمر کی روایت میں تین جگہ **انا جاریۃ حدیثۃ السن** کا اضافہ کیا۔ اور معمر کے نام پر روایت چالو کر دی۔ اور ایک جگہ تو ان کی اپنی زبان میں ان پر یہ الزام دھرا کہ ۵ھ تک حضرت عائشہ رضہ نے قرآن پڑھا ہی نہیں تھا۔ قرآن کا کثیر حصہ ایسا تھا جو حضرت عائشہ رضہ نے نہیں پڑھا تھا (نعوذ باللہ) **"لا اقرأ کثیرا من القرآن"**

اور یہ اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے کہ جو بہر نوع تحقیر عائشہ رضہ پر تُلا ہوا ہو معمر کی روایت کے معتبر ترین راوی یہی عبدالرزاق ہیں۔

زہری کے ان تلامیذ میں سے جن کی روایت میں **انا جاریۃ حدیثۃ السن** پایا جاتا ہے پہلے راوی جن کا ذکر ہم صفحات گذشتہ میں کر چکے ہیں۔

صالح بن کیسان حضرت عائشہ رضہ کے بارے میں یہی جانتے تھے کہ ان کا نکاح سنِ رشد میں ہوا۔ اس لئے کہ تزوج عائشہ رضہ کی روایت ہشام ان کی وفات کے بعد ظہور میں آئی ہے۔ **لعب بالبنات** کی روایت بھی بعد میں ظاہر ہوئی۔ کیونکہ ان دونوں کے واحد راوی ہشام ہیں جنہوں نے اس کا انکشاف اپنے عراق کے تیسرے سفر میں کیا۔ جبکہ صالح بن کیسان مدینے ہی میں رہے اور نہایت طویل عمر پا کر سنہ ۱۴۱ میں وفات پا گئے۔ انہوں نے اپنی طویل عمر میں کئی دور دیکھے اور ان تمام ادوار میں تزوج عائشہؓ والی روایت کے مفہوم کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ ایسے حالات میں وہ کیسے اس روایت کے حقیقی راوی بن سکتے ہیں۔

دوسری طرف **انا جارية حديثة السن** کے جملے سے خود ہشام ناآشنا ہیں۔ اس لئے کہ یہ جملہ ان کی روایت میں موجود نہیں ہے۔ اور نہ ہی انہوں نے زندگی بھر حضرت عائشہؓ کے بارے میں یہ جملہ سُنا اور نہ خود استعمال کیا۔ اندریں حالات لا محالہ یہ جملہ بلکہ یہ سب جملے عبدالرزاق ہی کے زرخیز دماغ کی پیداوار ہیں۔ اور ہماری دیانتدارانہ تفتیش اسی کا فیصلہ کرتی ہے۔ اب جن جن روایتوں میں یہ جملہ پایا جاتا ہے وہ ضرور عبدالرزاق کے دور کے بعد کے راوی ہیں۔

صالح کی روایت میں سب سے پہلے اس اضافے کو یا ابراہیم بن سعد نے قبول کیا یا ان کے بیٹے یعقوب نے۔ اور پھر اس کے بعد اس طبقہ کے دوسرے لوگوں نے معتمد راوی کے اعتماد پر اپنی اپنی روایات کی کمی اس اضافہ سے پوری کر لی۔

معمر بن راشد کی امالی میں یہ جملہ نہیں تھا۔ اگرچہ معمر زہری کے تلمیذ ہیں لیکن ان کا تلمذ صرف زیارت، عرضِ علم اور کسی صحیفے کی اجازت تک ہی محدود تھا۔ یعنی مدینہ کے ایک سفر میں کچھ وقت نکال کر رصافہ کے مقام پر زہری کی زیارت کی۔ اُن پر اپنا علم پیش کیا اور اس کے بعد ان کے کسی صحیفے کی اجازت لے کر واپس آ گئے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ بھی عبدالرزاق وغیرہ کا پروپیگنڈا ہی ہے کہ معمر زہری میں سند ہیں تاکہ اس کی آڑ میں زہری کی طرف منسوب کر کے روائتیں بیان کی جاتی رہیں۔ اور اس طرح امالی معمر میں زہری کے نام پر جو رطب و یابس چاہیں داخل کر دیا کریں۔ ورنہ مذکورہ بالا واقعات کی موجودگی میں معمر کو زہری کا تلمیذ کہنا بھی مشکل ہے۔

اس کے برخلاف محمد بن اسحاق مدینے کے رہنے والے ہیں۔ احرار میں سے ہیں، کسی کے غلام نہیں تھے کہ آقا کی خدمت سے وقت نہ بچتا ہو۔ برسوں زہری کے سامنے

رہے۔ زہری خود اپنے تلامیذ کو ہدایت کرتے تھے کہ مغازی ابن اسحاق سے حاصل کرو. زہری شہزادوں کے اتالیق تھے۔ ہر شخص سے ملنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ دروازے پر دربان رہتا تھا جو آنے جانے والوں کو روکتا رہتا تھا۔ بغیر اجازت کوئی اندر نہ جاسکتا تھا سوائے محمد بن اسحاق کے جن کے لئے دربان کو ہدایت تھی کہ یہ جس وقت چاہیں اندر آ سکتے ہیں۔

جامع معمر میں یہ روایت ہی نہیں ہے

اگر زہری کی روایت میں یہ جملہ ہوتا تو محمد بن اسحاق کی روایت میں ضرور ہونا چاہیئے۔

روایت زیر بحث کے تیسرے راوی یونس بن یزید نے بھی ہمارے خیال میں اس اضافہ کو قبول نہیں کیا۔ اس لئے کہ زہری کے دور کے تلامیذ بھی وہی ذہن رکھتے تھے جو زہری کا تھا۔ اور اس ذہن میں اس کی گنجائش کم تھی کہ وہ اس قسم کی نئی اور نادر ایجادات حاصل کرتے۔ اس لئے قرین صواب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافہ بعد کے طبقہ کے راوی کا اضافہ ہے۔

اس روایت کے چوتھے راوی فلیح بن سلیمان کے بارے میں گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس اضافہ کو قبول کرلیا ہو۔ اس لئے کہ یہ دیر تک زندہ رہے۔ اور ان کا سال وفات ۱۶۸ھ ہے۔ لیکن گمان غالب ان کے بارے میں بھی یہی ہے کہ اس اضافے کو ان کے بجائے ان کے شاگرد ابوالربیع سلیمان بن داؤد نے قبول کرکے، اپنے استاد فلیح بن سلیمان کی روایت کو بزعم خود مکمل کیا ہے

اب تحقیق طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ عبدالرزاق نے اس جملہ کا اضافہ اس روایت میں کب کیا؟

اس سوال کا جواب ہم کسی تاریخی دستاویز سے یقینی طور پر اگرچہ نہیں دے سکتے لیکن قرائن کی دلالت اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ انہوں نے اس اضافہ کا متبرک تحفہ اہل شام کو اپنے اس سفر میں دیا ہوگا جس کے دوران الاوزاعی کی وفات واقع ہوئی ہے

عبدالرزاق کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے معمر کی وفات کے بعد اور اوزاعی کی وفات سے پہلے شام کا سفر کیا۔

معمر کی وفات ۱۵۳ھ یا ۱۵۴ھ میں ہوئی اور الاوزاعی کی وفات کا سال ۱۵۷ھ ہے ۔ دونوں کی وفات کے درمیان تین سال کا وقفہ ہے اور اسی وقفہ میں عبدالرزاق نے بغرض تجارت شام کا سفر کیا ہے ۔ اسی سفر میں حج بھی کیا اور علماء سے استفادہ بھی کیا ۔

اس سفر سے واپسی کے بارے میں بھی ہمیں کوئی تاریخ معلوم نہیں ہے ۔

یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے دوبارہ بھی سفر شام کیا یا نہیں ۔

یہ تاریخی اشارات ہمارے اس قیاس کی بنیاد بن سکتے ہیں کہ :-

چونکہ یہ تجارت کی غرض سے شام گئے تھے اس لیئے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا ہوگا ۔ اور الاوزاعی کی وفات کے وقت یہ شام ہی میں ہوں گے ۔ بیروت تو اس زمانہ میں بڑی جگہ نہیں تھی اس لیئے وہاں تو تجارت کرنے کا سوال ہی نہیں تھا ۔ وہاں تو کبھی کبھی استفادے اور افادے کی غرض سے اوزاعی کے پاس چلے جاتے ہوں گے اور تجارت شام کے کسی دوسرے بڑے شہر میں کرتے ہوں گے ۔ اسی سفر میں یہ شام والوں کو خاقسن معادا کا تحفہ دے کر آئے ہیں ۔ جسے اوزاعی کے شاگردوں نے تبرک اور گمشدہ ضالہ سمجھ کر اوزاعی کی حبشہ والی روایت میں چسپاں کرلیا ۔ اور کسی نے بھی یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ اضافہ ہم نے عبدالرزاق سے لیا ہے ۔

عبدالرزاق کا مقصد پورا ہوگیا ۔ عبدالرزاق اس سفر سے ۱۶۰ھ کے بعد ہی واپس آئے اور مستقل سکونت صنعاء میں اختیار کرلی ۔

عبدالرزاق نے یہ انشاء پردازی معمر کی وفات کے بعد کی ہے

اسی دوران میں یعنی معمر کی وفات کے بعد عبدالرزاق نے مسلک تشیع بھی اختیار کیا اور یہ ایک عام بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے مسلک میں داخل ہوتا ہے تو اس نئے مسلک والوں کی خدمت میں ان کے دلپسند تحفے بھی لیکر جاتا ہے ۔ اور یہ تحفے تحقیر عائشہ کے مذکورہ بالا جملے ہیں ۔ جن سے بڑا تحفہ شیعی مسلک کے لئے کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا ۔

چونکہ معمر کے علوم کے یہ واحد راوی ہیں اس لیے انہوں نے معمر کی وفات کے بعد معمر کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی الجامع میں یا خود عبدالرزاق نے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی الجامع میں یہ تصرفات کیئے ۔ یعنی نامناسب اور غیر واقعی جملوں کا اضافہ کیا

آج بھی معمر کی کتاب الجامع ، مصنف عبدالرزاق کا جزو ہے ، یہ اس کے واحد راوی ہیں ۔ اور ہم معمر تک ان کی وساطت کے بغیر پہنچ ہی نہیں سکتے ۔

حتیٰ کہ صحیفۂ ہمام بن منبہ کے بھی واحد راوی یہی ہیں۔ لیکن ان کا ذہن حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابۂ غیر اہل بیت کے بارے میں زہر آلود ہے۔ حدیث کے ہر سُنی صحیح العقیدہ طالب علم کا فرض ہے کہ وہ ان کی مرویات کا جائزہ عقیدت مندی کے بجائے تحقیق و تفتیش کی نگاہ سے لیکر اپنا اطمینان کر لیا کرے۔

علمائے نقدِ حدیث اس بات کی تصریح فرما چکے ہیں کہ معمر کا ایک بھتیجا رافضی تھا اس نے معمر کی روایات میں موضوع روایات شامل کر دیں۔

اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے اور اس طرح عبدالرزاق کو بچا بھی لیا جائے تب بھی معمر کی روایات تو حضرت عائشہؓ کے بارے میں مشکوک ہوگئیں۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ فاقدروا اور انا جاریۃ معمر کا اپنا کلام ہے یا ان کے رافضی بھتیجے کا بڑھایا ہوا ہے۔

یہ مان لینے کے بعد بھی عبدالرزاق کا دامن صاف نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ جو کچھ رافضی بھتیجے نے اضافہ کیا اسے شائع تو خود عبدالرزاق نے کیا۔ ورنہ ان کا دیانتدارانہ فرض تھا کہ وہ ان اضافات کو حذف کرتے اور اضافہ کرنے والے کو ناپسند کرتے۔

طبقات کی روشنی میں اضافات کا جائزہ

علمائے رجال نے اپنے تذکروں کو طبقات رواۃ کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔ اور ایک طبقہ تقریباً بیس سال کے عرصہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر طبقہ کے حفاظ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک طبقہ کے افراد آپس میں اقران کہلاتے ہیں۔ اور اس سے پہلے طبقے کے لوگ شیوخ خیال کئے جاتے ہیں۔ ہر طبقہ پہلے طبقہ سے اخذِ حدیث کرتا ہے اور مابعد طبقہ کو تعلیم دیتا ہے۔ اصحابِ رجال جب کسی شخص کے حالات بیان کرتے ہیں تو پہلے اس کے شیوخ کا ذکر کرتے ہیں اور پھر تلامذہ کا۔ اگر کوئی شخص غیر معمولی صلاحیت کا مالک ہو تو ظاہر کر دیتے ہیں کہ اس سے اس کے فلاں فلاں شیخ نے بھی روایت اخذ کی اور فلاں فلاں نے اقران میں سے روایت لی۔ گویا کسی شیخ کا اپنے تلمیذ سے اخذ روایت کرنا یا کسی قرین کا قرین سے اخذ روایت کرنا ایسا اہم معاملہ ہے کہ اس کا اظہار ضروری ہے۔ ورنہ تدلیس ہو جائے گی۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ راوی جس سے اخذِ روایت کرتا ہے اسے ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ ماخوذ عنہ کبھی تو عمر میں چھوٹا ہوتا ہے اور کبھی مرتبے میں چھوٹا ہوتا ہے۔ کبھی ضعیف ہوتا ہے۔ اس لئے راوی اسے چھوڑ کر کسی اور طرف نسبت کر دیتا ہے۔ غرض قاعدہ عمومیہ یہ ہے کہ مابعد طبقہ ماقبل طبقے

سے روایت کرتا ہے۔ اور اس کے خلاف اگر پایا جائے تو وہ مستثنیات میں سے ہے۔

طبقات کے لحاظ سے ہم ان جملوں کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں جملوں کی ایجاد اور ان کا انشاء طبقہ تاسعہ میں ہوا۔ کیونکہ یہ جملے عبدالرزاق نے اختراع کئے ہیں اور وہ طبقہ تاسعہ کے راوی ہیں۔

اب قاعدے کے لحاظ سے یہ جملے طبقہ عاشرہ میں منتقل ہوتے جائیں۔ لیکن چونکہ یہ معمر کے نام سے جاری کئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ طبقہ سابعہ تک پہنچ گئے ہیں۔ یعنی نسبت کے لحاظ سے سابعہ تک پہنچ گئے۔ وقوع کے لحاظ سے طبقہ تاسعہ میں ہی رہے۔ اس لئے جو علماء اس وقت موجود تھے ان میں زیادہ سے زیادہ ان جملوں کو معمر کا کلام خیال کرتے ہوئے طبقہ تاسعہ نے قبول کر لیا ہوگا۔ ورنہ عام طور سے طبقہ عاشرہ نے اسے قبول کیا۔ اس لئے یہ جملے جن روایات میں پائے جاتے ہیں ان میں ان جملوں کو شامل کرنے والے بیشتر طبقہ عاشرہ کے رواۃ ہیں۔ اس سے کمتر طبقہ تاسعہ کے اور سب سے کم طبقہ ثامنہ کے۔ اور سابعہ کا کوئی نہیں ہے۔ جن روایات میں ان جملوں کا وجود ہے۔ ان کی اسناد میں طبقہ عاشرہ یا بعد کے رواۃ پر انگلی رکھ دیجئے کہ اس سے اوپر نہ جائے۔

عبدالرزاق کے متعلق تصریح موجود ہے کہ ان کے شیوخ میں ان سے روایت کرنے والے سلیمان بن عیینہ اور معتمر بن سلیمان ہیں۔ یہ دونوں ان روایات کے راوی نہیں ہیں۔ نہ قصہ افک کے راوی ہیں اور نہ فاقد ہوا کے راوی ہیں۔

عبدالرزاق کے اقران میں سے ان سے روایت کرنے والے وکیع اور ابواسامہ ہیں۔ ابواسامہ معمر اور زہری کی روایت کے راوی نہیں ہیں۔ ہاں ہشام سے ان کی ایک روایت مسلم میں آئی ہے جس میں فاقد ہوا ہے۔ لیکن ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ کارنامہ ابراہیم بن محمد بن سفیان کا ہے۔ اور اس کے دوسرے درجے پر الحسن بن بشر کا ہے۔ کہ انہوں نے ابواسامہ عن ہشام کی روایت میں یہ جملہ اضافہ کر دیا۔

ابواسامہ قصہ افک کے ہشام سے راوی بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس روایت میں یہ جملہ انا جاریة حدیثة السن نہیں ہے۔

وکیع ان دونوں روایتوں کے راوی نہیں ہیں۔ اس لئے ان روایات میں ان جملوں کے اضافہ کا مسئلہ بالکل واضح ہے۔ یہ اضافہ کرنے والے بیشتر رواۃ طبقہ عاشرہ کے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابوداؤد طیالسی کی کتاب میں یہ روایت نہ آسکی۔ یعنی اس تحریری زبان میں نہ آسکی۔ کیونکہ وہ خود طبقہ تاسعہ کا راوی ہے۔

رواۃ کے متعلق طبقات کی ترتیب ہم نے تقریب التہذیب سے لی ہے۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی میں ترتیب اس سے مختلف ہے۔ لیکن ہم نے حافظ ابن حجر کے بیان کو مقدم رکھا۔

ھودج کا ھلکاپن صغرسنی سے نہ تھا

چلتے چلتے ایک اچٹتی ہوئی نظر اس تعلیل پر بھی ڈال لیجئے کہ ہودج والے حضرت عائشہ رض کو پیچھے چھوڑ گئے کہ آپ جاریۃ الحدیثۃ السن تھیں۔ حالانکہ خود حضرت عائشہ رض کا اسی روایت میں بیان ہے۔ وکان النساء اذ ذالک خفافاً انما یاکلن العلقۃ۔ حضرت عائشہ رض ہی دُبلی پتلی نہ تھیں بلکہ تمام عورتیں کم خوراک ہونے کی وجہ سے دُبلی پتلی تھیں۔ تو وجہ وہ خود بیان کر رہی ہیں۔ اور دوسری عورتوں کو بھی اس میں شریک کر رہی ہیں۔ تو صغرسنی اور کبرسنی کا سوال ہی نہیں ہے۔ عبدالرزاق نے جو یہ بیموقع جملہ بڑھایا ہے۔ اس کی وجہ وہی بتلا سکتے ہیں۔

ہار تلاش کرنے کے لئے جانا بچپن تھا، یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ یہ تو نہایت حزم و احتیاط کی بات ہے کہ اپنی چیز کو ضائع نہ ہونے دیں (ہم اس پر مزید گفتگو روایت پر مفصل بحث کے دوران کریں گے۔

بریرہ کی زبان سے انھا جاریۃ حدیثۃ السن کہلوانا بھی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بریرہ تو خود جاریہ تھیں تو وہ یہ وجہ کیا بتاتیں۔ اُن کی عمر تو حضرت عائشہ رض کی عمر سے زیادہ نہ تھی۔ مگر عبدالرزاق کا مقصد تو اس سے حضرت عائشہ رض کی غفلت اور لاپرواہی کو ظاہر کرنا ہے۔

قالت قلت وانا جاریۃ حدیثۃ السن لا احفظ کثیرا من القرآن

اگر حضرت عائشہ رض کو حضرت یعقوب کا نام یاد نہ آیا تو اس کی وجہ نہیں جو عبدالرزاق نے بتلائی ہے۔ بلکہ رنج وغم اور شدتِ الم کی بنا پر ذہن نے کام نہیں کیا ہوگا۔ اور ایسے واقعات ہم خود اپنی روزمرہ زندگی میں دیکھ سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ راوی کے ذہن پر اس درجہ بچپن کا تصور غالب آگیا ہے کہ ہر عمل میں اس کو حضرت عائشہ رض کا بچپن ہی نظر آتا ہے۔

حسب روایت زہری جو عورت دو رات اور ایک دن مسلسل روتی رہی ہو ایک لمحے کو بھی اس کی آنکھ نہ جھپکی ہو، اس افترا اور بہتان کے متعلق طرح طرح کے تصورات اس کے دماغ کو پریشان کر رہے ہوں وہ اگر کوئی نام بھول بھی جائے اور وقت پر یاد نہ آئے تو کونسے تعجب کی بات ہے۔ راوی نے اسے بھی بچپن کی دلیل بنالیا۔ اصل مضمون تو حضرت

عائشہ رضؓ نہیں بھولیں۔ جس آیت سے استدلال کرتا تھا وہ تو انہیں پوری یاد تھی۔ یعنی بل سوّلت لکم انفسکم امرًا ط فصبر جمیل ط واللہ المستعان علیٰ ما تصفون ۔ اگر حضرت یعقوب کا نام یاد نہیں رہا اور ذہن سے اُتر گیا تو ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ ہم نے ایسے واقعات دیکھے ہیں کہ لوگ اپنا نام بھول گئے اور بیشتر لوگوں کو دیکھا جنہیں اپنے باپ کا نام یاد نہیں رہا۔ ۴۷ء کے تبادلہ آبادی کے بعد آبادکاری کے دفتروں میں اکثر ایسے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں۔ دوسری روایات اس نسیان کو ظاہر نہیں کرتیں۔ پریشانی اور اضطراب میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ تو کیا ان سب کی وجہ حداثۃ السن ہی ہے

ایک ذہین و فطین عورت جس کی آنکھ ہی قرآنی ماحول میں کھلی ہو۔ جس کے گھر میں ہر وقت تلاوت قرآن ہوتی ہو۔ جس کے بستر پر نزولِ قرآن ہوتا ہو۔ جسے بیت نبوت میں رہتے سہتے کئی سال ہو چکے ہوں اس کے متعلق یہ کہنا کہ لا احفظ کثیرًا من القرآن۔ خود راوی کا بچپن ہے اور سُوءِ ظنی۔

حضرت زید بن ثابت جو قرآن کے جامع ہیں اور جنہیں کم سنی کی وجہ سے جنگ احد میں شرکت کی اجازت بھی نہیں ملی تھی۔ ان کو تو سب سے کم قرآن آنا چاہیے!! ہمارے ہاں بیشتر بچے اور بچیاں نو دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے بچوں کی یہ مادری زبان نہیں ہے۔ تو کیا حضرت عائشہ رضؓ (مشہور روایت کے مطابق) چودہ پندرہ سال کی عمر میں ان سے بھی گئی گذری تھیں کہ مادری زبان میں ہونے کے باوجود قرآن یاد نہ کر سکیں۔ اس وقت تک پُورا قرآن اترا بھی نہ تھا۔

حضرت عائشہ رضؓ خود فرماتی ہیں کہ مکے میں جب آیت بل الساعۃ موعدھم اُتری تو مجھے اچھی طرح یاد ہے جو عورت قرآن کے معانی اور مطالب کی بھی حافظ ہو اُن کی طرف یہ نسبت لا احفظ کثیرا من القرآن خود راوی کا تطفل اور تلعب ہے اور حضرت عائشہ رضؓ جیسی جلیل القدر شخصیت کے مقابلہ میں جرأت و بے باکی ہے۔

ہمارے حفاظ قرآن جو چالیس چالیس محرابیں سُنا چکے ہیں بسا اوقات ایسا ہوا کہ میں بھول گئے۔ اس لئے اتفاقی طور پر بھول جانا اور بات ہے اور لا احفظ کثیرا من القرآن اور بات ہے۔

عبدالرزاق کی سنگدلی

مذکورہ بالا بے موقعہ توجیہہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ عبدالرزاق حضرت عائشہ رضؓ کے بارے میں تنگ دل ہی نہیں سنگ دل بھی واقع ہوئے ہیں۔ ان کی اس پریشانی اور مصیبت

ذکر کے وقت بھی اس کا دل نہیں نرماتا اور اس میں کوئی ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا . اور مصیبت کی گھڑی میں حضرت یعقوب کا نام بھول جانے کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ انہیں آتا ہی کچھ نہ تھا . نعوذ باللہ . استغفراللہ . معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرزاق کے دماغ پر جنگِ جمل مسلط ہے . اور وہ ادراک حقائق کے راستے میں حائل ہے .

ـــہ فعین الرضا عن کل عیب کلیلة - ولکن عین السخط تبدی المساویا

زیر بحث اضافے جملہ حالیہ کی شکل میں ہیں . یعنی " وانا جاریة حدیثة السن" " وکنت جاریة حدیثة السن " اس لئے اگر ان کو درمیان سے نکال بھی دیا جائے تو سیاق کلام میں کوئی فرق نہیں پڑتا . تسلسل کلام اسی طرح رہتا ہے . بلکہ کلام میں پہلے سے زیادہ روانی اور حسن بڑھ جاتا ہے . اور غیر ضروری اور غیر واقعی توجیہات اور خلل انداز جملے درمیان سے نکل کر کلام کی سادگی عود کر آتی ہے .

وہ روایات جن میں جاریة حدیثة السن کا جملہ لایا گیا ہے . اب ہم وہ نقل کرتے ہیں اور ان پر اصول حدیث کی روشنی میں مختصر تبصرہ بھی کرتے ہیں .

جاریة حدیثة السّن

والی روایات

۱ بخاری بروایت ابراهیم بن موسیٰ | حدثنا ابراهیم بن موسیٰ قال حدثنا هشام بن یوسف ان ابن جریج اخبرهم قال اخبرنی یوسف بن ماهک قال انی عند عائشة رضی ام المومنین قالت لقد انزل علی محمد صلی الله علیه وسلم بمکة وانی لجاریة العب بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰی وَاَمَرُّ

(بخاری سورۃ قمر - باب قوله بل الساعة صـ ۳۵۳)

ابراہیم بن موسیٰ نے ہمیں حدیث سنائی اس نے کہا ہشام بن یوسف نے ہمیں حدیث سنائی ابن جریج نے ان کو خبر سنائی اس نے کہا مجھے خبر دی یوسف بن ماہک نے اس نے کہا کہ وہ عائشہ رضؓ ام المومنین کے پاس آیا عائشہ رضؓ نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکے میں یہ آیت نازل ہوئی اور میں کھیلتی بچی تھی۔ بل الساعۃ الی آخرہ

۲۔ مسند امام احمد بروایۃ عبداللہ | حدثنا عبداللہ ثنی ابی ثنا هاشم بن القاسم قال ثنا عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ عن عبدالرحمٰن بن القاسم عن ابیہ عن عائشۃ رضؓ قال کانت عائشۃ رضؓ تقول خرجنا مع رسول اللہ لا نذکر الا الحج. فلما قدمنا السرف طمثت فدخل رسول اللہ وانا ابکی. فقال ما یبکیک. قلت وددت انی لم اخرج العام. قال لعلک نفست یعنی حضت. قالت قلت نعم. قال ان هذا الشیء کتب اللہ علی بنات آدم فافعلی ما یفعل الحاج غیر ان لا تطوفی بالبیت حتی تطهری. فلما قدمنا مکۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصحابہ اجعلوها عمرۃ۔ فحل الناس الا من کان معہ هدی. وکان الهدی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وذوی الیسارۃ۔ قالت ثم راحوا مهلین بالحج. فلما کان یوم النحر طهرت. فارسلنی رسول اللہ فافضت یعنی طفت. قالت فاتینا بلحم بقر فقلت ما هذا۔ قالوا هذا رسول اللہ ذبح عن نسائہ البقر قالت فلما کانت لیلۃ الحصبۃ قلت یا رسول اللہ یرجع الناس بحج وعمرۃ وانا ارجع بحجۃ۔ فامر عبدالرحمٰن بن ابی بکر فاردفنی علی جملہ. قالت انی لاذکر وانا جاریۃ حدیثۃ السن انعس فتضرب وجهی موخرۃ الرحل. حتی جاء بی الی التنعیم فاهللت بعمرۃ. (مسند جلد ۶ صفحہ ۲۴۵۔ صفحہ ۲۷۳)

عبداللہ نے ہمیں حدیث سنائی اس نے کہا میرے باپ نے مجھے حدیث سنائی اس نے کہا ہمیں ہاشم بن قاسم نے حدیث سنائی اس نے کہا عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ نے ہمیں حدیث سنائی عبدالرحمٰن بن قاسم سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضؓ سے اس نے کہا عائشہ کہا کرتی تھی کہ ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ نکلے صرف حج کے لئے جب ہم سرف میں آئے تو میرا ویسا ہی ہو گیا رسول اللہ صلعم میرے پاس آئے اور میں رو رہی تھی آپ نے پوچھا کیوں

رو رہی ہو اچھا ہوتا میں اس سال نہ آتی آپ نے فرمایا شاید تجھے ایام ہوگئے میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ تو اللہ نے بنات آدم کے لئے لازم کر دئیے ہیں۔ تو سب کچھ کر جو حاجی کرتے ہیں سوائے طواف بیت کے یہانتک کہ تو پاک ہو جائے جب ہم مکے آئے تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا اسے عمرہ بنالو پس لوگ حلال ہوگئے سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اور ھدی رسول اللہ صلعم کے ساتھ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ اور کچھ فراخ دست لوگوں کے ساتھ تھے۔ پھر وہ حج کا تلبیہ کہتے رہے پھر جب یوم نحر آیا میں پاک ہوگئی۔ مجھے رسول اللہ صلعم نے بھیجا میں نے طواف کیا انہوں نے کہا ہمارے پاس لحم بقر لایا گیا میں نے کہا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا رسول اللہ صلعم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے ذبح کی ہے اس نے کہا جب حصبہ کی رات ہوئی میں نے کہا یا رسول اللہ لوگ حج اور عمرے کے ساتھ لوٹیں گے اور میں صرف حج کے ساتھ پس آپ نے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو حکم دیا اس نے مجھے اپنے پیچھے کجاوے پر بٹھالیا اور کہا مجھے یاد ہے اور میں نوجوان لڑکی تھی مجھے اونگھ آرہی اور میرا سر کجاوہ کے آخری حصے سے ٹکراتا تھا حتیٰ کہ وہ مجھے تنعیم لایا پس میں نے عمرے کا احرام باندھا۔

۳ مسند امام احمد بروایت عبد اللہ | حدثنا عبد اللہ ثنی ابی ثنا عمر ابو حفص (الثقفی البلخی) قال حدثنا ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رض قالت خرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض اسفارہ وانا جاریۃ لم احمل اللحم ولم ابدن فقال للناس تقدموا ثم قال تعالی حتی اسابقک فسابقتہ فسبقتہ۔ فسکت عنی۔ حتی اذا حملت اللحم وبدنت ونسیت وخرجت معہ فی بعض اسفارہ فقال للناس تقدموا فتقدموا ثم قال تعالی حتی اسابقک فسابقتہ فسبقنی فجعل یضحک وھو یقول ھذہ بتلک۔

(مسند امام جلد ۶ ص ۲۶۴)

عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا عمر ابوالحفص نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہشام بن عروہ نے ہم سے حدیث بیان کی اپنے باپ سے اس کے باپ نے عائشہ رض سے اس نے کہا میں نبی صلعم کے ساتھ نکلی ایک سفر میں اور میں چھوکری تھی مجھ پر گوشت نہیں تھا اور موٹی نہیں ہوئی تھی آپ نے

لوگوں سے کہا تم آگے چلو پھر مجھ سے کہا آؤ دوڑیں میں نے آپ سے دوڑ میں مقابلہ کیا اور میں بڑھ گئی آپ چپ رہے یہاںتک کہ مجھ پر گوشت چڑھ گیا اور میں موٹی ہو گئی اور اس واقعہ کو بالکل بھول گئی میں پھر کسی سفر میں آپ کے ساتھ گئی آپ نے لوگوں سے کہا آگے چلو وہ آگے نکل گئے پھر کہا آؤ میں تمہارے ساتھ دوڑ لگاؤں میں نے دوڑ لگائی آپ دوڑ میں آگے نکل گئے آپ ہنسنے لگے اور کہہ رہے تھے یہ اُس پہلی دوڑ کا بدلہ ہے۔

۴ مسند امام احمد بروایت عبداللہ حدثنا عبداللہ ثنی ابی ثنا یعقوب ثنی ابی عن ابن اسحاق قال حدثنی یحییٰ بن عباد بن عبداللہ عن ابیہ عباد قال سمعت عائشۃ رض تقول بات رسول اللہ بین سحری ونحری وفی دولتی (نوبتی) لم اظلم فیہ احدا ۔ فمن سفھی وحداثۃ سنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض وھو فی حجری ثم وضعتُ راسہ علی وسادۃ وقمت التدم مع النساء واضرب وجھی

(مسند امام جلد ۶ ص ۲۷۴)

عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا یعقوب نے ہم سے حدیث بیان کی ابو اسحاق سے اس نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی یحییٰ بن عباد بن عبداللہ نے اس نے اپنے باپ عباد سے اس نے کہا میں نے سنا عائشہ رض کو وہ کہہ رہی تھی رات گزاری رسول اللہ صلعم نے میری گود اور سینے میں میری باری میں۔ میں نے کسی پر زیادتی نہیں کی پس میری کم عقلی اور نوجوانی کی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کی وفات ہو گئی اور وہ میری آغوش میں تھے میں نے آپ کا سر تکیئے پر رکھ دیا اور کھڑی ہو کر عورتوں کے ساتھ ماتم کرنے لگی اور اپنا چہرہ پیٹنے لگی۔

پہلی روایت پر تبصرہ پہلی روایت بخاری کی روایت ہے جس کے مستند ہونے میں کیا شک ہے۔ ہمیں مضمون روایت سے اختلاف نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رض کا بیان بالکل صحیح ہے۔ انہوں نے سکتے ہیں یہ آیت اسی وقت سنی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل ہوئی۔

یہ آیت ۵ نبوت میں نازل ہوئی ہے۔ مشہور روایت کی رُو سے تو حضرت عائشہ رض اسی سال پیدا ہوئی تھیں۔ مگر کیا یہ ممکن ہے کہ چھ ماہ سے کم عمر کی بچی یہ سمجھے

اور یاد رکھے کہ یہ قرآن کی آیت ہے اور نبی کریم ؐ پر نازل ہوئی ہے۔ اسے تو اگر کہا جا سکتا ہے تو ایک معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

چونکہ روایت میں اجمال ہے اور غالباً راوی کو اس آیت کا سن نزول معلوم نہ تھا اس لئے اس نے اپنی طرف سے جملہ حالیہ اور بڑھا دیا۔ " وانی لجاریۃ العب "

اسی سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ جملہ ایسے دور کے راوی کا ہے جو حضرت عائشہ رض اور کھیل کو لازم و ملزوم تصور کئے ہوئے ہے۔ کھیل کی روایات سے پوری طرح متاثر ہے اور اس کے ذہن میں تزوج عائشہ رض کی روایت، لعب بالبنات کی روایت، حبشہ کے کھیل کی روایت مع فاقدروا کے اور انا جاریۃ حدیثۃ السن وغیرہ کا سارا ذخیرہ موجود ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ حضرت عائشہ رض کا تصور بغیر کھیل ہے ہی نہیں۔

طبقات کے نقطۂ نظر سے یہ اضافہ غالباً ابراہیم بن موسیٰ کا ہے۔ لیکن احتمال یہ بھی ہے کہ یہ اضافہ ہشام بن یوسف کا ہو جو باوجود عبدالرزاق کا قرین ہونے کے عبدالرزاق سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ اور ان کی بات کو حرف آخر خیال کرتے ہیں۔ لیکن شرح صدر ہمیں اسی بات کا ہے کہ یہ اضافہ ابراہیم بن موسیٰ کا ہے اور باقی روایت ہشام بن یوسف کی ہے۔

ہشام سے اوپر یہ روایت اس اضافہ کے بغیر تھی۔ یعنی اس میں انی لالعب نہیں تھا۔

جملہ حالیہ کی صورت میں جو اضافے روایات میں پائے جاتے ہیں وہ عام طور سے رواۃ کے تشریحی کلمات ہوتے ہیں جو بعد میں روایت کا جزو بن جاتے ہیں۔

ہماری تحقیق کے مطابق یقیناً ۵ھ نبوت میں حضرت عائشہ رض بالغہ تھیں اور انہوں نے یہ آیت اس وقت ضرور سنی تھی۔

دوسری روایت پر تبصرہ

دوسری روایت جس میں حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رض کے عمرہ کا ذکر ہے مختلف کتب احادیث میں آئی ہے مگر ان میں انا جاریۃ حدیثۃ السن کا ذکر نہیں ہے۔

حج کی یہ روایت جو ہم نے مسند امام احمد سے نقل کی ہے اس میں یہ جملہ موجود ہے اس لحاظ سے یہ روایت منفرد ہے اس روایت میں اس جملہ کے متعلق دو احتمال ہیں۔

ایک یہ کہ یہ جملہ عبدالعزیز بن الماجشون کا ہے۔ یہ آخر میں بغداد اٹھ آئے تھے۔ اُن کا اپنا بیان ہے کہ اہل بغداد نے مجھے محدث بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے رواۃ میں عراقی زیادہ ہیں اور اہل مدینہ کم ہیں۔ بغداد آنے سے پہلے ان کا شغل حدیث نہیں تھا۔

لیکن بغداد آتے تو مدنی ہونے کی وجہ سے اہل علم نے گھیر لیا اور ان سے لکھنا شروع کر دیا اور اسی طرح یہ محدث بغداد بن گئے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ ابوالنضر ہاشم بن القاسم کا ہو۔

ہمارے خیال میں یہ اضافہ ابوالنضر ہاشم بن القاسم بن سلیم اللیثی بغدادی ہی نے کیا ہے۔ علماء رجال ان کی بھی تعدیل کرتے ہیں۔ باوجود اس توثیق و تعدیل کے اس روایت میں یہ اضافہ ہاشم نے کیا ہے۔

اس کے علاوہ عبدالرحمٰن بن القاسم کی یہی روایت خود مسند میں امام احمد نے ابن اسحاق کی سند سے بیان کی ہے جیسے کہ روایت نمبر ۳ کی سند میں ہے۔ اس میں یہ جملہ نہیں ہے۔

امام مالکؒ نے یہی روایت عبدالرحمٰن بن القاسم سے اپنی کتاب المؤطا کتاب الحج میں بیان کی ہے۔ اس میں بھی یہ جملہ نہیں ہے۔

غرض دو معتبر راویوں سے یہ روایت منقول ہے۔ لیکن وہ اس جملہ سے خالی ہے پھر یہ جملہ تو روایت افک کا ہے۔ حجۃ الوداع کی روایت میں کیسے آ گیا۔

سنہ۱۰ ہجری میں بھی حضرت عائشہ رض کی زبان سے انا جاریۃ حدیثۃ السن کہلوانا مذاق نہیں تو کیا ہے

ہاشم کے دور میں انا جاریۃ حدیثۃ السن عام ہو چکا تھا۔ انہوں نے اسے خوبصورت جملہ دیکھ کر ادھر منتقل کر دیا۔ اور عبدالرحمٰن کی اس روایت میں زور اور ندرت پیدا کرنے کے لئے ایسا کیا۔

بہرحال اس روایۃ میں یہ جملہ بھرتی کا جملہ ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ابن اسحاق اور امام مالکؒ کے طبقہ میں " انا جاریۃ حدیثۃ السن " سے کوئی واقف نہ تھا۔

اگر یہ روایت بھی معمر سے ہوتی تو جلد ہی یہ جملہ اس روایت کا جزو بن جاتا۔ لیکن حسن اتفاق سے یہ روایت تو دوسرے دو ایسے ذریعوں سے منقول ہے جو اپنا علمی مقام رکھتے ہیں اور جن کے تحریری ذخائر موجود تھے۔ اور عبدالرزاق کی دسترس سے باہر تھے اس لئے ان میں یہ جملہ راہ نہ پا سکا۔ اسی لئے محدثین کے اصول سے یہ ہاشم والی روایت شاذ ہے۔

تیسری روایت پر تبصرہ

اس حدیث مسابقت کو مسند امام احمد اور ابوداؤد نے ہشام سے روایت کیا ہے۔ مگر ہم پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں کہ ہشام بن عروہ انا جاریۃ حدیثۃ السن سے واقف ہی نہیں ہیں۔ اور یہ جملہ ان کی وفات کے بعد انشاء پذیر ہوا ہے۔ اس لئے اس جملہ کی نسبت اُن کی طرف سرے سے غلط ہے۔

چنانچہ ابوداؤد طیالسی میں یہ روایت آئی ہے۔ مگر اس میں انا جاریۃ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس میں یہ غیر ضروری تفصیل ہے۔ اور نہ بار بار دَوڑ کا ذکر ہے اور نہ کسی سفر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے صرف اتنا بیان ہے کہ :-

حدثنا ابوداؤد قال حدثنا ابن ابی الزناد عن ہشام عن ابیہ قال قالت عائشۃ رضؓ دعانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السباق فسابقنی فسبقتہٗ (جزء سادس مسند ابی داؤد مسند عائشۃ ص ۲۰۶)

زیر بحث روایت نمبر ۴ کا سارا مضمون ہی اوپرا اور نامانوس ہے۔ نہ اسناد کی تعیین ہے کہ کونسے سفر میں پہلا واقعہ پیش آیا۔ اور نہ یہ ہے کہ کون سے سفر میں دوسرا واقعہ پیش آیا۔ تاکہ ہم دونوں سفروں کے درمیان کا عرصہ نکال کر معلوم کر لیتے کہ اتنے عرصہ میں آدمی اتنا بھاری ہو سکتا ہے۔

آپ کے سفر مدینہ سے باہر مقصدی سفر ہوتے تھے تفریحی سفر نہیں ہوتے تھے۔ سواری پر جانا اور سواری پر آنا۔ مگر اس روایت سے معلوم ہوا کہ سارا قافلہ ہی پیدل تھا۔ آپ اور حضرت عائشہ رضؓ پیچھے رہ گئے باقی قافلہ آگے نکل گیا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سواریاں ساتھ تھیں تو محض بیوی کے ساتھ دوڑنے کیلئے ٹھہر جانا نہایت مستبعد اور عظمتِ رسول کے منافی ہے۔

علیٰ ہذا دوسرے سفر میں پھر اسی عمل کو دہرانا عادت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو پہلے سے بھی زیادہ مستبعد ہے۔

پھر آپ پہلی "شکست" کو بھولے نہیں تھے۔ اس لئے تیاری کے ساتھ حضرت عائشہ رضؓ کو ہرایا اور بتلا بھی دیا کہ یہ اسی کا جواب ہے۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضؓ اس قصے کو بھول چکی تھیں۔

چونکہ اس قسم کی روایات سے کوئی حکم شرعی متعلق نہیں ہوتا اس لئے آسانی سے قبول کر لی جاتی ہیں۔ حالانکہ اس قسم کے واقعات سے آدمی کا کردار معلوم ہوتا ہے۔

اس لئے ایسی روایات کی چھان بین اور بھی زیادہ ضروری ہے ۔

حدیث مسابقت میں کذاب راوی

یہ روایت سراسر کذب راوی ہے ۔ اور اس کی سند میں ایک کذاب آدمی موجود ہے جس کا یہ سارا کرشمہ ہے ۔ اور وہ ہے عمر ابوحفص ۔ اس کے بارے میں علماء رجال کی آراء ملاحظہ فرمالیں ۔

ابوحفص عمر بن ہارون بن یزید بن جابر ثقفی بلغی جو ابن جریج ، اسامہ بن زید اللیثی شعبہ مالک ، ثوری سے روایت کرتے ہیں اور آگے ان سے بیان کرنے والے امام احمد بن حنبل ابوالحسن اسماعیل بن ابراہیم والد بخاری ، صالح بن عبداللہ ترمذی ، ابوطاہر بن السرح مصری اور قتیبہ بن سعید ہیں ان کے بارے میں :-

ابن سعد نے کہا :-

" لوگوں نے ان سے بہت کچھ لکھا مگر آخر میں ان کی روایت کو ترک کردیا "

امام بخاری :- " تکلم فیہ "

یحیٰی بن معین کا بیان ہے کہ احمد بن علی الآبار سے عمر نے کہا کہ ستر ہزار حدیثیں تو مجھے اپنے والد سے ملی ہیں ۔ اور عثمان بتی سے اتنی اتنی پہنچی ہیں (یعنی گنتی تھے)

ابن عدی سے منقول ہے کہ ابن جریج نے اس عمر کو مکے میں دیکھا کہ یہ خوبصورت نوجوان تھا ۔ ابن جریج نے اس سے پوچھا " الك اخت ؟ " قال نعم " فتزوج باخته .

یہ ابن جریج وہ بزرگ ہیں جنہوں نے زندگی میں ستر نکاح متعہ کئے ہیں ۔ اور متعہ کے جواز کے قائل تھے ۔ ذہانت اس سے ظاہر ہے کہ نوجوان خوبصورت کو دیکھتے ہی کہاں ذہن پہنچا ۔

اس نے ابن جریج سے عجیب وغریب روایات بیان کی ہیں جو اور کوئی بیان نہیں کرتا ۔

ابن جنید الرازی نے کہا کہ ابن معین کا قول ہے کہ عمر بن ھارون کذاب "

یہ جب مکے گئے تو اس وقت جعفر بن محمد کا انتقال ہوچکا تھا ۔ اس سے حدیث بیان کی ابن مبارک نے اس پر سخت گرفت کی ۔ جس سے اس کا بھرم کھل گیا ۔

قتیبہ نے بیان کیا میں نے جریر سے کہا عمر بن ہارون یہ حدیث بیان کرتا ہے ۔

" حدثنا القاسم ابن المبرور قال نزل جبریل علی النبی فقال ان

کاتبك هذا امین " جریر نے مجھ سے کہا اس سے جاکر کہو کہ تو بکتا ہے ۔
ابن مہدی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ عمر ابوحفص ہمارے پاس آیا اور کچھ احادیث بیان کیں ۔ دوسری دفعہ آیا تو وہی احادیث سند بدل کر ابن عباس کی سند سے ذکر کیں ۔ میں نے اس کو متروک قرار دے دیا ۔

ابو زکریا نے کہا عمر بن هارون کذاب خبیث لیس حدیثه لبثیء قد کتبت عنه فلما تبین لنا امرهٔ نحرقت حدیثه ما عندی عنه کلمة ۔

البوداؤد :۔ غیر ثقة ۔ عن ابن معین یکذب

عبداللہ بن علی بن المدینی کا بیان ہے کہ میں نے والد سے پوچھا تو انہوں نے اسے مغفل قرار دیا ۔

ابراہیم بن الناس کا بیان ہے ۔ ترکوا حدیثه

صالح بن محمد ، ابوعلی الحافظ اور النسائی تینوں کا متفقہ فیصلہ ہے ۔ هو متروك الحدیث ۔ حدیثه باطل

دارقطنی :۔ " ضعیف ۔"

ابونعیم :۔ " حدث بالمناکیر ۔"

ساجی کا بیان ہے کہ میں نے ابوکامل اور محمد بن موسیٰ کو اس شخص سے مناکیر نقل کرتے سنا ہے جن کی شرح طویل ہے

ابن حبان کا فتویٰ ہے کہ " یروی عن الثقات منفصلات و یدعی شیوخا لم یرهم ۔

وفات ایک قول کے مطابق یکم رمضان سنہ ۱۹۴ یوم جمعہ ہے اور دوسرے قول کے مطابق سنہ ۱۹۹ ہے ۔ پیدائش کا سال سنہ ۱۳۴ اور عمر ۶۶ سال ہے ۔

ابوحفص عمر کا سماع هشام سے ثابت نہیں

اس شخص میں اور ہشام بن عروہ میں نہ سماع ثابت ہے نہ لقاء ۔ اس لئے کہ یہ شخص ہشام کی وفات سے کافی عرصہ بعد بغداد میں آیا ۔ اس لئے یہ جو کچھ ہشام سے بیان کرتا ہے سب منقطع اور منفصل ہے ۔

نیز یہ بحث روایت کا مضمون ہی اس کے کذب کی تصدیق کر رہا ہے ۔

یہ شخص مرجیہ کو برا بھلا کہتا تھا اور اہل سنت کا سرگرم حامی تھا ۔ محض اس لئے

امام احمد نے اس کی روایت قبول کر لی ۔ ورنہ یہ روایت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے قابل بھی نہیں ہے ۔ اور ہشام اس روایت اور اسن اناجاریۃ سے بالکل بَری ہیں ۔

چوتھی روایت پر تبصرہ

چوتھی روایت میں حضرت عائشہ کی حداثۃ سن کا ذکر آیا ہے ۔ مگر یہاں حداثۃ السن سے مراد ناتجربہ کاری ہے ۔ عمر کا بیان نہیں ہے ۔ لیکن حضرت عائشہ رضہ کے متعلق چونکہ ذہن بیمار ہو چکا ہے اس لئے اس کے معنی کم عمری خیال کئے جاتے ہیں ۔

حضرت علی رضہ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا والی بنا کر بھیجا تو حضرت علی رضہ نے خدمت اقدس میں عرض کیا تبعث الی قوم اسن منی وانا حدیث السن
(مسند امام احمد جلد اول مسند علی ص۱۱۱)

حضرت علی رضہ کا بیان ہے کہ بعثنی رسول اللہ الی الیمن وانا حدیث السن
(مسند جلد اول ص۸۳ مسند علی)

تو کیا اس وقت حضرت علی بچہ تھے ۔ نہیں بلکہ اس سے مراد عدم مہارت ہے ۔ کیونکہ جوانی میں اتنے تجربات نہیں ہوتے جتنے بڑھاپے میں ہوتے ہیں ۔ اسی لئے اس کو اس عنوان سے ظاہر کرتے ہیں ۔

درحقیقت چونکہ حضرت عائشہ رضہ کو اس سے پہلے کسی کے مرنے کا ایسا عملی تجربہ نہیں تھا اس لئے شروع میں ان کو یہ خیال رہا کہ آپ بے ہوش ہو گئے ہیں بعد میں پتہ چلا کہ وصال ہو گیا ہے ۔

اتفاقات عجیبہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کچھ عجیب اتفاقات پیش آتے رہے ہیں ۔ جن کی وجہ سے ان کے متعلق بچپن اور کھیل کی روایات کا ایک انبار جمع ہو گیا ہے ۔

۱۔ حضرت عائشہ رضہ کا حافظہ نہایت قوی تھا اور آپ بے حد ذہین تھیں ۔ ہوش سنبھالا تو پاکیزہ ماحول میں سنبھالا ۔ بیشتر اسلام کے ابتدائی واقعات کی راوی حضرت عائشہ رضہ ہی ہیں ۔ اپنے بچپن کے اکثر واقعات آپ کو یاد تھے ۔ عمر بھی آپ نے پوری پائی ہے ۔ آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے لاڈلے بھانجے عروہ کو اپنے

گڑیاں کھیلنے کے واقعات نبی کریمؐ کے تعلق سے سنائے ۔ یہ سب واقعات اسلام کی زندگی سے پہلے کے واقعات ہیں ۔ کیونکہ نبی کریمؐ ابوبکرؓ کے جگری دوست بلکہ منہ بولے بھائی تھے اور حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق ہر روز صبح و شام نبی کریمؐ ابوبکرؓ کے ہاں آیا کرتے تھے ۔ اس لئے وہاں اس وقت حضرت عائشہؓ کو کھیلتے دیکھتے ہوں گے اور خوش ہوتے ہوں گے ۔ آپ کی سہیلیاں بھی اس وقت وہاں آتی ہوں گی اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ کھیلتی ہوں گی اور نبی کریمؐ کو دیکھ کر ادھر اُدھر ہو جاتی ہوں گی ۔ آپ تو شروع ہی سے مکے میں امین کے نام سے مشہور تھے ۔ اور بعثت سے پہلے ہی بحیثیت ایک موحد اور مصلح کے معروف تھے ۔ مکے کا بچہ بچہ آپ کو جانتا تھا اور آپ کی عظمت سب کے دلوں میں قائم تھی لہٰذا وہ سہیلیاں آپ کو دیکھ کر بھاگ جاتی ہوں گی ۔ آپ تفریحاً از راہِ محبت و شفقت ان بچیوں کی وحشت دور کرنے کے لئے پکڑ کر حضرت عائشہؓ کے پاس چھوڑ دیتے ہوں گے ۔

یہ اس وقت کے واقعات ہیں کہ ابھی بعثت نہیں ہوئی تھی اور آپ نے دعوائے نبوت نہیں کیا تھا ۔ یہ سہیلیاں حضرت ابوبکرؓ کے گھر کے آس پاس کی بچیاں ہوں گی جو ان کے گھر میں کھیلنے کے لئے آجاتی ہوں گی ۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ مکے کے بڑے تاجر اور مالدار آدمی تھے ۔ اس لئے ان کے بچوں کے پاس کھلونے بھی اچھے ہوتے ہوں گے نیز حضرت ابوبکرؓ کا مکے کا گھر بڑا وسیع تھا ۔ اس میں کھیلنے کی گنجائش کافی ہوگی ۔ بعد میں اسی مکان کے صحن میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ذاتی مسجد بنالی تھی ۔ (بخاری باب الہجرۃ)

غرض یہ واقعات حضرت عائشہؓ کی بالکل ابتدائی زندگی اور اسلامی زندگی سے پہلے کے واقعات ہیں ۔

۲ حضرت عائشہؓ کا نکاح مکے میں ہوا ۔ اور بناء یعنی رخصتی مدینے میں آکر ہوئی یہ واقعات بھی وقتاً فوقتاً آپؓ نے مخصوص متعلقین کو سنائے ۔ مکے سے اپنی روانگی راستے کی کیفیت ، مدینے میں قیام ، اپنی بیماری اور بیماری میں بال گر جانا بیان کیا ۔ پھر اپنی سادہ اور دفعۃً رخصتی کا قصہ بیان کیا اور اس میں ضمناً یہ بھی کہہ دیا کہ جس وقت میری رخصت ہوئی اس وقت وانا یومئذ بنت تسع عشرۃ یا بنت تسع وعشرین ۔

۳ اس رخصتی والی روایت میں جو عروہ سے ہشام کو پہنچی تھی جس میں حضرت عائشہؓ کی عمر کا ذکر تھا ہشام سے سہو کتابت ہوگیا ۔ اور عشرۃ یا عشرین کتابت

میں یا ہندسے میں رہ گیا، ہشام کی عادت تھی کہ لکھتے ہوئے ان سے الفاظ رہ جاتے تھے۔ لکھنے کے بعد مقابلہ بھی نہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد عروہ کے امالی ضائع ہوگئے۔ بعد میں جو لکھا تھا وہی پڑھا۔ اور اسے ہی حقیقت خیال کیا۔ اور یہ یاد ہی نہ رہا کہ یہ تسع عشر تھا۔ اس وقت کوئی ذریعہ اس کی درستی اور تحقیق کا نہ رہا تھا۔ اس لئے حضرت عائشہ رض کی عمر کے بارے میں یہی مسلمہ حقیقت بن گئی۔

۴ حضرت عائشہ رض کے نکاح اور رخصتی کے درمیانی عرصہ میں رواۃ میں اختلاف ہوگیا۔ شروع میں تو حضرت عائشہ رض کی زندگی میں کسی نے ان سے پوچھا نہیں۔ بعد میں قیاس سے کام لیا تو مختلف قرائن تھے۔ کسی نے کسی کو ترجیح دی اور کسی نے کسی کو۔ بہرحال ہشام نے یہ مدت تین سال بنائی۔

۵ ہشام نے اس ناقص نقل پر ۱۴۴ھ/۱۴۵ھ میں عراق کے نوجوان اہل علم کے سامنے اپنا مشہور استنباط پیش کیا:۔ تزوجها النبی وهی بنت ست سنین وبنی بها وهی بنت تسع وکانت عنده تسعا۔

۶ حضرت عائشہ رض بے اولاد تھیں۔ اگر رخصتی کے بعد اولاد ہو جاتی تو کم عمری کا مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔

۷ ایام عیدالاضحیٰ میں خوشی کے طور سے مدینہ میں انصار کی دو لونڈیاں (ڈومنیاں) حضرت عائشہ رض کے گھر آئیں اور دف کے ساتھ گیت گانے لگیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ حضرت ابوبکر رض آئے اور انہیں ڈانٹا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا اور فرمایا ان لکل قوم عیدا فهذا عیدنا۔

۸ حبشہ کا وفد آیا یا حبشی آئے اور مسجد کے میدان میں فوجی کرتب دکھانے لگے۔ نبی کریم ص نے شور و غل سنا۔ اٹھ کر دیکھا تو حبشی کود رہے تھے۔ آپ نے حضرت عائشہ رض کو بلایا اور کہا دیکھو کیا کرتب دکھا رہے ہیں۔ حضرت عائشہ رض آئیں اور آپ کے پیچھے کھڑی ہوگئیں اور آپ کے کاندھے کے اوپر سے حبشیوں کے کرتب دیکھنے لگیں۔ اس طرح نبی کریم ص کے ساتھ کھڑا ہونا حضرت عائشہ رض کو بہت بھلا معلوم ہوا کیونکہ اس سے آپ کی محبت کا مقام ظاہر ہوتا تھا۔ اور دوسری ازواج پر فوقیت ظاہر ہوتی تھی آپ دیر تک اسی طرح کھڑی رہیں۔ نبی کریم ص نے جو حضرت عائشہ رض کے آگے کھڑے تھے حضرت عائشہ رض سے پوچھا حضرت عائشہ رض نے کہا ابھی ٹھہرئیے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جی نہیں بھرا؟ حضرت عائشہ رض نے

فرمایا جلدی نہ کیجیئے ۔ اس کے بعد خود ہی فرما دیا کہ مجھے کھیل سے کوئی دلچسپی نہیں ۔ میں تو دوسری ازواج پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ میرا مقام نبی کریم ؐ کے نزدیک تمہارے مقابلہ میں یہ ہے ۔ یہ جو میں دیر کر رہی تھی محض اسی لئے کر رہی تھی۔ مگر اس واقعہ کو اس انداز میں پیش کیا گیا کہ گویا حضرت عائشہ رضؓ ایک کھلنڈری سی صغیرۃ السن بچی تھیں ۔ حالانکہ نہ کھیل کا شوق تھا اور نہ صغیرۃ السن تھیں ۔

۹ محض شہادتِ عثمان سے متاثر ہوکر قاتلین عثمان کو قرار واقعی سزا دلانے کیلئے عملی قدم اٹھایا اس میں سبائیوں کی سازش سے حضرت علی اور حضرت عائشہ رضؓ کے آدمیوں میں فریقین کی مرضی کے خلاف تصادم ہوگیا ۔ اور یہ قصہ ایک چند ساعات میں ختم ہوگیا اور آپس میں صلح صفائی ہوگئی ۔ غلط فہمی رفع ہوگئی ۔ لیکن بعد کے رواۃ نے ان واقعات میں عجیب عجیب ربط پیدا کئے اور نئے نئے گل کھلائے ۔

۱۰ غزوہ مریسیع کے بعد منافقین نے تہمت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا ۔ پھر براءۃ میں آیات افک نازل ہوئیں اور قصہ ختم ہوا ۔ لیکن اس کے چالیس پنتالیس سال بعد عروہ نے اس واقعہ کے متعلق دریافت کر لیا ہوگا تو حضرت عائشہ رضؓ نے مختصراً اور اشارۃً کچھ فرما دیا ہوگا ۔ بعد میں زہری نے ان اشارات سے ایک مفصل روایت خود حضرت عائشہ رضؓ کے بارے میں مرتب کی اور افک کی روایۃ میں وہ بھول بھلیاں بنائیں کہ " ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے " کہاں لولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا ..... اور کہاں فارقت اور المممت بذنب جیسے کلمات ۔ اور وہ بھی منسوب بہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سبحانک ھذا بھتان عظیم ۔

حاشیہ آرائی

یہ تھے وہ سادہ سادہ واقعات یا وقتاً فوقتاً پیش آنے والے اتفاقات جن پر بعد کے راویوں نے حاشیہ آرائی اور فنکاری کر کے انہیں کچھ کا کچھ بنا دیا ۔ ان کے درمیان عجیب و غریب ربط پیدا کئے اور انہیں مسخ کر کے مندرجہ ذیل صورتیں عنائت فرما دیں کہ :۔

۱ نکاح اور رخصتی کم عمر میں ہوئی ۔ رخصتی کے وقت ایسی بچی تھیں کہ منہ بھی دھونا

نہیں آتا تھا۔ سر پر بال بھی بچوں جیسے تھے۔

۲ شادی کے بعد گڑیاں کھیلتی تھیں اور نبی کریم صلعم پکڑ پکڑ کر سہیلیوں کو لاتے تھے کہ عائشہ رض کے ساتھ کھیلو۔ اور آپ ان کے گڑیاں کھیلنے سے خوش ہوتے تھے۔

۳ بعض رواۃ نے تزوج اور گڑیوں کی روایات کو ملا کر پہلے تزوج پھر گڑیوں کی روایات بیان کرنی شروع کر دیں۔

۴ گانے اور حبشیوں کے کھیل کی روایات کو ملا کر بیان کرنا شروع کر دیا اور گانا سننا اور کھیل دیکھنا ان کے بچپن کا نتیجہ قرار دیا۔

۵ بد نہاد لوگوں نے جو حضرت عائشہ رض کو حضرت علیؓ کا مخالف تصور کرتے تھے۔ ان روایات میں اپنی طرف سے نامناسب اضافے کئے اور وہ ان روایات کا جزو بن کر رہ گئے۔ مثلاً محض حضرت عائشہ رض کی توہین اور تحقیر کیلئے کہا۔

" فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللعب " " فزفنت اليها ولعبها معها " " وكنت جارية حديثة السن "

۶ ان امور کا روایات کے نام پر اس قدر اشتہار دیا گیا کہ حضرت عائشہ رض اور کھیل لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے۔

۷ قصہ افک کو حضرت عائشہ رض سے تعلق دیا گیا اور ان کے متعلق جو دل میں غبار تھا وہ نکالا گیا آخر میں آیات برأۃ سے صفائی دی گئی۔

حضرت عائشہ رضؓ کی کم عمری کا

چھٹا ماخذ

حدیث خواب

حدیث خواب حدثنی ابی قال انا عفان قال حدثنا وهیب ثنا هشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لما اریتک فی المنام مرتین اری رجلاً یحملک فی سرقۃ من حریر فیقول ھذہ امرأتک ۔ فاکشف عنھا فاذا ھی انت۔ فاقول ان یک ھذا من عند اللہ عزوجل یمضہ ۔

(مسند احمد جلد ۶ صـ ۱۲۸)

خواب کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض سے فرمایا کہ تمہیں ریشم کے کپڑے میں لپٹی ہوئی حالت میں لایا گیا ۔ ایک آدمی تمہیں اٹھائے ہوئے تھا اور کہہ رہا تھا کہ آپ کی بیوی ہے ۔ کپڑا ہٹا کر دیکھئے ۔ میں نے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو تمہاری صورت نظر آئی ۔ میں نے کہا کہ اگر خدا کی طرف سے یہی ہونا ہے تو وہ اسکو ضرور پورا کریں گے ۔

استدلال صغرسنی کے قائل اس سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر ایک آدمی کا اٹھانا ایک چھوٹی بچی ہی کے لئے ہوسکتا ہے ۔

نقد روایت ہذا کے راوی ہشام اور ان کے تلامیذ ہیں ۔ اور یہی لوگ روایت تزوج اور روایت لعب بالبنات کے بھی راوی ہیں ۔ ان روایات کیوجہ سے ان کا ذہن حضرت عائشہ رض کے متعلق مستقلا چھوٹا اور تنگ ہو کر رہ گیا ہے ۔ اس لئے انہیں اس روایت میں بچپن ہی کے اشارات نظر آتے ہیں

دوسرے یہ روایت بالمعنی ہے جسمیں راوی اپنا ذہن آزادی کے ساتھ استعمال کرسکتا ہے ۔

تیسرے ہوسکتا ہے کہ یہ روایت حقیقت میں عروہ سے نہ ہو ۔ بلکہ حسب عادۃ ہشام نے کسی اور سے سُنی ہو اور اپنے باپ کی طرف منسوب کردی ہو ۔

کیا یہ روایت صغرسنی پر دال ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث خواب نکاح کے وقت حضرۃ عائشہ رض کی صغرسنی پر دال نہیں ہے ۔ خواب ایک غیرمادی فعل کیفیت ہے ۔ اس میں تخیل ذہنی صور مادیہ میں دکھائی ضرور دیتا ہے ۔ مگر ان صور مادیہ پر مادی اشیاء کے خارجی قواعد وضوابط کا اطلاق ضروری نہیں ہوا کرتا ۔ خواب میں ایک چیز اپنے خارجی

واقعی طول و عرض اور دیگر کوائف سے مختلف اور کم و بیش نظر آسکتی ہے اور نظر آتی ہے۔
رویائے صادقہ میں نفس واقعہ کا ادراک نفس الامری ہوتا ہے۔ باقی جزئیات
واقعہ کا نفس الامری ہونا ضروری نہیں ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ خواب میں حضرت عائشہ رضؓ اپنی اصلی ہیئت میں پوری جوان عورت نظر آئی ہوں اور ان پر ریشمی چادر لپٹی ہوئی ہو کہ نئی دلہن ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے۔ اور اٹھا کر لانے والا کوئی فرشتہ ہوگا۔ جس کی طاقت کسی جوان عورت کو اٹھانے سے عاجز نہیں ہو سکتی۔ فرشتہ نہ بھی ہو تب بھی خواب ہی کی بات ہے۔

بلکہ یہ روایت کبر سنی پر دال ہے "ان کان ھذہ من عند اللہ عز وجل یمضہ" کا اشارہ اس طرف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات کے پیش نظر یہ توقع نہیں تھی کہ حضرت عائشہ رضؓ سے آپ کا نکاح ہو سکے گا۔ اس لئے کہ ان کا نکاح تو اس وقت جبیر بن مطعم سے ہو چکا تھا۔ اور بظاہر علیحدگی کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ اسی لئے آپ نے فرمایا "یمضہ" یعنی اللہ تعالیٰ ہی کوئی تدبیر اپنی طرف سے فرمائیں گے کہ عائشہ رضؓ کا وہاں سے چھٹکارا ہو اور میرے نکاح میں آ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جبیر بن مطعم نے اسلام دشمنی کی بناء پر حضرت عائشہ رضؓ کو طلاق دے دی اور اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آ گئیں۔

غرض اس حدیث خواب میں باوجود روایت بالمعنیٰ ہونے کے نہ صرف یہ کہ کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح کے وقت ان کی صغر سنی پر دلالت کرتا ہو بلکہ خواب کا آخری حصہ اس کے برعکس ان کی کبر سنی اور معاملہ کے الجھاؤ اور تعویق پر دال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس روایت پر کسی طویل گفتگو کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ صرف اسی مختصر تحریر پر اکتفا کرتے ہیں۔

جلد دوم

عُمرِ نکاحِ عائشہؓ

جلد دوم

عمر نکاح عائشہ رضؓ

اور

ہمعصر محققین

دورِ حاضر کے محققین اور اربابِ سیر نے ہمیں کافی تحقیقی مواد فراہم کیا ہے۔ اور انہوں نے سیرو مغازی کے بہت سے پیچیدہ مسائل کو حل کیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ان کے دلوں میں نہ روائت زیرِ بحث سے کوئی کھٹک پیدا ہوئی، اور نہ ہی انہیں اس کی تحقیق کا خیال آیا۔

شبلی علیہ الرحمۃ ایک مستقل مکتبِ فکر کے بانی ہیں۔ انہوں نے اور ان کے تلامیذ نے اردو زبان کو علوم عربیہ اور تراجم عربیہ سے مالا مال کیا۔ دارالمصنفین نے سیر میں اچھی اچھی کتابیں شائع کیں۔ سیرت النبی جیسی مبسوط اور ضخیم کتاب جس کی نظیر کسی دوسری زبان میں ملنی مشکل ہے۔ اسی ادارے کا قابلِ فخر کارنامہ ہے۔ سیر الصحابہ۔ سیر التابعین۔ صحابیات۔ سیرت عائشہ رضؓ (سید سلیمان ندوی) وغیرہ بھی اسی کی شائع کردہ ہیں۔

ہمارے محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے سیرت صدیق اکبر جیسی عمدہ کتاب لکھی ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوری صاحبِ رحمۃ اللعالمین ایک اچھے متوازن اہلِ قلم تھے۔ سنین و تواریخ کے متعلق انہوں نے کلیتوں اور ضابطوں سے واقعات کی صحیح تاریخ اور دن مقرر کر دیئے ہیں۔ اور انہیں کلیتوں کی مدد سے ہم حسبِ ضرورت دن اور مہینے معلوم کرکے تاریخی واقعات کی تطبیق و تنسیخ کر سکتے ہیں۔

انجمن ترقی اردو کراچی نے تطبیق ایام و شہور و سنین شمسی و قمری پر تقویم ہجری و عیسوی

کے نام سے ایک جنتری یکم محرم ۱ھ ہجری سے ۱۵۰۰ھ تک کی مرتب کی ہے۔ جس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ جس کا سن ہجری معلوم ہو کس موسم میں ہوا تھا۔ اور معلومات کے اس گوشہ سے واقعات کے صحیح جائزے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

اردو کے مشہور نقاد ادب نیاز فتحپوری نے بھی صحابیات کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ صاحب مذہب بیزاری میں مشہور ہیں اور عقل پرست ہونے کے دعویدار ہیں۔ ان کے مذہبی معرکے بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ متشککین کے امام ہیں۔ لیکن اس روایت پر ان کے ضمیر کو بھی جنبش نہیں ہوئی۔

حضرت خدیجہ رض کی بوقت نکاح چہل سالگی محل نظر ہے

ان تمام حضرات نے حضرت خدیجہ رض کی عمر نکاح کے بارے میں بھی ۴۰ سال کے قول کو بلا تکلف قبول کر لیا ہے۔ حالانکہ اس کے متعلق سیر کی کتابوں میں صراحۃً مختلف اقوال موجود ہیں۔

طبی اور طبعی اسباب کی بنا پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل انسان ہونے کی بنا پر ہمارے لئے یہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رض کی عمر چالیس سال تھی۔

اس بارے میں کم سے کم عمر کا جو قول ملتا ہے وہ پچیس سال ہے۔

ایک دوسرا قول ۲۸ سال کا ہے۔

اور انہی ہر دو اقوال میں سے کوئی ایک قول ہمارے نزدیک درست ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر واقعے میں کیوں عام انسانی فطرۃ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کیا اصلی شان نبوت یہی ہے کہ نبی کی ہر بات عام انسانی فطرۃ سے ہٹی ہوئی ہو۔

کیا نبی کے حق میں ترکِ دنیا ہی کو اصل الاصول خیال کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ خود آپ کا ارشاد ہے لَا رهبانية في الاسلام۔

کیا نبی تمام نفیس انسانی ذوقوں سے عاری ہوتا ہے! کیا کمال نبوت اسی میں ہے۔ کہ فطرت کی عطا کردہ لذتوں سے نبی یکسر دست بردار ہو جائے!

ایک بوڑھی عورت سے اس لئے شادی کرنا کہ لذائذ دنیوی سے کم سے کم فائدہ اٹھانے کا قدرتی سبب بن جائے۔ اور پھر اپنی جوانی کے پورے ۲۵ سال ایک بوڑھی عورت کے ساتھ

گزار دینا۔ پھر اس کی وفات کے بعد ایک بہت ہی کم سن صرف نو سالہ بچی سے شادی کرنا مزاجِ رہبانیت کے قریب تو ہو سکتا ہے لیکن مزاجِ نبوت سے اسے کوئی دور کی بھی مناسبت نہیں ہے۔

اعلیٰ معیاری اخلاق کے حصول کا ذریعہ ترکِ دنیا نہیں ہے اور نہ ہی کمالِ انسانیت ترکِ لذائذ سے وابستہ ہے غور کیجئے آپ کے مندرجہ ذیل فرامینِ گرامی پر

۱ خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی۔

۲ وحُبّب الیّ النساء۔

نکاحِ خدیجہ رضؓ ۲۵ - ۲۶ سال کی عمر میں ہوا

حضرتِ خدیجہؓ قریش کی متمول حسین اور جوان عورت تھیں۔ ان کا ۲۵ - ۲۶ سال کا سن تھا۔ عرب کے رواج کے مطابق خاوند کے انتخاب میں آزاد تھیں اس وقت انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پاکیزہ فضائل اور ستودہ شمائل خوبرو جوان سمجھ کر نکاح کے لئے انتخاب کیا تھا۔ اور ان کا یہ انتخاب صحیح اور برمحل تھا۔ چنانچہ ۲۵ سالہ زندگی نے ثابت کر دیا کہ میاں بیوی میں بے حد محبت و رافت تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات تک صفاتِ نسوانیت سے متصف تھیں۔ ان میں اپنے زوج کے لئے پوری سکینت اور کشش موجود تھی۔

اگر حضرت خدیجہ رضؓ کی عمر نکاح کے وقت حقیقۃً چالیس سال کی تھی تو آخر کوئی امرِ مجبوری تو ہونی چاہیئے تھی کہ حضرت خدیجہ رضؓ جیسی سنِ یاس کو پہنچنے والی عورت سے آپ شادی کرنے پر مجبور تھے۔ کوئی داعیہ تو ایسا پیش آنا چاہیئے تھا جس نے اس بے میل شادی پر مجبور کیا۔ تمام کتبِ احادیث وسیر ایسے کسی داعیہ کی نشان ہی سے قاصر ہیں۔ اس لئے نہ حضرت خدیجہ رضؓ چالیس سال کی عمر رسیدہ تھیں اور نہ یہ شادی بے میل اور نفس کُشی کا مظاہرہ تھی۔ بلکہ ان کی عمر کم سے کم ۲۵ سال، اور زیادہ سے زیادہ اٹھائیس ۲۸ سال تھی۔

ورنہ بصورتِ دیگر ماننا پڑے گا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ سال ایسے گزارے کہ وہ سنِ یاس کو پہنچ چکی تھیں اور آپ ابھی جوان تھے۔ اور آپؐ کو دوسری شادی کر لینی چاہیئے تھی۔

اولادِ نرینہ کی خواہش ایک فطری خواہش ہے۔ انبیائے سابقین کی دعا

قرآن مجید میں مذکور ہے ۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۔

جب ایک عورت میں صلاحیت ہی نہیں رہی تو پھر اس سے اولاد کی توقع عبث ہے۔ شباب کے دواعی ایک جوان آدمی میں بہرحال موجود ہوتے ہیں اور وہ فطری طریقے سے ان کی تسکین و تکمیل کا سامان بہم پہنچاتا ہے ۔ اور اس کے ثمرات سے محظوظ ہونے کا تصور بھی اس کے ذہن میں ہوتا ہے ۔ قدرت کے نزدیک عمل ازدواج بے مقصد عمل نہیں ہے ۔ اسلام کا تو مزاج ہی مقاصد پر مشتمل ہے ۔ حضور کی تمام زندگی لایعنی امور سے خالی ہے ۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ ۔

طبی لحاظ سے گرم ملکوں میں سن یاس اوسطاً ۴۵ سال ہوتی ہے ۔ اور عورت جب اس عمر کے قریب پہنچتی ہے تو استقرار کی صلاحیت پہلے ہی کم ہو جاتی ہے ۔ اگر نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رض کی عمر ۴۰ سال تسلیم کی جائے تو ۶ - ۷ سال بعد وہ سن یاس کو پہنچ جاتی ہیں ۔ حالانکہ ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہ رض کے چھ ۶ بچے پیدا ہوئے اور دوسری روایت کی رو سے ۸ بچے ہوئے ہیں ۔

اس لیئے یہ خیال ہی سرے سے غلط ہے کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رض کی عمر ۴۰ سال تھی نکاح کے وقت حضرت خدیجہ تقریباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سن تھیں ۔

چونکہ یہ مسئلہ ضمنی طور پر سامنے آگیا تھا اس لیئے ہم نے اس پر مختصر اظہار خیال کر دیا ہے ۔ اور اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

ہمارے زمانے کے قابل قدر محققین نے اپنی قابل قدر تصانیف میں حضرت عائشہ رض کی سوانح میں ان کی عمر کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اسی ہشام کی روایت کی تشریح و توضیح ہے ۔ بلکہ اسے اپنی طرف سے مدلل کرنے کے لیئے ان حضرات گرامی نے خوب خوب دلائل پیش کیئے ہیں ۔ ذیل میں ہم ان کی کتابوں سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں ان سے اندازہ لگائیے کہ کس قسم کی تحقیق انیق ان حضرات نے پیش کی ہے ۔

سید سلیمان ندوی اور عمر نکاح عائشہ رض صدیقہ رض

" حضرت عائشہ رض کا جب نکاح ہوا تھا وہ چھ برس کی تھیں ۔ اس کم سنی کی شادی کا

اصل منشاء نبوت وخلافت میں تعلقات کا استحکام تھا۔ ایک تو خود عرب کی گرم آب و ہوا میں عورتیں غیر معمولی نشوونما کی طبعی صلاحیت رکھتی تھیں۔ ثانیاً عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قوای میں غیر معمولی ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے۔ اسی طرح قد وقامت میں بھی بالیدگی کی خاص صلاحیت ہوتی ہے۔ اسی کو انگریزی میں "پری کوشن" کہتے ہیں۔ بہرحال اس کم سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رض کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ لڑکپن ہی سے اُن میں نشوونما، ذکاوت وجودتِ ذہن، نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے۔ عطیہ حضرت عائشہ رض کے نکاح کا واقعہ اس سادگی سے بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رض لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ ان کی انا آئیں اور ان کو لے گئیں۔ حضرت ابوبکر رض نے نکاح پڑھ دیا۔

(سیرت حضرت عائشہ رض صـ ۔ از سید سلیمان ندوی مرحوم)

یہ عبارت "ژولیدگیٔ افکار" کا کامل نمونہ ہے۔ مضمون کی کمی کو الفاظ کی کثرت کے ذریعہ پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس عبارت میں مندرجہ ذیل امور ہمارے لئے قابل غور ہیں۔

۱۔ گرم آب و ہوا کا سہارا لے کر کم سنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بالغہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ تاریخ عرب میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

۲۔ "جس طرح بعض آدمی ابتداہی سے غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اسی طرح بعض جسمانی بالیدگی میں غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

کیا سید صاحب کے محض اس امکان کے پیش کر دینے ہی سے واقعہ خودبخود ثابت ہوجاتا ہے۔ یعنی کیا کسی چیز کا امکان اس کے وقوع کو مستلزم ہوتا ہے؟

۳۔ انگریزی لفظ "پری کوشن" سے اس صلاحیت کی تعریف کی گئی ہے۔ اور یہ تعریفِ مجہول بالمجہول ہے۔ بجائے واقعے کی ماہیت بیان کرنے کے تعبیر کے چکر میں ڈال دینے سے تو کام نہیں چلتا۔

جہاں تک امکان کا تعلق ہے اس سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ امکان کی حد تک تو یوں بھی ہوسکتا ہے کہ ۳۔۴ سال ہی میں ایک بچہ سِن بلوغ کو پہنچ جائے۔ لیکن مدعا تو اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا جب تک اس امکان کا وقوع ثابت نہ کیا جائے۔

۴۔ معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کے نزدیک اس شادی کا منشاء زن وشوہر کے تعلقات

قائم کرنا نہیں تھا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت سے فائدہ اٹھانا تھا۔ حالانکہ حضرت عائشہ رض کی ذہانت کے فوائد نکاح کا سبب نہیں ہیں، بلکہ نکاح کا نتیجہ ہیں۔ اور اس نکاح کا منشاء وہی تھا جو نکاحوں کا منشاء ہوا کرتا ہے۔

۵۔ نبوت اور خلافت میں استحکام کی بھی ایک ہی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو بادشاہوں کو لڑائی کے امکانات سے بچانے کے لئے ان کے درمیان قبل از وقت ہی مصاہرت قائم کرا دی گئی۔ اور معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر لڑکی کی کم سنی کو نظر انداز کر دیا گیا۔

۶۔ معلوم ہوتا ہے جس وقت نکاح ہوا اس وقت خلافت موجود تھی اور علیحدہ مستقل وجود رکھتی تھی۔ اس لئے نبوت و خلافت میں تعلقات کا استحکام ضروری تھا۔ اور یہ استحکام رشتہ دے کر ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ ورنہ زبردست ٹکراؤ کا خطرہ تھا۔

۷۔ اس امر کے بعد باور کرنا پڑتا ہے کہ حضرت ابوبکر رض آپ کی نبوت پر اس لئے ایمان نہیں لائے تھے کہ آپ نبی تھے۔ بلکہ اس لئے ایمان لائے تھے کہ انہیں سلطنت کے حصول کا لالچ تھا۔ اور شروع ہی سے وہ اقتدار کے امیدوار تھے۔ اور اسی امیدواری کو مستحکم کرنے کے لئے مصاہرت قائم کی تھی۔ (عیاذاً باللہ)

تو کیا روافض بھی حضرت ابوبکر رض کے بارے میں ایسا ہی کچھ نظریہ پیش نہیں کرتے۔

۸۔ کیا ام رومان کو کوئی اتا میتیں؟

مولانا شبلی نعمانی اور عمر نکاح صدیقہ رض

"بعثت کے چار سال بعد پیدا ہوئیں۔ دس نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔ اس وقت شش سالہ تھیں نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ میں تین سال تک رہا۔ ۱۳ نبوی میں آپ نے ہجرت فرمائی تو حضرت ابوبکر رض بھی ساتھ تھے۔"

اس کے بعد ہجرت کا قصہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ:۔

مدینے میں آ کر حضرت عائشہ رض سخت بخار میں مبتلا ہوئیں۔ امتداد مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے۔ صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی کا خیال آیا۔ اس وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ۹ سال تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے حضرت عائشہ رض کو

آواز دی ۔ ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی ۔ ماں کے پاس آئیں ۔ انہوں نے منہ دھویا ۔ بال درست کئے اور گھر میں لے گئیں ۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں ۔ یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی ۔ چاشت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی ۔"

(سیرت النبی جلد دوم طبع دوم ص ۴۰۵)

یہ تھوڑے سے تصرف کے ساتھ اس روایت کا ترجمہ ہے جو عام کتب حدیث میں مذکور ہے اور تمام ارباب سیر نے اسے لکھا ہے ۔

پھر آگے مولانا شبلی اسی مضمون میں لکھتے ہیں :-

" یہ داستان نہایت پُر اثر ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری رح نے باوجود اختصار پسندی کے اسکو خوب پھیلا کر لکھا ہے ۔ اور حضرت عائشہ رض کی زبانی لکھا ہے ۔ حضرت عائشہ رض گو اس وقت ۷ ، ۸ برس کی تھیں لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض کا بیان ہے کہ انہیں سے سن کر انہوں نے کہا ہوگا ۔ اور ابتدائے واقعہ میں وہ خود بھی تھیں ۔"

آخر ہر جگہ حضرت صدیقہ رض کی عمر بیان کرنے کا مقصد؟

غرض سیرۃ النبی شبلی میں جہاں بھی حضرت عائشہ رض کا ذکر آتا ہے عُمر کا ذکر بھی عموماً ساتھ ہی ساتھ ہے ۔ کہیں اس فریضے سے غافل نہیں ہوئے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہر بات کے ساتھ ساتھ ان کی عُمر کا بیان بھی ضروری ہو گیا ہے تاکہ ذہن ایک لمحے کے لئے بھی اس سے غافل نہ ہو کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رض کی عُمر ۶ سال تھی اور رخصتی کے وقت ۹ سال تھی ۔ جب حضرت عائشہ رض کا خیال آئے تو ان کی کم سنی کا تصور بھی ساتھ ہی آئے ۔ پیدائش کے بیان اور شادی کے ذکر میں اجمالاً عمر کا ذکر اگر آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن ہر واقعہ میں عمر کا بیان طبیعت میں ضیق پیدا کرتا ہے ۔ آخر یہ کیا منصوبہ اور کیا سازش ہے ؟ جو ایک بار کوفہ سے چلی ہے تو اب قیامت تک چلتی ہی رہے گی اور شبلی جیسا محقق بھی اس کی پردہ دری کے بجائے اس کو پروان ہی چڑھانے پر مجبور ہو جائے گا ۔

نیاز فتحپوری اور عمر نکاح صدیقہ رضؓ

"تاریخ کی کتابوں میں بالعموم حضرت عائشہ رضؓ کے سال ولادت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ لیکن وہ چونکہ ہجرت سے تین سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں جبکہ ان کی عمر ۶ سال تھی، اور اس پر ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ اس لئے ان کا سالِ ولادت ۹ سال قبل از ہجرت قرار پاتا ہے"

اسی حصے کے آخر میں لکھتے ہیں کہ :-

"عہد طفولیت کی باتیں عموماً دل سے فراموش ہو جاتی ہیں مگر حضرت عائشہ رضؓ کو اپنے لڑکپن کی ایک ایک بات یاد تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ان کی عمر کا آٹھواں سال یا نواں سال تھا۔ لیکن ہجرت کے واقعات کا تسلسل جتنا حضرت عائشہ رضؓ کے حافظے کا ممنون ہے کسی دوسرے صحابی کا نہیں۔"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۲ پر واقعۂ افک میں لکھتے ہیں :-

"اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی۔"

پھر آگے لکھتے ہیں :-

"کم سنی میں یوں ہی زیور کا شوق ہوتا ہے۔ ناتجربہ کاری سے خیال کیا۔"

نیاز صاحب کی یہ تمام عبارت پڑھ جائیے کہیں ان کے رہوارِ قلم میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی کہ ذرا ٹھہر کر اس واقعے پر غور کر لیتے۔ غلطی بھی نکالنے بیٹھے تو یہ کہ سید سلیمان ندوی ؒ نے حضرت عائشہ رضؓ کی بیوگی کا زمانہ ۴۸ کے بجائے ۴۰ سال کیوں لکھ دیا۔

نیاز صاحب کا یہ ارشاد بھی عجیب ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کا سال ولادت نظر انداز کر دیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ دیگر ازواج یا بنات میں سے کسی کی بھی تاریخ پیدائش کہیں کتب حدیث یا سیر میں لکھی دیکھی ہے جو حضرت عائشہ رضؓ کی تاریخ پیدائش نہ ملنے پر تعجب ہے۔

اس کے علاوہ جب نیاز صاحب لکھ رہے ہیں کہ نکاح کے وقت ۶ سال عمر تھی اور نکاح تین سال قبل از ہجرت ہوا تو تاریخ تو متعین ہو گئی۔ بلکہ ان کی تاریخ پیدائش اور ان کی عمر کی جتنی تشہیر تزوجھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بنت ست سنین وبنی بھا وھی بنت تسع سنین ومات عنھا وھی بنت ثمان عشر کے ذریعے کی گئی۔ اتنی شہرت تو کسی اور کو حاصل ہی نہیں ہوئی۔ تمام ازواج میں بلکہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ یقینی ثبوت تو انہی کی عمر کا ہے۔ اوروں کی عمروں کے تو صرف اندازے ہیں لیکن حدیث وتفسیر کی کتب متداولہ حضرت عائشہ رضؓ کی عمر کی روایات

سے بھری پڑی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کبرسنی
کے
اثباتی قرائن

اب تک ہم نے اپنی کتاب کے ضخیم حصہ میں ضروری شرح وبسط کے ساتھ جو کچھ لکھا وہ اس بحث کا منفی پہلو تھا، جو اس دعوے کی تردید اور نفی پر مشتمل تھا جس میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رض کی عمر نکاح کے وقت چھ[6] سال اور رخصتی کے وقت نو[9] سال تھی۔

اب ہم آئندہ صفحات میں اپنی بحث کے اثباتی پہلو کی طرف توجہ کرتے ہیں اور متعدد قرائن و شواہد سے اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض کی عمر نکاح کے وقت ۱۸ سال یا ۲۸ سال تھی اور رخصتی کے وقت ۱۹ سال یا ۲۹ سال تھی۔

حضرت عائشہ رضؓ کی کبرِ سنی بوقت نکاح کے

اثباتی قرائن

پہلا قرینہ

۱ حضرت عائشہ رضؓ سلسہ میں ایمان لائیں

حضرت ابوبکر رضؓ کا خاندان ایمان قبول کرنے میں اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں سے ہے ۔ ان کے والد ابوقحافہ اور ان کے بڑے بیٹے عبدالرحمٰن کے علاوہ باقی تمام خاندان بعثت کے وقت ہی ایمان لے آیا تھا ۔

حضرت ابوبکر رضؓ کے متعلق ارباب سِیَر کی تصریح ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ابوبکر تھے ۔ اور عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہ رضؓ تھیں ۔ اور آزاد کردہ غلاموں اور باندیوں میں اولیت کا شرف پانے والے زید بن حارثہ اور ام ایمن اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں ۔

ہم مختلف کتب سِیَر سے سابقون فی الاسلام کی متعدد فہرستیں پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ سبقت ایمان میں خاندان صدیق رضؓ کا کیا مقام ہے ۔ اور پھر انفرادی طور پر اس خاندان کے افراد کے نمبر بالترتیب کیا کیا ہیں ۔ اور حضرت عائشہ رضؓ اس میں کس نمبر

پر ایمان لائی ہیں :-

سابقین بالایمان کی پہلی فہرست

السابقون الاولون کی ایک فہرست " حیات سید العرب " میں ہے ۔

مصنف نے یہ فہرست کاوش سے مرتب کی ہے جو ان کے گہرے مطالعہ کا پتہ دیتی ہے ۔ اس فہرست کی ترتیب کے مطابق سب سے پہلے ایمان لانے والے ورقہ بن[1] نوفل ہیں ۔ اور اس کی تائید حافظ سراج بلقینی اور حافظ عراقی نے کی ہے ۔ ابن مندہ نے ورقہ کو صحابہ میں بیان کیا ہے ۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے ۔ طبری ۔ بغوی ۔ ابن قانع اور ابن السکن وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے[۲]

ورقہ کے بعد سب سے مقدم حضرت خدیجہ ہیں ۔ ان کے بعد مردوں میں حضرت ابو بکرؓ[۳] بچوں میں حضرت علیؓ[۴] ۔ موالی میں زید بن حارثہ[۵] ۔ پھر ام ایمن[۶] ۔ پھر ام رومان[۷] زوجہ ابو بکرؓ پھر ام خیر[۸] والدہ ابو بکرؓ ۔ پھر اسماء بنت[۹] ابی بکر ۔

اس ترتیب کی رُو سے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا نمبر نواں[۹] ہے ۔ اور چونکہ اسماء اور عائشہؓ دونوں بہنیں ایک وقت میں ایمان لائی ہیں ۔ آگے اس کا ذکر آرہا ہے ۔ اس لئے اس ترتیب کی رُو سے حضرت عائشہؓ کا نمبر دسواں ٹھہرتا ہے ۔ اگرچہ مصنف " حیات سید العرب " نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ لیکن اُسی وقت جب حضرت ابو بکرؓ ایمان لائے ان کی دعوت پر مندرجہ ذیل اصحاب بھی فوراً ہی ایمان لائے :-

عثمان بن عفان ۔ زبیر بن العوام ۔ عبدالرحمٰن بن عوف ۔ سعد بن ابی وقاص ۔ طلحہ بن عبیداللہ ۔

اس کے بعد اور بہت سے قریش نوجوان حضرت ابو بکرؓ ہی کی دعوت پر ایمان لائے ہیں ۔ جیسا کہ کتب سیر میں مذکور ہے ۔ عشرہ مبشرہ کے بیشتر ارکان حضرت ابو بکرؓ کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئے (تلخیص " حیات سید العرب ")

حضرت زید بن ارقم کے مکان میں داخل ہونے سے پہلے ۲۹ آدمی اسلام لاچکے تھے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دارالارقم میں بعثت کے تین سال بعد داخل ہوئے ۔ (بحوالہ مذکورہ بالا)

سابقین بالایمان کی دوسری فہرست

سیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۶۰ (حاشیہ پر) اردو ترجمہ مولانا عبدالجلیل صفحہ ۲۷۵ جلد اول ناشر غلام رسول لاہور ۔ پر ایمان لانے والوں کی ترتیب یہ ہے :-

حضرت خدیجہؓ ۔ حضرت علیؓ ۔ زید بن حارثہؓ ۔ حضرت ابو بکرؓ اور ان کے پانچ ساتھی عثمان بن عفان زبیر بن العوام ۔ عبدالرحمٰن بن عوف ۔ سعد بن ابی وقاص ۔ طلحہ بن عبیداللہ ۔

اس کے بعد لکھتے ہیں :-

ثم کان اول من ذکر من الناس یؤمن برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلی معہ وصدق بما جاء من اللہ تعالیٰ علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم وھو یومئذ ابن عشر سنین ۔

قال ابن اسحٰق ھولاء النفر الثمانیۃ الذین سبقوا الناس بالاسلام فصلوا وصدقوا رسول اللہ بما جاءہ من اللہ ۔

پھر تھا اول جس کا ذکر کیا لوگوں میں ایمان لانے والا رسول اللہ پر اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والا تصدیق کرنے والا اس کی جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ، علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم اور وہ اس وقت دس سال کے تھے ۔

ابن اسحاق نے کہا یہ آٹھ آدمی تھے جنہوں نے ایمان لانے میں سبقت کی اور نماز پڑھی اور رسول اللہ کی تصدیق کی ان امور میں جو اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ۔

پھر آگے لکھتے ہیں :-

ثم اسلم ابو عبیدۃ بن الجراح واسمہ عامر عبد اللہ بن الجراح وابو سلمۃ واسمہ عبد اللہ بن عبد الاسد والارقم بن ابی الارقم واسم ابی الارقم عبد مناف بن اسد وعثمان بن مظعون وعبیدۃ بن الحارث بن عبد المطلب وسعید بن زید بن عمرو وامرأتہ فاطمۃ بنت الخطاب واسماء بنت ابی بکر وعائشۃ اختھا . (وھی یومئذ صغیرۃ) وخباب بن الارت

پھر اسلام لائے ابو عبیدہ بن جراح اور ان کا نام عامر عبد اللہ بن جراح ہے ۔ اور ابو سلمہ ان کا نام عبد اللہ بن عبد الاسد ہے اور ارقم بن ابی ارقم اور ابی ارقم کا نام عبد مناف بن اسد ہے اور عثمان بن مظعون اور عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب وسعید بن زید بن عمرو اور اس کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب اور اسماء بنت ابو بکر رضؓ اور عائشہ رضؓ اس کی بہن (اور وہ اس وقت بچی تھی) اور خباب بن الارت ۔

دوسری فہرست کی اس ترتیب سے اسماء کا نمبر اٹھارواں [18] ہے ۔ اور اس میں حضرت عائشہؓ کا نام بھی موجود ہے جس کا نمبر انیسواں [19] بیٹھتا ہے ۔

سابقین بالایمان کی تیسری فہرست

مواہب لدنیہ لاحمد بن محمد بن ابی بکر خطیب قسطلانی مطبوعہ مصر ۱۹۰۷ء

کے صفحہ ۴۶ پر ترتیب یہ ہے :-

۱ خدیجہ ۔ ۲ علی ۔ ۳ ابوبکر ۔ ۴ زید ۔ ۵ عثمان بن عفان ۔ ۶ زبیر بن عبدالرحمٰن ۔ ۷ سعد بن ابی وقاص ۔ طلحہ بن عبیداللہ ۔

یہ اسلام لانے والوں کا سب سے پہلا گروہ ہے ۔

ان کے بعد ابوعبیدہ بن الجراح ۔ پھر زید بن ارقم ۔ عثمان بن مظعون ان کے دونوں بھائی قدامہ اور عبداللہ ۔ عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب ۔ سعید بن زید ۔

اس کے بعد کہا :-

قال ابن سعد اول امرأة اسلمت بعد خديجة ام الفضل زوج العباس واسماء بنت ابی بکر وعائشة رضی اختها . کذا قال ابن عباس وغیره - وهو وهم لان عائشة لم تكن ولدت بعد فكيف اسلمت وكان مولده سنة اربع من النبوة قاله مغلطائی وغیره .

زرقانی علی المواهب مطبوعه مصر صفحہ ۲۴۶ اس کی شرح میں فرماتے ہیں :-

قال ابن سعد اول امرأة اسلمت بعد خديجة ام الفضل لبابة الكبریٰ بضم اللام وخفة الموحدتين بنت الحارث الهلالية تزوج العباس وام بنيه ستة النجباء بانها وان كانت قديمة الاسلام لكنها لا تذكر فی السابقين فقد سبقتها سمية والدة عمار وام ايمن واسماء بنت ابی بکر ذات النطاقين وعائشة اختها (وهی صغيرة)

اس سے آگے صاحب زرقانی لکھتے ہیں :-

ولم يذكر بناته صلی الله عليه وسلم لانه لا شك فی تمسكهن بهديه وسيرته ۔ وقد روی ابن اسحق عن عائشة لما اكرم الله نبيه بالنبوة اسلمت خديجة وبناته وكان ابو العاصی زوج زينب عظيما فی القريش فكلمته قريش فی فراقها علی ان يتزوج من احب من نساءهم فابیٰ ۔

وفی سيرة الشامية لابی المحاسن الدمشقی .

اسلمت رقية حين اسلمت خديجة وبايعت حين بايعت النساء وام كلثوم حين اسلمت اخواتها وبايعت معهن والفاطمة لا يسئل منها لولادتها بعد النبوة او قبلها بخمس سنين .

ويشكل تزويج زينب بابی العاصی ورقية وام كلثوم بولدی ابی لهب مع صيانة النبی صلی الله عليه وسلم من قبل البعثة علی الجاهلية لان

تحریر المسلمة على الكافر لم يكن ممنوعا حتى نزل قوله تعالى وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا ۔ وقوله تعالى فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ بعد صلح الحديبية كما صرح به العلماء ۔ وقد كفاه الله ولدى ابى لهب فطلقاهما قبل الدخول واستمر زينب حتى اُسير ابوالعاصى ببدر فارسلت .

فلما عاد بعثها اليه صلى الله عليه وسلم ولم تزل حتى اسلم وهاجر فردها اليه صلى الله عليه وسلم ووقع فى حديث عن ابن اسحاق الاسلام فرق بينهما لكنه صلى الله عليه وسلم لم يقدر على نزعها حينئذ .

ابن سعد نے کہا پہلی عورت جو حضرت خدیجہ کے بعد ایمان لائی ام الفضل لبابة الکبریٰ لام کے پیش کے ساتھ اور دو با کے ساتھ بنت الحارث ہلالیہ عباس کی بیوی اور ان کے چھ بیٹوں کی ماں جو شریف اور نام آور تھے وہ قدیمة الاسلام تھی لیکن سابقون میں اس کا ذکر نہیں کیا جاتا اور اس سے پہلے ایمان لاتی ہیں ۔ سمیۃ والدہ عمار اور ام ایمن اور اسماء بنت ابی بکر ذات النطاقین اور عائشہ اس کی بہن اور وہ اس وقت صغیرہ تھی ،

د ابن سعد نے کہا پہلی عورت جو حضرت خدیجہ کے بعد ایمان لائی ام الفضل عباس کی بیوی اور اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ اس کی بہن ۔ ایسے ہی ابن عباس وغیرہ نے کہا ہے لیکن یہ وہم ہے کیونکہ عائشہ تو اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئی تھی ۔ اسلام کیسے لاتی اس کی پیدائش چار نبوت میں ہوئی یہ مغلطائی وغیرہ نے کہا ۔

ج اور آپ کی لڑکیوں کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ ان میں آپ کی سیرت اور عادت کا پورا اثر تھا اور ابن اسحاق نے عائشہ رض سے روایت بیان کی ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو خدیجہ رض اور آپ کی بیٹیاں آپ پر ایمان لائیں اور ابوالعاصی زینب کا خاوند قریش میں بڑا مرتبہ رکھتا تھا اور قریش نے ابوالعاصی سے کہا تھا کہ وہ زینب کو چھوڑ دے اور ہم اس کے عوض حسین ترین لڑکی بیاہ دیں گے مگر ابوالعاصی نے انکار کر دیا ۔

اور سیرت شامیہ میں ہے ۔

رقیہ (بھی) تب ہی ایمان لائی جب خدیجہ رض ایمان لائی اور اسی وقت بیعت کی جب دوسری عورتوں نے بیعت کی اور ام کلثوم اسی وقت ایمان لائی جب اس کی بہنیں ایمان لائیں اور ان کے ساتھ ہی بیعت کی ۔ اور فاطمہ کے متعلق تو بحث ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس کی پیدائش نبوت کے بعد ہوئی یا نبوت سے پانچ سال پہلے ۔ ایک سوال

اہم ہے کہ زینب کا نکاح ابوالعاصی سے اور رقیہ اور ام کلثوم کا ابولہب کے دو لڑکوں سے باوجودیکہ آپ نبوت سے پہلے بھی جاہلیت کے اثرات سے محفوظ تھے کیسے ہوا جواب ظاہر ہے۔ مسلمہ کا فر کیلئے اس وقت تک حرام نہیں تھی یہانتک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا۔ اور اللہ کا قول لا ترجعوھن الی الکفار صلح حدیبیہ کے بعد اترا جیساکہ علماء نے تصریح کی ہے اور اللہ نے ایسا سبب بنا دیا کہ ابولہب کے دو لڑکوں نے ان دونوں کو طلاق دیدی رخصتی سے پہلے اور زینب کا نکاح باقی رہا یہانتک کہ ابوالعاصی بدر میں قید ہو گئے پھر وہ چھوڑ دئے گئے جب وہ مکے آئے تو انہوں نے زینب کو رسول اللہ کے پاس بھیجدیا وہ وہاں رہی جبتک کہ ابوالعاصی ایمان لائے اور ہجرت کی تو رسول اللہ صلعم نے زینب کی دوبارہ رخصتی کر دی اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اسلام نے دونوں میں جدائی کر دی تھی لیکن آپ اس سلسلے میں عملی اقدام نہ کر سکے تھے۔

مختلف ترتیبوں کی تطبیق

ہم نے مختلف کتابوں سے سابق الایمان لوگوں کی فہرست درج کر دی ہے۔ بعض صحابہ پر تو ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ لیکن جہاں فرق اور اختلاف ہے وہاں تطابق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ یا تو سب نے ایک ہی وقت میں ایک ہی مجلس میں اسلام قبول کیا ہو اور تقدیم وتاخیر محض شہادتین کے پڑھنے میں ہوئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ صبح وشام کا اختلاف ہو۔ کسی نے صبح کو کلمہ پڑھا ہو اور کسی نے شام کو۔ اور اس کا بھی امکان ہے کہ دو چار روز کا فرق ہو۔ ہر ایک نے انفرادی طور پر اسلام قبول کیا ہو اور اس وقت یہ معلوم نہ ہوا ہو کہ پہلے کس نے اسلام قبول کیا اور بعد میں کس نے۔

اس وقت تو ان اسلام لانے والوں کے ذہن میں کفر کی تاریکی سے نکلنا تھا۔ اور اندھیرے سے روشنی میں آنا تھا۔ یہ بحث تو بہت بعد میں پیدا ہوئی کہ پہلے کون ایمان لایا اور بعد میں کون۔ جب یہ سابق الایمان جماعت اللہ کو پیاری ہو گئی تو آنے والوں نے دیگر مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی درج تاریخ کیا کہ پہلے کون ایمان لایا۔ اور وہ ایسا وقت تھا جب قیاس اور سماعی روایات کے سوا کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا جس پر اس مسئلے کا فیصلہ کیا جا سکتا۔

اس انفرادی اوّلیت سے قطع نظر یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ بیس پچیس آدمیوں پر اہل سیر کا اتفاق ہے کہ یہ سب پہلے ایمان لائے ہیں۔ اور تقدیم وتاخیر کا یہ مسئلہ بھی انہیں بیس پچیس کے درمیان ہے۔ ان سے باہر نہیں ہے۔ لہذا یہ مسلّم ہے کہ السابقون کی تعد

فہرست کتابوں میں مذکور ہے وہ یقینی اور متفق علیہ ہے ۔ بہر حال یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ کے قریبی لوگ ہیں اور یہ ضرور ایک ہی وقت میں ایمان لائے ہوں گے ۔ اور ان میں تقدیم و تاخیر ساعتی ہے یومی نہیں ہے ۔

حضرت خدیجہ آپ کی اہلیہ ہیں ۔ حضرت علی آپؐ کے ابن عم اور پروردہ ہیں ۔ زید بن حارثہ آپؐ کے آزاد کردہ غلام ہیں ۔ ام ایمن آپؐ کی باندی ہیں اور حضرت ابوبکر رضؓ آپ کے جگری دوست اور منہ بولے بھائی ہیں ۔ اس سابق الایمان گروہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں اور حضرت ابوبکر رضؓ کا خاندان بھی ہے ۔ اس لئے تقدیم تاخیر کے سلسلہ میں تطبیق کی بہتر صورت جسے اہل سیرؔ نے ذکر نہیں کیا یہ ہے کہ :-

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین ایمان لائے ۔ یعنی آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہ زید بن حارثہ اور آپ کی بنات میں سے حضرت زینب ۔ کیونکہ اس وقت وہی بنات میں سے بالغہ ہوں گی اور باقی بنات اور حضرت علی تبعًا مومن قرار پائے ۔ کیونکہ بچوں کا ایمان ان کے بزرگوں کا تابع ہوتا ہے ۔ اس کے بعد مگر ساتھ ہی حضرت ابوبکرؓ کا گھرانا ایمان لایا ۔ حضرت ابوبکر اور ان کی والدہ ام الخیر ، ان کی اہلیہ ام رومان ، ان کی لڑکی اسماء ، ان کا لڑکا عبداللہ اور حضرت عائشہ رضؓ ایمان لائیں ۔

بہت ممکن ہے کہ بنات النبی اور حضرت علیؓ نے اس وقت شہادتین کو دہرایا ہو ۔ جس سے ان کے اس وقت ایمان لانے کا خیال ہو گیا ہو ۔

اس کے بعد فوراً حضرت ابوبکر رضؓ کے مخصوص حلقہ کے لوگ عثمان بن عفان ، زبیر ، عبدالرحمٰن ۔ سعد بن وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ ۔ یہ سب نوجوان طبقہ ہے ۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ کے حلقہ اثر کے دوسرے لوگ ایمان لائے ، مثلاً ابو عبیدہ بن جراح ۔ ابوسلمہ ۔ ارقم ۔ عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی وغیرہ ایمان لائے ۔

یہ ترتیب انفرادی نہیں ہے بلکہ خاندانوں اور حلقۂ احباب پر مشتمل ہے ۔

یہ وہ جماعت ہے جو نبی کریم کے دعوئے نبوت کے فوراً بعد زیادہ سے زیادہ چند دن کے اندر اندر ایمان لے آئی ۔ بعض اربابِ سیرؔ نے انفرادی طور پر ان میں سے کسی کو مقدم کر دیا اور کسی کو مؤخر ۔

نیز بعض اہل سیرؔ نے حضرت ابوبکر رضؓ کی والدہ ام خیر اور ان کی بیوی ام رومان کو ترک کر دیا ۔ بعض نے ان کو ترتیب میں وہیں ظاہر کیا جہاں انہیں ہونا چاہیئے تھا ، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے فوراً بعد اس ترتیب میں ان کی بیوی کو ساتویں

نمبر پر۔ ان کی والدہ ام خیر کو آٹھویں نمبر پر اور ان کی لڑکی اسماء کو نویں نمبر پر۔ چونکہ دونوں بہنیں ساتھ تھیں اس لئے اہل سیر نے اسماء کے فوراً بعد کہا و عائشۃ اختہا اس لئے ان کا نمبر دسواں قرار پاتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے بھائی عبداللہ اسی وقت بالغ ہوں۔

سابق الایمان لوگوں کی جو ترتیب ہم نے قائم کی ہے وہ ارباب سیر کی انفرادی ترتیب سے بہتر اور جامع ہے۔ حقیقت تو یہ ہے جیسے کہ ہم پہلے اجمالاً لکھ آئے ہیں کہ اس سلسلہ میں جتنے مباحث ہیں وہ شرف اولیت کو ظاہر کرنے کے لئے متاخرین نے پیدا کئے ہیں۔ ظہور فتن کے بعد یہ مباحث پیدا ہوئے ہیں۔ ورنہ سیدھی سادی بات تو یہ ہے کہ اس وقت حضرت علی بچے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پرورش پا رہے تھے اور ان امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تھے۔ ورنہ جو شخص مکلف ہی نہیں اس کا تکلیفات شرعیہ کے قبول کرنے کا اعلان کوئی اہم بات نہیں ہے۔ وہ تو ان امور میں اپنے سرپرستوں کے تابع ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات کے ایمان کی کوئی بحث ہماری کتابوں میں نہیں۔ حالانکہ وہ شرف اولیت میں اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضہ کے بعد سب سے مقدم ہیں۔ وہ عمر میں حضرت علی سے بڑی تھیں۔ حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رضہ کا بھی دعویٰ تھا کہ میں عمر میں حضرت علی سے بڑی ہوں۔

دخل العباس علی علی بن ابی طالب وفاطمۃ وھی تقول انا اسن منک فقال العباس اما انت یا فاطمۃ! فولدت وقریش تبنی الکعبۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن خمس وثلاثین سنۃ۔ واما انت یا علی فولدت قبل ذلک بسنوات (ابن سعد ص ۲۶ ذکر فاطمہ رض)

اور عباس علی اور فاطمہ کے گھر گئے وہ علی سے کہہ رہی تھی میں عمر میں تجھ سے بڑی ہوں تو عباس نے بتلایا اے فاطمہ تو جب پیدا ہوئی تو قریش کعبہ کی تعمیر نو کر رہے تھے اور نبی صلعم کی عمر اس وقت ۳۵ سال تھی اور اے علی تو اس واقعے سے چند سال پہلے پیدا ہوا تھا۔

اسی طرح ام الفضل زوجۂ عباس کا سابق الایمان ہونا یہ مسئلہ محض سلطنت عباسیہ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ یہ روایت ابن سعد میں مذکور ہے۔ واقدی اس کا راوی ہے جو عباسی دور میں بغداد کا قاضی تھا۔ چونکہ بنو عباس کو فضیلت اولیت میں شریک کرنے

کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی اس لئے اس نے ماں کے ذریعے ان کو فضیلت اولیت میں شریک کر دیا ۔

حضرت عباس کا فتح مکہ میں ایمان لانا ظاہر ہے جسے بدلا نہیں جا سکتا ۔ لہذا اس کے لئے بہترین صورت یہی تھی کہ ام الفضل کو سابق الایمان لوگوں میں شریک کر دیا جائے ۔ اگر سلطنت عباسی ظہور میں نہ آتی تو عباسیوں کے متعلق روایات کا یہ رنگ نہ ہوتا ۔

ام الفضل اگرچہ اپنے خاوند سے پہلے ایمان لائی ہیں لیکن زرقانی نے تصریح کی ہے کہ ان سے پہلے عورتوں میں سمیہ ۔ ام ایمن ۔ اسماء ۔ عائشہ رض ایمان لا چکی تھیں ۔

اسی طرح ابن اسحاق کی ترتیب کے موافق عورتوں میں سب سے پہلے خدیجہ ۔ فاطمہ ۔ بنت الخطاب ۔ اسماء اور عائشہ ہیں ۔

متقدمین کے نزدیک حضرت عائشہ رض سابق الایمان ہیں

مختصر بات یہ ہے کہ سیرۃ النبویہ لابن ہشام میں امام ابن اسحاق کی روایت کی رُو سے سابق الاسلام لوگوں کی فہرست میں حضرت اسماء اور ان کی بہن عائشہ رض کا ذکر ایک ہی جگہ ایک ہی درجہ میں کیا گیا ہے ۔ اور اسماء کا سابق الایمان لوگوں کی فہرست میں ہونا متفق علیہ ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ متقدمین کے نزدیک حضرت عائشہ رض سابق الایمان لوگوں میں مذکور ہوئی ہیں ۔

لیکن متاخرین نے ہشام بن عروہ کی روایت کی وجہ سے ان کو اس فہرست سے خارج کر دیا ۔

سیرۃ ابن اسحاق میں یہ عبارت ہے واسماء بنت ابی بکر و عائشۃ اختھا (وھی یومئذ صغیرۃ) یہ جملہ حالیہ بھی کسی نے بعد میں اضافہ کیا ہے ۔ ورنہ ابن اسحاق کا قول بغیر اس جملہ کے تھا ۔ جیسا کہ صاحب مواہب نے ابن اسحاق کا بیان بغیر اس جملہ کے کیا ہے ۔ اور زرقانی نے اس عبارت کی شرح میں جہاں اور عبارتیں اضافہ کی ہیں وہاں اس میں وھی صغیرۃ کا اضافہ کیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن اسحاق کی عبارت بغیر اس جملۂ حالیہ کے تھی ۔

صاحب مواہب نے اس عبارت کے آخر میں لکھا ہے کذا قال ابن عباس وغیرہ یعنی حضرت عائشہ رض کو سابق الایمان لوگوں میں بیان کرنے والے ابن عباس اور ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں ۔

محمد بن اسحاق کی روایت کا قتل سے بچ جانا ایک کرامت ہے

نہ معلوم محمد بن اسحاق کی یہ روایت قتل ہونے سے کیسے بچ گئی۔ حالانکہ ہشام بن عروہ کی روایت کی موجودگی میں اس کا زندہ رہنا محال تھا۔ اس کا بچ رہنا کرامت سے کم نہیں ہے۔

محمد بن اسحاق ہشام بن عروہ کے معاصر ہیں اور بغداد میں منصور کے دربار میں دونوں ساتھ رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ابن اسحاق نے بہت سی روائتیں ہشام سے قبول کی ہیں لیکن یہ روائت ہشام انہوں نے قبول نہیں کی۔ ابن اسحاق اس کو بداھۃً غلط تصور کرتے تھے۔ اس وجہ سے کہ آخر میں ہشام کی حالت بدل گئی تھی۔ اور یادداشت میں بھی فرق آگیا تھا۔ اور اسی طرح امام ابوحنیفہ رح بھی بغداد میں ہشام کے ساتھ رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے بھی ہشام کی اس روایت کو قبول نہیں کیا۔

محمد بن اسحاق کی روایت کے بچے رہنے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان سابق الایمان لوگوں کے ایمان لانے کا کوئی سنہ متعین نہیں تھا۔ اور حضرت عائشہ رض کے ایمان لانے کی روایت میں وھی یومئذ صغیرۃ بھی نقل ہوا تو رواۃ کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ ہشام کی روایت اور اس قول میں کوئی تضاد ہے۔ محض اپنے اس اجمال کی وجہ سے یہ روایت قتل ہونے سے بچ گئی۔ ورنہ بعد کے محققین جنہوں نے ہشام کی روائت کو بطور حقیقت واقعیہ کے قبول کر لیا تھا اسماء کے ساتھ عائشہ رض کے نام اور اس جملے ہی کو صاف کر دیتے۔ اور سمجھتے کہ ہم نے کتاب کی تصحیح کر دی اور ایک زبردست غلطی کو دور کر دیا۔

اور اس سے بھی زیادہ اہم وجہ یہ ہے کہ سیرۃ ابن اسحاق کا ایک نسخہ مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا سلطنت عباسی کے شاہی کتبخانے میں موجود تھا۔ اس میں تغیر و تبدل بہت مشکل تھا اور وہ نسخہ صدیوں محفوظ رہا اور اس کی نقلیں ہوتی رہیں۔

مواہب لدنیہ میں ابن سعد کی جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اب ہمیں مطبوعہ طبقات میں نہیں ملتی۔ کسی من چلے نے تصحیح کے خیال سے اس روایت ہی کو کتاب سے صاف کر دیا۔ حسب روایت مواہب لدنیہ ابن سعد کے علاوہ بھی کچھ اور لوگ اس روایت کو بیان کرتے تھے کہ سابق الایمان جماعت میں حضرت عائشہ رض بھی شامل تھیں۔ جیسے اس فقرے :- قال ابن عباس وغیرہ سے ظاہر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ میں سے ابن عباس اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ یہ بیان کرتے تھے

کہ سابقون الاولون میں حضرت عائشہ رضؓ شامل ہیں ۔ لیکن آج ہمیں کسی کتاب میں ابن عباس یا کسی دوسرے صحابی کی کوئی روایت نہیں ملتی ۔ کتب حدیث میں تو ہشام کی روایت کے خلاف کسی اور کی روایت کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ہشام کے مقابلہ میں اصحاب سنن کسی مرجوح آدمی کی روایت قبول کرنے کو تیار ہی نہیں ۔

عُمر عائشہ رضؓ کے بارے میں ابن اسحاق کی روایت قابل ترجیح ہے ۔

ہمارے خیال میں قابل ترجیح روایت ابن اسحاق کی ہے جو اب سیرۃ ابن اسحاق میں ہے اور ابن عباس وغیرہ کی روایات بھی قابل اخذ ہوتیں اگر وہ کتابوں میں باقی رہنے دی جاتیں ۔

ابن اسحاق کی اس روایت کی رُو سے حضرت عائشہ رضؓ جب ۱؁ نبوت میں ایمان لائیں تو اس وقت جوان تھیں تو ہجرت کے وقت یقیناً پوری عاقلہ بالغہ تھیں ۔ لہٰذا رخصتی کے وقت نہ وہ ۹ سالہ بچی تھیں نہ کھیل تھے نہ گڑیاں تھیں ۔

اس صورت میں نہ عادۃ اللہ کی خلاف ورزی ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صغر سنی میں بنا کا سوال پیدا ہوتا ہے ۔ نہ اس میں کوئی خارقِ عادت صفت پائی جاتی ہے ۔ نہ اس میں کسی قوی شہادت کی ضرورت ہے ۔ روایت کے تمام ضابطوں پر پوری اترتی ہے ۔

جیسے دیگر ازواج کی عمروں کو متعین کیا جاتا ہے اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ کی عمر بھی متعین ہو سکتی ہے ۔

کیا صحابہ کی عمروں کا معلوم کرنا ضروریات دین میں سے ہے ؟

علاوہ ازیں صحابہ کی عمروں کا معلوم کرنا فرائض شرعیہ یا واجبات شرعیہ میں سے نہیں ہے ، نہ بھی معلوم ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے ۔

مواہب لدنیہ کا ابن سعد کی اس روایت کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ابن سعد کا وہم ہے غلط ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ابن سعد کا نہیں بلکہ صاحب مواہب کا وہم ہے ۔ یہ قتل روایات کے ذہن کی ترجمانی کر رہا ہے ۔ ان کے دماغ پر ہشام بن عروہ کی روایت مسلط ہے جسے حضرت عائشہ رضؓ کی زبان سے ادا کروایا گیا ہے ۔ ہشام بن عروہ کی روایت کی روشنی میں صاحب مواہب حضرت عائشہ رضؓ کی پیدائش کا زمانہ ۴؁ نبوی مقرر کر رہے ہیں جو واقعہ کے خلاف ہے ۔

ابن اسحاق کی یہ موجودہ روایت اور ابن سعد کی محو شدہ روایت ابن عباس اور دوسرے

صحابہ کی روایات جن کے حوالے کتب میں موجود ہیں مگر وہ ہمیں کتابوں میں نہیں ملتیں بالکل صحیح اور مبنی برحقیقت تھیں اور ہیں ۔ موجودہ روایت ابن اسحاق ضابطۂ اصولِ حدیث کی رُو سے درست ہے ۔ محمد بن اسحاق کا ضعیف فی الروایت ہونا اس روایت میں مُضر نہیں ہے ۔ کیونکہ اول تو ضعف فی الروایت کا الزام جو محمد بن اسحاق پر وارد کیا جاتا ہے وہی الزام ہشام پر بھی عائد ہے ۔ جیسے کہ آپ پہلے امام مالکؒ کا ارشاد پڑھ چکے ہیں علاوہ ازیں ضعیف فی الروایت کی وہ روایت ناقابلِ قبول ہوتی ہے جو ممکن امور میں کسی قوی راوی کی روایت کے خلاف ہو ۔ اور وہ احکام سے متعلق ہو ۔ لیکن جو روایت سیرت کے درجے کی ہو اور وہ اپنے مضمون کے ذریعے شکوک وشبہات پیدا کرنے کے بجائے شکوک وشبہات واعتراضات کو اٹھا رہی ہو دوسرے لفظوں میں خود کسی ناقابل فہم مضمون پر مشتمل ہونے کے برخلاف وہ دوسری روایات کے ناقابلِ فہم مضامین کی تردید کر رہی ہو گویا بجائے مضر ہونے کے مفید ثابت ہو رہی ہو تو اسے بطیبِ خاطر اور بصد شکریہ قبول کیا جائے گا ۔ اور اس کے مقابلہ میں ایک قوی کی اس روایت کو جو عادت اللہ اور عادۃ الناس کے خلاف مضامین پر مشتمل ہو اور سب سے بڑھ کر جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حرف آتا ہو ، اسے بے تکلف اور اول نظر میں رد کر دیا جائے گا ۔

خلاصہ

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ " حیات سید العرب " سیرت ابن اسحاق بروائت سیرۃ ابن ہشام ۔ اور مواہب لدنیہ اور زرقانی شرح مواہب کی روایات اور ان کے بیانات کی رُو سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یقیناً ۵ سنہ نبوی میں ایمان لائیں اور اس وقت یقیناً ان کی عمر اس قابل تھی کہ وہ مکلف بایمان بھی تھیں اور ان کے ایمان کا ذکر بھی کیا جانا چاہیے تھا ۔ اور یہ عمر ایمان دیگر شواہد و دلائل پندرہ سال بنتی ہے ۔ اور پھر اس کے حساب سے بداھۃً ان کی عمر نکاح اٹھائیس سال اور عمر رخصت ۲۹ سال قرار پاتی ہے ۔

اور عقل عام ، تاریخ عام اور رواج عام اسی کا تقاضا بھی کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ کی عمر ایمان کے وقت پندرہ سال اور نکاح کے وقت ۲۸ سال اور رخصت کے وقت ۲۹ سال ہو ۔

دُوسرا قرینہ

ایت بَلِ السَّاعَۃُ کے نزول سے حضرت عائشہ رض کی خبرداری

حدثنا ابراھیم بن موسیٰ قال حدثنا ھشام بن یوسف ان ابن جریج اخبرھم قال اخبرنی یوسف بن ماھک قال انی عند عائشۃ ام المؤمنین قالت لقد انزل علی محمد بمکۃ (وانی لجاریۃ العب) بَلِ السَّاعَۃُ مَوْعِدُھُمْ وَالسَّاعَۃُ اَدْھٰی وَاَمَرُّ۔

ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہشام بن یوسف نے ہم سے حدیث بیان کی کہ ابن جریج نے ان کو بتلایا اس نے کہا یوسف بن ماہک نے اسے خبر دی کہ وہ عائشہ رض کے پاس آیا تو عائشہ رض نے کہا اللہ نے محمد ؐ پر مکے میں یہ آیت اتاری (اور میں بچی تھی کھیل میں مشغول) بل الساعۃ موعدہم۔

یہ آیت قمر کی ہے۔ اور سورۂ قمر حبشہ کی طرف ہجرتِ اولیٰ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اسی زمانہ میں معجزہ شق القمر پیش آیا تھا۔

اس روایت کے راوی منجملہ دیگر صحابہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رض بھی ہیں جو زرقانی وغیرہ کی تصریح کے موافق ہجرت اولیٰ میں شریک تھے۔ معجزہ شق القمر کا وقوع ہجرۃ اولیٰ سے پہلے ہے۔ اس لئے اس سورۃ کا نزول ۴ نبوی میں ہوا ہے۔ یہ سُورۃ مفصلات میں سے ہے۔ اور یہ تمام سورتیں تقریبًا ایک ایک خطبے کی صورت میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ ساری سورت ایک دم نازل ہوئی ہے اور اسی کی ایک آیت بَلِ السَّاعَۃُ ہے۔

۱ اس پوری آیت میں ایک آنے والے واقعے کی پیشین گوئی ہے ۔ غزوۂ بدر کے موقع پر یہ آیت آپؐ کی زبان پر تھی اور صحابہ نے اس پیشگوئی کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھا ہے ۔

۲ سنہ ۴ نبوت میں حضرت عائشہ رض اس عمر میں تھیں کہ کلام اللہ کو سمجھتی تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ یہ خدا کا کلام ہے ۔ اور انہوں نے اس کے نزول کے واقعے کو یاد بھی رکھا ۔

اس روایت میں کرائی لجاریۃ العب پر ہم بحث کر چکے ہیں کہ یہ راوی کا اپنا بیان ہے اور اس سے حضرت عائشہ رض کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔

عام طور سے ہمارے رواۃ روایت کا ذہن یہ بن چکا ہے کہ کھیل اور حضرت عائشہ رض لازم و ملزوم ہیں ۔ اور ان کا کوئی کام کھیل سے خالی نہیں ہو سکتا ۔ سنہ ۴ نبوت سے شروع ہو کر غزوۂ تبوک سنہ ۹ ہجری تک ۱۸ سال تک یہ کھیل ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے ۔

ہماری تحقیق کی رو سے حضرت عائشہ رض سنہ ۴ نبوت میں بالغہ تھیں اور اسی لیے آیت بالا کے متعلق ان کا بیان بالکل صحیح ہے ۔

روایات ہشام یعنی روایت لعب بالبنات اور روایت تزوج کی وجہ سے خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے ان حقائق نفس الامریہ کو مسخ اور محو کر دیا گیا ہوگا جو اگر باقی رہتے تو صحیح حالات و واقعات پر روشنی ڈالتے ۔ اب تو ہمیں اپنی تحقیق میں انہی منتشر واقعات سے کام چلانا پڑے گا جو اپنے ابہام کی وجہ سے ان قاتل روایتوں کی زد سے بچ گئے ہیں اور جنہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ۔

تیسرا قرینہ

روایت ہجرۃ حبشہ

حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل قال ہشام اخبرنی عروۃ بن الزبیر ان عائشۃ رضی زوج النبی صلی اللہ علیہ قالت لم اعقل ابوی قط الا وھما یدینان دینا ولم یمر علینا یوم الا ویأتینا فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرفی النہار بکرۃ وعشیۃ ۔ فلما ابتلی المسلمون خرج ابوبکر مہاجرا نحو ارض الحبشۃ حتی اذا بلغ برک الغماد لقیہ ابن الدغنۃ وھو سید القارۃ ۔ فقال این ترید یا ابا بکر؟ لا یخرج ولا یخرج مثلہ. انک تکسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الکل وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق وانا لک جار فارجع فاعبد ربک ببلدک فرجع وارتحل معہ ابن الدغنۃ وطاف ابن الدغنۃ عشیۃ فی اشراف قریش فقال ان ابا بکر لا یخرج مثلہ ولا یخرج اتخرجون رجلا یکسب المعدوم ویصل الرحم ویحمل الکل ویقری الضیف ویعین علی نوائب الحق فلم تکذب قریش بجوار ابن الدغنۃ وقالوا لابن الدغنۃ مر ابا بکر فلیعبد ربہ فی دارہ ویصل فیھا ولیقرأ ما شاء ولا یؤذینا بذلک ولا یستعلن بصلوتہ ولا یقرأ فی غیر دارہ ثم بدا لابی بکر فابتنی مسجدا بفناء دارہ وکان یصلی فیہ ویقرأ

القرآن فكان نساء المشركين وابناءهم يعجبون منه وينظرون اليه وكان ابو بكر رجلا بكاء لا يملك عينيه اذا قرأ القرآن فافزع ذلك اشراف قريش من المشركين فارسلوا الى ابن الدغنة فقدم عليهم فقالوا انا كنا اجرنا ابا بكر بجوارك على ان يعبد ربه فى داره فقد جاوز ذلك وابتنى مسجداً بفناء داره فاعلن فى الصلوٰة القراءة فيه وانا قد خشينا ان يفتن ابناءنا ونساءنا. فانهه. فان احب ان يقتصر على ان يعبد ربه فى داره فعل وان ابى الا ان يعلن ذلك فله ان يرد عليك ذمتك فانا قد كرهنا ان نخفرك ولسنا مقرين لابى بكر الاستعلان. قالت عائشة رض فاتى ابن الدغنة الى ابى بكر فقال قد علمت الذى قد عاقدت عليه قريش فاما ان تقتصر على ذلك واما ترد ذمتى فقال انى لا احب ان تسمع العرب انى اخفرت فى رجل عقدت له فقال ابو بكر انى ارد عليك جوارك وارضى بجوار الله عز وجل (بخاری)

یحیٰی بن بکیر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا لیث نے ہم سے حدیث بیان کی عقیل سے اس نے کہا ہشام نے کہا مجھے تبلایا عروہ بن زبیر نے کہ عائشہ رض زوجہ نبی صلعم نے کہا میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے اپنے والدین کو اسلام کا پابند دیکھا اور نبی صلعم ہر روز ہمارے ہاں آیا کرتے تھے صبح اور شام۔ جب مسلمانوں پر وقت ابتلاء آیا تو ابوبکر رض ارض حبشہ کی طرف نکلے مہاجر بن کر اور برک غماد تک پہنچ گئے وہاں انہیں ابن الدغنہ ملا یہ قبیلہ قار کا سردار تھا اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو ابوبکر۔ تجھ جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جاتا ہے تو ناداروں کی مدد کرتا ہے۔ اور صلہ رحمی کرتا ہے اور گرے کو اٹھاتا ہے اور مہمان نوازی کرتا ہے اور مددگار ہے فرائض حق کا۔ اور میں تجھے جار دیتا ہوں لوٹ چل، اپنے رب کی عبادت کر اپنے شہر میں پس ابوبکر لوٹ آئے اور ابن الدغنہ بھی ساتھ ہی آیا ابن الدغنہ رات کو اشراف قریش میں گھوما اور ان سے کہا ابوبکر جیسا آدمی نہ مجبور ہو کر نکلتا ہے اور نہ اسے نکالا جاتا ہے۔ کیا تم ایسے آدمی کو نکال رہے ہو جو نادار کی مدد کرتا ہے۔ اور صلہ رحمی کرتا ہے گرے ہوئے کو اٹھاتا ہے اور مہمان نوازی کرتا ہے اور حق کی ضروریات میں اعانت کرتا ہے تو قریش نے ابن الدغنہ کے جوار کو رد نہیں کیا۔ انہوں نے ابن الدغنہ سے کہا جاؤ ابوبکر رض سے کہو اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کرے اور اپنے گھر میں نماز پڑھے

اور جو چاہے پڑھے اپنے گھر میں مگر ہمیں تکلیف نہ دے ۔ اور اپنی نماز کا اعلان نہ کرے اور اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور قرأت نہ کرے پھر ابو بکر کی رائے بدل گئی اس نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی ۔ اس میں نماز پڑھنے لگے اور قرآن پڑھنے لگے تو مشرکوں کی عورتیں اور بچے اس عمل کو متعجب دیکھتے تھے اور دیر تک اس حالت میں ابو بکر کو دیکھتے رہتے تھے اور ابو بکر رونے والے آدمی تھے جب قرآن پڑھتے تھے تو ان کے آنسو بہنے لگتے تھے تو اشراف قریش اس سے گھبرا اٹھے انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا اور وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے شکایت کی کہ ہم نے ابوبکر رض کو پابند کیا تھا تیرے جوار کی وجہ سے کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے ۔ اس نے اس سے تجاوز کیا اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور نماز میں جہر سے قرأت کرنے لگا اور ہمیں ڈر ہے ہماری عورتیں اور بچے اس فتنے میں نہ پڑ جائیں اسے اس کام سے منع کر دو ۔ اگر وہ اسے پسند کرے کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر کرے تو کرتا رہے اور اگر وہ اعلانیہ کرنے سے باز نہ آئے تو تیرے جار کو واپس کر دے اور ہمیں اچھا نہیں لگتا تیرے معاہدے کو توڑیں لیکن ابو بکر کو اعلانیہ ایسا کرنے کی ہم اجازت نہیں دیں گے ۔ عائشہ رض نے کہا ابن الدغنہ ابو بکر کے پاس آیا اور کہا تمہیں معلوم ہی ہے جس چیز پر قریش نے معاہدہ کیا تھا اگر تم اس حد تک رہو تو معاہدہ اور میرا ذمہ باقی ہے ورنہ میرا ذمہ واپس کر دو اور کہا مجھے پسند نہیں ہے کہ عرب یہ بات سنیں کہ میں نے ذمہ واپس لے لیا ہے اس شخص سے جس کے لئے میں نے یہ ذمہ لیا تھا ابو بکر رض نے کہا میں تیرا ذمہ واپس کرتا ہوں اور میں اللہ کے جوار پر راضی ہوں ۔

شرح روایت

اس روایت میں حضرت عائشہ رض نے مکے کی ۱۳ سالہ زندگی پر مختصر اور جامع تبصرہ فرمایا ہے ۔ حضرت عائشہ رض کے والد حضرت ابو بکر رض کا گھر سابق الایمان افراد پر مشتمل تھا ۔ حضرت ابو بکر رض ، ان کی والدہ ام الخیر ، ان کی بیوی ام رومان ان کی لڑکی اسماء ان کی دوسری لڑکی عائشہ رض ان کا لڑکا عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان بعثت کے فوراً بعد ہی ایمان لے آئے تھے ۔ جب ان نئے اسلام لانے والوں پر سختیاں شروع ہوئیں تو ان میں سے کچھ لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جن میں حضرت ابوبکر رض بھی شامل تھے ۔ آپ مکے سے چل دئے تھے اور برک الغماد تک جو مکے سے پانچ منزل پر ہے جا چکے تھے کہ ابن الدغنہ جو قبیلہ قارہ کا سردار تھا انہیں واپس لے آیا ۔ اور اپنی ضمانت پر مکے والوں سے وہ معاہدہ کر لیا جس کا اس روایت میں ذکر ہے ۔

حضرت ابوبکرؓ اس معاہدے پر آخر تک قائم رہے۔ پہلے تو گھر کے اندر ہی نماز پڑھتے رہے لیکن طبیعت میں انقباض محسوس کرتے رہے۔ کیونکہ جب تک کلام اللہ کی قرأت ایک مخصوص انداز میں نہ کی جائے رُوح میں اہتزازی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے لئے گھر کا مشغول ماحول مناسب نہیں تھا، اس لیۓ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے صحن کے ایک حصے میں ایک چھوٹی سی مسجد بنا لی۔ تاکہ جہری نمازوں میں تلاوت کا لطف آ سکے۔ یہ مسجد ذاتی استعمال کے لئے بنائی گئی تھی اور گھر کے ماحول سے مسجد کے ماحول کو جدا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا تھا۔ اس میں حضرت ابوبکرؓ نماز اور تلاوت کا لطف اٹھاتے اور حسبِ موقع آیات تخویف و تحذیر پر دل گرفتہ ہو جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ بے حد حساس اور رقیق القلب آدمی تھے۔ کلام ربانی کا جلال اور آیاتِ وعید جذب و رقت پیدا کر دیتیں اور وہ اکثر رونے لگتے اس حالت میں قرآن کی تلاوت بے حد مؤثر ہو جاتی تھی اور راہگیر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ خصوصیت سے عورتیں اور بچے جن کے دل پہلے ہی نرم و نازک ہوتے ہیں اس کیفیت کا بہت زیادہ اثر لیتے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ اپنے گھر کی اس چھوٹی مسجد میں اپنے انداز خاص کے ساتھ تلاوت کلام اللہ فرماتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے تو مکے کی عورتوں کا مجمع لگ جاتا تھا۔ مکی سورتوں کی چھوٹی چھوٹی آیات کا متوازن اور مناسب اختتام، مضمون کی ندرت، الہام الٰہی کا جلال، حضرت ابوبکرؓ کی زبان اور رقت بھری آواز ان مجمعوں پر جادو کا کام کرتی تھی۔ دور دور سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔

عہد شکنی قریش کی طرف سے ہوئی

اس خاموش اور گوشہ گیر تبلیغ سے مکے والے گھبرا اٹھے اور اپنے عہد سے انحراف کی تدبیریں سوچنے لگے۔

ابن الدغنہ اور اشرافِ قریش نے یہ شرط نہیں کی تھی کہ تم اپنے گھر میں اسلام کے ضابطے کے مطابق عبادت نہ کرنا بلکہ اس کی تو انہوں نے اجازت دی تھی۔ اور یہ جانتے ہوئے دی تھی کہ مسلمانوں کی دن کی نمازیں اخفا سے ادا کی جاتی ہیں اور رات کی جہر کے ساتھ اور یہ کہ تلاوت قرآن بھی اسلامی زندگی کی ایک عبادت ہے۔ اور ابوبکرؓ اپنے گھر میں یہ سب کچھ کریں گے۔ پھر ابوبکرؓ کا اپنے صحن میں مسجد تعمیر کر لینا بھی اس معاہدے میں ممد و معاون تھا۔ کیونکہ مسجد کی دیواریں آواز کے باہر جانے میں رکاوٹ پیدا کرتی تھیں، برخلاف کھلے صحن میں تلاوت کرنے کے جس کی آواز بلا رکاوٹ دور

دور تک جاتی ہے ۔

بہرحال اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر مسجد بنا کر حضرت ابوبکر نے معاہدے کا ضرورت سے زیادہ اور اس کی صراحت سے بھی آگے بڑھ کر احترام کیا ۔ لیکن قریش نے جب اسلام کی صداقت اور کشش کو اس مقید اور محصور حالت میں بھی اندر ہی اندر دلوں میں نفوذ اور سینہ بہ سینہ نقب زنی کرتے دیکھا اور انہوں نے الانسان حریص الی ما منع کے نفسیاتی ضابطہ کے مطابق اپنے بچوں اور اپنی عورتوں کو ایک پابہ زنجیر حسن کے نظاروں کی طرف پہلے سے زیادہ مائل پایا تو وہ اپنے معاہدے پر خود متاسف ہوئے اور بالآخر انہوں نے اپنے بچوں اور عورتوں کو " اغوائے قلب " سے بچانے کے لئے ابوبکرؓ کے گھر کی مسجد کو عہد شکنی کا بہانہ بنایا ۔ اور ابن الدغنہ کو بلا کر اس مسجد کی آڑ لے کر حضرت ابوبکر کو مجبور کرنا چاہا کہ وہ اپنے گھر میں حسبِ معاہدہ اپنے رب کی عبادت نہ کریں اور قرآن کی تلاوت سے متاثر ماحول پیدا نہ کریں ۔ ابن الدغنہ بھی قریش کی باتوں سے متاثر ہو گیا اور اس نے اپنی ضمانت کو ختم کر دینا ہی بہتر سمجھا ۔

قریش کی طرف سے نئی شرائط کا اضافہ

معاہدے کو توڑنا عربوں جیسے بات کے پکے لوگوں کے لئے ایک بڑی بات تھی ۔ لیکن دوسری طرف اسلام کے نفوذ کا خطرہ بھی اپنی جگہ بیحد اہم تھا جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ اس لئے انہوں نے معاہدہ توڑنے کی بات بھی کی تو کسی ڈھنگ سے کی ۔ ابن الدغنہ کے ذریعہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ایک نئی شرط یہ رکھی کہ آپ نماز میں بھی اور نماز کے بغیر بھی قرآن کی تلاوت بلند آواز سے نہ کیا کریں ۔ چنانچہ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے صاف صاف کہدیا کہ میرا ذمہ آئندہ اسی شرط کے ساتھ باقی رہ سکتا ہے کہ آپ تلاوت بالجہر کو اپنے گھر میں ترک کر دیں ۔

یہ شرط حضرت ابوبکرؓ کے لئے قطعاً ناقابل قبول تھی ۔ اس لئے انہوں نے بھی ابن الدغنہ کو کھرا کھرا جواب یہ دیدیا کہ بیشک اپنی ضمانت واپس لے لو میرے لئے اللہ کی ضمانت کافی ہے ۔

جوارِ ابن الدغنہ ۷ ۔ ۸ سال تک طویل ہے

روایت کا یہ حصہ کہ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کی ضمانت لی اور پھر اس سے ہاتھ اٹھا لیا سات آٹھ سال کی مدت پر مشتمل ہے ۔

حضرت ابوبکرؓ نے سنہ ۵ نبوت کے آخر میں یہ سفر ہجرت کیا تھا جس سے ابن الدغنہ انہیں واپس لایا تھا ۔ جس کے بعد کئی سال تک حضرت ابوبکرؓ کھلے صحن میں نماز پڑھتے رہے ۔

اور پھر اس کے بعد صحن میں مسجد بنا کر بھی عبادت کرتے رہے۔

ایسا بالکل نہیں ہوا کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے اِدھر معاہدہ کیا اور اُدھر فوراً بعد انہیں احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی ہے اور گھر کے صحن میں مسجد بنا کر مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو بُلا بلا کر دعوت اسلام دینی شروع کر دی ہو تا کہ معاہدہ توڑنے کا بہانہ جلد ہی پیدا ہو جائے۔

اگر ہم اس کلام سے یہ معنی مراد لیں تو اس سے حضرت ابوبکر رضؓ کی سیرت کی ناپختگی اور مزاج کے تلون اور معاہدے کی خلاف ورزی کا رجحان حضرت ابوبکر رضؓ کی طرف سے ظاہر ہوگا اشراف قریش کی طرف سے نہ ہوگا جو حضرت ابوبکر رضؓ کی شانِ صداقت کے منافی ہے۔

نیز یہ معنی مراد لینے سے یہ مضمون بھی پیدا ہوتا ہے کہ ابن الدغنہ نے سوچا کہ کل تو میں اس شخص کے لئے ذمہ لے کر آیا تھا اور آج یہ میرے ذمہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس نے میری عزت کا بھی پاس نہ کیا اور میرے ذمہ کا بھی احترام نہ کیا اور مجھے ذلیل کرنے کے درپے ہو گیا اس لئے ایسے شخص سے ذمہ داری کا اُٹھا لینا ہی بہتر ہے۔ اور یہ مضمون بھی حضرت ابوبکر رضؓ کی شان بُردباری اور وفاداری کے سراسر خلاف ہے۔

راویوں کی رسوا کُن غفلت

ہمیں رُواۃ حدیث پر تعجب ہے کہ روایت بالمعنی کے جواز سے فائدہ اٹھا کر اپنا مخصوص ذہن روایات میں رکھتے وقت یہ بھی نہیں سوچتے کہ اُن کی تعبیرات و توضیحات مروی لہم کی سیرتوں اور درجوں کے ساتھ مطابقت بھی رکھتی ہیں یا نہیں اور کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہماری روایت بالمعنی حسنِ تعبیر کی بجائے سُوءِ تعبیر بن کر اکابر کی سیرتوں پر داغ دھبوں کا سبب بن رہی ہے۔

سیرت کی ناپختگی بہت بڑا اخلاقی عیب ہے۔ اور جس شخص کے اندر یہ عیب موجود ہو اس کی کسی بات کی ذمہ داری کوئی شخص نہیں لیا کرتا۔ ابن الدغنہ قریش کا معتمد علیہ آدمی تھا اسی لئے انہوں نے اس کی ضمانت ایک اہم معاملہ میں قومی سطح پر بلا چون و چرا قبول کر لی تھی۔ اور خود اس نے بھی جس شخصیت کی ضمانت لی تھی اس کی سیرت سے بھی اسے وفائے عہد کا پورا پورا یقین تھا۔ ابن الدغنہ ابوبکر کی سردارانہ صفات کو اسلام سے پہلے بھی دیکھتا رہا تھا اور اسلام کے بعد بھی اور انہی صفات نے اسے قریش سے مشورہ کئے بغیر ہی ابوبکر کو حبشہ سے واپس لانے پر بیک لمحہ آمادہ کر دیا تھا اور فوراً ہی اس کی زبان سے "یا ابا بکر لا یخرج ولا یخرج مثلك" کے پُر وثوق الفاظ کہلوائے تھے۔

یہ روایت حقیقت کے خلاف کتنا غلط تاثر دے رہی ہے کہ گویا اشراف قریش نے تو ابن الدغنہ کی وساطت سے حضرت ابوبکرؓ کے ذمہ کو پورا کیا مگر حضرت ابوبکرؓ نے اس ذمہ کو پورا نہیں کیا۔

روایت ہذا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو ابن الدغنہ کے ذمہ کے فوراً بعد احساس ہوا کہ مجھے کسی انسان کا ذمہ قبول نہ کرنا چاہیئے تھا بلکہ خدا کے ذمہ کو کافی سمجھنا چاہیئے تھا۔ اور میں نے ابن الدغنہ کا ذمہ قبول کرکے غلطی کی ہے اس لئے انہوں نے اپنی طرف سے اس ذمہ کو فوراً ہی توڑ دیا اور ایسی باتیں شروع کر دیں جو معاہدے کے خلاف تھیں۔ لہٰذا اشراف قریش کو مجبوراً ابن الدغنہ کو بلانا اور ابوبکر کی عہد شکنی کا قصہ سنانا پڑا۔ حالانکہ تعبیر واقعہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ اصل تعبیر واقعہ وہ ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔

جب تک ہم اس روایت میں امتداد زمانہ کو شامل نہ کریں گے۔ اس وقت تک یہ روایت واقعہ کی غلط تعبیر کرتی اور اذہان کو مسخ کرتی رہے گی۔

امتداد زمانہ کے مفہوم کو روایت میں شامل کرنے سے واقعہ نیچرل اور فطری ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک لمبے عرصے میں تدریجی طور پر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اشراف قریش کو اپنے بیوی بچوں کے متعلق خطرہ پیدا ہونے لگا۔ تو انہوں نے اس معاہدے سے سبکدوشی کی راہ نکالی۔

عمر صدیقہ رضؓ

سنہ نبوت سے لیکر ہجرت حبشہ تک کے چار سالہ زمانے کو حضرت عائشہ رضؓ نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ :۔

"جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو اسلام کا پابند دیکھا"

"فلما ابتلی ..." سے اس روایت کا دوسرا دور ہے۔ اور پہلا دور ہجرت حبشہ تک ہے۔

روایت ہذا میں لم اعقل سے مراد یہی ہے کہ جس وقت ان کے والدین نے اسلام قبول کیا اسی وقت سے اُن کے شعور کا دور شروع ہوا یعنی سنہ نبوت میں انہیں پورا شعور تھا کہ ان کے ماں باپ نئے دین کے پابند ہیں اور خود بھی انہوں نے اس نئے دین کو قبول کیا۔

اگر حضرت عائشہ رضؓ کی پیدائش سنہ ۴ نبوت میں ہوتی تو پھر انہیں کہنا چاہیئے تھا

کہ لم اُولد یعنی میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھی کہ میرے والدین اسلام کے پابند تھے ۔

ہجرت حبشہ کے وقت سے انہوں نے بتلایا کہ اس وقت سے مسلمانوں کا ابتلاء شروع ہوگیا تھا یہ وہی واقعات ہیں جو نبی کریم صلعم کے ساتھیوں کو ۱؁ نبوت سے ۴؁ تک اور ۵؁ سے لیکر ہجرت مدینہ تک پیش آئے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ یکم نبوت سے ہجرت مدینہ تک آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہی ہیں ۔ آخر میں ہجرت مدینہ کے واقعے کو پھیلا کر بیان کیا ۔ اس سے پہلے ۱۳ سالہ زمانے کا حال بطور تمہید کے بہت مختصر بیان کیا ۔

خلاصہ یہ کہ اس روایت سے ظاہر ہے کہ ۱؁ نبوت میں حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے والدین کو اسلام کا پابند دیکھا اور اس نئے دین کو وہ یہ سمجھتی تھیں کہ یہ نیا دین ہے ۔ اور ان تیرہ سالہ واقعات کی وہ عینی شاہد ہیں ۔

اس روایت سے ابن اسحاق کی اس روایت کی تائید ہوتی ہے کہ ۱؁ نبوت میں حضرت عائشہ رضؓ اپنی بہن اسماء اور اپنے کنبے کے ساتھ ایمان لائی ہیں ۔ اس لئے سابق الایمان لوگوں میں شامل ہیں ۔ بَلِ السَّاعَۃُ مَوْعِدُھُمْ کا واقعہ نزول بھی جو ۴؁ نبوت میں پیش آیا انہیں خوب یاد تھا ۔ اور اس وقت حضرت عائشہ رضؓ یقیناً جوان تھیں ۔

چوتھا قرینہ

حضرت عائشہ رض کا نکاح

ہشام کی روایت ہماری تاریخ پر بہت زیادہ اثر انداز ہوئی ہے اس روایت سے بہت سے تاریخی حقائق مسخ کر دیئے گئے ہیں۔ اور بہت سے حقائق طاقِ نسیان کی نذر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس لئے کہ جو واقعہ بھی اس روائت کے خلاف نظر آیا اسے تبدیل کر دیا گیا یا ترک کر دیا گیا ہے۔

معلوم نہیں بعض روائتیں اس قدر سخت جان کیسے نکلیں کہ اب تک زندہ ہیں۔ حضرت عائشہ رض سے نبی کریم ؐ کے نکاح کے بارے میں چند اشارات ملتے ہیں۔ ان اشاروں ہی کی مدد سے لوگوں نے تاریخ مرتب کی ہے اور اب انہیں اشاروں نے تاریخ کی جگہ لے لی ہے۔ اور اب یہ تاریخ تواتر کے درجے میں آ گئی ہے۔

تحریکِ نکاح بروایتِ خواب

کہا جاتا ہے کہ نکاح کی تحریک اس خواب سے ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ اور جس کی راوی خود حضرت عائشہ رض ہیں۔

هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رض قالت قال اريتك في المنام يجيئ بك الملك في سرقة من حرير فقال لي هذه امرأتك فكشفت عن وجهك الثوب فاذا انتِ هي فقلت ان يكن هذه من عند الله يمضه.

ایک اور روائت میں ہے:۔ اريتك في المنام ثلث ليال۔ تین راتیں مجھے خواب دکھایا گیا۔

تحریکِ نکاح بترغیب خولہ

نکاح عائشہ رض کی تحریک کے بارے میں ہم ایک روائت مسند امام احمد سے نقل کر چکے ہیں ۔ اور اسی روائت کو ارباب سیر نے اختیار کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے :۔

" خولہ بنت حکیم زوجہ عثمان بن مظعون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ کب تک بغیر اہلیہ کے رہیں گے ۔ (اس سے پہلے حضرت خدیجہ رض کی وفات ہو چکی تھی) نکاح کیوں نہیں کر لیتے ۔ آپ نے فرمایا کون ہے جس سے نکاح کروں ۔ خولہ نے عرض کیا اگر بیوہ چاہتے ہیں تو وہ بھی موجود ہے اور کنواری چاہتے ہیں تو وہ بھی موجود ہے ۔ آپ نے فرمایا بیوہ کون اور کنواری کون ؟ خولہ نے عرض کیا بیوہ سودہ بنت زمعہ اور کنواری حضرت عائشہ رض ابوبکر رض کی بیٹی ۔ جو آپ کے حبیب خاص ہیں ۔ آپ نے فرمایا جاؤ دونوں سے ذکر کرو ۔

خولہ کہتی ہیں پہلے میں ابوبکر رض کے گھر گئی اور ام رومان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کس قدر بھلائی کا سامان فرمایا ۔ ام رومان نے پوچھا وہ کیا ؟ میں نے کہا کہ نبی کریم ص نے اپنے لئے حضرت عائشہ رض کا رشتہ مانگا ہے ۔ ام رومان نے کہا تھوڑی دیر انتظار کر لو ۔ ابوبکر آتے ہی ہوں گے ابوبکر آ گئے تو میں نے ان سے بھی وہی کہا کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر بھلائی کا سامان آپ لوگوں کے لئے کیا ہے ۔ ابوبکر نے دریافت کیا وہ کیا میں نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے عائشہ رض کا رشتہ مانگا ہے انہوں نے کہا کیا آنحضرتؐ سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے ۔ یہ تو ان کی بھتیجی ہے ؟ میں لوٹ کر آنحضرت ص کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ سنایا ۔ آپ نے فرمایا واپس جاؤ اور ابوبکر رض کو بتلا دو کہ تم میرے دینی بھائی ہو اس لئے عائشہ رض کا نکاح ہو سکتا ہے نسبی بھائی کی لڑکی حرام ہے ۔ میں واپس گئی اور ابوبکر کو آپ کے جواب سے مطلع کر دیا ۔ ابوبکر رض نے کہا ٹھیرو میں ابھی آرہا ہوں اور باہر نکل گئے ۔ ان کے جانے کے بعد ام رومان نے بتلایا کہ ابوبکر رض نے تو عائشہ رض کا وعدہ مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر سے کیا ہوا ہے اور ابوبکر رض نے آج تک کسی سے وعدہ خلافی نہیں کی ۔

جبیر بن مطعم اور عائشہ رض

حضرت ابوبکر موقع نکال کر مطعم بن عدی کے پاس پہنچے ۔ مطعم اور اس کی بیوی دونوں اکٹھے بیٹھے تھے ۔ آپ نے مطعم سے کہا بھئی اس رشتے کے متعلق مجھے آخری بات بتا دو مطعم تو کچھ نہیں بولا لیکن اس کی بیوی نے کہا کہ اگر لڑکی ہمارے گھر میں آ جائے گی تو ہمارا لڑکا بھی بے دین ہو جائے گا ۔ بس یہی ڈر ہے ۔ اس لئے ہم اس رشتے کی تکمیل سے گھبرا رہے

ہیں ۔ حضرت ابوبکر رضؓ خاص طور سے مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم کیا کہتے ہو۔ مطعم نے کہا جو یہ کہہ رہی ہے تم سن رہے ہو حضرت ابوبکر رضؓ وہاں سے اُٹھ آئے اور ارادہ کرلیا کہ جلدازجلد رشتہ کا انتظام کرلیں گے ۔

خولہ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کردو کہ وہ تشریف لے آئیں ۔ آپ تشریف لے آئے اور حضرت ابوبکر رضؓ نے عائشہ رضؓ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا ۔"

اس روایت کی رُو سے یہ تمام معاملہ تھوڑی سی دیر میں طے ہوگیا ۔

نکاحِ سودہ بترغیب خولہ

یہاں سے فارغ ہوکر خولہ سودہ کے ہاں پہنچی اور وہاں بھی اسی قسم کی گفتگو کی اور سودہ سے بھی اسی روز نکاح ہوگیا ۔ جیساکہ اسی روایت میں مذکور ہے ۔

یہ روائت ہم شروع میں درج کرچکے ہیں ۔

تنقیحات

اس روائت پر مفصل بحث سے پہلے مندرجہ ذیل امور تنقیح طلب ہیں :-

۱ جبیر بن مطعم جوان تھا یا صغرسن ۔ اگر جوان تھا تو عائشہ رضؓ صغیرۃ السن سے کیوں شادی کرنا چاہتا تھا ۔

۲ کیا عربوں میں صغرسنی کی شادی کا رواج تھا؟

۳ مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر بن مطعم سے حضرت عائشہ رضؓ کی صرف منگنی ہوئی تھی یا نکاح بھی ہو چکا تھا ؟

۴ کیا بِکر کا اطلاق "ناکتخدا کم سن نابالغ بچی پر بھی ہو سکتا ہے ۔ بِکر عذراء کو بولتے ہیں ۔

۵ کیا خولہ کی تحریک کا مقصد ایک نابالغ بچی سے شادی کر لینے سے پورا ہو سکتا تھا؟ یا یہ تحریک اور تزوج بے مقصد تھے ؟

۶ خولہ کیوں ایک شش سالہ بچی سے نکاح کروانے کے درپے تھی ؟

۷ حضرت ابوبکر رضؓ جب جبیر بن مطعم سے حضرت عائشہ رضؓ کا وعدہ کر چکے تھے تو حضرت خولہ نے کیوں حضرت عائشہ رضؓ کا نام تجویز کیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کیوں نہ اس کی تردید فرمائی ؟

۸ حضرت ابوبکر رض نے بھتیجی یعنی دوست کی بیٹی ہونے کو تو مانع سمجھا مگر ان کو یہ خیال کیوں نہ آیا کہ بیت نبوت کی ذمہ داریاں "گڑیاں کھیلنے والی" ششش سالہ بچی کیسے سنبھال سکے گی ؟

۹ حضرت خدیجہ رض نے کب وفات پائی ؟ اور حضرت خدیجہ رض کی وفات اور نکاح عائشہ رض کی درمیانی مدت کتنی تھی ؟

۱۰ کیا حضرت خولہ کے تحریک کرتے ہی نکاح ہوگیا ۔ یا کچھ دیر لگی تھی ۔ اور وقفہ لگا تو کتنا ؟

۱۱ نکاح کب ہوا اور بنا کب ہوئی ۔ دونوں میں کتنی مدت کا فاصلہ رہا ۔ اور کیوں رہا ؟

تنقیحات سے پہلے محققین کا جائزہ

مذکورہ بالا امور کا شق وار جائزہ لینے سے پہلے مناسب ہے کہ نکاح عائشہ رض کے سلسلے میں ہمارے دور کے محققین نے جس سہل انگاری اور غفلت کا ثبوت دیا ہے اُسے بھی آپ ملاحظہ فرمالیں ۔

۱ مولانا شبلی نعمانی

سیرت النبی جلد دوم طبع دوم ۱۳۴۱ھ صـ۴۰۵ حضرت عائشہ رض کے بیان میں فرماتے ہیں :۔

"عائشہ رض نام تھا ۔ اگرچہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تاہم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت کرتی تھیں ۔ ماں کا نام زینب اور کنیت ام رومان تھی ۔ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں ۔ ۱۰ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا ۔ اس وقت ششش سالہ تھیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں ۔ حضرت خدیجہ رض کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی تحریک کی ۔ آپ نے رضامندی ظاہر کی خولہ نے ام رومان سے کہا انہوں نے حضرت ابوبکر رض سے ذکر کیا بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کرچکا ہوں اور میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کردیا کہ اگر حضرت عائشہ رض ان کے گھر آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا ۔"

کیا عائشہ رضؓ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں؟

اس عبارت میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

محقق نعمانی رحؒ کیا لکھ رہے ہیں: "جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں" "جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں" "لیکن مطعم نے انکار کر دیا"

ع "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"

مولانا شبلی نے اصل عربی عبارت سے ترجمہ کرتے ہوئے یہ بھی خیال نہ کیا کہ میرے اس کلام میں تضاد ہے۔ اور پھر شبلی کے بعد اُن کے متوسلین نے بھی اس خبط عشواء کو تبرک سمجھ کر جوں کا توں باقی رکھنا ہی مناسب خیال کیا۔ اور ہمارے ہاتھ میں کتاب کا جو دوسرا ایڈیشن ہے اس میں بھی یہ غلطی بدستور موجود ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضؓ نے مطعم بن عدی سے جو مکے کا سردار تھا۔ اس کے جوان بیٹے جبیر بن مطعم کے لئے حضرت عائشہ رضؓ کا وعدہ کیا تھا۔ تمام سیر کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے لیکن مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ :-

"جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں"

جبیر بن مطعم کے دو صاحبزادے ہمیں معلوم ہیں ایک محمد اور دوسرا نافع۔ دونوں تابعی ہیں، جن کی پیدائش ۲۰ھ کے بعد ہے۔ حضرت ابو بکر رضؓ نے وعدہ جبیر بن مطعم سے نہیں کیا تھا بلکہ اس کے باپ مطعم بن عدی سے کیا تھا۔ یعنی جبیر کے لئے کیا تھا۔ البتہ مولانا شبلی کا آخری فقرہ کہ "مطعم نے انکار کر دیا" درست ہے۔

دار المصنفین ایک اہم ادارہ ہے اس کے مصنفین نے اس غلطی کی اصلاح بھی ضروری نہ سمجھی۔ اردو میں یہ کتاب سب سے زیادہ مستند ہے۔ جس کی صحت کے اہتمام کا یہ عالم ہے۔

جو لوگ شبلی کو سند خیال کرتے ہیں ان کے لئے تو شبلی کی یہ تحریر حرف آخر ہے۔ اگر اس ترجمہ کے اصل ماخذ تک کسی کو رسائی نہ ہو تو شبلی کے مقابلے میں ہماری بات ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوگا۔

۲ سید سلیمان ندوی

مولانا سید سلیمان ندوی اپنے استاد شبلی سے بھی ایک قدم اور آگے نکل گئے۔

"سیرت عائشہ رضؓ ص ۱۵ پر فرماتے ہیں :-

" لیکن اس سے پہلے عائشہ رضؓ جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں۔ اس لئے ان سے پوچھنا بھی ضروری تھا۔۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے جبیر سے جاکر پوچھا کہ تم نے عائشہ رضؓ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی اب کیا کہتے ہو۔ جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا۔ جبیر کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا۔ ان کی بیوی نے کہا کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آ گئی تو ہمارا بچہ بے دین ہو جائے گا۔ ہم کو یہ بات منظور نہیں۔"

اس عبارت میں سارا واقعہ جبیر سے متعلق کر دیا گیا ہے :-

" جبیر کے بیٹے سے منسوب تھیں۔"

" جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا۔"

" جبیر کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر میں آ گئی تو میرا بچہ۔۔۔۔"

بہتر تھا کہ مولانا سید سلیمان ندوی اس " بچہ " کا نام بھی تحریر فرما دیتے ۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

یہ عبارت بے احتیاطی اور غفلت کا شاہکار ہے۔ جبیر کی تو اس وقت شادی بھی نہیں ہوئی تھی ۔ اور اسی جبیر سے تو حضرت عائشہ رضؓ منسوب تھیں۔ یہ ساری گفتگو جو سید سلیمان ندوی نے نقل کی ہے ، جبیر کے باپ مطعم بن عدی اور جبیر کی ماں مطعم کی بیوی سے ہوئی تھی۔ لیکن سید صاحب مرحوم نے تاریخ کو ایک قدم آگے بڑھا کر خود جبیر کے گلے میں ڈالدیا ۔

یہ حضرات مطمئن تھے کہ ماخذ تک کون جائے گا جو کچھ ہم لکھدیں گے حرفِ آخر ہے۔ اور اسی سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ لوگ اصل ماخذ کی طرف کم رجوع کرتے تھے ۔ استادوں کی کتابوں سے نقل کر لیتے تھے ۔

البتہ سید صاحب نے اتنا ضرور کیا کہ شبلی کی عبارت کا جھول نکالدیا اور سارا واقعہ جبیر سے متعلق کر دیا ، شبلی صاحب کی عبارت میں پہلے جبیر کا بیٹا پھر جبیر اور پھر مطعم آتے تھے مگر انہوں نے ساری گفتگو ہی براہ راست جبیر سے متعلق کر دی اور سارے واقعے کو جبیر کے بیٹے کا واقعہ قرار دیدیا ۔

دار المصنفین کی دوسری کتابوں مثلاً سیرۃ الصحابہ اور سیر الصحابیات میں بھی ایسا ہی ہے

۳ نیاز فتحپوری نے بھی مکھی پر مکھی مار دی

نیاز فتحپوری صاحب صحابیات ص۳۹ میں

لکھتے ہیں :۔

"حضرت عائشہ رض اسی وقت جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں۔ اس لئے حضرت ابوبکر رض نے جبیر سے پوچھا۔ مگر ابھی جبیر کا خاندان اسلام سے نا آشنا تھا۔ اس لئے جبیر کی ماں نے یہ کہہ کر کہ اس لڑکی کے آنے سے ہمارا لڑکا لا مذہب ہو جائے گا صاف انکار کر دیا۔"

معلوم یہ ہوتا ہے کہ الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یہ عبارت سیرۃ النبی شبلی سے لی ہوئی ہے۔ اس لئے اس میں بھی وہی کمی موجود ہے جو سیرت النبی کی عبارت میں تھی۔ لیکن نیاز صاحب کی توجہ بھی اس تضاد کی طرف نہیں گئی اور سہل نگاری میں مکھی پر مکھی مار دینے ہی کو انہوں نے کافی سمجھا۔

۴ مولانا سعید احمد اکبر آبادی بھی قدم بقدم

محترم مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی سیرت الصدیق ص۱۶ پر فرماتے ہیں :۔

"اسی اثنا میں خولہ بنت حکیم نے حضرت عائشہ رض کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تحریک کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خواب کے ذریعے قرآن السعدین کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی اس لئے آپ راضی ہو گئے۔ اب خولہ نے حضرت عائشہ رض کی والدہ ام رومان رض سے اس کا ذکر چھیڑا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رض سے تذکرہ کیا وہ بولے میں جبیر بن مطعم کو زبان دے چکا ہوں۔ لیکن جب جبیر بن مطعم سے اس معاملہ میں بات چیت کی گئی تو اس نے انکار کر دیا۔ اب حضرت ابوبکر رض آزاد تھے۔"

تحقیق و تفتیش کا ہمہ گیر فقدان

مذکورۂ بالا ہر چہار اقتباسات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ ہمارے اس دور کے محقق مصنفین اتنی بھی تکلیف نہیں کرتے کہ اس "نقل" کے ماخذ کی تصدیق بھی کر لیں جو اپنے سے پہلے مصنفین کی کتابوں سے وہ لے رہے ہیں۔

ایسے سہولت پسند مصنفین سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی مسئلے کی تحقیق اور تدقیق میں کاوش اور جان کا ہی برداشت کریں گے۔ جذباتی عبارتیں جب خشک علمی

تحریروں سے زیادہ بارآور ثابت ہوں تو کیا ضرورت ہے کہ کسی مسئلے کو چھانا اور بچھوڑا جائے۔ اور اپنے آپ کو ہدف ملامت بنا کر پیش کیا جائے۔

تنقیحات

تنقیح نمبرا۔
جبیر ابن مطعم جوان آدمی تھا

جبیر ابن مطعم جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ اس سے منسوب تھیں۔ جوان آدمی تھا۔ جسے اس وقت بیوی کی ضرورت تھی۔ عربوں میں خطبہ کیا ہی اس وقت جاتا تھا جب نکاح کرنا مقصود ہوتا تھا۔ یہ ہندو سوسائٹی کا تصور وہاں نہیں تھا کہ پیدا ہوتے ہی بچے اور بچی کی نسبت کر دی جائے۔

جبیر بن مطعم کے اس وقت جوان ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ہجرت کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش جو اشرافِ قریش نے دارالندوہ میں تیار کی تھی اس میں یہ شریک تھا۔

پھر اساریٰ بدر کے معاملہ میں قریش کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو شخص بات کرنے گیا تھا وہ یہی جبیر بن مطعم تھا۔

بخاری باب الہجرۃ میں یہ قصہ حضرت جبیر کی زبانی مذکور ہے دیکھئے اصابہ ص ۲۲۶

وقدم على النبي فى فداء اسارى بدر فسمعه يقرأ والطور قال فكان ذلك اول ما دخل الايمان فى قلبى - روى ذلك البخارى فى الصحيح قال له صلى الله عليه وسلم لو كان البولد حيا كلمنى فيهم لوهبتهم له.

اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا کلمہ فی اساری بدر وھو یصلی باصحابہ المغرب والعشاء فسمعتہ وھو یقرأ وصوتہ یخرج من المسجد اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ مَّالَہٗ مِنْ دَافِعٍ قال فکانما صدع قلبی فلما فرغ من صلوتہ کلمتہ فی اساری بدر فقال لو کان الشیخ ابوک حیا فاتانا فیھم شفعنا ہ وقال بعضھم فیہ ۔ لو ان اباک حیا او لو ان مطعم بن عدی کان حیا ثم کلمنی فی ھٰؤلاء النتنیٰ لاطلقتھم لہ وکان کانت لہ عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید وکان من اشراف قریش وانما کان ھذا القول من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مطعم بن عدی لانہ الذی کان اجار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم من الطائف من دعاء ثقیف وکان وفاۃ مطعم بن عدی فی صفر سنۃ ثنتین من الھجرۃ قبل بدر بنحو سبعۃ اشھر ومات جبیر بن مطعم بالمدینۃ سنۃ سبع وخمسین فی خلافۃ معاویۃ رضی اللہ عنہ ۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں فدیہ دینے کی بات کرنے نبی صلعم کے پاس آیا پس اس نے سنا کہ آپ سورۃ طور پڑھ رہے تھے اس نے کہا کہ یہ ابتداء تھی کہ ایمان میرے دل میں داخل ہوگیا ۔ بخاری نے یہ روایت اپنی صحیح میں بیان کی ہے نبی صلعم نے اس سے کہا کہ تیرا باپ زندہ ہوتا اور مجھ سے ان قیدیوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو میں انہیں اسے ہبہ کردیتا ۔

اس نے کہا ۔ میں نبی صلعم کے پاس آیا کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں بات کروں اور آپ صحابہ کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے ۔ آپ پڑھ رہے تھے اور آپ کی آواز مسجد سے باہر آرہی تھی اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ الخ اس نے کہا گویا کہ اس نے میرا دل چیر دیا ۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے میں نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کی آپ نے فرمایا اگر تیرا بزرگ باپ زندہ ہوتا اور ہمارے پاس ان کے متعلق آتا ہم اس کی سفارش قبول کرلیتے ۔

اور بعض رواۃ نے بیان کیا اگر تیرا باپ زندہ ہوتا یا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا پھر مجھ سے ان مرداروں کے متعلق گفتگو کرتا تو میں انہیں چھوڑ دیتا کیونکہ رسول اللہ کے نزدیک اس کی وقعت تھی اور وہ اشراف قریش میں سے تھا اور یہ رسول اللہ صلعم

کا قول مطعم بن عدی کے بارے میں تھا اس لئے کہ اس نے ہی جار دیا تھا نبی صلعم کو جب آپ طائف سے واپس آئے قبیلہ ثقیف کو دعوت تبلیغ دے کر اور مطعم بن عدی کی وفات صفر ۲ھ میں ہوئی بدر کے غزوہ سے سات مہینے پہلے اور جبیر بن مطعم نے مدینے میں وفات پائی ۵۷ھ میں خلافت معاویہ میں رض

یہ جبیر بن مطعم انسب عرب تھے۔ انہوں نے یہ فن حضرت ابوبکر رض سے حاصل کیا تھا۔ یہ اس رشتے کے ترک سے پہلے سیکھا ہوگا اور اس وقت اچھی پختہ عمر کے ہوں گے۔

" پانچ سالہ " عائشہؓ کی نسبت جوان جبیر سے مستبعد ہے

پانچ چھ سال کی عمر میں حضرت عائشہ رض کی نسبت مطعم بن عدی کے جوان بیٹے سے بے میل۔ بے جوڑ معاملہ ہے۔ اگر حضرت ابوبکر اس رشتے کو وہاں سے منقطع نہ کرتے تو انہیں بھی دس سال انتظار کرنا پڑتا۔ ان کے پیشِ نظر کونسی مصلحت تھی کہ ایک کمسن بچی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔

تنقیح نمبر ۲

کیا عربوں میں نکاحِ صغیرہ کا رواج تھا؟

عربوں میں صغرسنی کی شادی کا رواج

نہیں تھا۔ باوجود تلاش اور تحقیق کے کوئی ایک مثال بھی ہمیں ایسی نہ مل سکی جس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے کہ چلو حضرت عائشہ رض کے نکاح صغیرہ کی ایک نظیر تو ملی۔

عربوں کی تاریخ اسلام سے پہلے تاریک ہے۔ محض اشعار کا ذخیرہ ان کے رسم و رواج پر روشنی ڈالتا ہے۔ یا زبان کی وسعت ان کے رسم و رواج کو ظاہر کرتی ہے۔ اس لئے اُس دَور کی کوئی مرتب تاریخ ہمارے پاس نہیں ہے۔ یونہی سُنے سنائے قصے ہیں جو نقل در نقل ہوتے ہوتے کچھ سے کچھ ہوگئے ہیں۔

خود اسلام کی تاریخ قبل از ہجرت بہت مختصر، مجمل اور منفرد واقعات پر مشتمل ہے۔ صرف قرآن مجید ترتیب نزول کے اعتبار سے باصحابہ کے واقعات جو کتب سِیَر میں مذکور ہیں اُس دَور پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

اسلام کے معاشرتی مسلک کی بنا بیشتر اُنہیں امور پر ہے جو عربوں میں پہلے سے جاری تھے ۔ جو امور کسی بنیادی عقیدے سے متصادم تھے ان کو ترک کر دیا اور باقی امور جوں کے توں رہے ۔ مثلاً نکاح میں ایجاب وقبول ۔ اعلانِ نکاح ۔ مہر ۔ ولایت ۔ کفالت ۔ طلاق اور اس کے موٹے موٹے احکام ۔ مصاہرت کے ضابطے ۔ محرّمات سے نکاح کی حرمت رقۃ اور عتق کے احکام وغیرہ

تاہم اسلامی دَور کے مندرجہ ذیل واقعات اس پر روشنی ڈالتے ہیں ۔

عمرِ نکاح فاطمہ رضہ بیس چھبیس سال ہے

یہ مصرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو لڑکیوں کا نکاح کبر سنی میں کیا ۔

حضرت فاطمہ رضہ کی پیدائش ایک قول کے مطابق پانچ سال قبل از نبوت ہے اور ان کا نکاح صفر یا ربیع الاول سنہ ۲ھ ہجری میں ہوا ۔ اور رخصتی سات آٹھ ماہ بعد ہوئی ۔ جیسا کہ مواہب لدنیہ میں اس کی تصریح موجود ہے ۔ اس حساب سے نکاح کے وقت ان کی عمر بیس سال ہوتی ہے ۔ اور ان کی وفات سنہ ۱۱ھ میں ہوئی ہے ۔ تو ان کی عمر وفات کے وقت ۲۹ سال ہوتی ہے ۔ ۲۹ میں سے ۹ سال ازدواجی زندگی کے نکال کر نکاح کے وقت ان کی عمر بیس ۲۰ سال بنتی ہے ۔

زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے پاس عبداللہ بن حسن بن امام حسن تشریف لائے ۔ وہاں مشہور مورخ کلبی پہلے سے موجود تھا ۔ ہشام نے دریافت کیا کہ سیدہ فاطمہ کی عمر وفات کے وقت کیا تھی ۔ عبداللہ نے کہا تیس سال ۔ کلبی نے کہا ۳۵ سال تھی ۔ ہشام نے کہا ابو محمد سنتے ہو کلبی کیا کہتا ہے ۔ انہوں نے جواب دیا میری ماں کا حال مجھ سے دریافت کیجئے اور کلبی کی ماں کا حال کلبی سے پوچھئے (الاستیعاب ذکر فاطمہ رضہ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ کے بیان کے مطابق نکاح کے وقت حضرت فاطمہ رضہ کی عمر ۲۱ سال تھی اور کلبی کے مطابق ۲۶ سال تھی ۔

عمرِ نکاح ام کلثوم ۱۸ - ۲۸ سال ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی ام کلثوم رضہ کا نکاح حضرت عثمان رضہ سے حضرت رقیہ رضہ کی وفات کے بعد ربیع الاول سنہ ۳ھ میں ہوا ۔ تو اگر ام کلثوم رضہ کو حضرت فاطمہ رضہ سے چھوٹا تسلیم کیا جائے جیسا کہ بعض ارباب سیر نے لکھا ہے اور یہ نکاح کی تقدیم و تاخیر بھی اسے ظاہر کر رہی ہے کہ آپ نے پہلے حضرت فاطمہ رضہ کا نکاح

کیا بعد میں ام کلثوم کا تو اگر ام کلثوم بڑی ہوتیں تو ان کا نکاح حضرت فاطمہ سے پہلے ہونا چاہیئے تھا) تو ام کلثوم کی عمر نکاح کے وقت اٹھارہ سال سے زیادہ ہے۔ بشرطیکہ دونوں بہنوں میں دو ڈھائی سال کا وقفہ ہو۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔

اور اگر ام کلثوم کو حضرت فاطمہ سے بڑا تسلیم کیا جائے تو ان کا نکاح ۲۷۔۲۸ سال کی عمر میں تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ حضرت ام کلثوم حضرت عثمان رضہ کے ساتھ نکاح کے وقت باکرہ تھیں۔

اگر اُس دَور میں ابتدا بلوغت کی شادی کا بھی رواج ہوتا تو آپؐ کو اپنی صاحبزادیوں کا نکاح ہجرت سے پہلے ہی کر دینا چاہیئے تھا۔ خود احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضہ کے رشتے کے متعلق مدینے میں حضرت ابو بکر رضہ اور حضرت عمر رضہ نے درخواست کی تھی مگر آپ نے تامل فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا۔ بعد میں حضرت علی رضہ سے نکاح کر دیا۔ اس رشتے کی ان درخواستوں سے یہ ظاہر ہے کہ ان کے ہاں اسی عمر میں شادی کا رواج تھا۔

پختہ عُمری میں نکاح کرنا عالمگیر فطرت انسانی ہے

ویسے بھی یہ ایک عام فہم بات ہے جسے گھر کی عورتیں خوب جانتی ہیں کہ عقلمند مائیں ابتدائے بلوغت میں اپنی لڑکیوں کی شادی سے گریز کرتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک بامقصد عمل ہے جس کا نتیجہ اولاد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کچی عمر میں بچیاں اس بوجھ کی متحمل نہیں ہوتیں ان کی صحت اور زندگی خراب ہو جاتی ہے۔ اس لئے سمجھدار مائیں پختگی کی عمر تک پہنچنے کا انتظار کرتی ہیں۔ اگر کوئی مناسب رشتہ پہلے ہی مل جائے تو رخصتی میں کافی دیر لگا دیتی ہیں تاکہ بچیاں اس بوجھ کی متحمل ہو سکیں۔ باغبان نو عمر درختوں کی پہلی موسم میں پھلوں کو چھانگ دیتے ہیں تاکہ درختوں کی نشو و نما پوری طرح ہو سکے اور وہ پھل کے بوجھ سے ٹھٹھر کر نہ رہ جائیں۔

ہر مہذب معاشرے میں بھی رواج ہوا کرتا ہے کہ لڑکیوں کی شادی پختہ عمری میں کی جائے۔ اور پختہ عمری بھی اٹھارہ بیس سال سے شروع ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضہ کی بہن کا نکاح ۲۶۔۲۷ سال کی عمر میں ہوا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے علاوہ خود حضرت ابوبکر رضہ کی بڑی بیٹی اسماء بنت ابی بکر رضہ کی شادی کبیر سنی میں ہوتی ہے شادی کے وقت ان کی عمر ۲۶۔ یا ۲۷ سال

سے کم نہیں تھی ۔

بعثت کے وقت جب وہ ایمان لائیں تو وہ بالغہ تھیں ۔ ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے ان کا نکاح زبیر بن العوام سے ہوا ۔ جس وقت ہجرت ہوئی ہے غالباً ان کی رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی ۔

ام المومنین حضرت زینب رض کا پہلا نکاح ۳۴ سال کی عمر میں ہوا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ زینب بنت جحش کی پہلی شادی زید بن حارثہ سے ۳۴ سال کی عمر میں ہوئی ۔ صرف ایک سال زید کے نکاح میں رہیں ۔ اس کے بعد زید نے طلاق دیدی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرلیا ۔ زید کے نکاح سے پہلے تاریخ میں ان کے کسی خاوند کا ذکر نہیں ہے ۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی ۔

عن عمرة سئلت عائشة رض متی تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش قالت رجعنا من غزوة المریسیع او بعدہ بیسیر ۔

(عن) عبداللہ بن جحش قال تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش لھلال ذی القعدة سنة خمس من الھجرة و ھی بنت خمس و ثلثین ۔

ام عکاشہ بنت محسن کا بیان ہے کہ ان سے سوال کیا گیا :-

کم کانت بنت جحش یوم توفیت فقالت قدمنا المدینة للھجرة وھی بنت بضع و ثلثین سنة و توفیت سنة عشرین من الھجرة (طبقات ابن سعد ص ۱۱۴ ذکر زینب جلد ۸)

عمرہ سے روایت ہے میں نے عائشہ رض سے پوچھا کب رسول اللہ صلعم نے نکاح کیا تھا زینب بنت جحش سے انہوں نے جواب دیا ہم غزوہ مریسیع سے لوٹے یا اس کے تھوڑی دیر بعد ۔

عبداللہ بن جحش سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے زینب بنت جحش سے نکاح کیا ۔ پہلی ذی قعدہ ۵ھ میں اور وہ ۳۵ سال کی تھی ۔

ام عکاشہ سے پوچھا تھا بنت جحش کی کیا عمر تھی جب اُن کی وفات ہوئی اس نے کہا جب ہم ہجرت کرکے مدینے آئے تو اس کی عمر کچھ اوپر تیس سال تھی اور ان کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی

اُمِّ کلثوم بنت عقبہ کا نکاح بھی کبر سنی میں ہوا

ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط حضرت عثمان کی اخیافی بہن ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد انہوں نے مکّہ سے مدینہ تک تنہا ہجرت کی ہے۔ مدینہ پہنچ گئیں تو ان کے دو بھائی ولید اور عمارہ انہیں واپس لیجانے کے لئے مدینے گئے اور مطالبہ کیا کہ صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق انہیں واپس کر دیا جائے۔ انہوں نے نبیؐ کریم سے احتجاج کیا۔ سورۂ ممتحنہ اتری اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی واپسی سے انکار کر دیا اور ان کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے کر دیا۔ انؓ کی شہادت کے بعد زبیر بن العوام نے ان سے نکاح کیا۔ ان سے طلاق لے لی اور عبدالرحمٰن بن عوف سے نکاح کیا ان کی وفات کے بعد عمرو بن العاص سے نکاح کیا اور انہی کی زوجیت میں وفات پائی۔ تو ان کا پہلا نکاح بھی نہایت پختہ عمر میں ہوا۔

تنقیح نمبر ۳

جبیر بن مُطعم سے عائشہ رضؓ کا نکاح ہوچکا تھا

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر الصدیق لعائشہ رضؓ فقال ابو بکر یارسول اللہ کنت وعدت بھا او ذکرتھا المطعم بن عدی لابنہ جبیر فدعنی حتی اسلھا منھم ففعل ذلک ثم تزوجھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت بکرا۔

اخبرنا عبداللہ بن نمیر عن الاجلح عن عبداللہ بن ابی ملیکۃ قال خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ رضؓ الی ابی بکر الصدیق فقال یا رسول اللہ انی کنت اعطیتھا المطعم بن عدی لابنہ فدعنی حتی اسلھا منھم فطلقھا فتزوجھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۵۸ ذکر عائشہ رضؓ)

ابن عباس سے روایت ہے اس نے کہا رسول اللہ صلعم نے ابو بکر سے عائشہؓ کے لئے کہا ابو بکر نے جواب دیا یا رسول اللہ، میں نے اس کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ یا اس کا ذکر کیا ہوا ہے مطعم بن عدی سے اس کے بیٹے جبیر کے لئے مجھے مہلت دیجئے تاکہ میں

حسن تدبر سے ان سے عہدہ برآ ہو سکوں ۔ پس ابوبکر نے ایسا ہی کیا ۔ پھر رسول اللہؐ نے اس سے نکاح کرلیا اور وہ اس وقت باکرہ تھی ۔

ہمیں خبر دی عبداللہ بن نمیر نے اجلح سے اس نے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے اس نے کہا خطبہ کیا (مانگا) رسول اللہؐ نے ابوبکر سے عائشہ کیلئے اس نے کہا یا رسول اللہؐ میں اسے دے چکا ہوں مطعم بن عدی کو اس کے بیٹے کے لئے آپ مجھے مہلت دیں کہ میں حسن تدبر سے وہاں سے نکال لوں پس جبیر نے طلاق دیدی اور رسول اللہؐ نے عائشہ رضؓ سے نکاح کرلیا ۔

مسند امام احمد کی مرسل روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ تمام معاملہ ایک دن میں خولہ کے ذریعے طے ہوگیا ۔ اور اسی روز خولہ کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر نے بلاکر حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح کردیا ۔

ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم نے براہ راست حضرت عائشہ رضؓ کے نکاح کا مطالبہ کیا تھا ۔ حضرت ابوبکر نے مہلت مانگی تاکہ لڑکی کو وہاں سے آزاد کرالیں ۔ چنانچہ آزاد کرواکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کردیا ۔ اور حضرت عائشہؓ اس وقت کنواری تھیں ۔

جبیر سے انقطاع ایک ہی دن کی بات چیت سے نہیں ہوا

ہمارے سامنے نہ خولہ کی پوری گفتگو ہے اور نہ نبی کریمؐ کی پوری بات ہے اور نہ حضرت ابوبکر اور ام رومان کا پورا جواب ہے ۔ یہ روایت بالمعنی ہے ۔ معلوم نہیں کس راوی کا ذہن اس میں کارفرما ہے ۔

حقیقت یہ نظر آتی ہے کہ یہ ایک دن کا معاملہ نہیں تھا جیساکہ پہلی روایت سے ظاہر ہے ۔ بلکہ اس رشتے کو چھڑانے میں کافی تدبر اور کوشش سے کام لینا پڑا ہوگا ۔ رشتے کی پہلی گفتگو خولہ نے شروع کی ۔ لبعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست حضرۃ ابوبکر رضؓ سے بات چیت کی ۔ رشتہ کو چھڑانے کے اصلی اور تفصیلی واقعات پس پردہ رہ گئے ۔ راوی نے صرف نتائج کا ذکر کردیا ۔ مگر ایسے رنگ میں کہ جیسے کل واقعات بس یہی ہوں ۔ اور پھر ان واقعات کے بیان میں بھی اس نے اپنا ذہن استعمال کرکے واقعات کی کڑیاں اپنے ذہن سے جوڑی ہیں ۔ اور اسی لئے راوی مبہم زبان استعمال کررہا ہے ۔

اور یہ ذہن ہشام کی روایت سے متاثر ہے۔ دَور حدیث کے رُواۃ کا ذہن ہے اور زبان بھی اسی دَور کی ہے۔ ورنہ حضرت ابوبکرؓ تو حضرت عائشہؓ کا نکاح مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر سے کر چکے تھے اور ان کے لیے اس سے پیچھے ہٹنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔ صرف رخصتی کا معاملہ باقی تھا۔ اب ان کو اس رشتے کو چھڑانے کا تردد تھا۔ اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "جیسے کہ آپ کو معلوم ہے (کما تعلم) راوی نے یہ جملہ ترک کر دیا۔ یہ رشتہ تو جبیر بن مطعم کے لئے پکا کر چکا ہوں نکاح ہوچکا ہے۔ اب اس رشتے کو وہاں سے چھڑانے کے لئے وقت اور تدبیر کی ضرورت ہے۔ آپ مہلت دیجئے میں پوری کوشش کروں گا۔"

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مہلت دیدی۔

جبیر سے عائشہؓ کا انقطاع وعدہ خلافی کی تعریف میں نہیں آتا

البتہ یہ بات غور طلب ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کا نکاح جبیر ابن مطعم سے کر چکے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خولہ نے کیوں حضرت ابوبکرؓ سے عائشہؓ کے لئے کہا۔ کیا اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ معاذ اللہ حضرت ابوبکرؓ کو وعدہ خلافی کے لئے کہا جا رہا ہے۔ یہ بات تو عام انسانی اخلاق کے بھی خلاف ہے، چہ جائیکہ مقام نبوت کے لئے۔

حاشا ثم حاشا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

بلکہ اصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اور حضرت ابوبکرؓ کے لئے بھی یہ امر باعث تردد تھا کہ وہ گھر ہرگز ہرگز حضرت عائشہؓ کے لئے اب مناسب نہ تھا جس لڑکی نے ہوش ہی اسلام کی آغوش میں سنبھالا ہو وہ کفر اور بت پرستی کے ماحول میں کس طرح رہ سکتی تھی۔ اور بعد کے واقعات نے ثابت بھی کر دیا کہ ان حالات میں اس رشتے کا نبھاؤ مشکل تھا۔

جبیر صف اول کا دشمنِ اسلام تھا

جبیر بن مطعم کی اسلام دشمنی کا یہ عالم تھا کہ ہجرت کے موقعہ پر قریش نے آپ کے خلاف جو قتل کی سازش کی تھی۔ اس سازش میں یہ جبیر بن مطعم شریک تھا۔ مکہ کی اس نوجوان پارٹی کا رکن تھا جو اسلام دشمنی میں پیش پیش تھی۔ اس پارٹی میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عکرمہ بن ابی جہل، خالد بن ولید، عمرو بن العاص۔

حضرت علی کے دونوں بھائی ، طالب بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب اور مکے کے دوسرے نوجوان شامل تھے .

پھر اس نے اساریٰ بدر کے بارے میں اپنے باپ کے احسان کے بدلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مشرکین مکہ کے حق میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کی .

اُحد میں حضرت حمزہ کو شہید کرنے والا وحشی اسی جبیر بن مطعم کا غلام تھا جس سے جبیر نے وعدہ ہی یہ کیا تھا کہ اگر تو نے حمزہ کو قتل کر دیا تو آزاد ہے .

ان حالات میں ابوبکر رض کی بیٹی کیا اس گھر میں بس سکتی تھی یا رہ سکتی تھی . اس پر بھی وہی گذرتی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی حضرت زینب رض کے ساتھ بیتی . کئی سال مدینے میں باپ کے گھر رہیں . دیر میں جاکر ابوالعاص زینب کے خاوند راہ راست پر آئے . یہاں پہلے ہی قدم پر اس کا خیال کر لیا گیا تھا تو اچھا ہوا . ورنہ نتیجہ پھر بھی یہی تھا اور پریشانی الگ .

صرف نسبت کو چھڑانے کے لئے لڑکی والے لڑکے والے کے گھر نہیں جایا کرتے

محض نسبتوں کو چھڑانے یا رکھنے کے لئے لڑکی والے لڑکے والوں کے ہاں نہیں جایا کرتے . نسبت کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ دونوں فریق کو اچھا اور برا دیکھنے کا موقع مل جائے . جب کوئی بات طبیعت یا توقع کے خلاف ہو تو ایک ، دوسرے کو کہلوا دیں کہ ہم رشتہ چھوڑ رہے ہیں . چونکہ حضرت ابوبکر نسبت نہیں بلکہ نکاح کر چکے تھے اس لئے معاملہ محض رشتے سے جواب دینے کا نہیں تھا بلکہ طلاق لینے کا تھا .

چنانچہ حضرت ابوبکر رض نے اس رشتے کو چھڑانے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ لڑکے والوں نے خود رشتے سے جواب دیدیا اور انہیں یہ بھی معلوم نہ ہونے دیا کہ حضرت ابوبکر رض یہی چاہتے تھے .

انہوں نے مطعم بن عدی اور اس کی بیوی سے جاکر کہا کہ لڑکی کی رخصتی لو اور اسے بساؤ . مطعم بن عدی اور اس کی بیوی اس الجھن میں پڑ گئے کہ اگر لڑکی کو بساتے ہیں تو خاندان کے بے دین ہو جانے کا ڈر ہے . اور اگر چھوڑتے ہیں تو ابوبکر کی بیٹی

ہے ۔ کچھ روز تو وہ اس معاملے کو ٹالتے رہے ۔ آخر حضرت ابوبکرؓ نے کہا بھائی اس معاملے کو طے کرو ۔ یا رخصتی لو اور لڑکی کو بساؤ یا مجھے کوئی راستہ بتاؤ ۔ مطعم بن عدی کو خود تو جواب دینے کا حوصلہ نہ ہوا ۔ اس نے اپنی بیوی سے جواب دلوا دیا اور کہدیا کہ ہم آپ کی لڑکی کو نہیں بسائیں گے ۔ اور اس رشتے کو ختم کرتے ہیں کیونکہ خاندان کے بے دین ہو جانے کا ڈر ہے ۔

مطعم کی بیوی کا یہ جواب ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ اس وقت شش سالہ بچی نہیں تھیں بلکہ جوان اور باا ثر شخصیت کی مالک تھیں ۔ ماں باپ کو ڈر تھا کہ اگر ہم نے رخصتی کرالی تو لڑکا بیوی کے اثر سے نئے مذہب میں داخل ہوجائے گا ۔ اس خوف سے وہ پہلے ہی رخصتی سے کترا رہے تھے ۔ اگرچہ اس خدشے کا اظہار خود مطعم نے اپنی زبان سے نہیں کیا لیکن اس کی بیوی نے برملا حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اس خدشے کا اظہار کر دیا ۔

تدبیر انقطاع

اس سے یہ بھی عیاں ہے کہ حضرت ابوبکر کو ان کے اس خدشے کا پہلے سے علم تھا اور وہ مطعم و جبیر کی اسلام دشمنی سے خوب واقف تھے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کے اس خدشے کو اپنے مقصد کے لئے مفید پا کر ان پر فوری رخصتی کے لئے زور ڈالا اور انکار کرنے پر طلاق کے لئے کہا اور انہوں نے طلاق دینا منظور کر لیا ۔

ہم اس سے پہلے وضاحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ عرب میں صغر سنی کی شادی کا رواج نہیں تھا ۔ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں تو نسبتیں چھوٹے بچوں کی کی جاتی ہیں اور یہ رواج دنیا میں کسی جگہ بھی نہیں ہے کہ ایک جوان آدمی جسے نکاح کی فوری ضرورت ہو اس کی نسبت پنج سالہ کم عمر بچی سے کر دی جائے اور وہ دس گیارہ سال اس کی بلوغت کا انتظار کرتا رہے ۔ اور وہ بھی رئیس مکہ مطعم کا لڑکا ۔ جس کو بہت سے جوان رشتے مل سکتے تھے ۔

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ پچاس سال کی عمر مبارک رکھنے والے بزرگ جنہوں نے پچیس سال تاہل کی زندگی گذاری ہو اور وہ پہلی بیوی کی وفات کے بعد نئی اہلیہ کی ضرورت محسوس کریں تو اس ضرورت کو شش سالہ بچی سے نکاح

کر کے پورا کریں اور پھر بلوغت کا انتظار کرتے رہیں!

جبیر نے عائشہ رضؓ کو طلاق دیدی

مطعم بن عدی کی بیوی کے صاف جواب کے بعد حضرت ابو بکر رضؓ نے براہ راست مطعم سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو۔ اس نے نیچی نظریں کر کے جواب دیا جو کچھ میری بیوی نے کہا وہ آپ نے سُن ہی لیا۔ مطلب یہ تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے ٹھیک ہے۔ میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔

حضرت ابو بکر رضؓ تو چاہتے ہی تھے یہ تو محض معاملہ کو پختگی کی حد تک پہنچانا تھا آخر جبیر بن مطعم نے طلاق دی "فطلقها" اور حضرت ابو بکر نے عائشہ رضؓ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ چونکہ رخصتی نہیں ہوئی تھی اس لئے عدت کی ضرورت پیش نہ آئی فوراً نکاح ہو گیا۔

روایت مسند میں پوری گفتگو نقل نہیں کی گئی ہے

مسند کے رواۃ نے حضرت خولہ کی پوری گفتگو نقل نہیں کی ہے۔ انہوں نے کہا ہوگا کہ ایک ثیبہ ہے اور ایک باکرہ جو اس وقت منکوحہ ہے لیکن اس رشتے کو وہاں سے چھڑا کر آپ سے کر دینا چاہئیے۔ حضرت ابو بکر کا جواب بھی غیر مکمل نقل ہوا ہے۔ حضرت ابو بکر کا یہ کہنا کہ انی ذکرتها علی ابنه جبیر یا وعدتها له یا ۔۔ اعطیتها کہنا کوئی ایسی بات نہیں تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے معلوم نہ ہو۔ آپ ہر روز صدیق اکبر کے ہاں جاتے تھے۔ جگری دوست تھے، منہ بولے بھائی تھے اور آپ مطاع اور رسول تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ کا یہ رشتہ تو ہوا ہی آپؐ کے مشورے سے ہوگا۔ لیکن حالات کچھ اتنی تیزی سے بدلے کہ جن حالات میں یہ نکاح کیا گیا تھا وہ اور تھے اور اب حالات بالکل بدل چکے تھے۔ اگرچہ مطعم بن عدی بذات خود شریف آدمی تھا اس کا رویہ مسلمانوں کے حق میں معتدل تھا اور نبی کریمؐ کے حق میں ہمدردانہ تھا لیکن قریش کی اکثریت کے سامنے مجبور تھا۔ خود اپنے گھر میں اس کا بھائی طعیمہ بن عدی اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اس کا بیٹا جبیر اسلام کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ خالد، عکرمہ، طالب بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب وغیرہ نوجوانوں کی پارٹی کا رکن تھا۔ انہوں نے اب تہیہ کر لیا تھا کہ جسطرح بھی ہو اسلام کی جڑ کاٹ دینی چاہئیے۔ اور مسلمانوں کو ختم کر دینا چاہئیے۔ اس

لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اور حضرت ابوبکر رض کو بھی یہ تردد تھا کہ اب ان مشرکین سے سماجی اور معاشرتی نباہ مشکل ہے۔

مُشرکین سے نکاح کی ممانعت

مشرکین سے نکاح کی ممانعت کے صریح احکام تو بعد میں مدینہ میں نازل ہوئے۔ لیکن اس کا احساس پہلے ہی ہو چلا تھا۔ مکے کی آخری زندگی میں ہجرت سے کچھ پہلے یہ حالات پیدا ہو گئے تھے کہ امتِ مسلمہ اور کفار میں معاشرتی تعلقات خاص طور پر شادی بیاہ کے رشتے مشکل ہی سے باقی رہ سکیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رض سے نکاح نہ کرتے تب بھی جبیر سے انقطاع ضروری تھا

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے لئے حضرت عائشہ رض کا رشتہ درکار نہ ہوتا تب بھی یہ تردد ضرور تھا کہ ابوبکر رض کی بیٹی کو نامناسب ماحول سے نکالنا چاہیے۔ یہ بجائے خود ایک ایسی پریشانی تھی جس کا تدارک اشد ضروری تھا۔ اور یہ ایک ایسا عقدہ تھا جس کا حل حسنِ تدبیر کا متقاضی تھا۔ اور اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رض کو توجہ دلائی۔

ابوبکر رض کے الفاظ "اعطیتھا" اور "فطلقھا" سے صاف ظاہر ہے کہ بات وعدہ سے آگے بڑھ چکی ہے۔ حضرت ابوبکر رض نکاح کر چکے ہیں اور اسی لئے اس سے گلوخلاصی تدابیر کی متقاضی ہے اسی لئے فرمایا فدعنی (آپ مجھے مہلت دیجئے) حتی اسلھا منھم (میں اسے تدبیر ہشیاری اور احتیاط کے ساتھ ان کے پنجہ سے نکال لوں)

اِن تمام الفاظ کا زور بتا رہا ہے کہ بات صرف نسبت ختم کر دینے کی نہیں تھی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر طلاق لینے کی تھی۔ بات اپنے ہاتھ کی نہیں تھی دوسرے کے ہاتھ کی تھی۔ اپنے بس میں نہیں رہی تھی دوسرے کے بس میں جا چکی تھی۔

مطعم بن عدی کوئی معمولی آدمی نہیں تھا مکّے کا رئیس اور حضرت ابوبکر رض کا ایک شریف دوست تھا نبی کریم ؐ کو جاہ دے کر تازہ تازہ مہربانی بھی کر چکا تھا۔ اور ایسے شخص سے لڑکی کو طلاق دلوانا انتہائی حزم و احتیاط اور حسنِ تدبیر کا متقاضی تھا اور یہ بات ہرگز نہیں تھی کہ ایک بار گئے اور معاملہ ختم کر کے چلے آئے۔ جیسے

کہ ارباب سِیَر نے لکھ دیا ہے

" سَلّ " اور " اِستَسَلّ " ترک نسبت کے بجائے طلاق کے لئے ہوتا ہے

سلّ الشی من الشی ء انتزعه واخرجه برفق (المنجد)
استلّ ء ذهب به فی خفیة ۔

زیر بحث روایت میں فاستسلّها کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر رض نے اس کام کو نہایت خاموشی خوش اسلوبی اور حسن تدبیر سے انجام دیا جس کے نتیجہ میں جبیر بن مطعم نے حضرت عائشہ رض کو طلاق دے دی ۔ فطلقها ۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض سے نکاح کیا فتزوجها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اب اس بارے میں حضرت ابوبکر رض کی تدابیر اور کوششوں کی تفصیل کیا پیش آئی ۔ اس کے بیان سے روایات خاموش ہیں ۔ کسی روایت سے حضرت ابوبکر کی کوشش کا پتہ نہیں چلتا ۔ خدا جانے حضرت ابوبکر کو کتنی بار ان لوگوں کے پاس جانا پڑا ہوگا ۔ اور اس ضیق سے نکلنے کی کیا کیا تدبیریں کرنی پڑی ہوں گی ۔ بالآخر حضرت ابوبکر رض نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ مطعم اور اس کی بیوی نے خود رخصتی لینے سے انکار کر دیا ۔ اور دونوں میاں بیوی کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ خود حضرت ابوبکر رض کا منشاء بھی یہی انقطاع تھا ۔

جو خطرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کو تھا کہ شرک و کفر کے ساتھ اسلام کا نباہ نہیں ہو سکتا یہی خطرہ مطعم کے دل کی صدائے بازگشت بنا اور حضرت ابوبکر کو اپنی زبان پر اسے لانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی ۔

ہمارا خیال ہے کہ ابوبکر کی تدابیر اسی نوعیت کی ہوں گی جن سے اس گھرانے کے دل میں اس بات کا یقین پیدا کرنا مقصود ہوگا کہ عائشہ رض کا ان کے گھرانے میں جانا اسلام کے داخل ہو جانے کا مترادف ہوگا ۔ اس لئے وہ اس پہلو پر اچھی طرح غور کر لیں ۔

واللہ اعلم بالصواب ۔

ابن ابی ملیکہ کی روایت کے بچ نکلنے پر اظہار حیرت

ابن ابی ملیکہ والی روایت کے رجال سب ثقہ ہیں۔ رجال صحیح ہیں لیکن روایت مرسل ہے۔ معلوم نہیں یہ روایت ہشام کی روایت کی موجودگی میں زندہ کیسے رہی۔ اور "تصحیح" سے کس طرح بچ گئی۔ بہرحال ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ بچ گئی تھی تو ہمارے کام آگئی اور سچی سچی بات کی طرف اشارہ کر گئی کہ جبیر ابن مطعم سے حضرت عائشہ رض کا نکاح ہو چکا تھا۔ اور جبیر نے قبل از رخصت طلاق دے دی تھی۔

اب ہم صغر سنی کے قائلین سے اس بات کے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا جبیر ابن مطعم سے بھی حضرت عائشہ رض کا نکاح صغر سنی ہی میں ہوا تھا اور ہوا تھا تو کن مصالح اور کن مجبوریوں کے پیش نظر ہوا تھا؟

باب کے شروع میں جو ہم نے ابن سعد کی دو روایتیں لکھی ہیں ان میں پہلی روایت میں بھی "فطلقها" کا لفظ موجود ہوگا لیکن بعد کے کسی راوی نے ہشام کی روایت کو سامنے رکھ کر اس کی "درستی" فرما دی ہوگی۔ اور اسے "ففعلها" یا "ففعل ذلك" بنا دیا ہوگا۔ اور "اعطيتها" کو "كنت وعدت بها" یا "ذكرتها" کے الفاظ میں بدل دیا ہوگا تاکہ یہ روایت ہشام کی روایت کے مخالف نہ رہے۔

تنقیحات ۴ تا نمبر ۸

خولہ کی تجویز نکاح کمسن بچی کیلئے ہرگز نہیں تھی

حضرت خولہ کی گفتگو سے یہ متبادر ہے کہ ان کے ذہن میں نکاح کے قابل دو عورتیں موجود تھیں کہ ان دونوں میں سے آپ جو بھی ایک پسند فرمالیں۔ فرق صرف ثیبہ اور باکرہ کا تھا۔ یہ تو حسن اتفاق تھا کہ دونوں رشتے نکاح کے لئے آمادہ ہو گئے۔ لیکن اصل میں خولہ کے ذہن میں صرف ایک ہی رشتہ تھا اور مقصد ضرورت

کو پورا کرتا تھا۔ یہ نہیں کہ حضرت خولہ آج کی ضرورت کو کئی سال بعد تک اٹھا رکھنا چاہتی تھیں۔

اگر بالفرض حضرت سودہ کا خیال ہی نہ آیا ہوتا یا حضور ہی پسند نہ فرماتے یا خود سودہ یا ان کا والد انکار کر دیتے تو پھر اس فوری ضرورت اور خانگی امور کی بجا آوری کے لئے صرف حضرت عائشہ رض ہی ہوتیں۔ یہ تو اتفاقی بات ہو گئی کہ حضرت سودہ سے بھی نکاح ہو گیا اور حضرت عائشہ رض سے بھی۔ حضرت سودہ نے فوراً امور خانہ داری کو سنبھال لیا اور حضرت عائشہ رض کی رخصتی میں حسب قاعدہ کچھ وقت لگا۔ اور اسی دوران میں ہجرت پیش آ گئی جس کی وجہ سے ان کی رخصتی کچھ مؤخر ہو گئی۔

اگر اس وقت حضرت عائشہ رض کو ششش سالہ بچی تسلیم کیا جائے تو خولہ کی تجویز مضحکہ خیز نظر آئے گی۔ لہذا اس تجویز سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رض تجویز کے وقت عادت کے موافق شادی کے قابل اور خانگی ذمہ داریاں اٹھانے کی پوری اہل تھیں

حضرت ابو بکر رض نے "بھتیجی" ہونے کے بجائے "کمسن" ہونے کا عذر کیوں پیش نہ کیا

علاوہ ازیں حضرت ابوبکر رض کا یہ استفسار کہ بھتیجی سے نکاح جائز ہے ؟ ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عائشہ رض اس وقت بالغہ تھیں۔ ورنہ ابوبکر صغر سنی کا عذر بیان کرتے۔ اور کہتے کہ ابھی تو وہ بچی ہے۔

اگر عائشہ رض ششش سالہ بچی تھیں تو اول تو خود خولہ ان کا نام نہ لیتیں اور ان سے یہ غلطی ہو ہی گئی تھی تو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ خولہ کیا باتیں کرتی ہے۔ کہیں ششش سالہ بچی سے بھی خانگی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں؟ اور پھر حضرت ابوبکر بھی اس تجویز کو سن کر مزید کوئی بات کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتے۔

تنقیح نمبر ۹-۱۰

وفات خدیجہ رض اور نکاح عائشہ رض کا درمیانی وقفہ

اب ایک نہایت اہم اور اثر انداز

سوال یہ سامنے آتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کب ہوئی اور وفات خدیجہ اور نکاح عائشہ رضؓ کی درمیانی مدت کتنی تھی ؟

وفات خدیجہ رضؓ کے بارے میں مختلف قول ملتے ہیں ۔

اصل میں ارباب سیر حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات اور حضرت عائشہ رضؓ کے نکاح کے قصے کو ملا کر بیان کرتے ہیں ۔ لیکن ان کے اس بیان اور اس روایت میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے ۔ اور اسی بناء پر ہمارے نزدیک اس سے کوئی نتیجہ نکالنا دشوار ہے۔

البتہ ابن سعد میں کچھ تفصیل پائی جاتی ہے :- (جلد ۸ صـ۱۸ ذکر خدیجہ)

وفات خدیجہ رضؓ کے بعد وقفہ تین سال
بروائت ابن سعد

اخبرنا محمد بن عمر عن محمد بن صالح و عبد الرحمٰن بن عبد العزیز قالا توفیت خدیجة بعشر خلون من شهر رمضان وذلك قبل الهجرة بثلث سنين وهي يومئذ بنت خمس و ستين سنة ۔

اخبرنا محمد بن عمر عن معمر عن الزهري عن عروة عن عائشةؓ قالت توفيت خديجة قبل ان تفرض الصلوٰة وذلك قبل الهجرة بثلث سنين ۔

اخبرنا محمد بن عمر اخبرنا المنذر بن عبد الله الحزامي عن موسىٰ بن عقبة عن ابي حبيبة مولى الزبير قال سمعت حكيم بن حزام يقول توفيت خديجة بنت خويلد في شهر رمضان سنة عشر من النبوة و هي يومئذ بنت خمس و ستين سنة فخرجنا بها من منزلها حتى دفناها بالحجون و نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم في حفرتها ولم تكن يومئذ سنة الجنازة الصلوٰة عليها. قيل و متى ذلك يا ابا خالد قال قبل الهجرة بسنوات ثلث او نحوها و بعد خروج بني هاشم من الشعب بيسير ۔

محمد بن عمر نے ہمیں خبر دی محمد بن صالح سے اور عبد الرحمٰن بن عبد العزیز سے ان دونوں نے کہا خدیجہ کی وفات دس رمضان کو ہوئی یہ ہجرت سے تین سال پہلے اس وقت

ان کی عمر ۶۵ سال تھی۔

محمد بن عمر نے ہمیں خبر دی معمر سے اس نے زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا خدیجہ کی وفات نماز فرض ہونے سے پہلے ہوئی اور یہ ہجرت سے تین سال پہلے کی بات ہے۔

محمد بن عمر نے ہمیں خبر دی۔ اس نے کہا منذر بن عبداللہ حزامی نے ہمیں خبر دی۔ موسیٰ بن عقبہ سے اس نے ابوحبیبہ غلام زبیر سے اس نے کہا میں نے حکیم بن حزام کو کہتے سنا خدیجہ بنت خویلد فوت ہوئی رمضان کے مہینے میں دس نبوت میں اس وقت خدیجہ کی عمر ۶۵ سال تھی ہم اس کا جنازہ لیکر گھر سے نکلے اور اسے حجون میں دفن کیا اور رسول اللہ اس کی قبر میں اُترے اس وقت تک نماز جنازہ مقرر نہیں ہوئی تھی اور کہا گیا کب ہوا یہ اے ابوخالد اس نے کہا ہجرت سے تین سال پہلے یا اس کے قریب بنو ہاشم کے شعب سے نکلنے سے کچھ عرصے بعد۔

ان روایات ابن سعد سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے تین سال قبل حضرت خدیجہ رض کی وفات ہوئی۔

وقفہ تین سال بروایت ہشام

مندرجہ بالا روایات ابن سعد کے علاوہ ہشام ہی کی ایک روایت اس طرح ہے:-

تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ بعد خدیجۃ بثلاث سنین وعائشۃ رض یومئذ ابنۃ ست سنین۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۳۱)

رسول اللہ صلعم نے عائشہ رض سے نکاح کیا خدیجہ رض کی وفات کے تین سال بعد اور عائشہ رض کی عمر اس وقت چھ سال تھی۔

اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت خدیجہ رض کی وفات کے تین سال بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رض سے نکاح کیا۔ اور نکاح کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ۶ سال تھی۔ اس حساب سے وفات خدیجہ رض کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر تین سال ہوتی ہے اور ۷ نبوی میں ان کی پیدائش بنتی ہے۔

وقفہ دو سال بروایۃ ہشام

توفیت خدیجہ قبل مخرج النبی الی المدینۃ بثلث سنین فلبث

سنتین او قریبا من ذلک و نکح عائشۃ وھی بنت ست سنین ۔

(الحدیث بخاری باب الھجرۃ)

خدیجہ رضؓ کی وفات ہوئی نبی صلعم کے مدینے کی طرف نکلنے سے تین سال پہلے پھر آپ دو سال یا اس کے قریب رُکے رہے پھر عائشہ رضؓ سے نکاح کیا اور ۶ سال کی تھی ۔

وقفہ تین، چار، پانچ سال بروائت اسد الغابہ

تزوجھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الھجرۃ بثلث سنین وقیل باربع سنین و قیل بخمس سنین وکان عمرھا لما تزوجھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ست سنین وقیل سبع سنین و بنی بھا وھی بنت تسع ۔

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۰۱)

رسول اللہ صلعم نے عائشہ رضؓ سے نکاح کیا ہجرت سے تین سال پہلے اور کہا گیا چار سال پہلے اور کہا گیا ۵ سال پہلے اور جب رسول اللہ صلعم نے اس سے نکاح کیا اس کی عمر ۶ سال تھی ۔

ناقابل تطبیق

یہ بیان اس قدر مختلف فیہ ہے جس کی تطبیق بھی مشکل ہے جو راوی یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح ہجرت سے تین سال پہلے ہوا ۔ اور وفات خدیجہ کے تین سال بعد ہوا ان کے حساب کی رُو سے حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات ہجرت سے چھ سال پہلے ہوئی نیز نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر چھ سال تھی ۔ تو اس روایت کی رُو سے ہجرت کے وقت ان کی عمر ۹ سال ہوگی ۔ پھر اگر ان کے خیال کے مطابق رخصتی ۲ھ ہجری میں ہوئی تو بناء کے وقت ان کی عمر ۱۲ سال بنتی ہے ۔ اور اگر بنا ۱ھ میں ہے تو پھر عمر ۱۱ سال ہوتی ہے ۔

جو لوگ ہجرت سے دو سال پہلے نکاح تسلیم کرتے ہیں ان کے نزدیک وفاتِ خدیجہ ہجرت سے ۵ سال پہلے بنتی ہے ۔ بشرطیکہ یہ لوگ اس بات کو مانتے ہوں کہ نکاح وفاتِ خدیجہ سے تین سال بعد ہوا ۔ اور ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ یا ۹ سال بنتی ہے اور بناء کے وقت ۱۰ - ۱۱ سال بنتی ہے ۔

وقفہ کی تعیین نفسِ مسئلہ کے لئے ضروری نہیں ہے

غرض ان دونوں واقعات کو ملا کر بیان کرنے سے یہ اضطراب پیدا ہوگیا ہے۔ تعبیر کے نقص نے سارے مضمون کو خبط کر دیا ہے۔

اتنی بات تو مسلّم ہے کہ وفاتِ خدیجہ کے بعد آپؐ نے حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح کیا۔ اب رہی یہ بات کہ وفات کے کتنے عرصہ بعد کیا؟ اس سے نفسِ مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ چونکہ استخراجِ ہشام میں نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر کا بیان ہے۔ اس لئے اسکو متعین کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہجرت سے کتنے عرصہ پہلے نکاح ہوا۔ اسی کی مناسبت سے اہلِ سیر حضرت خدیجہ کی وفات کا ذکر کر دیتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر کر دیتے ہیں کہ ان کی وفات سے اتنے عرصہ بعد نکاح ہوا۔ ورنہ عمرِ عائشہ رضؓ کے تعین کی بنیاد محض ہجرت کی نسبت سے وقتِ نکاح کو بیان کرنا اور ہجرت کے بعد بناء کے سن کو بیان کرنا ہے۔ ان دونوں اوقات کی نسبت سے حضرت عائشہ کی عمر متعین ہو جاتی ہے۔ اور وفاتِ خدیجہ رضؓ کو ملانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

روایت ہشام فی البخاری پر بحث

بخاری کی اس روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد تقریباً دو سال نکاح نہیں کیا اور پھر نکاح کے تین سال بعد رخصتی ہوئی یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ اس وقت عمر میں چھوٹی تھیں تب ہی تو یہ صورت پیش آئی۔ ہم اس مسئلہ پر مفصل بحث کر کے ثابت کریں گے کہ ہشام کی روایت کی یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد خدا ہی جانتا ہے کیا حالات پیش آئے جن کی بنا پر آپؐ نے دو سال تک نکاح نہیں کیا۔ کتبِ سیر اس معاملہ میں بالکل خاموش ہیں۔ یہ تو اس راوی کا فرض تھا جس نے یہ روایت بیان کی کہ ان حالات پر بھی روشنی ڈالتا جن کی وجہ سے آپ نے نکاح نہیں کیا۔

مدّتِ بلا نکاح کے حالات کیا تھے

خولہ کی روایت کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تو بالکل مطمئن بیٹھے تھے۔ اگر خولہ توجہ نہ دلاتیں تو ابھی کچھ اور وقت اسی طرح گذر جاتا۔

مکے کی زندگی کے حالات تاریکی میں ہیں۔ بیشتر تاریخی خلا قرائن اور قیاسات سے پُر کئے گئے ہیں۔ جو بعد میں شہرت اور تسلسلِ روایت کی بنا پر حقائق بن گئے۔

مدینے کی زندگی حالانکہ پوری روشن ہے۔ لیکن اس روشنی کے باوجود سُرایا اور غزوات کے سنین و تواریخ میں اختلاف ہی اختلاف نظر آتا ہے۔

چونکہ اس وقت کلام اللہ کے سوا کسی دوسری بات کے ضبط کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا اس لئے معاملہ جہاں یاد پر آ جائے وہاں اختلاف ہو ہی جاتا ہے۔

بہرحال معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر واقعی آپؐ نے نکاح نہیں کیا تو وہ کونسے حالات تھے جو اس کے متقاضی ہوئے؟

۱ ہو سکتا ہے یہ خیال ہو کہ مکے کی آخری زندگی میں حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کے وقت جو نئے حالات پیدا ہو گئے تھے تو ان کا جائزہ لینے کے بعد اور اطمینان حاصل ہونے کے بعد اس بارے میں کچھ سوچیں گے۔

۲ چونکہ دعوتِ اسلام اب ایسے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی کہ ہمہ وقت کی جدوجہد سے اُسے سنبھالنے کی ضرورت تھی۔ اب یہ خالی عقیدۂ توحید و رسالت کی بات نہ تھی بلکہ اس سے جو معاشرتی، سماجی، اخلاقی اور سیاسی امور وابستہ تھے ان کے لئے زمین ہموار کرنی ضروری تھی۔ اور یہ بات کھُل کر سامنے آ چکی تھی کہ مکے کی فضا اس دعوت کے لئے سازگار نہیں ہے۔ اِسے نئے وطن کی ضرورت ہے۔ جہاں یہ دعوت کامیاب ہو سکے۔

یہ دنیا عالمِ اسباب ہے یہاں امور سلسلۂ علت و معلول کے تابع ہو کر چلتے ہیں۔ دعوتِ اسلامی میں تدریجی ارتقاء ایک تاریخی حقیقت ہے اس لئے یہ دَور دعوت کے لئے موڑ کا دَور ہے جو ہمہ وقتی فراغت چاہتا ہے اس لئے آپؐ نے یہ وقت مستقبل کی بنیاد رکھنے میں صرف کیا اور اپنی دعوت کے لئے نیا وطن اور نئے ساتھی اور معاون تلاش کئے۔ اور اس کے لئے جو ابتدائی کام ضروری تھا وہ کیا۔ اور نکاح کے معاملہ کو ملتوی رکھا۔

بعض روایات وقفہ تسلیم نہیں کرتیں

احتمال کے طور پر ان دو توجیہات کا ذکر ہم نے کر دیا ہے۔ ورنہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ادھر خدیجہ رضؓ کی وفات ہوئی اور ادھر عائشہ رضؓ کا نکاح ہو گیا۔ یعنی ہجرت سے پہلے ایک سال کے اندر اندر حضرت خدیجہ رضؓ

کی وفات بھی ہوئی اور اس کے بعد دو ماہ کے اندر اندر حضرت عائشہ رض سے نکاح بھی ہو گیا۔ اس حساب سے حضرت خدیجہ رض کی وفات شعبان یا رمضان سنہ ۱۳ نبوی میں ہوئی

قال الدمیاطی فی سیرته ماتت خدیجة فی رمضان وعقد علی سودة فی شوال ثم علی عائشة ودخل سودة قبل عائشة (زرقانی)

ہشام ہی کی ایک روائت یہ بھی ہے کہ :-

تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوفی خدیجة رض قبل مخرجه من مکة وانا ابنة سبع فلما قدمنا المدینة۔ الحدیث؛ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۳۱)

اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ ادھر خدیجہ رض کی وفات ہوئی ادھر عائشہ رض کا نکاح ہو گیا اس لئے صاحب بدایہ والنہایہ نے فرمایا ہے کہ :-

متوفی خدیجة یقتضی انه علی اثر ذلک قریبًا۔ یعنی حضرت خدیجہ رض کی وفات کے فوراً بعد نکاح کر لیا۔

یہی وجہ ہے کہ صاحبِ بدایہ نے ہشام کی اس روایت پر جس میں خدیجہ کی وفات سے تین سال بعد نکاح کا بیان ہے اعتراض کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں :-

اما کون تزویجها بعد موت خدیجة بنحو ثلاث سنین فیه نظر یعنی خدیجہ رض کی وفات کے تین سال بعد نکاح غیر ثابت شدہ امر ہے۔

نکاح قبل از ہجرت تین سال کے قول کو علماء نے رد کر دیا ہے

غرض ہجرت سے تین سال پہلے نکاح کے قول کو علماء نے رد کر دیا ہے۔ اور کہدیا ہے کہ یہ قابل قبول نہیں ہے۔

اسی طرح ہجرت سے دو سال پہلے کے قول کو بھی جس کے قائل ابو عبیدہ ہیں ضعیف اور مرجوح قرار دیا گیا ہے۔

اب تین قول قابلِ غور باقی رہ جاتے ہیں۔

۱۔ نکاح وفاتِ خدیجہ رض سے تین سال بعد ہوا۔ یعنی ہجرت کے بالکل متصل ہوا۔
۲۔ نکاح وفاتِ خدیجہ رض سے دو سال سے کچھ زیادہ مدت کے بعد یعنی ہجرت سے چند ماہ پہلے ہوا۔ یہ اس صورت میں ہے جب وفاتِ خدیجہ رض کو ہجرت سے

تین سال پہلے تسلیم کریں ۔

۳ وفاتِ خدیجہ رضؓ ہجرت ہی کے سال ہوئی اور اس سے تھوڑے عرصہ کے بعد نکاح ہوا ۔ یعنی ہجرت سے چند ماہ پہلے ۔

ان تینوں اقوال کا مآل ایک ہی ہے ۔

متفق علیہ روایت | عن عبد اللّٰہ بن عروۃ عن عروۃ عن عائشۃ رضؓ قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شوال وبنی بی فی شوال فای نساء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان عندہ احظی منی وکانت عائشۃ رضؓ تستحب ان تدخل نساءھا فی شوال ۔ (رواہ مسلم والنسائی والترمذی وابن ماجہ)

فعلی ھذا یکون دخولہ بہا علیہ السلام بعد الہجرۃ لسبعۃ اشھر او ثمانیۃ اشھر ۔

عبداللہ بن عروہ سے روایت ہے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضؓ سے اس نے کہا رسول اللہ صلعم نے مجھ سے شوال میں نکاح کیا پھر میری بنا (رخصتی) شوال میں ہوئی ۔ آپ کی کونسی بیوی آپ کو مجھ سے زیادہ پسند تھی اور عائشہ رضؓ اسے پسند کرتی تھی کہ ان کی لڑکیاں شوال میں رخصت ہوں ۔

اس روایت کی رُو سے حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح مکے میں شوال میں ہوا ۔ اور اس سے پہلے تینوں اقوال کا مآل بھی یہی تھا کہ نکاح ہجرت والے سال میں ہوا اور وہ شوال ہی میں ہو سکتا ہے ۔ لہذا اب یہ مسئلہ تقریباً متفق علیہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح ہجرت سے پانچ مہینے پہلے شوال میں مکے میں ہوا ۔

تنقیح نمبر ۱۱ زمانہ رخصتی

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی کب ہوئی ۔

ایک فریق جس میں ہشام بن عروہ بھی شامل ہیں اس بات کا قائل ہے کہ بناء ہجرت سے اٹھارہ ماہ بعد شوال میں غزوۂ بدر کے بعد ہوئی ۔

وقد ثبت فی الصحاح وغیرھا وکان بناؤہ بہا علیہ السلام فی السنۃ الثانیۃ من الہجرۃ الی المدینۃ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۱)

واعرس بها بالمدینة فی شوال سنة اثنتین من الهجرة علی
رأس ثمانیة عشر شهراً . (مواہب لدنیہ ص۴۶)
وقیل فی السنة الثانیة من الهجرة
(زرقانی علی المواہب ص۲۳۰ جلد ۱۳)

اس روایت کی رُو سے حضرت عائشہ رض کی رخصتی ہجرت کے سات آٹھ مہینے
بعد ہوئی ۔

صحاح وغیرہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عائشہ رض کی رخصتی
مدینے میں ہجرت کے دوسرے سال میں ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد ہوئی ۔
اور کہا گیا ہجرت کے دوسرے سال میں ہوئی ۔
اب تک کے اقوال سے تین باتیں منقح ہو کر سامنے آئیں ۔

۱ نکاح وفاتِ خدیجہ رض کے بعد ہوا ۔
۲ نکاح شوال میں مکے میں ہجرت کے سال ہوا ۔
۳ بنا مدینے میں شوال میں ہوئی ۔

پہلے دو امور میں تقریباً سب کا اتفاق ہے ۔ مگر آخری تنقیح میں اختلاف
ہے ۔ یعنی اس بات میں اختلاف ہے کہ نکاح اور بنا میں کتنا وقفہ ہے ۔

تین اور دو سال کے وقفے تعبیری مغالطے ہیں

ہشام اور ان کے ساتھی نکاح اور بناء میں تین سال یا دو سال کا وقفہ بتلاتے
ہیں ۔ اور ہمارے نزدیک یہ دونوں ایک ہی بات کہہ رہے ہیں ۔ اور ان ہردو
اقوال میں حقیقت کے بجائے صرف تعبیر کا فرق ہے ۔

تین سال کی تعبیر اس لئے اختیار کی گئی کہ ہجرت سے ایک سال پہلے نکاح
ہوا اور رخصتی سنہ ۲ میں ہوئی ۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تین سال ہو
گئے ۔ اس تعبیر میں کسروں کو سال شمار کر لیا گیا ہے ۔ یعنی مہینوں کے بجائے سالوں
کی گنتی کر لی گئی ہے ۔

اس مغالطے کی وضاحت یوں سمجھئے کہ مثال کے طور پر یہ بات مسلّم ہے کہ
نکاح ہجرت سے پانچ ماہ پیشتر شوال میں ہوا ۔ مگر تعبیر کے وقت اسے پورا سال
شمار کر لیا گیا ۔ یعنی ہجرت سے پہلے کے پانچ ماہ کو ہجرت سے پہلے کا سال کہہ دیا گیا ۔

بعد شوا
سال کی
کا ایک
بن گیا
وقفہ
ان کا
بعد سے
ہو جاتی
اور د
صرف
کچھ د
دو
اس
رکھی
سے
سے
ہو
ہوا

پھر ان لوگوں کے خیال کے مطابق چونکہ حضرت عائشہ رض کی رخصتی غزوۂ بدر کے بعد شوال ۲ھ میں ہجرت سے ۱۸ ماہ بعد ہوئی اس لئے انہوں نے یہاں بھی دوسرے سال کی کسر کو پورے سال کے الفاظ سے تعبیر کر دیا۔ اور اس طرح ہجرت سے پہلے کا ایک تعبیری سال اور ہجرت کے بعد کے دو تعبیری سال ملا کر تین سال کا وقفہ بن گیا۔

ان کے برخلاف جو لوگ کہتے ہیں کہ نکاح اور رخصتی میں دو سال کا وقفہ ہے تو وہ مہینے گن کر سال بناتے ہیں اور کسروں کو سال قرار نہیں دیتے۔ اور ان کا تجزیہ اور شمار اس طرح ہے کہ ہجرت سے پہلے کے پانچ ماہ اور ہجرت کے بعد کے اٹھارہ ماہ ملا کر کل ۲۳ ماہ بن گئے۔ چوبیسویں مہینے کی ابتداء میں رخصتی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مہینوں کی گنتی کے حساب سے وقفہ دو سال بن گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ نکاح اور رخصتی کے درمیان تین سال کا وقفہ قرار دینے والوں اور دو سال کا وقفہ قرار دینے والوں کے نزدیک حقیقت کا اختلاف کچھ نہیں ہے صرف تعبیر و اظہار کا اختلاف ہے۔ اور دونوں کے نزدیک یہ وقفہ ۲۳ ماہ اور کچھ دن کا متعین ہے۔

دو یا تین سال کے وقفے کی تردید

اب ہم ہشام اور ان کے ساتھیوں سے پوچھتے ہیں کہ ان کے پاس اس وقفہ کا ثبوت کیا ہے؟ وہ کن دلائل کی بنیاد پر ۱۸ ماہ بعد بناء کے قائل ہیں:

غالباً انہوں نے اپنے ہی نقل کردہ اس بیانِ عائشہ رض پر اپنے استنباط کی بنیاد رکھی ہوگی کہ:۔

اعرس بی فی السنة الثانية.

اور پھر اس کے ساتھ انہوں نے بناء فی شوال والی روایت کو ملا کر ۱۸ ماہ مستنبط کر لئے ہوں گے۔ اور استنباط کی تفصیل یہ بنائی کہ سال کی ابتداء ربیع الاول سے کی گئی اور بنا کی تعیین شوال والی روایت سے کر لی گئی تو خود بخود ۱۸ ماہ متعین ہو گئے۔

ہو سکتا ہے کہ فریق ہشام کے پاس ۲ھ میں رخصتی کے کچھ اور قرائن بھی ہوں لیکن ہمارا مطالعہ ان قرائن تک پہنچنے سے تا حال قاصر ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ہشام نے اپنی رائے اس قیاس پہ قائم کی ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی ہجرت کے بعد حضرت عائشہ رضؓ بہت دیر میں ہجرت کر کے مدینے پہنچیں اور پھر وہ بیمار ہو گئیں۔ اور دیر میں تندرست ہوئیں۔ ہجرت کے بعد پہلا شوال تو بیماری میں نکل گیا۔ اب رخصتی کے لئے لامحالہ ۲ھ ہجری کا شوال ہی باقی رہ جاتا ہے لہٰذا ۲ھ ہی کو روایت میں داخل کر دیا جاتے۔ اور اس صورت میں حساب کی رُو سے وقفہ آپ سے آپ ۱۸ ماہ بن جاتا ہے۔

لیکن ہمارا یہ سوال پھر بھی اپنی جگہ باقی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے صحتمند ہو جانے کے بعد آخر شوال کا انتظار کیوں کیا گیا۔

اب تک ہم نے جو روایات نقل کی ہیں وہ اسی نظریے کی تائید میں ہیں اور ہشام اور ان کے متبعین اسی کے قائل ہیں۔ اب ہم اربابِ تحقیق کی رائے وقفہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

تحقیق کی رُو سے وقفہ صرف ایک سال کا تھا

ہشام اور ان کے متبعین کے خلاف محدثین اور مورخین میں سے اربابِ تحقیق یہ کہتے ہیں کہ رخصتی ہجرت کے ۱۸ ماہ بعد نہیں ہوئی بلکہ صرف ۷ یا ۸ ماہ بعد شوال ۱ھ میں ہوئی ہے۔ اور غزوۂ بدر سے تقریباً ایک سال پہلے ہوئی ہے۔ اور ان کی تحقیق کے مطابق نکاح اور رخصتی کا وقفہ صرف ایک سال تھا۔

روایت ابن سعد

واعرس بی فی شوال علی راس ثمانیة اشهر من المهاجر

(ابن سعد جلد ۸ صہ ۵۹)

روایت طبری

وفیها (ای السنة الاولیٰ) بنی رسول الله صلی الله علیه وسلم بعائشةؓ بعد مقدمه المدینة بثمانیة اشهر فی ذی قعدة فی قول بعضهم. وفی قول بعض بعد مقدمه المدینة بسبعة اشهر فی شوال وکان تزوجها بمکة بعد وفاة خدیجة بثلاث سنین قبیل الهجرة وهی بنت ست سنین وقد قیل تزوجها وهی بنت سبع وقیل وبنی

بهـا فی شوال یوم الاربعاء فی منزل ابی بکر بالسنح
(طبری جلد ۲ ص۱۹۷)
روایت اصابہ

وکان دخوله فی شوال فی السنة الاولیٰ کما اخرجه ابن سعد عن الواقدی عن ابی الرجال عن ابیه عن امه عمرة عنها قالت اعرس بی علی راس ثمانیة اشهر. کذا قال الحافظ فی الفتح کان دخوله علی راس ثمانیه اشهر من الربیع الاول وقیل سبعة اشهر من مقدمه علیه الصلوٰة والسلام
(مواهب لدنیه)

کذا فی العیون وفی مسلم فی السنة الاولیٰ لان التزویج کان فی شوال وبناؤه علیه السلام کان فی شوال. وقال الدمیاطی فی تاریخه کان وفات خدیجة فی رمضان وتزویج النبی صلی الله علیه وسلم فی شوال.
(اصابہ جلد ۴ ص۳۴۸)
زرقانی علی المواهب

زرقانی علی المواہب میں مواہب لدنیہ کا اٹھارہ مہینے والا قول نقل کرکے آگے لکھا ہے کہ فیما قال بعضهم واخره فی الاصابة والفتح. وصدر بانه بنی بها فی السنة الاولیٰ وقیل بعد سبعة اشهر من مقدمه علیه الصلوٰة والسلام. وروی ابن سعد وغیره عنها قالت اعرس بی علی راس ثمانیة اشهر ولهذا احدر فی الاصابة والعیون. وفی مسلم عنها تزوجنی فی شوال وبنی بی فی شوال. قال فی الفتح اذا ثبت انه بنی بها فی شوال فی السنة الاولیٰ قوی قول من قال ودخل بها بعد الهجرة بسبعة اشهر وقد وهاه النووی ولیس بواه، (زرقانی علی المواہب جلد ۳ ص۲۳۱)

میری رخصتی ہوئی ہجرت سے آٹھ ماہ بعد۔

اس سال میں یعنی ہجرت کے پہلے سال میں آنحضرت نے عائشہ رض سے خلوت کی مدینے آنے کے آٹھ ماہ بعد ذی قعدہ میں بعض کے بیان کے مطابق اور بعض نے بیان کیا مدینے آنے کے سات ماہ بعد شوال میں آپ نے عائشہ رض سے نکاح کیا تھا

خدیجہ رضہ کی وفات کے بعد مکے میں ہجرت سے تین سال پہلے اور وہ چھ سال کی تھی اور کہا گیا سات سال کی تھی کہ نکاح ہوا اور کہا گیا رخصتی ہوئی شوال میں بدھ کے دن سنح میں ابوبکر رضہ کے گھر میں۔ اور آپ نے رخصتی کرائی شوال میں ہجرت کے پہلے سال میں جیسا کہ ابن سعد نے واقدی سے روایت بیان کی اس نے ابوالرجال سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عمرہ سے عمرہ نے عائشہ رضہ سے اس نے کہا میرے ساتھ خلوت کی آٹھویں مہینے میں ہجرت کے بعد۔

ایسے ہی حافظ نے فتح میں کہا کہ آپ نے رخصتی کرائی آٹھویں مہینے کے شروع میں ربیع الاول کے مہینے سے اور کہا گیا سات مہینے بعد آپ کے مدینے آنے سے۔

ایسا ہی عیون میں ہے اور مسلم میں ہے پہلے سال میں اس لئے کہ نکاح شوال میں ہوا اور رخصتی شوال میں ہوئی۔

دمیاطی نے اپنی تاریخ میں کہا خدیجہ رضہ کی وفات رمضان میں ہوئی اور نکاح شوال میں ہوا۔ جیسا کہ بعض نے کہا۔

آخری حصہ اصابہ میں ہے اور فتح میں ہے اور یہ گذر چکا کہ رخصتی پہلے سال میں ہوئی اور کہا گیا آپ کے مدینے آنے کے سات ماہ بعد۔ ابن سعد وغیرہ نے روایت بیان کی حضرت عائشہ رضہ سے میری رخصتی ہوئی۔ ہجرت کے بعد آٹھویں مہینے کے شروع میں۔ یہی اصابہ میں ہے اور عیون میں ہے اور مسلم میں عائشہ رضہ سے روایت ہے شوال میں مجھ سے نکاح کیا اور شوال میں میری رخصتی ہوئی اور فتح میں کہا جب ثابت ہو گیا کہ رخصتی شوال میں پہلے سال میں ہوئی تو اس سے ان لوگوں کی بات پکی ہو گئی جنہوں نے کہا کہ ہجرت کے بعد رخصتی سات ماہ بعد ہوئی۔ نووی نے اسے واہیات کہا اور یہ واہی نہیں ہے۔

دہ سالہ معیت نبی و عائشہ میں تردیدِ قولِ ہشام ہے

صاحبِ عیون نے عیون میں، مسلم نے مسلم میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں، ابن سعد نے طبقات میں، طبری نے اپنی تاریخ میں تحقیقاً لکھا ہے کہ بناء ۱ھ ہجری میں ہجرت کے سات آٹھ مہینے بعد شوال میں ہوئی ہے۔ اور ان لوگوں کے نزدیک حضرت عائشہ رضہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس سال رہی ہیں کیونکہ جب رخصتی ۱ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات ۱۱ھ میں ہوئی تو معیت کے

دس سال ہو جاتے ہیں۔ ان کی تحقیق کی رُو سے ہشام کی روایت کا آخری جملہ تاریخی اعتبار سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ وکانت عندہ تسعًا۔ نیز اس تحقیق کی رُو سے ہشام کی روایت کا پہلا جملہ یعنی ”نکاح کے وقت عمر ۶ سال تھی“ وہ بھی قطعاً غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہشام کا یہ جملہ کہ و بنی بھا وھی بنت تسع سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ تو جب بناء کے وقت عمر ۹ سال ہے اور نکاح ایک سال پہلے ہے تو نکاح کے وقت ۸ سال ہو گی۔ اور نبی کریمؐ کی وفات ۱۱ھ میں۔ اس لئے نبی کریمؐ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۹ سال ہو گی ۱ھ میں جس کی عمر ۹ سال ہو ۱۱ھ میں اس کی عمر ۱۹ سال حساب کے قاعدے سے ہو جاتی ہے۔ جب حضرت عائشہ رضؓ ۱ھ سے لیکر ۱۱ھ تک ساتھ رہیں تو معیت دس سال ہو گئی۔

محققین کے قول سے ہشام کی روایت کے سیاق اور سباق دونوں رد ہو جاتے ہیں

غرض اس تحقیق سے ہشام کی روایت کا سیاق اور سباق بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کا صرف ایک جملہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے بناء تسع۔ اس میں دونوں فریق کا اتفاق ہے۔ اور یہ وہی ناقص جملہ ہے جو ہجرت والی روایت میں آپ نے فرمایا تھا وانا یومئذ بنت تسع عشرۃ یا بنت تسع وعشرین لیکن ہشام سے عشرہ کا لفظ چھوٹ گیا اور صرف وانا یومئذ بنت تسع رہ گیا۔

اِس یکسالہ وقفہ کی وجہ کیا تھی؟

اس تحقیق کی رُو سے نکاح اور بناء میں ایک سال کا وقفہ ہے۔ آخر یہ وقفہ کیوں ہے؟

ہجرت کے بعد کے سات مہینے تو مجبوری میں گذرے۔ پانچ چھ ماہ تک تو آپؐ اور حضرت ابوبکر رضؓ مکے سے اپنے کنبوں کو نہ بلا سکے اس لئے اس مدت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے خود اپنی طرف سے پہل کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ رخصتی کیوں نہیں لے لیتے۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس مہر نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے یہ مہر کی رقم پانسو درہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور قرض

بھیجدئے ۔ آپ نے وہی رقم واپس مہر میں بھیجدی اور رخصتی ہوگئی ۔

ہجرت سے چار ماہ پہلے رخصتی نہ ہونے کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ عربوں کے اُس وقت کے رواج کے مطابق نکاح اور بناء میں عموماً کئی مہینے کا وقفہ ہوتا تھا ۔ تاکہ بیٹی کا والد کچھ تیاری کرلے ۔ یہ ان کے رواج کا معلوم ہوتا ہے جزو تھا ۔ حضرت فاطمہ رض کا نکاح محرم یا صفر سنہ ۲ھ میں ہوا اور رخصتی سات مہینے بعد شعبان میں ہوئی ، کیا حضرت فاطمہ رض کی عمر کم تھی کہ سات ماہ انتظار کرنا پڑا ۔ حضرت ام کلثوم رض کا نکاح حضرت عثمان رض سے جب ہوا تو رخصتی تین ماہ بعد ہوئی ۔ ہوسکتا ہے کہ مکے میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں مہر ہی کا عذر ہو ۔ مدینے میں تو حضرت ابوبکر رض نے سببِ تاخیر دریافت کیا تو نبی کریم ؐ نے ظاہر فرما دیا لیکن مکے میں حضرت ابوبکر رض نے دریافت نہیں کیا تھا اس لئے معلوم نہ ہو سکا ۔

علاوہ ازیں مکے کی زندگی کے آخری ایام بے حد پریشانی اور مصروفیت کے ایام تھے ۔ دن رات دشمنوں سے بچنے کی تدابیر میں مصروف رہتے تھے ۔ ہر وقت خدا کے حکم کا انتظار تھا کہ کب ہجرت کا حکم ہوتا ہے ۔ حضرت ابوبکر رض نے پہلے سے اس کام کے لئے اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں ۔ ہجرت کوئی فوری اور وقتی بات نہ تھی ۔ البتہ ہمارے رواۃ کا اندازِ بیان فوری اور فجائی رجحان کا حامل ہوتا ہے ۔ ہجرت ایک تدریجی عمل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی ہے ۔ ہجرت کے وقت کے تعین میں مشرکین کی سرگرمیوں کو بھی دخل ہے ۔ وہ قتل کی سازشں کر رہے تھے اس سے بچنا بھی ضروری تھا ۔ غرض یہ زمانہ قطعاً ذہنی خلفشار کا زمانہ تھا ۔ اگر اس دوران میں حضرت عائشہ رض کی رخصتی نہ ہو سکی تو یہ کم عمری کیوجہ سے نہ تھا بلکہ حالات کا تقاضا ہی یہ تھا ۔

خلاصہ بحث

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے جوان تھیں۔ مطعم بن عدی کے بیٹے سے ان کا نکاح ہو چکا تھا۔ رخصتی البتہ ابھی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ عرب لوگ نکاح اور رخصتی کے درمیان چند ماہ کا وقفہ رکھتے تھے۔ نیز اختلافِ عقیدہ کی وجہ سے مطعم بن عدی رخصتی لینے سے دانستہ گریز کرتے رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رض کو بھی جلدی نہ تھی۔ اسی دوران حضرت خدیجہ رض کی وفات ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی ضرورت پیش آئی۔ تو ابو بکر رض کے لئے بھی اس مشکل کے حل کا راستہ ملا۔ اور انہوں نے بحسن تدبیر خود اپنی طرف سے اقدام کر کے حضرت عائشہ رض کو جبیر سے طلاق دلوائی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا۔ جیسا کہ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے۔

اعطیتھا مطعما لابنہ جبیر یعنی انکحتھا جبیر بن مطعم۔ فاستسلھا کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ طلاق حاصل کرنے کی تمام خفیہ اور علانیہ تدابیر اختیار کی گئیں۔ اور پھر فطلقھا سے ظاہر ہے کہ یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور نتیجہ طلاق کی شکل میں نکل آیا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح ہو چکا تھا۔

پھر ان تمام مراحل کے بعد فتزوجھا النبی کا مرتبہ ہے۔ یہ تزوج شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ہوا۔ چار ماہ بعد ہجرت ہو گئی۔

پانچواں قرینہ

واقعہ ہجرت بروائیت ابن سعد

ابتدائے کتاب میں بخاری کی روائت ہجرت پر بحث کرتے ہوئے ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ ایک لمبی حکایت کا آخری ٹکڑا ہے جو صرف رخصتی کی کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ اور اس میں عمر کا ذکر بطور جملہ معترضہ کے آگیا ہے۔ مسلم میں بھی یہی روایت مذکور ہے۔ اس میں یہ جملہ معترضہ (وانا یومئذ بنت تسع) ترک کر دیا گیا ہے۔

اب ہم طبقات ابن سعد سے پوری روایت نقل کرتے ہیں۔ اور یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ قصہ ہجرت حضرت عائشہ رض نے کیوں سنایا تھا:۔

اخبرنا محمد بن عمر حدثنا موسی بن محمد بن عبد الرحمن عن عمرة بنت عبد الرحمن عن عائشة رض انها سئلت متی بنی بك رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت لما هاجر رسول الله صلی الله علیه وسلم الی المدینة خلفنا وخلف بناته فلما قدم المدینة بعث الینا زید بن حارثة و بعث معه ابا رافع مولاه واعطاهما بعیرین وخمسمائة درهم اخذها رسول الله صلی الله علیه وسلم من ابی بکر یشتریان بها ما یحتاجان الیه من الظهر و بعث ابوبکر معهما عبد الله بن اریقط الدیلی ببعیرین او ثلاثة وکتب الی

عبداللہ بن ابی بکر یامرہ ان یحمل اھلہ امی ام رومان وانا واختی اسماء امرأة الزبیر فخرجوا مصطحبین فلما انتھوا الی قدید اشتری زید بن حارثة بتلک الخمسمائة ثلاثة ابعرة ثم رحلوا من مکة جمیعا وصادفوا طلحة بن عبیداللہ یرید الھجرة بآل ابی بکر فخرجنا جمیعا وخرج زید بن حارثة وابو رافع بفاطمة وام کلثوم وسودة بنت زمعة وحمل زید ام ایمن واسامة بن زید وخرج عبداللہ بن ابی بکر بام رومان واختیہ وخرج طلحة بن عبیداللہ واصطحبنا جمیعا حتی اذا کنا بالبیض من منی نفر بعیری وانا فی محفة معی فیھا امی فجعلت امی تقول وابنتاہ واعروساہ. حتی ادرک بعیرنا وقد ھبط من لفت فسلم اللہ عزوجل ثم انا قدمنا المدینة فنزلت مع عیال ابی بکر ونزل آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورسول اللہ یومئذ یبنی المسجد وابیاتا حول المسجد فانزل فیھا اھلہ فمکثنا ایاما فی منزل ابی بکر ثم قال ابو بکر ما یمنعک من ان تبنی باھلک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصداق فاعطاہ ابو بکر اثنتی عشرة اوقیة ونشا فبعث بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الینا . وبنی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتی ھذا الذی انا فیہ . وھو الذی توفی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ بابا فی المسجد وجاہ باب عائشة رض قالت وبنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسودة فی احد تلک البیوت اللتی الی جنبی فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون عندھا .

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۶۸)

محمد بن عمر نے ہمیں خبر دی اس نے کہا موسی بن محمد بن عبدالرحمن نے ہمیں حدیث سنائی عمرہ بنت عبدالرحمن سے اس نے عائشہ رض سے اس سے پوچھا کب رخصتی لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے کہا جب رسول اللہ صلعم نے مدینے کی طرف ہجرت کی تو ہمیں اور اپنی لڑکیوں کو پیچھے مکے چھوڑ گئے جب آپ مدینے آگئے اس کے کچھ عرصہ بعد آپ نے ہماری طرف زید بن حارثہ کو بھیجا اس کے ساتھ اپنے غلام ابو رافع کو بھیجا اور ان دونوں کو دو اونٹ اور پانسو درہم دیئے - یہ درہم آپ نے ابوبکر رض

سے لئے تھے تاکہ وہ دونوں اس سے ضرورت اور کھانے پینے کا سامان خرید سکیں ۔ اور
ابوبکر رض نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اریقط دیلی کو دو اونٹ یا تین اونٹ دے کر
بھیجا اور اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھا کہ ان کے کنبے کو سوار کرا دے یعنی ام رومان کو ۔
میری بہن اسماء زبیر کی بیوی کو ۔ سب اکھٹے نکلے جب قدید میں آئے تو زید بن حارثہ
نے پانسو درہم سے تین اونٹ خریدے پھر مکے سے اکھٹے سفر کیا ۔ انہوں نے
طلحہ بن عبیداللہ کو پایا کہ وہ بھی ہجرت کے ارادے سے نکلے وہ آل ابوبکر رض کے ساتھ
سفر کرنا چاہتے تھے اب ہم اکھٹے سفر کرنے لگے ۔ زید بن حارثہ اور ابو رافع لائے ۔
فاطمہ ، ام کلثوم اور سودہ بنت زمعہ کو اور زید نے ام ایمن کو اور اسامہ بن زید
کو بھی ساتھ لیا ۔ اور عبداللہ بن ابوبکر رض اپنی ماں ام رومان اور اپنی دو بہنوں کو لے
کر نکلے اور طلحہ بن عبیداللہ بھی نکلے ہم اکھٹے چلتے رہے جب ہم بیض کے مقام پر
آئے جو منی کے قریب ہے میرا اونٹ بدک کر دوڑا اور میں محفہ میں تھی میری
ماں میرے ساتھ تھی ۔ میری ماں چلانے لگی اے میری بیٹی اے میری دولہن بیٹی ۔
یہاں تک کہ ہمارا اونٹ پالیا گیا اور وہ ٹیلے سے اتر آیا اللہ نے محفوظ رکھا پھر
جب ہم مدینے آئے میں ابوبکر رض کے کنبے کے ساتھ اتری اور رسول اللہ صلعم کا کنبہ
مسجد کے گرد گھروں میں اترا اور آپ اس وقت مسجد اور اس کے گرد حجرے بنوا
رہے تھے ۔ پس ہم کچھ دن ابوبکر رض کے گھر میں رہے پھر ابوبکر رض نے رسول اللہ صلعم
سے پوچھا آپ کے لئے رخصتی میں کیا رکاوٹ ہے رسول اللہ صلعم نے جواب دیا
مہر رکاوٹ ہے ۔ پس ابوبکر رض نے ان کو پانسو درہم اور کچھ زیادہ مہر ادا کرنے کو
دیا ۔ پس رسول اللہ صلعم نے وہی ہماری طرف بھیجدیئے ۔ پس میری رخصتی اسی
گھر میں ہوئی جس میں میں اب ہوں یہی وہ گھر ہے جس میں رسول اللہ صلعم کی
وفات ہوئی اور رسول اللہ صلعم نے اپنے لئے مسجد میں دروازہ بنا لیا تھا جو عائشہ رض کے
دروازے کے سامنے تھا اور سودہ کی رخصتی بھی انہیں مسجد کے گھروں میں سے ایک
میں ہوئی جو میرے گھر کے پہلو میں ہے پس رسول اللہ صلعم اس کے پاس
رہتے تھے ۔

یہ روایت حشو و زوائد سے خالی اور فطری انداز بیان میں ہے

یہ روایت حضرت عائشہ رض کی خادمہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے مروی ہے جو برسوں

حضرت عائشہ رضہ کی خدمت میں رہیں ۔ اس کا مضمون نہ درایت کے خلاف ہے اور نہ ہی کسی واقعہ سے متصادم ہے ۔ اور نہ اس کے خلاف کسی دوسرے صحابی کا کوئی بیان ہے ۔ اس لیئے یہ صحیح واقعات کا مرقع ہے ۔ اس سے زیادہ صحیح اور مفصل بیان کسی اور روایت میں نہیں ملے گا ۔

اس روایت میں واقعات کا بیان فطری انداز میں ہے ۔ اس میں نہ ارباب سنن کی طرح ارجوحہ کا ذکر ہے نہ بنات کا ۔ نہ صواحب کا قصہ ہے نہ ام رومان کے چلانے کا ۔ نہ عائشہ رضہ کے سانس پھولنے اور درست کرنے کا ذکر ہے اور نہ ماں کے منہ دھلانے کا ۔ اور نہ ہی حضرت عائشہ رضہ کی بے خبری اور مفروضہ بچپن کی کسی اور خصوصیت کا ۔

پھر اس روایت میں حضرت ابو بکر رضہ کا یہ کہنا **مایمنعک ان تبنی باھلک** ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ دیر سے بالغہ تھیں ۔ بہت پہلے سے رخصتی کے قابل تھیں ۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکر رضہ نے کہا آپ رخصتی کیوں نہیں کرا لیتے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میرے پاس مہر نہیں ہے ظاہر کر رہا ہے کہ تاخیر کی وجہ صرف مہر کی ادائیگی تھی ۔ اگر حضرت عائشہ رضہ کی عمر ۹ سال کی ہوتی اور وہ بچی ہوتیں تو حضرت ابو بکر رضہ نبی کریم صلعم سے رخصتی کرا لینے کا مطالبہ نہ کرتے اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ مہر نہ ہونے کی وجہ سے التوا ہو رہا ہے ۔ بلکہ یہ فرماتے کہ ابھی کیا جلدی ہے ابھی عائشہ رضہ ۹ سال کی بچی ہے ۔

ابن سعد نے یہ روایت اگرچہ واقدی کے ذریعے ذکر کی ہے لیکن ہمارے لئے واقدی کا بیان اس بارے میں زیادہ قابلِ استناد ہے ۔ اس لئے کہ اگرچہ وہ داستان گو ہے ۔ لیکن اس نے یہ بات تو سچی کہی ہے ۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس روایت کو قابل قبول نہ سمجھا جائے ۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے :-

١ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال کے بغیر اکیلے ہجرت کی ۔ بعد میں جب مدینے میں مسجد اور اس کے گرد حجرات بن گئے تو آپؐ نے اپنے اہل وعیال کو بلا لیا ۔

٢ حضرت ابو بکر رضہ نے بھی اپنے اہل وعیال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال کے ساتھ بلایا ۔

٣ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال مسجد نبوی کے مکانوں میں اترے ۔

۴ - حضرت ابوبکرؓ کے اہل وعیال سنخ میں حضرت ابوبکرؓ کے مکان میں اترے ۔ اور حضرت عائشہؓ بھی وہیں اپنے باپ کے پاس اتریں ۔

۵ - حضرت ابوبکرؓ نے خود انتظار کے بعد نبی کریمؐ سے عرض کیا کہ آپ رخصتی کیوں نہیں لیتے آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا میرے پاس اس وقت مہر نہیں ہے ۔

۶ - حضرت ابوبکرؓ نے پانسو ۵۰۰ درہم بطور قرض آپؐ کے پاس بھیجدئے ۔ آپ نے وہی رقم مہر میں حضرت ابوبکرؓ کو واپس بھیجدی اور اس طرح حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی ۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہؓ یقیناً بالغہ تھیں اور نو ۹ سالہ نہیں تھیں ۔ ورنہ حضرت ابوبکرؓ ان کی رخصتی پر اپنی طرف سے زور نہ ڈالتے اور جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فقدانِ مہر کے بجائے عائشہؓ کی کم سنی کا عذر پیش کرتے ۔

چھٹا قرینہ

سنہ ۱ھ میں حضرت عائشہ رض کی روایتِ عیادت

یہ روائت مختلف طریقوں سے کتب سِیَر اور سنن میں آئی ہے ۔ بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے ۔ مسلم نے بھی اسے مختصراً ذکر کیا ہے ۔ اسی موقعہ پر آپ نے فرمایا تھا

اللھم حبب الینا المدینة کحبنا مکّة او اشد ۔

اے اللہ ہمارے لئے مدینے کو اتنا ہی محبوب بنا دے جیسا کہ ہمیں مکہ محبوب ہے ۔

عبداللہ بن عروہ کے واسطہ سے حضرت عائشہ رض کی روائت ہے کہ جب نبی کریم مدینے تشریف لائے تو مدینہ بیماری کا گھر تھا ۔ عام طور سے لوگ بخار میں مبتلا رہتے تھے ۔ مہاجرین مدینہ آتے ہی بخار میں مبتلا ہو گئے تھے ۔ حضرت ابوبکر رض ، عامر بن فہیرہ رض ، بلال رض جو حضرت ابوبکر رض کے خادم تھے ایک گھر میں بیمار پڑے تھے ۔ میں نبی کریم سے اجازت لیکر ان کی عیادت کے لئے گئی ۔ اس وقت تک حجاب کا حکم نہیں اترا تھا ۔ شدتِ بخار سے یہ لوگ بے ہوش تھے ۔ میں پہلے حضرت ابوبکر رض کے پاس آئی ۔ ان سے پوچھا ابا کیا حال ہے ؟ انہوں نے جواب دیا ؎

کل امرئ مصبح فی اھلہ والموت ادنیٰ من شراک نعلہ

ہر آدمی اپنے اہل میں وقت گذارتا ہے اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ نزدیک ہے ۔

حضرت عائشہ رض کا بیان ہے کہ میرے والد کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں ۔ پھر میں عامر کے پاس گئی ۔ اس سے پوچھا عامر کیا حال ہے ؟ اس نے کہا ؎

لقد وجدت الموت قبل ذوقه   ان الجبان حتفه من فوقه
کل امری مجاهد بطوقه   کثوب یحمی جلده بروقه

میرا خیال ہے اسے بھی کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔
بلال کی عادت تھی کہ جب انہیں بخار آتا تھا تو وہ گھر کے صحن میں لیٹ جاتے تھے اور زور زور سے چلایا کرتے تھے۔ اور اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ
بواد وحولی اذخر وجلیل
وھل اردن یوما میاہ مجنۃ
وھل یبدون لی شامۃ وطفیل

کاش مجھے معلوم ہو کیا میں ایک رات گذاروں گا۔ اس وادی میں کہ میرے چاروں طرف اذخر گھاس اور جلیل ہوں گے اور کیا میں اتروں گا مجنہ کے پانیوں پر اور کیا ظاہر ہوں گے میرے سامنے شامہ اور طفیل پہاڑ۔
حضرت عائشہ رضا کا بیان ہے کہ میں نے وہ تمام کیفیت جو وہاں دیکھی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دی میں نے کہا

انھم لیھذون وما یعقلون من شدۃ الحمی۔

وہ بہک رہے ہیں شدت بخار سے اور کچھ نہیں سمجھ رہے۔
اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ سلھ میں حضرت عائشہ رضا اپنے گھر میں رہتی تھی تھیں۔ گھر سے اجازت لیکر تیمار داری کے لئے گئیں۔ اس وقت تک آیت حجاب بھی نہیں اتری تھی۔ پھر تمام اشعار ہو بہو نقل کئے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ سب بخار کی بیہوشی میں کہہ رہے تھے۔ اور انہیں شدت بخار کی وجہ سے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔
ان امور کو سمجھنا ۹ - ۱۰ سال کی بچی کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ تو پختہ ذہن اور پختہ عمری کی باتیں ہیں۔ یہ بچپن کے استاد کے یاد کرائے ہوئے اشعار نہیں ہیں بلکہ برمحل ہیں۔ جیسے کوئی شعر فی البدیہہ کسی شاعر کی زبان سے نکل جاتا اور صاحب ذوق سامع کے دل میں اتر جاتا ہے۔ یہی اس وقت حضرت عائشہ رضا کے ساتھ ہوا۔ موقع کے چار یا پانچ چھ اشعار کا سنتے ہی دل میں اتار لینا اور ہو بہو نقل کر دینا ایک ایسی بچی کا کارنامہ نہیں ہو سکتا

جسے کھلونوں اور سہیلیوں سے فرصت نہ ہو

ساتواں قرینہ

غزوۂ بدر سنہ ۲ھ میں شرکت عائشہ رضؓ

اگرچہ ارباب سیر نے غزوہ بدر میں کسی عورت کی شرکت کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن حضرت عائشہ رضؓ اس میں شریک تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ سے ایک روایت مروی ہے۔

حدثنی زهیر بن حرب قال نا عبدالرحمٰن بن مهدی عن مالک ح قال وحدثنیه ابو طاهر واللفظ لهٗ قال حدثنی عبداللہ بن وهب عن مالک بن انس عن الفضیل بن ابی عبداللہ بن دینار الاسلمی عن عروة بن الزبیر عن عائشة رضؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انها قالت خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل بدر۔ فلما کان بحرة الغریرة ادرکه رجل قد کان یذکر منه جرأة ونجدة۔ ففرح اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین رأوه۔ فلما ادرکه قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جئت لاتبعک واصیب معک۔ قال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تؤمن باللہ ورسوله؟ قال "لا"۔ قال "فارجع" فلن استعین بمشرک۔ قالت ثم مضی۔ حتی اذا کنا بالشجرة ادرکه الرجل۔

فقال لہ کما قال اول مرۃ ۔ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قال اول مرۃ ۔ قال فارجع ۔ فلن استعین بمشرک ۔ قالت ثم رجع ۔ فادرکہ بالبیداء فقال لہ کما قال اول مرۃ ۔ تومن باللہ ورسولہ؟ قال " نعم " ۔ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " فانطلق " ۔

(مسلم جلد ثانی ص۱۱۸ ۔ مطبوعہ اصح المطابع)

مجھ سے حدیث بیان کی زہیر بن حرب نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمن بن مہدی نے مالک سے ح کہا یہ حدیث بیان کی مجھ سے ابوطاہر نے اور لفظ اس کے ہیں اس نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی عبداللہ بن وہب نے مالک بن انس سے اس نے فضیل سے اس نے ابوعبداللہ سے اس نے عبداللہ بن دینار اسلمی سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے عائشہ رض سے زوجہ نبی صلعم اس نے کہا نبی صلعم بدر کی طرف نکلے پس جب وہ حرۃ وبرہ تھے ایک آدمی ان کے پاس آیا جس کی جرأت اور بہادری کا شہرہ تھا پس اصحاب رسول اللہ صلعم بہت خوش ہوئے جب اسے دیکھا پس جب وہ بالکل نزدیک ہوگیا اس نے نبی صلعم سے کہا میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ کی اتباع کروں اور آپ کے ساتھ مشقت برداشت کروں ۔ اس سے رسول اللہ صلعم نے فرمایا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس نے کہا نہیں ۔ آپ نے فرمایا لوٹ جا میں مشرک سے استعانت نہیں چاہتا ۔ عائشہ رض نے کہا وہ چلا گیا جب ہم شجرہ میں آئے تو پھر وہی آدمی آیا اور وہی بات کہی جو پہلی دفعہ کہی تھی نبی صلعم نے وہی جواب دیا جو پہلی دفعہ دیا تھا لوٹ جا میں مشرک سے استعانت نہیں چاہتا وہ پھر لوٹ گیا پھر وہ بیداء میں آیا اور آپ سے ملا اور آپ سے وہی بات کہی جو پہلی دفعہ کہی تھی آپ نے پھر پوچھا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا ہمارے ساتھ چل)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رض ساتھ تھیں ۔ اور اس وقت کی تمام مستورات میں یہ فخر صرف حضرت عائشہ رض کو حاصل ہے کہ وہ بھی بدرین شامل ہیں ۔ اور تاریخ اسلام میں بدریین کی فضیلت مسلّم ہے ۔ چنانچہ حضرت عمر رض نے اپنے دور خلافت میں جب صحابہ رض کے وظائف مقرر کئے تو بدریین کے وظائف غیر بدریین سے زیادہ مقرر کئے ۔

بدری ہونیکی بناء پر حضرۃ عائشہ رض کا وظیفہ دیگر ازواج سے زیادہ تھا

ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ وظیفہ حضرت عائشہ رض کا مقرر کیا گیا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ دیگر ازواج کے مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب انہیں زیادہ حاصل تھا بلکہ یہ وجہ بھی تھی کہ حضرت عائشہ رض شریک بدر تھیں۔

آٹھواں قرینہ بعثت سے وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اسلام کی تدریجی تاریخ کی وہی راوی ہیں

حضرت عائشہ رض اسلام کے مزاج اور اس کے نشو و نما کے ایک ایک مرحلے سے نہ صرف واقف تھیں بلکہ قدم قدم پر جو مشکلات پیش آئیں ان میں عملاً شریک رہی ہیں۔ قدرت نے وقاد ذہن اور دراک طبیعت عطا فرمائی تھی۔ اس لئے ان کا بیان اسلام کے خواہ کسی واقعہ سے متعلق ہو روح واقعہ پر مشتمل ہوتا ہے۔
مکی دور میں اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ازدواجی رشتہ میں منسلک نہیں تھیں اور ہمہ وقت معیت بھی نہ تھی۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، حضرت ابو بکر رض کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق ایسا تھا کہ ہر روز ہی دن میں کئی کئی بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر رض کے گھر جاتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رض اُن تمام تبلیغی اور تدریجی ارتقا کے امور کو دیکھتی تھیں تو آپ مکی دور کی بھی عینی شاہد ہیں۔ اور مدنی دور میں تو جو ہمہ وقتی معیت حضرت عائشہ رض کو حاصل تھی، وہ اور کسی کو بھی حاصل نہ تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ ہمہ وقتی معیت نے ان کی فطری خوبیوں کو ابھار اجاگر کر دیا تھا۔ مکثرین روایت اور مقللین صحابہ میں ان کا مقام حضرت ابو بکر رض کے بعد سب سے مقدم ہے۔ وہ اسلام کی تدریجی تاریخ کی واحد راویہ ہیں۔ جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ بعثت سے لیکر آپ کی وفات تک کے واقعات کی عینی شاہد ہیں۔

بخاری جلد ثانی صفحہ ۵۶۶ حدثنی عبد اللہ بن محمد سمع روح بن عبادۃ قال حدثنا سعید بن ابی عروۃ عن قتادۃ قال ذکر لنا انس بن مالک عن ابی طلحۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر یوم بدر باربعۃ وعشرین رجلا من صنادید قریش۔ فقذفوا فی طوی من اطواء بدر خبیث مخبث۔

وكان اذا ظهر على قوم اقام بالعرصة ثلاث ليال. فلما كان ببدر اليوم
الثالث امر براحلته. فشد عليها رحلها. ثم مشى واتبعه اصحابه.
وقالوا ما نرى ينطلق الا لبعض حاجته. حتى قام على شفة الركى.
فجعل يناديهم باسمائهم واسماء آبائهم. يا فلان بن فلان
ويا فلان بن فلان! ايسركم انكم اطعتم الله ورسوله! فانا قد
وجدنا ما وعدنا ربنا حقا. فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا. قال.
فقال عمر رض يا رسول الله! ما تكلم من اجساد لا ارواح لهم.
فقال النبي صلى الله عليه وسلم والذى نفس محمد بيده ما انتم
باسمع لما اقول منهم. قال قتادة احياهم الله حتى اسمعهم
قوله توبيخا وتصغيرا ونقمة وحسرة وندما.

حدثني عبيد بن اسماعيل قال حدثنا ابو اسامة عن
هشام عن ابيه قال ذكر عند عائشة رض ان ابن عمر رض رفع الى
النبي صلى الله عليه وسلم ان الميت يعذب فى قبره ببكاء اهله.
فقالت انما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انه ليعذب بخطيئته
وذنبه. وان اهله ليبكون عليه الآن. قالت وذلك مثل
قوله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قام على القليب وفيه
قتلى بدر من المشركين. فقال لهم ما قال انهم ليسمعون ما
اقول. وانما قال انهم الآن ليعلمون ان ما كنت اقول لهم
حق. ثم قرأت انك لا تسمع الموتى. وما انت بمسمع من
فى القبور. يقول حين تبوأوا مقاعدهم من النار.

حدثنا عثمان حدثنا عبدة عن هشام عن ابيه عن
ابن عمر قال وقف النبي صلى الله عليه وسلم على قليب بدر. فقال
هل وجدتم ما وعد ربكم حقا. ثم قال انهم الآن يسمعون
ما اقول لهم. فذكر لعائشة رض فقالت انما قال النبي صلى الله
عليه وسلم انهم الآن ليعلمون ان الذى كنت اقول لهم
الحق ثم قرأت انك لا تسمع الموتى. حتى قرأت
الآية.

٢٤

١ ابوطلحہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن قریش کے چوبیس مقتولوں کے لیئے حکم دیا اور انہیں بدر کے ایک بہت ہی گندے غلیظ کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد میدانِ جنگ میں آپ تین رات قیام فرماتے تھے۔ چنانچہ بدر میں جب تیسرا دن ہوا تو آپ نے سواری کا حکم دیا اور سواری کس دی گئی۔ آپ چلے اور آپ کے اصحاب آپ کے پیچھے چلے۔ صحابہ کا خیال تھا کہ آپ اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے تشریف لیجا رہے ہیں، حتیٰ کہ آپ ایک اوندھے کنوئیں کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے۔ اور آپ نے ان کو ان کے اور ان کے آباد کے ناموں سے پکارنا (آواز دینا) شروع کیا۔ اے فلاں ابن فلاں! اے فلاں ابن فلاں! اب تو تم بھی چاہتے ہو گے کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ تو ہم نے حق پایا۔ تو کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اسے حق پایا؟

ابوطلحہ رض کہتے ہیں کہ حضرت عمر رض نے کہا یا رسول اللہ! آپ ان لاشوں سے کیا بات کر رہے ہیں کہ جنہیں روح ہی نہیں رہی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ میں ان سے جو کہہ رہا ہوں (میری بات تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے)

قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو زندہ کر دیا اور ان کو آپ کی زجر و توبیخ اور ان کی تذلیل اور ان کی سزا اور حسرۃ وندامت کیلئے آپ کا ارشاد سنا دیا۔

٢ حضرت عائشہ رض کے بھانجے حضرت عروہ رض سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رض کے سامنے یہ ذکر آیا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "مُردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب قبر ہوتا ہے" یہ سن کر حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا تھا کہ مُردہ کو اس کی خطاؤں اور اس کے گناہ کیوجہ سے عذاب ہوتا ہے اور اس کے گھر والے اسوقت اسے روتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اندھے کنوئیں پر جا کر کھڑے ہوئے اور اس میں بدر کے مشرکین کے مقتولوں کی لاشیں پڑی تھیں تو آپ نے ان کے متعلق یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سن رہے ہیں بلکہ آپ نے جو فرمایا وہ یہ تھا کہ ان کو اب پتہ چلا ہے کہ میں جو کچھ

ان سے کہا کرتا تھا وہ حق تھا۔ پھر حضرت عائشہ رض نے یہ دو آیتیں پڑھیں۔
انک لا تسمع الموتی اور وما انت بمسمع من فی القبور۔ یعنی آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے۔ اور آپ ان کو نہیں سُنا سکتے جو قبروں میں ہیں ——
راوی کہتا ہے کہ آپ کا مقصد تھا کہ جب وہ کفار اپنے آگ کے ٹھکانوں پر پہنچ جاتے ہیں۔

۴۔ حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے ایک اندھے کنویں پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا کیا تم نے دیکھ لیا کہ تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا وہ حق تھا۔ پھر آپ نے فرمایا تھا کہ میں ان کو جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس وقت سن رہے ہیں۔ حضرت عائشہ رض سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو لیعلمون فرمایا تھا۔ یعنی ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ جو کچھ میں ان سے کہا کرتا تھا وہ یقیناً حق تھا پھر آپ نے انک لا تسمع الموتیٰ پوری آیت پڑھی۔

مذکورہ بالا احادیث حدیث کی معتبر کتابوں میں وارد ہیں ہم نے صرف بخاری شریف سے نقل کی ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ عزیزوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ یہ روایت حضرت عمر رض اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر سے منقول ہے الفاظ حدیث یہ ہیں
ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ۔

جب یہ حدیث حضرت عائشہ رض کے سامنے ذکر کی گئی تو آپ نے فرمایا:
رحم اللہ عمر مایلہ ما حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیعذب المومن ببکاء اھلہ علیہ لکن رسول اللہ صلعم قال ان اللہ لیعذب الکافر عذاباً ببکاء اھلہ علیہ۔

ابن ابی ملیکہ نے کہا مجھے قاسم بن محمد نے سنایا کہ جب حضرت عائشہ رض کو حضرت عمر رض اور ابن عمر رض کا یہ قول پہنچا تو آپ نے فرمایا انکم لتحدثون من غیر کاذبین ولا مکذبین ولکن السمع یخطی۔

ایک دوسری روایت میں ہے جب ابن عمر رض نے مرفوعاً نبی کریم ؐ سے مذکورہ بالا حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے انہوں نے

جو سُنا یاد نہیں رکھا آپ کے پاس سے ایک یہودی جنازہ گذرا اس کے اقارب رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا تھا تم اس پر رو رہے ہو حالانکہ وہ اس وقت عذاب میں مبتلا ہے .

ایک اور روایت میں ہے وہ اپنے گناہوں اور خطیئات کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہے اور اس کے عیال اس پر رو رہے ہیں .

اس اختلاف کا مآل یہ ہے کہ حضرت عمر رض یا ابن عمر رض کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد نہیں رہا .

اسی طرح بدر میں ہوا

آپ نے اوندھے کوئیں پر صنا دید کے مردوں سے بدر سے واپسی پر خطاب فرمایا . هل وجدتم ما وعد ربكم حقا . تو حضرت عمر رض نے کہا کیا آپ مُردوں سے خطاب کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ما انتم با سمع لما اقول منهم . ایک دوسری روائت میں فقال لهم ما قال انهم ليسمعون ما اقول لهم .

جب حضرت عائشہ رض نے یہ قول سُنا تو آپ نے فرمایا نبی کریم نے لیسمعون نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ نے یہ فرمایا تھا انهم الآن ليعلمون ان الذى قلت لهم حق .

قطع نظر اس بحث کے یہ روایت بالمعنی ہے اور راوی کو اختیار ہے کہ مفہوم روایت کو اپنے الفاظ میں ادا کرے . سعید بن ابی عروبہ ایسے راوی ہیں کہ انہیں آخر میں اختلاط ہو گیا تھا اپنی عمر کے آخری سال اسی اختلاط میں گذارے ممکن ہے انہوں نے لیعلمون کی بجائے لیسمعون کر دیا یا کسی اور راوی نے یہ خیال کیا ہو کہ مضمون روایت سے لیعلمون کی بجائے لیسمعون سوال کے زیادہ مطابق ہے. ہمیں اس روائت میں حضرت عمر رض کے سوال سے کوئی تعرض نہیں ہے .

یہ روائت ابو طلحہ سے منقول ہے جو شریک بدر تھے پھر ان سے آگے حضرت انس سے منقول ہو یا ابن عمر سے یہ دونوں بدر میں شریک نہیں تھے لیکن حضرت عائشہ رض بدر میں شریک تھیں جب آپ نے نام بنام مقتولین قلیب سے خطاب فرمایا تو جیسے اس موقع پر اور صحابہ شریک تھے جو فتل عليها دهلها شم مشى واتبعه اصحابه سے ظاہر ہے کہ تمام صحابہ موجود تھے تو حضرت عائشہ رض بھی

ساتھ تھیں حضرت عائشہ رضؓ آپ کے کلام کی عینی شاہد ہیں اسی لئے حصر کے ساتھ فرماتی ہیں انما قال لیعلمون ۔ عینی شاہد کا بیان سماعی شاہد سے زیادہ معتبر ہوتا ہے ۔ بدقسمتی یہ ہے کہ روایت ہشام نے حضرت عائشہ رضؓ کو کم عمر بنا دیا ۔ اس لئے علماء کا آسان جواب یہ ہوتا ہے کہ وہ تو بچی تھیں ۔ بدر میں شریک ہی نہیں تھیں حالانکہ باتفاق مورخین ۱ھ ہجری میں ان کی رخصتی ہو چکی تھی ۔ اور بدر میں وہ شریک تھیں جیسا کہ مسلم کی روایت سے ثابت ہے مگر متاخرین مورخین اس واقعہ ہی کو ہضم کر گئے ۔

طولِ صحبت میں حضرت عائشہ رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ کے بعد سب سے افضل ہیں

حضور ؐ کے کمالات سے مستفید ہونے کا موقع جتنا حضرت عائشہ رضؓ کو ملا اتنا کسی کو بھی نہیں ملا ۔ علی ایمان لائے تو بچے تھے حضرت عائشہ رضؓ ایمان لائیں تو بالغہ تھیں ۔

بناتِ رسول ؐ مکے میں ہر وقت پاس تھیں لیکن مدینے میں اپنے خاوندوں کے ہاں جانے کی وجہ سے اور بال بچوں میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے زیادہ استفادہ نہ کر سکیں ۔ مگر حضرت عائشہ رضؓ کا واحد مشغلہ رات دن اخذ علم ہی تھا ۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ پر جب کثرتِ روایت کی وجہ سے لوگوں نے اعتراضات کئے تو انہوں نے جواب میں یہی فرمایا تھا کہ لوگ اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے اور میں ہر وقت طلبِ علم میں رہتا تھا ۔ اصحابِ صفہ میں شامل تھا اور نبی کریم ؐ کی خدمت میں آپ کے اقوال محفوظ کرنے میں مشغول تھا ۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ کی بیشتر روایات سماعی ہیں اور حضرت عائشہ رضؓ کی مشاہداتی

حضرت ابوہریرہ رضؓ فتح خیبر کے سال ۷ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں ۔ اور اس وقت تک اسلام کا ڈھانچہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا ۔ عبادات کے احکام اور ان کی مکمل شکل متعین ہو چکی تھی ۔ معاملات کی تمام

ہدایات، نازل ہو چکی تھیں۔ حتیٰ کہ معاشرتی احکام اور فوجداری قانون کی تمام دفعات نازل ہو چکی تھیں۔ حدود و قصاص کے احکام اتر چکے تھے۔ آیت حجاب پر عمل ہونے کی وجہ سے ابوہریرہ رض کے لئے یہ موقع نہیں تھا کہ گھر میں ہوتے ہوتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رض سے پانچ ہزار سے زیادہ روایات منقول ہیں۔ خیبر کے بعد کے واقعات سے متعلق ان کی روایات عینی شاہد کی حیثیت سے مانی جا سکتی ہیں اور وہ بھی گھر سے باہر کے واقعات کے متعلق۔

ابوہریرہ رض کے بعض فتاویٰ میں حضرت عائشہ رض کی اصلاح

یہی وجہ ہے کہ گھریلو معاملات میں، بالخصوص زنانہ مسائل سے متعلق حضرت ابوہریرہ رض کے بعض فتاویٰ میں حضرت عائشہ رض نے اصلاح فرمائی ہے۔ ان میں حضرت ابوہریرہ رض نے قیاس سے کام لیا تھا۔ مگر چونکہ حضرت عائشہ رض ان واقعات کی عینی شاہد تھیں اور نبی کریم ﷺ سے انہوں نے ان مسائل کو خود دریافت فرمایا تھا۔ اس لئے ان کا بیان اس باب میں سند ہے۔ اسلام لانے سے پہلے کے واقعات میں حضرت ابوہریرہ رض کا بیان سماعی ہے مگر الصحابۃ کلھم عدول کے ضابطے سے قابل قبول ہے۔ لیکن حضرت عائشہ رض کا بیان ایک عینی شاہد کا بیان ہے اور ایسے راوی کا بیان ہے جس کو خدا تعالیٰ نے ذہن رسا عنایت فرمایا تھا۔ جس کی نظر نہ صرف واقعات کو حاوی ہوتی تھی بلکہ ان واقعات کے اسباب اور محرکات تک اترتی تھی۔ اسی لئے حضرت عائشہ رض کے بیانات باوجود مجمل ہونے کے جامع اور روحِ احکام پر مشتمل ہیں خیر الکلام ما قل و دل۔

آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق فرمایا کان خلقہ القرآن۔ آپ کے اعمال کے بارے میں فرمایا کان عملہ دیمۃ۔ کان اذا عمل عملا اثبتہ وغیرہ۔ ایسے چھوٹے چھوٹے جملے ہیں جو اپنے معانی میں بہت وسعت رکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ رض دیگر مکثرین سے بھی افضل اور مقدم ہیں

علیٰ ہذا دوسرے مکثرین صحابہ باوجود کثرتِ روایات کے حضرت عائشہ رض کے مقام کو نہیں پا سکتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کے میں بہت چھوٹے تھے۔ جس وقت ہجرت کر کے مدینے آئے ان کی عمر ۱۱ گیارہ سال تھی۔ غزوۂ احد میں ان کو شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی۔ ان کے مقابلہ میں حضرت عائشہ رضؓ ہجرت کے وقت علاوہ قدیم الاسلام اور ذہین و فطین ہونے کے جوان عورت تھیں اور سلسلہ ہجری سے تو ہمہ وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ فتح مکہ کے بعد مدینے آئے ہیں اور اس وقت ان کی عمر دس گیارہ سال تھی۔ ویسے ہی صغار صحابہ میں ہیں۔ ان کو تو کل تین سال استفادہ کا موقع ملا۔ ان سے زیادہ استفادہ کا موقع تو حضرت ابوہریرہ رضؓ کو مل گیا تھا کیونکہ ابوہریرہ رضؓ کو چار سال ملے۔

حضرت انس رضؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دس سال عمر تھی۔ دس سال آپ کی خدمت میں رہے۔ سن شعور کے بعد پانچ سال استفادہ کر سکے۔ وہ بھی مدینہ کی زندگی میں اور گھر سے باہر کے امور میں۔

اسی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی صغار صحابہ میں ہیں اور انہیں استفادہ کا کم موقع ملا ہے۔

نزول قرآن کی کیفیات کا مشاہدہ کرنے کا جتنا موقع حضرت عائشہ رضؓ کو ملا کسی کو بھی نہیں ملا۔ مواقع نزول آیات اور شان نزول آیات سے جتنی واقف حضرت عائشہ رضؓ تھیں کوئی اور صحابی اتنا واقف نہیں تھا۔ بیشتر مدنی سورتیں گھر میں نازل ہوئی ہیں۔ پھر آیات کے معانی اور مطالب جس کثرت سے حضرت عائشہ رضؓ نے دریافت کئے اور کسی نے دریافت نہیں کئے۔ مسائل کے بیان میں اور آیات کے مطالب میں اور دوسرے صحابہ کی کوتاہیوں کی نشاندہی میں جس خود اعتمادی اور بصیرت کا اظہار ان کی طرف سے ہوا ہے وہی ان کی پختہ ذہنی اور پختہ عمری کا وزنی ثبوت ہے۔

منافقین کی ذریت کے کارنامے

حضرت عائشہ رضؓ کی اسی فضیلت معیت اور ان کے بالغ ذہن کے ثمرات کو بے وقعت بنانے کے لئے ایک مخصوص گروہ نے روایات میں حسب منشا درج کر کے ان کے شرف معیت کو ان پر کم عمری کا لیبل لگا کر بے اعتبار بنانے کی کوشش کی اس گروہ کو یہ جرأت تو نہ ہوئی کہ کھلم کھلا برائی کرتے مگر ہشام کے

مہو سے فائدہ اٹھاکر روایات میں لعبھا معھا حریصة علی اللھو جاریة حدیثة السن ۔ لا اقرأ کثیرا من القرآن ضرور انشاء کیے اور جالو روایات کا جزو بنادیا۔

ہمارے علماء اس دام ہم رنگ میں پھنس گئے اور اس ذہن کے علماء سے مرعوب ہوکر ان کی دسیسہ کاریوں کو نہ پکڑ سکے اور روایات کا چشمہ صافی ان واضعین حدیث اور سارقین حدیث کی وجہ سے مکدر اور ملوث ہوگیا اور روایات میں خالص اور مغشوش کا امتیاز مشکل ہوگیا۔

یہ روایات حضرت عائشہ رض کی رخصتی ۱سنہ میں ہونے کا ثبوت ہیں

غرض روایت عیادت ۱سنہ اور شرکت بدر ۲سنہ ھ سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رض کی رخصتی ۱سنہ ھ میں ہو چکی تھی۔ تب ہی رمضان ۲سنہ میں بدر میں ساتھ تھیں۔ حضرت ہشام نے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد اپنے تاریخی قیاس سے رخصتی کا زمانہ بدر کے بعد ۲سنہ متعین کیا جو خلاف واقعہ ہے؟ ....

نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ غزوۂ بدر میں حضرت عائشہ رض کم سن بچی نہیں تھیں بلکہ یقیناً جوان عورت تھیں۔ ورنہ غزوات میں شریک نہ ہوسکتیں جیساکہ دیگر صغیر السن صحابہ کو اجازت نہ ملی تھی۔

آٹھواں قرینہ

حضرت عائشہ رض کے ہاتھوں خدمتِ اُسامہ بن زید

سیرِ اعلام النبلاء للحافظ الذہبی جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ کے مندرجہ ذیل اقتباسات پر غور فرمائیے :۔

(الف) وثبت من اسامة بن زید کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ نی والحسنَ فیقول اللھم انی احبھما قلتُ (یعنی الذہبی) وھو اکبر من الحسن بازید من عشر سنة

(ب) عن عائشة رض قالت اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یمسح مخاط اسامة فقلت دعنی حتی اکون انا اللتی افعل فقال یا عائشة رض احبیہ فانی احبہ قلت (یعنی الذہبی) وکان سنة فی سنھا .

(بیہقی بحوالہ سیرا علام ...)

(ج) قال مجالد عن الشعبی عن عائشة رض قالت امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اغسل وجہ اسامة وھی حبی قالت ما ولدت ولا اعرف [illegible] یغسل الصبیان فاخذہ واغسلہٗ غسلاً لیس بذاک قالت فاخذہ فجعل یغسل وجھہ ویقول لقد احسن بنا اسامة اذ لم یکن جاریة ولو کنت جاریة لحلیتکِ واعطیتک .

(د) عن البھی عن عائشۃ رض قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان اسامۃ جاریۃ کسیتہ وحلیتہ حتی انفقہ

مسند امام احمد جلد ۶ بحوالہ سیر اعلام النبلاء میں مندرجہ ذیل عبارت مذکور ہے :-

(ھ) عن البھی عن عائشۃ رض ان اسامۃ عثر باسکفۃ الباب فشجی فی وجھہ فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمسہ ویمجہ وقال لو کان اسامۃ جاریۃ لکسوتہ وحلیتہ حتی انفقہ قلت (یعنی الذہبی) لما امرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ذلک الجیش الذی ذھب بعد وفاتہ کان عمرہ ثمان عشر سنۃ ۔

(الف) اور اسامہ بن زید سے ثابت ہے کہ نبی صلعم مجھے اور حسن کو پکڑ کر کہتے تھے اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں میں کہتا ہوں (یعنی ذہبی) وہ حسن سے دس سال سے زیادہ بڑا ہے ۔

(ب) عائشہ سے اس نے کہا رسول اللہ صلعم نے ارادہ کیا کہ اسامہ کا ناک صاف کر دیں میں نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں ہی یہ کر دوں آپ نے فرمایا اے عائشہ رض اس سے محبت کیا کر کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں میں کہتا ہوں (ذہبی) کہ ان دونوں کی عمر برابر تھی ۔

(ج) مجالد نے شعبی سے بیان کیا اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا مجھے رسول اللہ صلعم نے حکم دیا کہ میں اسامہ کا منہ دھوؤں اس نے بیان کیا کہ میرے کوئی بچہ ہے ہی نہیں ۔ میں نہیں جانتی بچوں کے منہ کس طرح دُھلتے ہیں اسے پکڑو اور منہ دھوؤ جو ایسا نہ ہو ۔ آپ نے اُسے پکڑا اور اس کا منہ دھونے لگے اور کہنے لگے تو نے ہمارے لئے سہولت کر دی کہ تو لڑکی نہ ہوا اگر تو لڑکی ہوتا تو میں تجھے زیور سے سجاتا اور تجھے دیتا ۔

(د) بہی سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اسے کپڑے پہناتا زیور سے سجاتا اور اس پر خرچ کرتا ۔

(ہ) بہی سے اس نے عائشہ رض سے بیان کیا کہ اسامہ گھر کی چوکھٹ سے گر پڑا اس کے چہرے پر چوٹ آئی رسول اللہ صلعم اسے مل رہے تھے اور صاف کر رہے تھے اور آپ نے فرمایا اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اسے کپڑے پہناتا اور زیور پہناتا اور خرچ کرتا میں کہتا ہوں (ذہبی) جب رسول اللہ صلعم نے اسے اس

لشکر کا امیر بنایا جو آپ کی وفات کے بعد جہاد پر گیا تو اسامہ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی ۔

حضرت اسامہ زید بن حارث کے بیٹے ہیں ۔ اور یہ وہی زید ہیں جنکو زید بن محمد کہا جاتا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زید اور ان کی اولاد سے ایسی محبت تھی جیسی اپنی اولاد سے ہوتی ہے ۔ زید بذاتِ خود گورے چٹے آدمی تھے ۔ لیکن اسامہ ماں کی وجہ سے کالے رنگ کے تھے اور جسامت میں بہت پتلے دُبلے تھے ۔ بچپن میں لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں سے زیادہ مشابہ تھے ۔

ہم نے یہاں علیحدہ علیحدہ پانچ روایات نقل کی ہیں ۔ جن میں سے پہلی روایت کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ اور حسن کو پاس بٹھا کر دعا فرمایا کرتے تھے جس پر حافظ ذہبی کو شک ہوا کہ اس طرح سے اکٹھے گود میں بٹھانا مستبعد ہے جبکہ ایک بچے کی عمر دوسرے سے دس سال زیادہ ہو ۔

آخری چار روایات ایک ہی روایت کے ٹکڑے ہیں ۔

باقی رہیں دوسری ، تیسری ، چوتھی اور پانچویں روایت تو درحقیقت یہ ایک ہی مسلسل روایت تھی جس کے چار حصے بن کر چار روائتیں ہو گئی ہیں ۔

۱ ۔ حضرت اسامہ بچے ہی تھے کہ گھر کی چوکھٹ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے اور منہ پر زخم آگئے خون رسنے لگا ۔ آپ نے اٹھایا ۔ منہ صاف کرنے لگے اور چومنے لگے :۔

۲ ۔ آپ نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ اسامہ کا منہ دھو دو ۔ حضرت عائشہ رضؓ نے کہا مجھے بچوں کا منہ دھونا نہیں آتا ۔ میرے کونسے بچے ہیں ۔ اگر میں نے دھویا بھی تو آپ فرمائیں گے ٹھیک نہیں دُھلا :۔

۳ ۔ آپ بنفس نفیس اُٹھے اور اسامہ کا منہ دھویا اور فرمایا :۔

۴ ۔ یہ تو ہمارے لئے اچھا ہی ہوا کہ اسامہ لڑکی نہ ہوئی ۔ اے اسامہ اگر تو لڑکی ہوتی تو تجھے کپڑے اور زیور بھی مجھے ہی پہنانے پڑتے ۔

دوسری روایت کا یہ مطلب ہے کہ اسامہ کی ناک بھری ہوئی تھی یا رینٹھ ٹپک رہی تھی آپ صاف کرنے کے لئے اٹھنے لگے تو (حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ) میں نے کہا آپ تکلیف نہ کریں ۔ میں صاف کئے دیتی ہوں ۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ رضؓ اس بچے سے محبت کر کہ یہ مجھے بہت ہی پیارا ہے ۔

ذہبی کا اعتراض

حافظ ذہبی کو اس روایت پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت اسامہ اور حضرت عائشہ رضؓ کی عمریں تو برابر تھیں۔ پھر یہ کیسے ہوا۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت بالکل ٹھیک ہے۔ نفس الامر کے عین مطابق ہے۔ سنہ ۱ یا سنہ ۲ میں حضرت اسامہ کی عمر ۸ یا ۹ سال تھی۔ دُبلا پتلا جسم تھا۔ ان کو گھر کی چوکھٹ سے ٹھوکر لگ گئی تھی اور منہ پر چوٹ آئی تھی اس لئے آپؐ نے اس کا منہ دھویا اور صاف کیا لعد میں ریزش آگئی جسے صاف کرنے کے لئے آپ اُٹھنے لگے تو حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا میں صاف کئے دیتی ہوں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کی طرف سے اتنی مہربانی اس بچے پر دیکھی تو آپ نے فرمایا اے عائشہ رضؓ تو اس سے محبت کر یہ مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ پھر آپ نے مزاح اور تفریح کے طور پر فرمایا کہ اچھا ہی ہوا تو لڑکی نہ ہوا۔ اگر تو لڑکی ہوتا تو تجھے خوب سجا کر رکھتا۔ اچھے اچھے کپڑے پہناتا اور تجھے بیاہ دیتا۔

یہ ہشام بن عروہ کی روایت کا اثر ہے کہ ہم ان واقعات کو بھی جو اپنے اجمال کی وجہ سے ہشام کی روایت کی زد سے بچ گئے ہیں تعجب کی نظر سے دیکھتے ہیں حالانکہ صحیح واقعات کو دیکھا جائے تو اس میں کسی قسم کے تعجب کی گنجائش نہیں رہتی۔

حضرت عائشہ رضؓ جوان عورت تھیں اور اسامہ اس وقت ۸ یا ۹ سال کے بچے تھے۔ تو اگر ۸ یا ۹ سال کا دُبلا پتلا بچہ ٹھوکر کھا کر گر پڑے اور اس کے منہ پر چوٹ آ جائے اور نبی کریمؐ اپنی جوان بیوی سے فرمائیں کہ اس کا منہ دھو دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

مگر چونکہ ہشام کی روایت کی رُو سے اِن دونوں کی عمروں میں کوئی تفاوت نہیں تھا اس لئے ان صحیح اور واقعی روایتوں میں شک ہونے لگتا ہے۔ اور اُلٹی یہی بے محل معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور جو شک کے قابل تھیں وہ یقینی ہو گئی ہیں۔

ذہبی کا اعتراض ہشام کی روایت پر مبنی ہے جسے ہم کلّی طور پر مجروح کر چکے ہیں۔

حافظ ذہبی کا یہ خیال کہ کان سنہ فی سنہا اسی روایتِ ہشام سے پیدا ہوا ہے جسے ہم مدلل طور پر مجروح اور مسترد کر چکے ہیں۔

ہشام کی روایت کو درست تسلیم کرنے کے بعد تو اس اعتراض کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ نے جو لشکر شام کے لئے تیار کیا تھا اس کے امیر یہی اسامہ تھے۔ کچھ لوگوں نے آپؐ کی زندگی ہی میں ان کی امارت پر

چہ میگوئیاں شروع کردی تھیں۔ جب آپ کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ خفا ہوئے اور فرمایا کہ لوگوں کو اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض تھا۔ اب اس کی امارت پر بھی اعتراض ہے۔ حالانکہ اس میں امارت کی پوری صلاحیتیں موجود ہیں۔ یہ لشکر ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ آپؐ کی وفات ہوگئی۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے خلیفہ بننے کے بعد ان کو بدستور امیرِ لشکر برقرار رکھا اور صرف حضرت عمر رضؓ کو اسامہ کی اجازت سے اپنے پاس مشورے کے لئے ٹھیرا لیا تھا۔ اس وقت اسامہ کی عمر اٹھارہ سال تھی ادھر ہشام کی روائت کے حساب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر بھی اٹھارہ سال ہی بنتی ہے۔ اس لئے حافظ ذہبی فرماتے ہیں فکان سنہ فی سنہا۔ ہم حافظ ذہبی کے اس قول کو روایت کا درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ یہ حافظ صاحب کا اپنا استنباط ہے۔ اور چونکہ اس کا مبنا و منشا ہشام کی مجروح روائت ہے لہٰذا اس استنباط کی حیثیت بھی بناء فاسد علی الفاسد سے زیادہ نہیں ہے۔

(بلکہ یہ روایات ثبوت ہیں اس بات کا کہ حضرت عائشہ رضؓ پوری جوان عورت تھیں اسامہ رضی اللہ عنہ کی ہم عمر نہیں تھیں)

۹
نواں قرینہ

جنگ اُحد میں حضرت عائشہ رضؓ کی خدمات

حدثنا ابو معمر حدثنا عبد الوارث حدثنا عبد العزیز عن انس بن مالکؓ قال لما کان یوم احد انھزم الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابو طلحۃ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجوب علیہ بجحفۃ لہ وکان ابوطلحۃ رجلا رامیا شدید النزع کسر یومئذ قوسین او ثلاثا وکان الرجل یمر معہ الجعبۃ من النبل فیقول انثرھا لابی طلحۃ قال ویشرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر الی القوم فیقول ابوطلحۃ بابی انت وامی لا تشرف یصیبک سھم من سھام القوم نحری دون نحرک ۔ ولقد رایت عائشۃ بنت ابی بکر وام سلیم انھما لمشمرتان اری خدم سوقھما تنقزان القربۃ علی متونھما تفرغانھا فی افواہ القوم ۔ (بخاری)

ابومعمر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا عبدالوارث نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا عبدالعزیز نے ہم سے حدیث بیان کی انس بن مالکؓ سے اس نے کہا جب اُحد کا غزوہ تھا لوگ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے تھے نبی صلعم سے اور ابوطلحہ نے رسول اللہ کے سامنے آڑ بنا رکھی تھی اپنے ترکش کی ۔ اور ابوطلحہ زبردست تیر انداز تھے ۔ زور کی کمان کھینچتے تھے اس دن انہوں نے دو یا تین کمانیں کھینچ کر توڑ دی تھیں اور جو آدمی پاس سے گزرتا تھا اور اس کے پاس تیروں کا ترکش ہوتا تو آپ کہتے تھے اس سے ابوطلحہ کی مدد کرو اس نے کہا

اور نبی صلعم سر اوپر اٹھا کر لوگوں کو دیکھتے تھے تو ابو طلحہ کہتے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان اوپر نہ اُٹھئے کہیں دشمنوں کا کوئی تیر آپ کو نہ لگ جائے میرا سینہ آپ کے سینے کے سامنے ہے۔ میں نے عائشہ رضہ بنت ابوبکر کو دیکھا اور ام سلیم وہ دونوں اپنے پائنچے چڑھائے تھیں اور مجھے ان کی پنڈلیوں کے پچھلے حصے نظر آرہے تھے ان دونوں نے مشکیں اپنی کمر پر اٹھائی ہوئی تھیں اور انڈیل رہی تھیں۔ غازیوں کے منہ میں۔

یہ روائت بخاری میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُحد کے وقت حضرت عائشہ رضہ مضبوط اور جوان عورت تھیں بچی نہیں تھیں۔

غزوہ اُحد کی ہولناکی

اُحد وہ جنگ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہو گئے تھے کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ بخاری کی ایک روایت کے مطابق صرف دو صحابی طلحہ بن عبیداللہ اور سعد بن ابی وقاص آپ کے پاس رہ گئے تھے۔ کچھ صحابی افراتفری میں مبتلا ہو کر دل چھوڑ بیٹھے تھے۔ کچھ مایوسی کے عالم میں بلا ترتیب جان لینے اور دینے پر تُل گئے تھے۔ صرف چند جاں نثار آپ کو حلقے میں لئے ہوئے تھے۔ اضطراب اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ کیونکہ یہ مشہور ہو گیا تھا کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے میدان میں کوئی مرکزی اجتماع نہیں رہا تھا۔ اس بدحواسی کے عالم میں مسلمانوں نے اپنی جماعت کے ایک فرد یمان کو کافر سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔ ان کے بیٹے حذیفہ چلاتے ہی رہے۔ کہ یہ میرا باپ ہے۔ باوجود منع کرنے اور روکنے کے اس کے قتل سے نہ رُک سکے۔ اُس روز ابو طلحہ جو ام سُلیم کے خاوند اور حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت دفاع کر رہے تھے۔ بار بار کہتے تھے بابی انت و امی آپ اپنی جگہ سے نہ ہٹیے اور نہ اٹھئے کہ کوئی تیر نہ لگ جائے۔ حضرت ام عمارہ کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنی ہوئی تھی۔ میرے مونڈھوں پر یہ گہرے زخم آپ کی مدافعت میں آئے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے دو دانت آپ کی پیشانی میں گھُسی ہوئی دو کڑیاں نکالنے میں کام آئے۔ اس قدر خون آپ کی پیشانی سے نکلا کہ آپ اسی روز کھڑے ہو کر نماز بھی ادا نہ کر سکے۔ حضرت حمزہ رضہ کا دردناک قتل اور دوسرے صحابہ کے قتل کے ایسے ہولناک اور جگر گداز واقعات پیش آئے تھے جن کے ذکر اور تصور ہی سے طبیعت میں گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔

اُحد کی میدانی خدمت بچیوں کا کام نہ تھا۔

ان دردناک واقعات کے ہوشربا مناظر اور ایسے سنگین ماحول میں جب ایک کو ایک

کا ہوش نہ تھا دو عورتیں اپنی ڈیوٹی تندہی جاں نثاری اور استقلال سے انجام دے رہی تھیں۔ زخمیوں کی خدمت میں ایسی منہمک تھیں کہ انہیں اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ پائنچے چڑھا رکھے تھے اور مشکیں کمر پر لادے نہایت تیزی سے زخمیوں کے منہ میں مشکیزوں سے پانی انڈیل رہی تھیں پانی ختم ہوا اور فوراً پھر مشک بھر لائیں۔ تیروں کی بارش ہے مگر انہیں بہر صورت اپنا فرض پورا کرنا ہے۔

یہ بہادر عورتیں کون تھیں؟ ایک ام سلیم رض حضرت انس رض کی والدہ، ابو طلحہ رض کی بیوی اور دوسری نبی کریم ص کی چہیتی بیوی، ابو بکر کی لاڈلی بیٹی عائشہ رض۔ جن کے متعلق ہمارے ثقہ رواۃ اندازہ کرتے ہیں کہ اس وقت ان کی عمر دس سال تھی۔

اس روایت میں ام سلیم رض اور حضرت عائشہ رض کی ایک ہی حالت بیان کی گئی ہے۔ دونوں کی ایک ہی خدمت پیش کی گئی ہے۔ ان کے مشک اٹھا کر بھاگنے دوڑنے کا ایک ہی انداز ہے۔ اور کوئی لفظ اس میں یہ بات بھی ظاہر نہیں کر رہا ہے کہ حضرت عائشہ رض باوجود کم عمری کے یہ اہم خدمت انجام دے رہی تھیں۔

غزوۂ احد میں سات سو مسلمان شریک تھے۔ ان میں سے بعض کی بیویاں بھی وہاں ہوں گی لیکن اس مستعدی اور جفاکشی میں ارباب سیر نے صرف تین عورتوں کا ذکر کیا ہے:-

۱۔ ام عمارہ ۲۔ ام سلیم ۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن

احد کی شرکت سے چودہ سالہ لڑکوں کی ممانعت اور عائشہ رض کو اجازت

یہ بھی پیش نظر رہے کہ غزوۂ احد میں حضرت عبداللہ بن عمر، سمرہ بن جندب، اور زید بن ثابت کو کم عمری کی وجہ سے شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی۔ اس لئے کہ ان کی عمریں اس وقت ۱۴، ۱۴، ۱۴ سال تھیں۔ پھر عائشہ رض جیسی "دس سالہ بچی" کو ایسے ہولناک غزوے میں فوجی خدمت کی اجازت کیسے مل گئی تھی! یہ کسی بزم عروسی کی سقائی تو نہیں تھی جس میں بچے بچیاں پانی پلانے کی خدمت انجام دے لیا کرتے ہیں۔ یہ تو میدان جنگ کی فوجی خدمت تھی جس کے اہتمام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر احتیاط ملحوظ تھی کہ مراہق اور قریب البلوغ نوجوانوں کو بھی شرکت کی اجازت نہیں دی تھی۔

یہی ام سلیم ہیں جن کے متعلق مسلم میں روایت موجود ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو بام سلیم و نسوۃ من الانصار معہ اذا غزی فیسقین

السماء د یداوین الجرحیٰ (مسلم)

ب ۔ اُمِّ سُلیم کی سلاح بندی

اخبرنا ابواسامة اخبرنا ابو عون عن محمد ان ام سلیم کانت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد ومعھا خنجر ۔

شھدت ام سلیم حنینا و معھا خنجر قد حزمتہ علی وسطھا ۔

عن انس ان ام سلیما تخذت خنجرا یوم حنین قال ابو طلحۃ یارسول اللہ ؐ ھذہ ام سلیم و معھا خنجر فقالت یارسول اللہ ؐ اتخذہ ان دنی منی احد من المشرکین بقرت بہ بطنہ او لعجت بہ بطنہ واقتل الطلقاء واضرب اعنا قھم ان ھزموا بلث قال فتبسم رسول اللہ وقال یا ام سلیم ان اللہ قد کفی واحسن ۔

(ابن سعد جلد ۸ ص ۴۲۵)

جب رسول اللہ صلعم لڑائی پہ جاتے تھے اور ام سلیم اور انصار کی دوسری عورتیں ساتھ ہوتی تھیں تو وہ پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں ۔

ب ۔ ابواسامہ نے ہمیں خبر سنائی اس نے کہا ابوعون نے ہمیں خبر سنائی محمد سے کہ ام سلیم اُحد کے دن نبی صلعم کے ساتھ تھی اور اس کے پاس خنجر تھا ۔

ج حنین کی جنگ میں ام سلیم شریک تھی اور اس کے پاس خنجر تھا جو اپنی کمر میں باندھ رکھا تھا ۔

انس سے روایت ہے کہ حنین میں ام سلیم کے پاس خنجر تھا ۔ ابوطلحہ نے کہا یارسول اللہ ؐ یہ ام سلیم ہے اور اس کے پاس خنجر ہے ۔ ام سلیم نے کہا میں اس لئے خنجر ساتھ رکھتی ہوں کہ اگر کوئی مشرک میرے نزدیک لگے تو میں اس سے اس کا پیٹ چاک کردوں یا پیٹ میں گھونپ دوں اور میں قتل کردوں گی ان نئے مسلموں کو بھی اگر وہ لڑائی سے منہ موڑیں ان کی گردنیں اڑا دوں گی پس آپ اس کی بات سُن کر مسکرا دئے ۔ اور فرمایا اے ام سلیم اللہ کافی ہے اور بہتر کرنے والا ہے ۔

غزوات میں عورتیں مسلح ہوتی تھیں

ان عورتوں کے لئے جو ان جنگوں میں پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی پر مامور ہوتی تھیں ضروری تھا کہ اپنے آپ کو مسلح رکھیں ۔ اگر دشمن قریب آئے تو دفاع کر سکیں ۔ اس لئے ضروری ہے کہ حضرت عائشہ رض

بھی غزوۂ احد میں ضرور مسلح ہوں گی ۔

امِّ عمارہ کو دفاع نبی صلعم میں ۱۳ زخم آئے

اسی غزوہ میں نبی کی مدافعت کرتے ہوئے ام عمارہ کے جسم پر ۱۳ زخم آئے تھے ۔ جن کی مرہم پٹی حضورؐ نے خود کھڑے ہو کر کروائی تھی ۔ اور فرمایا تھا کہ من یطیق ما تطیق یا ام عمارہ جس کے جواب میں ام عمارہ نے عرض کیا تھا ما ابالی ما احسابنی من الاذیٰ ۔

بشر بن عقربہ سے روایت ہے کہ میرے والد اُحد کے دن شہید ہو گئے تھے میں وہاں بیٹھا رو رہا تھا ۔ نبی کریمؐ تشریف لائے اور فرمایا اما ترضیٰ ان اکون اباکؓ و عائشۃ املکؓ ۔ کیا تو راضی نہیں کہ میں تیرا باپ بنوں اور عائشہ رضؓ ماں بنے ۔

غور فرمائیے ؛ عائشۃ املکؓ کے جملہ پر ۔ کیا یہ دس سالہ بچی کے متعلق ارشاد ہے ؟

(۱۰)
دسواں قرینہ

فنونِ عربیت و انساب میں مہارتِ عائشہ رض

شعر: قال الزبیر بن البکار عن ابی الزناد قال ما رأیت احدا اروی فی شعر من عروة فقلت له ما اروٰك قال روایتی فی روایة عائشة رض ما کان تنزل بها شیء الا انشدت فیه شعرا ۔

طب: عن عروة عن عائشة رض انه قال لها یا اماه لا اعجب من فقهك اقول زوجة رسول الله وابنة ابی بکر ولا اعجب من علمك بالشعر وایام الناس اقول ابنة ابی بکر وکان من اعلم الناس ولکن اعجب من علمك بالطب فکیف هو واین هو فضربت علی منکبه وقالت ای عریة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یسقم عند آخر عمره فکانت تقدم علیه وفود العرب من کل وجه فتنعتت له النعات وکنت اعالجه ۔

دین: قال عروة ما رأیت احدا اعلم بالقرآن ولا الفریضة ولا الحرام ولا الحلال ولا الفقه ولا بشعر ولا بطب ولا بحدیث العرب ولا بنسب من عائشة رض

رائے: قال العطاء بن ابی رباح:
کانت عائشة افقه الناس اعلم الناس احسن الناس رأیا فی العامة ۔

(زرقانی علی المواهب جلد ۳ ص۲۴۶)

شعر :- زبیر بن بکار نے ابوالزناد سے روایت نقل کی ہیں نے عروہ سے زیادہ کوئی ماہر نہیں دیکھا شعر میں میں نے اس سے پوچھا تم کیسے ماہر ہے اس نے جواب دیا میں نے حضرت عائشہ رض سے سیکھا کوئی واقعہ پیش آتا تو حضرت عائشہ رض اس کے بارے میں شعر پڑھتیں ۔

طب :- عروہ سے روایت ہے اس نے عائشہ رض سے نقل کی ہے ۔ عروہ نے ان سے کہا اے اماں مجھے آپ کی فقہ پر تعجب نہیں ہے کیونکہ آپ رسول اللہ صلعم کی اہلیہ ہیں ابوبکر رض کی بیٹی ہیں اور نہ مجھے تعجب ہے کہ اشعار کی ماہر ہیں اور تاریخ میں کامل ہیں کیونکہ آپ ابوبکر رض کی بیٹی ہیں اور وہ اعلم الناس تھے مگر مجھے آپ کے علم طب پر تعجب ہے ۔ کیسے سیکھا اور کہاں سیکھا انہوں نے عروہ کے کندھے پر ہاتھ مارا اور کہا اے عریہ رسول اللہ صلعم آخر عمر میں مریض رہتے تھے اور ہر طرف سے آپ کے پاس وفود آتے رہتے تھے تو وہ آپ کے لئے نسخے بتاتے تھے اور میں ان سے آپ کا علاج کیا کرتی تھی ۔

دین :- عروہ نے کہا میں نے کوئی حضرت عائشہ رض سے زیادہ اعلم قرآن میں اور فرائض میں حرام اور حلال میں ۔ فقہ میں شعر میں اور طب میں عرب کی تاریخ میں اور انساب میں نہیں دیکھا ۔

رائے :- عطاء بن ابی رباح نے کہا
حضرت عائشہ رض افقہ الناس تھیں اور اعلم الناس تھیں اور رائے میں عام لوگوں کے بارے سب سے بہتر تھیں ۔

مہارتِ شعر و نسب کیلئے عائشہ رض کا کم از کم ۱۷-۱۸ سال تک اپنے معلم والد کے گھر میں رہنا ضروری تھے ۔

انساب اور عربیت میں کمال حاصل کرنے کیلئے ایک شخص کو عمر کا ایسا حصہ درکار ہے جس میں ایسی باتوں کو سمجھ سکے اور یاد رکھ سکے ۔

"مشہور" روایت کی رو سے حضرت عائشہ رض کی عمر ابھی سات سال تھی کہ ہجرت کا واقعہ پیش آگیا ۔ جس میں حضرت ابوبکر رض اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر مدینے آگئے اور جب کئی ماہ

ـدا
روايـة
من
غلمك
ولكن
نكبـه
رعند
عننت
ة ولا
ـديث
ـامة.

بعد بال بچوں کو مدینے بلایا تو چند روز بعد حضرت عائشہ رضہ کی رخصتی ہو گئی۔ اور انہیں اپنے والد سے تلمذ کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ مدینے میں نبی کے گھر کے مشاغل مکے کی زندگی سے بالکل مختلف تھے۔ یہاں قرآن، تبلیغ، صوم و صلوٰۃ کے مسائل اور ملکی مہمات کے اشغال تھے۔ جنہیں علوم عربیت و انساب سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ حضرت عائشہ رضہ کو شعر فہمی اور انطباقِ اشعار کا کامل ذوق مزاولتِ کلام کے بغیر حاصل ہونا مشکل تھا۔ عرب شعراء کے کلام کا نفیس حصہ انہیں زبانی یاد تھا۔ جو موقعہ و محل کے لحاظ سے فوراً زبان پر آجاتا تھا۔ اسی طرح نثر کا بہترین حصہ آپ کو ازبر تھا۔ حدیث ام زرعہ اس کی مثال ہے۔

جبیر بن مطعم جو حضرت ابوبکر رضہ کے دوست رئیس مکہ مطعم کے صاحبزادے اور حضرت عائشہ رضہ کے پہلے خاوند تھے ان کے متعلق رجال کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ کان من علماء قریش وساداتھم وکان یوخذ عنہ النسب لقریش وللعرب قاطبۃ وکان یقول اخذت النسب من ابی بکر الصدیق رضہ (اسد الغابہ۔ ذکر جبیر ص۲۷۰)

وہ علماء قریش میں سے تھا اور ساداتِ قریش میں سے تھا اور اس سے قریش کا نسب حاصل کیا جاتا تھا بلکہ تمام عرب کا نسب۔ اور وہ کہا کرتا تھا میں نے علم نسب ابوبکر الصدیق رضہ سے حاصل کیا۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابوبکر اپنے متعلقین کو فنونِ عربیت و انساب سکھاتے تھے۔ انہوں نے اپنی ذہین و فطین بیٹی عائشہ رضہ کو بھی ان علوم سے بہرہ ور کیا تھا جیساکہ عروہ کے بیان سے ظاہر ہے۔ تو چھ سال کی عمر میں تو یہ صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ انساب کو سمجھ سکے یا یاد رکھ سکے۔ اور شعر کا ذوق تو کافی دیر میں جا کر پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نکاح سے پہلے ہی حضرت عائشہ رضہ بالغہ اور عاقلہ تھیں۔ انہوں نے اپنی ابتدائی جوانی سے ہی اپنے والدِ ماجد سے کسبِ علوم کیا اور جبیر سے زیادہ حضرت ابوبکر سے اخذِ انساب کیا۔ جس وقت حضرت ابوبکر رضہ نے مکے سے ہجرت کی حضرت عائشہ رضہ پختہ عمر کی عورت تھیں۔ اور اس وقت تک وہ اپنی جودتِ طبع اور غیر معمولی قوتِ حافظہ کی وجہ سے انساب عرب اور شعر عرب میں کامل دستگاہ حاصل کر چکی تھیں۔

حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ آپ اپنا جوتا درست فرما رہے تھے اور میں آپ کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ آپ کی نظر جو مجھ پر پڑی تو دریافت فرمایا کیا بات ہے غور سے دیکھ رہی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ابوالکبیر ہذلی کے اشعار آپ پر صادق آتے دیکھ رہی ہوں۔ وہ خود زندہ ہوتا تو اپنے اشعار کا مصداق آپ سے زیادہ کسی کو نہ پاتا۔ آپ

نے فرمایا وہ اشعار کیا ہیں ؟ عرض کیا :-

۱. ومبرأمن کل غبر حیضة — وفساد مرضعة وداء معضل

۲. فاذا نظرت الی اسرة وجهه — برقت کبرق العارض المتهلل

۱. وہ محفوظ ہے ہر نجاست سے اور دودھ پلانے والی کی خرابی سے اور ہر بٹیلی بیماری سے۔ ۲. جب تو دیکھے اس کے چہرے کے خطوط کی طرف تو اسطرح روشن ہوتے ہیں جیسے کہ روشن گال چمکتے ہیں

آپ سن کر خوشی سے جھوم اٹھے اور فرمایا "ما سررت کسر وری منک"۔ یعنی تمہارے اس بر محل شعر کے انطباق سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ان کے بھائی عبدالرحمٰن کا انتقال ہوگیا۔ بے اختیار منہ سے نکلا۔

وکنا کندمانی جذیمة حقبة
من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانی و مالکا
علی طول اجتماع لم نبت لیلة معا

(۱۱)
گیارھواں قرینہ

کُنیتِ عائشہ رض

اخبرنا انس عن عباد اللیثی عن ھشام بن عُروۃ عن عباد بن حمزۃ ان عائشۃ رض قالت یا نبی اللہ ؐ الا تکنّنی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکتنی بابنک عبداللہ بن الزبیر فکانت تکنی بام عبداللہ ۔ (ابن سعد جلد ۸)

ہمیں خبر سنائی انس نے عباد لیثی سے اس نے ہشام بن عروہ سے اس نے عباد بن حمزہ سے اس نے کہا عائشہ رض نے کہا۔ اے اللہ کے نبی کیوں میری کنیت نہیں رکھتے پس رسول اللہ نے فرمایا تو اپنی کنیت، اپنے منہ بولے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے نام پر رکھ لے تو کنیت رکھ دی گئی ام عبداللہ۔

عرب میں کنیت کا عام رواج تھا۔ انسانوں سے گذر کر جانوروں تک کے لئے کنیت ملتی ہے مثلاً لومڑی کیلئے ابوالھوارس۔ شیر کیلئے ابوالحادث وغیرہ

کنیتیں بعض اوقات اوصاف کے لحاظ سے رکھی جاتی تھیں۔ مثلاً حضرت زینب رض کی کنیت ام المساکین تھی۔ اکثر و بیشتر اولاد کی نسبت سے کنیتیں اختیار کی جاتی تھیں۔ جیسے ابوطالب۔ ابوحفص۔ ابوالقاسم۔ ام عمارہ۔ ام حبیبہ۔ ام سلمہ وغیرہ۔

کنیت سے آدمی کا ایک وقار بن جاتا ہے۔ اس کی ذات میں ایک بزرگی بڑائی اور ذمہ داری کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یعنی کنیت والا آدمی محض ایک جوان یا

بوڑھا نہیں ہوتا بلکہ ایک باپ ہوتا ہے جسے ذمہ داری کا پورا احساس ہے۔ ایک باکنیت عورت محض لڑکی یا صرف عورت نہیں ہوتی بلکہ ماں ہوتی ہے جو زمانے کے سرد وگرم دیکھے ہوئے ہوتی ہے جسے اپنے قول وعمل کا پورا پورا احساس ہوتا ہے۔

جس کے نام پر یہ کنیت اختیار کی گئی ہے وہ نہ صرف رشتے کی وجہ سے مرتبۂ ابنیت میں ہونا چاہئیے بلکہ عمر کے لحاظ سے بھی ایسا ہونا چاہئیے کہ دونوں پر ماں بیٹے کے مراتب زیب پاسکیں۔

یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر حضرت عائشہ رضؓ کی عمر والی روایت مشہور کی رُو سے حضرت عائشہ رضؓ سے صرف ۸ سال چھوٹے ہیں۔ اور بھائی کہلانے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن اصل واقعہ کے لحاظ سے ان کی اور حضرت عائشہ رضؓ کی عمر میں ۱۸ سال یا ۲۸ سال کا تفاوت ہے جو ماں اور بیٹے کی عمر میں ہوسکتا ہے۔

قیاس کا تقاضا ہے کہ عبداللہ حضرت عائشہ رضؓ کے متبنیٰ ہوں گے

پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ حضرت اسماء کے تو بہت سے بچے تھے۔ کسی اور کے نام پر یہ کنیت رکھی جاسکتی تھی نیز یہ بھی دیکھنا ہے کہ جب عبداللہ حضرت اسماء کے بیٹے ہیں تو خود حضرت اسماء نے ان کے نام پر اپنی کنیت کیوں نہ رکھی۔ مگر تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ میرے سے ان کی کوئی کنیت تھی ہی نہیں۔

قیاس یہ کہتا ہے کہ عبداللہ زیادہ تر اپنی خالہ عائشہ رضؓ کے پاس ہی رہتے ہوں گے جیسے عام طور پر کثرت اولاد کی صورت میں کچھ بچے نانی یا تائی۔ چچی۔ پھوپھی بے اولاد خالہ کے پاس رہنے لگتے ہیں۔ اس لئے حضرت عائشہ رضؓ نے ان کے نام پر کنیت اختیار کی۔

ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے انہیں منہ بولا بیٹا بنا لیا ہو۔ کیونکہ روایت کے آخری الفاظ بابنك عبداللّٰہ بھی یہی ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضؓ کے منہ بولے بیٹے تھے۔

اس کنیت کے اختیار کرنے سے طبیعت کو کچھ اطمینان ہوگیا ہوگا۔ کیونکہ جذبۂ تکنیت حقیقت میں جذبۂ مادری کا ایک تقاضا ہوتا ہے۔ اور یہ تقاضا اُس وقت ہوا ہوگا جب انہیں خود اپنی اولاد سے مایوسی ہوگئی ہوگی۔ اور اس قسم کی کیفیت ۱۷۔۱۸ سال کی لڑکی میں پیدا نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ ۲۸۔۳۰ سال کی عورت

میں ممکن ہے۔

اِس کیفیت اور اس کنیت اختیار کرنے کی روشنی میں حضرت عائشہ رض کی عمر کو زیادہ تسلیم کرنا ہی قرین عقل و دانش ہے جو فطرت اور نفسیاتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔

حضرت اسماء کو چونکہ عملاً اس جذبۂ مادری کی تسکین حاصل تھی اس لیے انہیں کنیت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

---

(۱۲)

بارھواں قرینہ

حضرت عائشہ رض کا تہوّر

عن علقمة بن وقاص قال اخبرتنی عائشة رض خرجت یوم الخندق اقفوا الناس فسمعت وئید المرء ورائی فاذا بسعد بن معاذ ومعه ابن اخیه الحارث بن عوف یحمل مجنه قالت فجلست الی الارض فمر سعد وعلیه درع من حدید قد خرجت منها اطرافه فانا اتخوف علی اطراف سعد قالت وکان سعد من اعظم الناس واطولهم فمر وهو یرتجز ـ

لبث قلیلا یدرک الهیجا جمل ٭ ٭ ما احسن الموت اذا حان الاجل

قالت فقمت فاقتحمت حدیقة فاذا نفر من المسلمین فاذا فیها عمر بن الخطاب فیهم رجل علیه سبغة له تعنی المغفر فقال عمر ما جاء بك والله انك لجریئة ما یؤمنك ان یکون بلاء او یکون تحوز فما زال یلومنی حتی تمنیت ان الارض فتحت ساعتئذ فدخلت فیها فرفع الرجل السبغة عن وجهه فاذا هو طلحة بن عبید الله فقال یا عمر ویحك انك قد اکثرت منذ الیوم واین التحوز او الفرار الا الی الله عزوجل

(البدایه والنهایه ـ جلد ۴ غزوہ خندق)

علقمہ بن وقاص سے روایت ہے اس نے کہا مجھے عائشہ رض نے سنایا میں خندق کے دن گھر سے نکلی لوگوں کے پیچھے چل رہی تھی مجھے اپنے پیچھے کسی آدمی کی آہٹ معلوم ہوئی تو میں

نے دیکھا سعد بن معاذ تھے اور ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حارث بن عوف تھے وہ اپنی ڈھال اٹھائے تھے ۔ عائشہ رضؓ نے کہا میں ایک طرف زمین پر بیٹھ گئی تو سعد پاس سے گزرے وہ لوہے کی زرع پہنے تھے لیکن بازو ذرع سے باہر تھے مجھے سعد کے بازوؤں کا ڈر ہوا اور سعد بہت لمبے قد کے آدمی تھے اور بڑے آدمی تھے وہ چل رہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے ۔
تھوڑا سا ٹھیر لڑائی چھڑ گئی ۔ موت کس قدر اچھی ہوتی جب موت کا وقت قریب آجاتے ۔

اس نے کہا پھر میں اٹھی اور ایک باغ میں گھس گئی میں نے دیکھا مسلمانوں کا ایک گروہ ہے اس میں عمر بن الخطاب بھی ہیں اور ان میں ایک آدمی ہے جس پر خود ہے جسے مغفر کہتے ہیں تو عمر رضؓ نے مجھے کہا تو کیوں آئی واللہ تو بہت جری ہے ۔ تجھے خیال نہ آیا کہ کسی مصیبت میں پڑجائے یا کوئی ناحیہ حفاظت کا ملے یا نہ ملے ۔ وہ مجھے ڈانٹتے ہی رہے اس حد تک میں نے تمنا کی کہ زمین شق ہوجائے اور میں اس میں دھس جاؤں پس اس شخص نے اپنے چہرے سے اپنا خود اتار دیا تو وہ طلحہ بن عبیداللہ تھے اس نے کہا افسوس ہے تجھ پر اے عمر آج تم ملامت میں مبالغہ کر رہے ہو کہاں حفاظت ہے یا فرار کی جگہ ہے مگر اللہ کی طرف ۔

یہ واقعہ غزوۂ خندق کا ہے ۔ جس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ (سورۂ احزاب)

غزوۂ احزاب ایک شدید معرکہ تھا ۔ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال تھا باہر سے تمام احزاب امنڈ آئے تھے ۔ اندر سے منافقین اور بنی قریظہ پشت میں چھرا گھونپنے کیلئے تیار تھے ۔ عین احزاب کے حملے کے دوران بنو قریظہ نے اپنا معاہدہ توڑ دیا تھا ۔ اور ہر وقت خطرہ تھا کہ معلوم نہیں یہ مسلمانوں پر کس وقت ٹوٹ پڑیں ۔ اس حالت میں حضرت عائشہ رضؓ قلعہ بنی حارثہ

سے نکل کر (جو مدینے کا محفوظ ترین مقام تھا جس میں مسلمان عورتوں کو جمع کر دیا گیا تھا اور کچھ لوگوں کو اس کی حفاظت کیلئے مقرر کر دیا گیا تھا) مردوں کے پیچھے پیچھے میدان کارزار تک پہنچ گئیں۔ اور ایک باغ میں جہاں مسلح لوگ دشمنوں کا حملہ رد کرنے کو تیار کھڑے تھے پہنچ گئیں۔ ان لوگوں میں حضرت عمر رضؓ بھی تھے۔ ایک اور صاحب تھے جو لوہے میں غرق مغفر پہنے ہوئے تھے، یہ نہیں معلوم ہو رہا تھا یہ کون ہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے انہیں دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور دیر تک چشم نمائی اور نصیحت فرماتے رہے۔

غرض اس شدید معرکے میں بھی ان کی بہادر طبیعت نے ان کو عورتوں میں نہ بیٹھنے دیا اور میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔

اس لڑائی کے متعلق موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ دشمنوں نے اپنی فوجوں سے مسلمانوں کے گرد ایک قلعہ بنا دیا تھا۔ اور مسلمان اس میں محصور تھے۔ تو یہ جرأت و حوصلہ ایک بچی میں نہیں ہو سکتا۔ یقیناً اس وقت حضرت عائشہ رضؓ پوری جوان تقریباً چوبیس پچیس سال کی تھیں یا ۲۴ - ۲۵ سال کی تھیں۔

حضرت عائشہ رضؓ ہی پر کیا موقوف ہے ان کا پورا گھرانا ہی نڈر اور بہادر تھا۔ ان کی بڑی بہن اسماء جنگ یرموک میں شریک تھیں۔ فاطمہ بنت منذر سے ہشام بن عروہ کی روایت ہے کہ:-

ان اسماء بنت ابی بکر اتخذت خنجراً زمن سعید بن العاصی للصوص كانوا قد استعروا بالمدينة كانت تجعله تحت رأسها.

(ابن سعد جلد ۸ ص۲۵۲ ذکر اسماء بنت ابی بکر)

اپنے پاس اسماء بنت ابوبکر رضؓ خنجر رکھتی تھی سعید بن العاص کے زمانے میں چوروں کے لئے جو مدینے میں آ گئے تھے اور رات کو اسے سر کے نیچے رکھتی تھی۔

(۱۳)

تیرھواں قرینہ

آیتِ تخییر يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (سورۃ احزاب ع ۴)

روایتِ تخییر عن عائشۃ رض قالت اتانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی ساعرض علیک امرا فلا علیک ان لا تعجلی به حتی تشاوری ابویک فقلت وما ھذا الامر قالت فتلا علی يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ الآیۃ قالت عائشۃ رض افی ذلک تامرنی ان اشاور ابوی بل ارید اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ. قال فسر بذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واعجبہ وقال ساعرض علی صواحبک ما عرضت علیک قالت فلا تعرض بالذی اخترت فلم یفعل کان یقول کما قال لعائشۃ رض ثم یقول قد اختارت عائشۃ رض اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ.

(ابن سعد جلد ۸ ذکر عائشۃ رض)

عائشہ رض سے روایت ہے اس نے کہا رسول اللہ صلعم میرے پاس آئے فرمایا میں تیرے سامنے ایک معاملہ پیش کروں گا تو اس میں جلدی نہ کرنا یہانتک کہ تو اپنے والدین سے

مشورہ کر لے میں نے کہا وہ کیا معاملہ ہے آپ نے یہ آیت پڑھی يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ الخ عائشہ رض نے کہا کیا اس معاملے میں آپ مجھے حکم فرما رہے ہیں کہ میں والدین سے مشورہ کروں میں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخری گھر کو قبول کرتی ہوں، پس رسول اللہ صلعم بہت خوش ہوئے اور متعجب ہوئے آپ نے فرمایا یہی معاملہ ازواج کے سامنے بھی پیش کروں گا عائشہ رض نے کہا یہ نہ بتلانا میں نے جو اختیار کیا ہے مگر آپ نے یہ بات نہ مانی ۔ آپ وہی بات کہتے تھے جو عائشہ رض سے کہی تھی پھر فرماتے تھے عائشہ رض نے اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا ۔

اس موقعہ پر حضرت عائشہ رض کو ماں باپ سے مشورہ کرنے کے لئے اس واسطے نہیں کہا تھا کہ حضرت عائشہ رض بچی تھیں ، بلکہ معاملہ جذبات کا تھا ، اور ازواج میں منافست تھی اور جوان آدمی میں جذبات شدید ہوتے ہیں ، اس لئے احتیاط کے طور پر آپ نے فرما دیا تھا کہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھانا ۔ حضرت عائشہ رض کا بلا مشورہ جواب ان کے ذہن کی پختگی اور اُن کے ذہن کے روشن ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔ ان کا اسلوب جواب بہت زیادہ خود اعتمادی کا مظہر ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ معاملہ ان کے نزدیک مشورے کا تھا ہی نہیں ۔ یعنی اس معاملہ میں کوئی دوسرا پہلو ان کی نظر میں تھا ہی نہیں جس پر وہ غور کرتیں ۔ ایک ہی پہلو تھا جس پر انہوں نے فوری فیصلہ دے دیا کہ میں اللہ اور رسول اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں ۔

مگر اس کے ساتھ ہی نبی کریم صلعم سے درخواست کی کہ میرا جواب دوسری ازواج کے سامنے نقل نہ کیجئے گا ۔ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ دوسری ازواج میری نقل نہ کریں بلکہ آزادانہ اپنے دماغ اور اپنی طبیعت سے فیصلہ کریں ۔ دوسرے اپنی مثال سے ان کے اختیار کو متاثر نہیں کرنا چاہتی تھیں کہ بلا وجہ وہ شرما شرمائی حضرت عائشہ رض کی تقلید کریں ۔

غرض اس سارے واقعے سے ان کی پختہ عمری اور پختہ ذہن کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ کم عمری کا ۔

(۱۴)

چودھواں قرینہ

واقعۂ معراج

اسرا اور معراج کے متعلق مفصل مباحث فتح الباری اور عینی وغیرہ میں مذکور ہیں۔ اس پر براہِ راست بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس لئے ہم اختصار کے ساتھ صرف اس حصّے کو ذکر کرتے ہیں جو حضرت عائشہ رضؓ اور ان کی عمر سے تعلق رکھتا ہے۔

اس باب میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ معراج جسمانی تھی۔ اربابِ سیَر و سنن نے مختلف صحابہ سے معراجِ جسمانی کی روایات نقل کی ہیں۔ صحیحین میں معراج کی روایات حضرت انس بن مالکؓ اور انہی کے واسطہ سے مالک بن صعصعہ انصاری اور حضرت ابو ذر سے بیان کی گئی ہیں۔

صحابہ میں دو صحابیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ معراجِ جسمانی کے قائل نہیں تھے۔ جن میں سے ایک حضرت عائشہ رضؓ اور دوسرے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما۔

اسراء اور معراج کا واقعہ کب پیش آیا؟

تحقیقی رجحان یہ ہے کہ یہ ہجرت کے سال ہی پیش آیا ہے۔

چونکہ اربابِ سیَر اسراء اور ہجرت کو بلا فصل بیان کرتے ہیں اس لئے بھی اور اس لئے بھی کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات، اور فرضیتِ صلوٰۃ کو بھی مصنفین ساتھ ہی ساتھ بیان کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسراء واقعہ معراج اور ہجرت تینوں واقعات ۱۳ سنہ نبوی میں ہی پیش آئے۔

اصل میں یہاں دو مسئلے بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور چونکہ ان دونوں ہی کا تعلق واقعۂ معراج سے ہے اس لئے ان میں التباس ہوگیا ہے۔

ایک مسئلہ اسراء اور معراج جسمانی ہے۔ اور دوسرا رؤیت باری ہے۔

اسراء کا وہ حصہ جو بیت المقدس تک ہے نص قطعی ہے اور اس میں کسی صحابی سے کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔

بیت المقدس سے آگے کا حصہ جس میں آسمانوں کی سیر اور فرضیت صلوٰۃ کا ذکر ہے اس میں گفتگو ہے کہ آیا بیداری میں اس جسد عنصری کے ساتھ پیش آیا یا خواب میں۔

معراج جسدی کی تردید کسی صحابی سے ثابت نہیں

حقیقت یہ ہے کہ معراج جسدی کی تردید میں صحابہ میں سے کسی کا مستند بیان مذکور نہیں ہے۔

قابل تعجب اور غور طلب تو یہ بات ہے کہ اس اختلاف کو دو ایسے صحابہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو حضرت علی رض سے اختلاف رکھتے تھے۔ اور اسی لئے اس شبہ کی بڑی حد تک گنجائش نکل رہی ہے کہ یہ نسبت یا الزام بھی شاید اسی تاریخی اختلاف کا شاخسانہ ہے۔

یہ روایت مندرجہ ذیل وجوہ سے ضعیف ہے:-

۱ اس روایت اختلاف کا راوی محمد بن اسحاق ہے جو متہم بالتشیع ہے۔ اس کی ایسی روایت جس سے حضرت عائشہ رض کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے قابل اعتبار نہیں ہے۔

۲ اس روایت کے متن میں اضطراب پایا جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ :-

مَافقدت جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کو گم نہ پایا) اس لئے کہ اس وقت تو حضرت عائشہ رض حرم نبوی میں شامل بھی نہیں ہوئی تھیں۔ ان کی رخصتی تو مدینہ میں ہوئی اور واقعہ معراج مکہ میں پیش آیا۔ لہذا یہ بیان ہی سارا خلاف واقعہ اور بے محل ہے۔

۳ اس کی سند میں "بعض آل ابی بکر رض" مبہم ہے جس کی تعیین نہیں کی گئی کہ وہ کون ہے۔ محمد بن اسحاق نے اس کا نام کیوں نہیں لیا۔

بہر حال سند میں ایک راوی تو ضرور مجہول ہے۔ لہذا سند منقطع ہے۔

۴ حضرت عائشہ رض کے اپنے بیانات اس کی نفی کرتے ہیں۔

لہذا ہمارا خیال یہی ہے کہ حضرت عائشہ رض اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو بدنام کرنے اور ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے اس کی تشہیر کی گئی ہے۔

ابن اسحاق نے حضرت معاویہ رض سے جو روایت ذکر کی ہے اس کی سند میں یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ بن الاخنس ہے۔ جس نے حضرت معاویہ رض کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ لہذا یہ روایت بھی

منقطع ہے اور درمیان میں کوئی راوی متروک ہے ۔

حضرت عائشہ رضؓ کے اپنے گھر میں قرآن کریم کا کثیر حصہ نازل ہوا ہے ۔ وہ کیفیتِ وحی سے پوری طرح واقف ہیں ۔ قرآن کریم میں بہت سے معجزات اور خوارقِ عادات کا ذکر ہے ۔ مثلاً عصائے موسیٰؑ اور اس کے کرشمے كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۔ حضرت ابراہیمؑ کے چار پرندوں کا واقعہ ۔ قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِي بَرْدًا ۔ ناقہ یہود کا واقعہ ۔ کشتی نوحؑ ۔ حضرت عیسیٰؑ کا مُردوں کو زندہ کرنا اور اندھوں کو بینا کرنا ۔ بدر میں نزولِ ملائکہ ۔ حضرت جبرائیلؑ کا قرآن لے کر نازل ہونا وغیرہ ۔

جب یہ واقعات حضرت عائشہ رضؓ کے نزدیک صحیح تھے تو کیا صرف معراجِ جسدی میں وہ متردد ہو جائیں ۔

ان کے والد تو اسی بناء پر الصدیق کہلائے کہ قریش نے اسراء اور معراج کا انکار و استہزاء کیا لیکن ابوبکر رضؓ نے خبر کے سنتے ہی تصدیق فرمائی ۔

علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضؓ معراج کے وقت بالغہ تھیں ۔ سابق الایمان مومنہ تھیں پھر وہ کیسے واقعۂ اسراء اور معراج کا انکار کرتیں ۔

قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے :۔

ذهب معظم السلف والمسلمين الى ان الاسراء بالجسد فى اليقظة وهو الحق ، وهذا قول عباس وجابر وانس وحذيفة وعمر وابى هريرة ومالك بن صعصعه وابى البدرى وابن مسعود الخ وهو دليل قول عائشة رضؓ ۔

سلف اور مسلمانوں کی اکثریت اس کے قائل ہیں کہ اسراء جسمانی ہے اور بیداری کی حالت میں ہوا اور یہی حق ہے ۔ یہی کہا ہے ابن عباس ۔ جابر ۔ انس ۔ حذیفہ ۔ عمر ۔ ابوہریرہ ۔ مالک بن صعصعہ ۔ ابن مسعود وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اور یہی قول عائشہ رضؓ کی دلیل ہے ۔

علامہ خفاجی نسیم الریاض میں قاضی عیاض کی اس عبارت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ جمہور ہی کے ساتھ ہیں ۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حافظ خطاب کی کتاب " التنویر فی مولد السراج المنیر " سے حدیثِ اسراء کے طرق کا ذکر کیا ہے اور ۲۵ صحابہ سے اُسے منقول بتایا ہے ۔ جن میں حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضؓ کا بھی ذکر کیا ہے کہ یہ دونوں بھی اس روایت

کی راوی ہیں ۔

غرض حضرت عائشہ رضؓ کی طرف معراجِ جسدی کے انکار کی نسبت غلط معلوم ہوتی ہے ۔ اُن سے کوئی روایت ایسی منقول نہیں ہے جو محمد بن اسحاق کے مجہول راوی کے بیان کی موید ہو بلکہ حسبِ تصریح حافظ ابوالخطاب و قاضی عیاض وہ خود روایتِ معراج کی راوی اور واقعۂ معراج کی گویا عینی شاہد ہیں ۔

جس روز واقعۂ معراج پیش آیا جیسے ہی اس کی اطلاع حضرت ابوبکر رضؓ کو ہوئی آپ نے اس کی بلا پس وپیش تصدیق کر دی اسی طرح جب ان کے گھرانے کے علم میں آیا تو سب کے سب افراد خانہ نے بھی اس کی تصدیق کی ۔ اور ان میں حضرت عائشہ رضؓ بھی شامل ہیں ۔ اور اسی بنا پر اس روایت کی راوی اسماءؓ اور عائشہ رضؓ دونوں بہنیں ہیں ۔ اور اسی سے یہ ثابت ہو گیا کہ

(جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ کی بات اس باب میں معتبر نہیں ہے کیونکہ وہ اس وقت بچی تھیں ان کا یہ بیان اور جواب درست نہیں ہے)

حضرت عائشہ رضؓ اس وقت بچی نہیں تھیں بلکہ پوری جوان عورت تھیں ۔ اس وقت کے حالات سے مکمل طور پر باخبر اور اس وقت تک کے احکام اسلام ، مزاجِ اسلام صداقتِ رسول اور معجزات رسول سب سے واقف اور مطمئن تھیں

رُویتِ باری میں حضرت عائشہؓ کا موُقف

البتہ رویتِ باری کے معاملہ میں حضرت عائشہؓ کا مسلک بالکل واضح ہے ۔ وہ اس کی قائل نہیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو جسمانی آنکھوں سے دیکھا ہے ۔ اور ان کا استدلال قرآن کریم کی آیات سے بھی ہے ۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انہوں نے یہ سوال کیا تھا تو آپؐ نے جواب میں فرمایا تھا " میں نے خدا کو نہیں دیکھا "

جو صحابہ اس کے قائل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے ۔ ان کی یہ روایت بتاویل تو درست ہے لیکن حضرت عائشہ رضؓ کے استدلال اور بیان کو نہیں پہنچتی ۔

غالباً اس انکارِ رویت باری کے تعلق سے روایوں نے خود ہی یہ خیال کر لیا ہوگا کہ حضرت عائشہ رضؓ معراجِ جسدی کی بھی منکر ہیں ۔ کیونکہ رویت باری کا واقعہ اسی واقعۂ معراج میں پیش آیا تھا ۔

حالانکہ حضرت عائشہ رضؓ نے اس رویت کو جبرائیلؑ کی رویت فرمایا ہے ۔ اور اسی سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ معراجِ جسدی کی قائل ہیں ۔

صحابۂ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود بھی رویتِ باری کے قائل نہیں ہیں ۔ لیکن

روایت اسراء اور معراجِ جسدی کے راوی ہیں۔ مگر اِن کے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہوتی کہ یہ معراجِ جسدی کے منکر ہیں۔

حضرت عائشہ رضؓ کا استدلال اس روایت سے ہے :-

حدثنا زهير بن حرب قال نا اسماعيل بن ابراهيم عن داؤد عن الشعبي عن مسروق قال كنت متكئا عند عائشة رضؓ قالت يا ابا عائشة رضؓ ثلاث من تكلم بواحدة منهن فقد اعظم على الله الفرية فقلت ماهن قالت ۱ من زعم ان محمدا رای ربه فقد اعظم على الله الفرية :- قال وكنت متكئا فجلست فقلت يا ام المومنين انظريني ولا تعجليني ـ الم يقل الله تعالى وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ فقالت انا اول هذه الامة سال عن ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انما هو جبرئيل ؑ لم اره على صورته التي خلق عليها غير هاتين المرتين رايته منهبطا من السماء سادا عظم خلقه ما بين السماء والارض فقالت اولم تسمع ان الله عزوجل يقول :- لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ اولم تسمع ان الله يقول :- وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ قالت ۲ ومن زعم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتم شيئا من كتاب الله فقد اعظم على الله الفرية . والله يقول يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط قالت ۳ ومن زعم انه يخبر بما يكون في غد فقد اعظم على الله الفرية والله يقول قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط

(فتح الملہم جلد اول ص۳۴۰ باب معنی قوله وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى)

زہیر بن حرب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے اسماعیل بن ابراہیم نے ہم سے حدیث بیان کی داؤد سے اس نے شعبی سے اس نے مسروق سے اس نے کہا میں تکیہ لگائے بیٹھا ہوا تھا عائشہؓ کے پاس اس نے کہا اے ابو عائشہ رضؓ (مسروق کی کنیت ہے)؛ تین باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی کوئی بات کرے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ گھڑا ہے میں نے کہا وہ کیا ہیں اس نے کہا جو یہ کہے کہ محمدؐ نے خدا کو دیکھا تو اس نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔ اس نے کہا میں

تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گیا اور میں نے کہا اے ام المومنین مجھے سمجھائیے جلدی نہ کیجئے کیا اللہ نے نہیں فرمایا اس نے یقیناً اسے دیکھا افق مبین میں اور اس نے اسے دیکھا دوسری اتار میں۔ عائشہ رض نے کہا میں امت میں پہلی ہوں جس نے اس کے متعلق رسول اللہ صلعم سے سوال کیا آپ نے فرمایا وہ جبرائیل تھا میں نے اسے اس کی اصلی صورت پر جس پر کہ خدا نے اُسے پیدا کیا سوائے ان دو مرتبہ کے کبھی نہیں دیکھا میں نے اسے آسمان سے اترتے دیکھا بھرے ہوئے تھی اس کی عظیم آسمان اور زمین کے درمیان اس نے کہا کیا تو نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ کا قول۔ اسے آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وہ آنکھوں کو پالیتا ہے وہ لطیف اور خبیر ہے۔ اور کیا نہیں سنا اللہ تعالےٰ کہتا ہے کسی بشر میں یہ مجال نہیں ہے کہ اللہ اس سے براہِ راست بات کرے مگر بذریعہ وحی یا پردے کے پیچھے سے یا پیغام بر بھیجے اور وہ اسے وحی کرے اللہ کے حکم کی جو وہ چاہتا ہے۔

۲۔ جو کہے رسول اللہ صلعم نے کتاب اللہ کا کچھ حصہ چھپا لیا تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا اللہ تو کہتا ہے اے نبی پہنچا جو تجھ پر اُترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر تُو نے ایسا نہ کیا تو تُو نے تکمیل رسالت نہ کی۔ اس نے کہا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم اس کی خبر دیتا ہے جو کل واقع ہوگا تو اس نے بھی اللہ پر بڑا جھوٹ گھڑا۔ اور اللہ تو کہتا ہے۔ کہہ دے نہیں جانتا جو زمین اور آسمانوں میں غیب کو مگر ہاں اللہ جانتا ہے۔

بحث کا خلاصہ :۔

غرض حضرت عائشہ رض کا واقعہ معراج اور رویۃ باری میں اپنی رائے کا اظہار محض سماع پر نہیں تھا۔

(۱۵)

پندرھواں قرینہ

نماز کی تدریجی فرضیت سے حضرت عائشہ رض کی واقفیت

حدثنا مسدد قال حدثنا یزید بن زریع قال حدثنا معمر عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ رض قالت فرضت الصلوٰۃ رکعتین ثم ھاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففرضت اربعًا و ترکت صلوٰۃ السفر علی الاولیٰ۔

(بخاری باب الھجرۃ جلد اول ص ۵۶۰)

مالک عن صالح بن کیسان عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ رض زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت فرضت الصلوٰۃ رکعتین رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت صلوٰۃ السفر و زید فی صلوٰۃ الحضر۔

(موطا امام مالک ص ۵۵ قصر الصلوٰۃ فی السفر۔ ومسلم)

عن یونس عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ رض زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت فرض اللہ الصلوٰۃ حین فرضہا رکعتین ثم اتمہا فی الحضر فاقرت صلوٰۃ السفر علی الفریضۃ الاولیٰ۔

(مسلم جلد اول۔ صلوٰۃ المسافرین و قصرھا)

مسدد نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا یزید بن زریع نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا معمر نے ہم سے حدیث بیان کی زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے

اس نے کہا نماز شروع میں دو رکعت نماز فرض کی گئی پھر نبی صلعم نے ہجرت کی تو چار رکعت فرض کی گئی اور سفر کی نماز دو ہی رہنے دی گئی۔

۲۔ مالک نے صالح بن کیسان سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے عائشہ رضؓ زوجہ نبی صلعم سے اس نے کہا نماز فرض کی گئی دو۔ دو رکعتیں حضر میں اور سفر میں۔ تو سفر کی نماز اسی طرح رہی اور حضر کی نماز میں زیادہ کر دی گئی۔

۳۔ یونس سے اس نے ابن شہاب سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے عائشہ رضؓ زوجہ نبی صلعم سے اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض کی تو دو رکعتیں فرض کی پھر حضر میں پوری کر دی گئی اور سفر میں وہی پہلی ہی رہنے دی گئی۔

نماز کی فرضیت کی ابتدائی کیفیت ہمیں حضرت عائشہ رضؓ کی مذکورہ بالا احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ کسی اور صحابی سے اس باب میں کوئی روایت منقول نہیں ہے۔

ہجرت سے پہلے تمام فرض نمازیں سوائے مغرب کی نماز کے دو دو پڑھی جاتی تھیں۔ ہجرت کے بعد ظہر، عصر اور عشاء کی نماز میں دو دو رکعات کا اضافہ حالتِ حضر میں کیا گیا۔ اور سفر میں وہ سہولت علی حالہ باقی رہی۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ ابتداء اسلام ہی سے نماز کی کیفیت سے واقف ہیں۔ کہ جب ابتدائے اسلام میں خدا نے نماز فرض فرمائی تھی تو دو ہی رکعت فرض فرمائی تھی۔ اور ہجرت تک یہی صورت رہی۔

گویا ہجرت اور اس کے قبل و بعد کے جزئی اور کلی اجمالی اور تفصیلی واقعات حضرت عائشہ رضؓ کے ذہن میں واضح طریقہ پر ثبت ہیں۔ اور جب بھی کوئی بیان دیتی ہیں پُر وثوق اور جاندار انداز میں دیتی ہیں۔ اور ان کے بیانات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان عینی شاہد کے بیان ہیں اور ان لوگوں کے بیانات سے ممتاز ہیں جو ایک دوسرے سے سن سنا کر بیان کرتے ہیں۔

کیوں نہ ہو وہ بعثت کے شروع سے پختہ ذہن رکھتی تھیں اور ان کا مشاہدہ واقعات وسعت و گیرائی بھی رکھتا ہے اور عمق اور گہرائی بھی

اسلام کی ابتدائی زندگی اور مکے کے متغیر حالات کے متعلق اگر کچھ ہماری معلومات ہیں تو وہ حضرت عائشہ رضؓ کے بیانات سے ماخوذ ہیں۔

قصرِ صلوٰۃ میں ائمہ کا اختلاف

قصر نماز کا مسئلہ ائمہ کے درمیان اس حیثیت سے مختلف فیہ ہے

ہے کہ یہ قصر ضروری ہے یا اختیاری۔ یعنی ایک مسافر اگر سفر میں پوری نماز پڑھے اور قصر کی سہولت سے فائدہ نہ اٹھائے تو وہ اس کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ کی ضروری معلومات مختصراً درج ذیل کی جاتی ہیں :-

۱۔ حدثنا عبداللہ بن محمد قال حدثنا سفیان عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رض قالت الصلوۃ اول ما فرضت رکعتان فاقرت صلوۃ السفر واتمت صلوۃ الحضر۔ قال الزھری فقلت لعروۃ فما بال عائشۃ تتم قال تاولت کما تاول عثمان۔

(بخاری جلد اول کتاب الصلوۃ۔ باب یقصر اذا خرج فی موضعہ ص۱۴۸)

۲۔ حدثنا علی بن خشرم قال انا ابن عیینۃ عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رض ان الصلوۃ اول ما فرضت رکعتین فاقرت الصلوۃ السفر واتمت صلوۃ الحضر۔ قال الزھری فقلت لعروۃ ما بال عائشۃ رض تتم فی السفر قال انما تاولت کما تاول عثمان۔

(مسلم کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا)

۱۔ عبداللہ بن محمد نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا سفیان نے ہم سے حدیث بیان کی زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا نماز شروع میں جب فرض کی گئی تو دو رکعات فرض کی گئی تو سفر کی نماز وہی دو رکعت رہی اور حضر کی نماز پوری کر دی گئی۔ زہری نے کہا میں نے عروہ سے کہا عائشہ رض کو کیا وجہ پیش آئی کہ وہ سفر میں اتمام کرنے لگیں۔ عروہ نے جواب دیا کہ وہ تاویل کرتی تھیں جیسے عثمان تاویل کرتے تھے۔

۲۔ علی بن خشرم نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ابن عیینہ نے ہمیں خبر دی زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا کہ نماز پہلے دو رکعات فرض کی گئی پس سفر کی نماز رہی رہی اور حضر کی نماز پوری کر دی گئی زہری نے کہا میں نے عروہ سے پوچھا حضرت عائشہ رض کیوں اتمام کرتی ہیں اس نے کہا وہ اسی طرح تاویل کرتی ہیں جیسے عثمان نے تاویل کی ہے۔

قصر نماز کے سلسلے میں رواۃ نے حضرت عائشہ رض سے متضاد روایات نقل کی ہیں۔

۱۔ نماز اصل میں دو رکعت فرض ہوئی تھی۔ جو ہجرت کے بعد سفر میں علیٰ حالہٖ باقی رہی اور حضر میں اس پر مزید دو رکعت کا اضافہ کر دیا گیا۔

۲۔ حضرت عائشہ رض سفر میں چار رکعتیں پڑھتی تھیں۔ جب زہری نے ان کے بھانجے عروہ

سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا تاولت کما تاول عثمان ۔

یہ ہر دو روایات صحیحین کی ہیں ۔

اس کے علاوہ بیہقی اور دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ مندرجہ ذیل روایت بیان کی ہے :-

۳ ۔ عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رض انها كانت تصلى فى السفر اربعا فقلت لها لو صليت ركعتين فقالت يا ابن اختى انه لا يشق على

(فتح الملهم جلد ۲ ص۲۴۸)

۴ ۔ قال الحافظ ابن قيم واما حديث عائشة رض ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يقصر فى السفر ويتم ويفطر ويصوم فلا يصح وسمعت شيخ الاسلام ابن تيمية يقول هو كذب على رسول الله انتهى وقد روى :-

كان يقصر وتتم ويفطر وتصوم . اى تاخذ هى بالعزيمة فى المومنين . قال شيخنا ابن تيمية وهذا باطل . ما كانت ام المومنين لتخالف رسول الله صلى الله عليه وسلم وجميع اصحابه فتصلى خلاف صلوتهم . كيف والصحيح عنها ان الله فرض ركعتين ركعتين فلما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى المدينة زيد فى صلوة الحضر واقرت صلوة السفر . فكيف يظن بها مع ذلك ان تصلى بخلاف صلوة النبى والمسلمين معه .

(فتح الملهم ص۲۴۸)

واما ما روى النسائى والبيهقى وغيره عن عائشة رضى الله عنها اعتمرت مع النبى صلى الله عليه وسلم من المدينة الى مكة حتى اذا قدمت مكة قالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم بابى انت وامى قصرت واتممت وصمت وافطرت قال احسنت يا عائشة رض فقد تقدم توجيهه فى مبحث تقريره صلى الله عليه وسلم وسكوته من مقدمة هذا الشرح فليراجع وقال الشوكانى اعترض عليه الحافظ ابو عبدالله محمد بن عبدالله الواحد المقدسى فى كلام له على هذا

الحديث فقال وهم فى هذا فى غير موضع وذكر احاديث فى الرد عليه.
وقال ابن حزم هذا حديث لا خير فيه وطعن فيه ورد عليه ابن
النحوى وفى اسناده العلاء ابن الزهير والعلاء بن الزهير
قال ابن حبان كان يروى عن الثقات ما لا يشبه حديث الاثبات
فبطل الاحتجاج به فيما لم يوافق الاثبات وقال ابن القيم
سمعت شيخ الاسلام ابن تيمية يقول هذا الحديث كذب على
عائشة رض ولم تكن عائشة رض تصلى بخلاف صلوٰة رسول الله
صلى الله عليه وسلم وسائر الصحابة وهى تشاهدهم يقصرون
ثم تتم وحدها بلا موجب كيف وهى القائلة فرضت
الصلوٰة ركعتين فزيد فى صلوٰة الحضر واقرت صلوٰة
السفر فكيف يظن انها تزيد على ما فرض الله وتخالف
رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه . قال الزهرى لعروة
لما حدثه عن ابيه عنها بذلك فما شانها كانت تتم الصلوٰة
فقال تاولت كما تاول عثمان . فاذا كان النبى قد حسن فعلها
واقرها عليه فما للتاويل حينئذ وجه . ولا يصح ان يضاف
اتمامها الى التاويل على هذا التقدير . وقد اخبر ابن عمر
ان رسول الله ؐ لم يكن يزيد فى السفر ولا ابو بكر ولا عمر ولا
عثمان رضى الله عنهم . افيظن لعائشة رض ام المومنين
مخالفتهم وهى تراهم يقصرون واما بعد موته صلى الله
عليه وسلم فانها اتمت كما اتم عثمان وكلاهما تاويل
تاويلا والحجة فى روايتهم لا فى تاويل الواحد منهم مع مخالفة
غيره له . والله اعلم .

(فتح الملهم جلد ۲ صـ ۲۴۹)

۳۔ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے کہ وہ سفر میں چار رکعت پڑھتی تھی میں نے کہا کاش وہ دو رکعت پڑھیں انہوں نے جواب دیا اے بھانجے یہ مجھ پر بوجھ نہیں ہے ۔

۴۔ حافظ ابن قیم نے کہا کہ عائشہ رض کی حدیث کہ نبی صلعم سفر میں قصر کرتے تھے اور

اتمام بھی کرتے تھے ۔ اور روزہ چھوڑ بھی دیتے تھے اور رکھ بھی لیتے تھے ۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو کہتے سنا ہے یہ جھوٹ ہے رسول اللہ ؐ پر انتھی ۔

اور روایت کی گئی کہ نبی صلعم قصر کرتے تھے اور عائشہ رض اتمام کرتی تھی اور آپ افطار کرتے تھے اور وہ روزہ رکھتی تھی یعنی وہ عزیمت پر عمل کرتی تھی ہمارے شیخ ابن تیمیہ نے کہا یہ باطل ہے ہرگز ام المومنین رسول اللہ صلعم کی مخالفت اور آپ کے تمام صحابہ کی مخالفت کرکے ان کی نمازوں کے خلاف نماز نہیں پڑھتی تھی اور یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ سے صحیح روایت ہے نماز اللہ نے فرض کی دو دو رکعات جب رسول اللہ سلعم نے ہجرت کی مدینے کی طرف تو حضر کی نماز بڑھا دی گئی اور سفر کی نماز وہی رہی اس کے باوجود یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ عائشہ رض نماز ادا کرتیں حضور کی نماز کے خلاف اور آپ کے صحابہ کی نماز کے خلاف ۔

اور لیکن جو نسائی اور بیہقی وغیرہ نے عائشہ رض سے روایت کی ہے کہ عمرہ کیا نبی صلعم کے ساتھ مدینے سے مکے کی طرف اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے قصر کیا اور اتمام کیا افطار کیا روزہ رکھا آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اے عائشہ رض ۔ اس کی توجیہہ پہلے گذر چکی آپ کی تقریر اور سکوت کی بحث میں صلعم اس شرح کے مقدمہ میں وہاں دیکھ لو ۔ شوکانی نے کہا اس پر اعتراض کیا ہے حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ واحد مقدی نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے اس نے کہا مصنف کو اس میں وہم ہو گیا ہے یہ وہم کی جگہ نہ تھی اور اس کے رد میں بہت سی احادیث ذکر کیں اور ابن حزم نے کہا یہ حدیث ایسی ہے جس میں خیر نہیں ہے اور اس میں طعن کیا ہے ۔ اور اس پر ابن النحوی نے رد کیا ہے اور اس کی اسناد میں العلاء بن زہیر ہے اور علاء بن زہیر کے متعلق ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقات سے ایسی روایات بیان کرتا ہے جو مثبت حدیثوں کے مشابہ نہیں ہیں پس اس سے احتجاج باطل ہے ان چیزوں میں جو اثبات کے موافق نہ ہوں ۔ ابن قیم نے کہا میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو سنا وہ کہتے تھے کہ یہ حدیث عائشہ رض پر جھوٹ ہے اور عائشہ رض کبھی بھی نبی صلعم کی نماز کے خلاف اور تمام صحابہ کی نماز کے خلاف نماز نہیں پڑھتی تھی اور وہ مشاہدہ کرتی تھی کہ وہ لوگ قصر کر رہے ہیں اور وہ اکیلی اتمام کرتی تھی بلا وجہ کے کیسے ہو

سکتا ہے وہی تو اس روایت کی راوی ہیں کہ نماز دو رکعت فرض کی گئی حضر میں زیادہ کر دی گئی اور سفر میں وہی رہی ۔ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ جو اللہ نے فرض کیا اس میں زیادہ کریں اور رسول اللہ صلعم کی مخالفت کریں اور آپ کے صحابہ کی مخالفت کریں زہری نے عروہ سے کہا جب اس نے یہ حدیث اس سے بیان کی ۔ کیا وجہ ہے کہ عائشہ رضہ اتمام کرتی تھی تو عروہ نے جواب دیا وہ تاویل کرتی تھی جیسا کہ عثمان تاویل کرتے تھے ۔ جب نبی صلعم نے عائشہ رضہ کے نقل کو اچھا کہا اور وہ ایسا کرتی رہی تو اب تاویل کی ضرورت ہی نہیں ۔ اور یہ صحیح نہیں ہے کہ عائشہ رضہ کے اتمام کو تاویل سے وابستہ کیا جائے اس صورت میں ابن عمر نے خبر سنائی کہ رسول اللہ صلعم سفر میں زیادہ نہیں کرتے تھے اور نہ ابوبکر رضہ اور نہ عمر رضہ اور نہ عثمان رضہ ۔ کیا گمان کیا جاسکتا ہے عائشہ رضہ ام المومنین کے متعلق کہ وہ نبی صلعم کی اور اجل صحابہ کی مخالفت کرتی تھی اور خود دیکھتی تھی کہ وہ قصر کر رہے تھے لیکن نبی صلعم کی وفات کے بعد عائشہ رضہ نے اتمام کیا جیسے عثمان نے اتمام کیا اور ان دونوں نے تاویل کی اور حجت ان کی روایت میں ہے ان میں سے کسی کی تاویل حجت نہیں ہے جبکہ دوسرے اس کے خلاف کہہ رہے ہوں ۔

۱ ۔ حضرت عائشہ رضہ قصر صلوٰۃ کی راوی ہیں ۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ۔ یہ روایت تمام کتب حدیث میں مذکور ہے ۔

۲ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاتِ طیبہ میں سفر میں ہمیشہ قصر فرمایا ۔

۳ ۔ حضرت عائشہ رضہ سے ان کی اپنی روایتِ قصر کے خلاف ایک اور روایت بیہقی اور دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے :- ان النبی کان یقصر فی السفر ویتم ویفطر ویصوم ۔ اس روایت کے متعلق محقق علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ روایتِ ہشام کذب ہے ۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے ۔ بعض رواۃ نے مندرجہ بالا روایت یوں نقل کی ہے :-
کان یقصر و تتم و یفطر و تصوم ۔
علامہ ابن تیمیہ نے اس کے متعلق بھی فرمایا ھذا باطل ۔ یہ بھی غلط ہے ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ آپ صلعم کی معیت میں آپؐ کے اور تمام صحابہ کے عمل کے خلاف کریں ۔

۴ ۔ نسائی اور بیہقی نے مذکورہ بالا روایت کی تائید میں حضرت عائشہ رضہ سے ایک

اور روایت کتاب المناسک میں بیان کی ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نبی کریم صلعم کی معیت میں مدینے سے مکے عمرے کے لئے گئیں۔ جب مکے پہنچیں تو حضرت عائشہ رضؓ نے کہا بابی انت امی اقصرت واتممت صمت وافطرت فقال احسنت یا عائشۃ۔ اس روایت پر بھی علماء نے جرح کی ہے۔ شوکانی نے بیان کیا ہے کہ حافظ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الواحد نے اس روائت کو مفصل بحث کے بعد رد کر دیا اور اس روائت کے خلاف روایات بیان کرنے کے بعد کہا وھم فی ھذا۔ ابن حزم نے اس روائت کو مطعون قرار دیا اور فرمایا ھذا حدیث لاخیر فیہ۔ ابن نحوی نے بحث کے بعد اس روایت کو رد کر دیا۔ کیونکہ اس کی سند میں العلاء بن الزبیر ہیں جن کے متعلق مشہور ناقدِ حدیث ابن حبان فرماتے ہیں کہ:- کان یروی عن الثقات مالا یشبہ حدیث الاثبات۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سُنا ھذا الحدیث کذب علی عائشۃ۔ نبی کریمؐ کی زندگی میں آپؐ کا اور آپؐ کے صحابہ کا معمول سفر میں قصر تھا۔

۵۔ سفر میں قصر ضروری ہے یا اختیاری۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف آیتِ قصر کے لفظ لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ سے پیدا ہوا ہے۔ جن فقہاء نے اسے رفعِ حرج پر معمول کیا انہوں نے کہا کہ یہ رخصت اور سہولت ہے۔ اور اصل اِتمام ہی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے اس خیال کو آثارِ صحابہ سے مؤید قرار دیا ہے۔ اس گروہ میں سرِفہرست حضرت عثمان کا عمل ہے۔ وہ حج کے موقعہ پر منیٰ میں قصر نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اتمام فرماتے تھے۔ اس کی تائید میں زہری نے عروہ کے ذریعہ حضرت عائشہ رضؓ کا یہ عمل بھی نقل کیا ہے کہ وہ اپنی روائت کے خلاف سفر میں اتمام کیا کرتی تھیں۔ زہری کی یہ روایت اتمام عائشہ رضؓ تمام کُتبِ حدیث میں مذکور ہے۔ زہری نے عروہ سے دریافت کیا مابال عائشۃ رضؓ تتم فی السفر قال انھا کانت تاولت کما تاول عثمان۔ یہ صرف زہری کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔ اور زہری نے اس کے متعلق عروہ سے دریافت کیا تو عروہ نے یہ جواب دیا کہ وہ اپنی صریح روایت کے خلاف تاویلاً یہ عمل کرتی تھیں۔ جیسا کہ عثمان [illegible] حدیثِ قصر کے خلاف عمل کرتے تھے۔

جن دو روایات میں صراحۃً آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اتمام فرمائی تھیں ان کے متعلق ہم ائمہ فن کی آراء نقل کر چکے ہیں کہ یہ کذب اور وہم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زہری کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ اتمام فرماتی تھیں۔ زہری کے علاوہ کوئی اور راوی اتمام عائشہ رضہ کی روایت بیان نہیں کرتا، مگر زہری نے نہیں بتایا کہ یہ اتمام عائشہ رضہ کی روایت انہوں نے کس سے سُنی۔ عروہ سے محض یہ دریافت کیا کہ حضرت عائشہ رضہ کیوں اپنی روایت کے خلاف اتمام فرماتی تھیں جس کے جواب میں عروہ نے صرف اتنا کہا کہ تاولت کما تاول عثمان۔ اب یہ بات کہ وہ تاویل کیا تھی اس کے بارے میں زہری اور عروہ دونوں خاموش ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف اپنے عمل کو کونسی تاویل سے جائز قرار دیتی تھیں، انہیں ایسی کونسی مجبوری پیش آئی تھی کہ عملِ رسول کی صریح خلاف ورزی کریں۔ زہری کے سوال کے جواب میں صرف تاولت کے لفظ سے عروہ کا جواب مکمل نہیں ہو جاتا۔ معلوم نہیں اس مجمل اور ناکافی جواب سے زہری کا اطمینان کیسے ہو گیا۔

اتمام کا قول زہری کا ہے۔ معلوم نہیں زہری نے یہ کس سے سنا۔ عروہ نے تو صرف تاولت کہا تھا۔ اس سے زہری کے قول کی تائید تو ضرور ہوتی ہے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اتمام کی روایتِ زہری کے راوی عروہ ہیں، اور زہری نے اتمام کی روایت ان سے سنی ہے۔ پھر "کما تاوّل عثمان" خود مجمل ہے۔ اول تو حضرت عثمان کے متعلق سفر میں اتمام کی روایت مرجوح مجروح اور ضعیف ہے۔ پھر ان کے تاوّل کی حقیقت اتنی تو معلوم ہو گئی کہ انہوں نے مکہ میں تاھّل اختیار کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عائشہ رضہ کے تاوّل کی حقیقت تو کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکی۔ اور حضرت عثمان کی تاویلِ تاھّل میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو حضرت عائشہ رضہ کے تاول کی نظیر بن سکے۔

بیہقی وغیرہ کی وہ روایتِ ہشام جس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضہ سفر میں چار رکعتیں پڑھتی تھیں جب عروہ نے ان سے کہا آپ دو پڑھیں تو بہتر ہے تو انہوں نے فرمایا اے بھانجے یہ عمل مجھ پر شاق نہیں ہے اس لئے دو کی بجائے چار پڑھ لیتی ہوں۔ اس روایت میں چار پڑھ لینے کی جو وجہ بتلائی گئی ہے وہ زہری کے جواب تاوّلت سے زیادہ بہتر ہے۔

لیکن جب مشقت قصر کا سبب نہیں ہے تو پھر عدم مشقت اتمام

کی وجہ کیوں بنے ۔ یہ وجوہات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پیش کیں تو پھر کسی اور کو پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ سفر میں قصر فرمایا ہے اس لئے صحابہ نے اتباع کیا ۔ خود حضرت عائشہ رض نبی کریم ؐ کی حیاتِ طیبہ میں قصر فرماتی تھیں ۔ حالانکہ اس وقت بھی لا یشق علیّ کا تحقیق تھا ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اخیر عمر میں جب سفر بجائے خود مشقت ہوتا ہے آپ ؓ نے اتمام شروع کیا ۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ روایت ہشام کے زرخیز دماغ کی پیداوار ہے یا پھر انہوں نے کسی اور غیر معتمد راوی سے لیکر اسے اپنے والد کی طرف منسوب کر دیا ہے ۔

طحاوی اور بیہقی نے ایک روایت صالح بن کیسان عن عروہ بیان کی ہے ۔ اس میں یہ ہے کہ صالح نے یہ روایت عمر بن عبدالعزیز کو سنائی ۔ عمر بن عبدالعزیز نے صالح سے کہا کہ عروہ مجھ سے کہتے تھے کہ حضرت عائشہ رض اتمام فرماتی تھیں ۔ میں نے وجہ پوچھی تو عروہ نے کہا تاولت کما تاول عثمان ۔ پھر عمر نے یہ بات عروہ سے صالح کے سامنے تصدیق کرائی ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں یہ روایت صالح بن کیسان کی ہے ۔ صالح سے زہری نے لی اور درمیان سے صالح اور عمر بن عبدالعزیز کو نکال دیا ۔

بہرحال زہری نے یہ روایت عروہ سے نہیں سُنی ۔ کسی اور سے سُنی اور اس کو درمیان سے نکال کر خود عروہ سے اسے بیان کرنا شروع کر دیا ۔

علاوہ ازیں ان روایات بیہقی اور طحاوی کی سند میں ضعفاء ہیں ۔ اس لیئے یہ روایات صحاحِ ستہ کی روایات کے مقابلہ میں قابل استناد نہیں ہیں ۔

اسی طرح ہشام کی روایتِ اتمام کو بھی صحاح میں سے کسی نے قبول نہیں کیا ۔ اور اسی سے اس کا ضعف ظاہر ہے ۔

غرضیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ بیان کہ وہ اپنی روایت قصر کے خلاف اتمام فرماتی تھیں ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے خواہ اس کے راوی زہری ہوں یا ہشام یا کوئی اور سب قابلِ رَد ہیں ۔ حضرت عائشہ رض سے قصر کی روایت منقول ہے ۔ اور وہ اپنی اس روایت پر خود عامل تھیں اس کے خلاف جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ وہم اور باطل ہے ۔

جب علماء نے صرف اس بناء پر صریح روایاتِ اتمام عائشہ رض کو رَد کر دیا

کہ حضرت عائشہ رض اپنی روایتِ قصر کے خلاف ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف اور صحابہ رض کے عمل کے خلاف کیسے عمل کرتیں ان روایات کو حضرت عائشہ رض کی طرف نسبتِ کذب قرار دیا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم زہری کے قول اتمام عائشہ رض کو کیوں نہ کذب علیٰ عائشہ رض قرار دیں ؟

زہری سے پہلے اس قول کا کوئی راوی نہیں ۔ عروہ سے اس کی بالواسطہ تائید تاویلت کے مجمل اور مبہم لفظ سے ہمارے لئے ہرگز قابلِ قبول نہیں ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جب عروہ سے زہری کا نہ لقاء ہے نہ سماع ہے تو زہری نے عروہ سے کیسے پوچھا اور کہاں پوچھا ؟

اس جواب کا اجمال اور اہمال ہی ظاہر کر رہا ہے کہ یہ جملہ اختراع زہری ہے ۔ یا پھر زہری نے حسبِ دستور یہ قول ہشام بن عروہ سے سُنا اور درمیان سے ہشام کو نکال کر براہِ راست خود عروہ سے بیان کرنا شروع کر دیا ۔

اس باب میں ہشام کی موصول روایت اپنے باپ سے بیہقی وغیرہ نے بیان کی ہے ۔ جس پر پہلے تفصیل کے ساتھ بحث ہو چکی ہے ۔ اسی روایتِ ہشام کو زہری نے بالمعنیٰ کو صورت میں مرسل عروہ ؒ کے رنگ میں براہِ راست عروہ سے بیان کیا ۔

یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ ہشام ہر رطب و یابس خواہ وہ کسی طرف سے انہیں پہنچا ہو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے تھے ۔ اور انہی بے سرو پا روایات میں سے ایک یہ بھی ہے ۔ اور اس کی حیثیت قولِ ہشام اور سرقۂ زہری سے زیادہ کچھ نہیں ہے ۔ اس کی نسبت عروہ کی طرف تدلیساً ہے وہ اس روایت کے راوی ہرگز نہیں ہیں ۔ اور نہ ہی انہیں اسکی خبر ہے ۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بقولِ اہل تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قصر کرتی رہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام صحابہ رض کو قصر کرتے دیکھتی رہیں تو نبی ﷺ کی وفات کے بعد زندگی کے آخری دور میں انہیں کوئی ضرورت ایسی پیش نہیں آ گئی تھی جس کی بنا پر وہ قصر کو ترک کر کے اتمام شروع کر دیتیں ۔ کیا ان کے پیشِ نظر لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ نہیں تھا ۔ ضرور تھا ۔ اور حضرت عائشہ رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا کامل جذبہ رکھتی تھیں ۔ محض زہری کے بیان پر ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ حضرت

عائشہ رضہ کے اپنی قصر کی روایت کے خلاف اپنی عادۂ مستمرہ کے خلاف اور اتباع رسول کے کامل جذبے کے خلاف آخر عمر میں اتمام شروع کر دیا تھا۔

ہمارے لئے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اس قسم کے غیر واقعی اقوال صحیحین میں آنے کی وجہ سے حد درجہ مستند خیال کئے جانے لگے۔ اور تنقید کے ضابطوں سے بالاتر ہو گئے۔ ان پر تنقید سے یہ خیال کیا جانے لگا ہے کہ "ہائیں! کیا غضب ہو گیا بخاری اور مسلم پر تنقید ہو رہی ہے!!"

یہ صورت حال کیسی افسوسناک ہے۔ آخر محدثین نے خبر کو قبول کرنے کے جو اصول اور ضابطے بنائے ہیں وہ روایات کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے ہی تو بنائے ہیں۔ اس لئے ہم ان اصول اور ضوابط سے روایات کو پرکھیں گے جو ان اصولوں پر پوری اُترے گی اسے [illegible] کریں گے اور جو ان پر پوری نہیں اُترے گی اسے رَد کر دیں گے

بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں میں سند کا التزام اسی لئے کیا ہے کہ رجال سند کو دیکھا اور پرکھا جا [illegible] ہے۔ پھر رجال کی کتابیں بھی اسی لئے لکھی گئی ہیں کہ اُن سے استفادہ کیا جائے۔ رجالِ روایت کو ان کے احوال و کوائف کی روشنی میں تنقید کی نظر سے دیکھا جائے۔

بخاری اور مسلم وغیرہ محدثین کرام نے اپنی کتابیں مطالعۂ حدیث اور اخذ حدیث کا دروازہ کھولنے کے لئے لکھی ہیں۔ نہ کہ بند کرنے کیلئے۔

یہ سب ان کے اخلاص نیت ہی کی برکت ہے کہ ان کے بعد کے شائقین حدیث نے ان ہی کے نقش قدم پر چل کر حدیث کی خدمت ہے۔ اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

---

(۱۶)

سولھواں قرینہ

حضرت عائشہ رضؓ تدریجِ احکام اور اسرار و حِکَم کی ماہر تھیں

قرآن مجید کی ترتیبِ تلاوت ترتیبِ نزول سے مختلف ہے ۔ لیکن ترتیبِ نزول مقتضائے حال کے موافق ہے ۔ مکی زندگی میں اصلاحِ عقائد تطہیرِ فکر ، توحید و رسالت پر زیادہ توجہ دی گئی ہے ۔ عبادتِ اوثان ، رسومِ آباء اور اندھی تقلید سے سختی سے روکا گیا ہے ۔ مکی سورتوں کے چھوٹے چھوٹے جملے اور مقفیٰ عبارت ہے ۔ ان میں جذبات سے اپیل کی گئی ہے ۔ نصائح ہیں ۔ سابقہ امم کے واقعات سے عبرت ، توحید ، ذکر اللہ ، ذکرِ قیامت ۔ آیات حشر نشر ، مبدأ و معاد کی تعلیم ، مکی زندگی میں زیادہ تر اخلاقی تعلیم پر زور ہے ۔ اعمال و عبادات کا اجتماعی نظام کم ہے ۔ دعوت ، تبلیغ حکمت و موعظت ہی ہے ۔

مدنی سورتوں میں احکام و قوانین نازل کیئے گئے ۔ قانون و احکام کی زبان استعمال کی گئی ہے ۔ نصیحت و تبلیغ کی زبان کم استعمال کی گئی ہے ۔ اعمال و عبادات کا اجتماعی نظام دیا گیا ہے اس پر سختی سے عمل کرانے کی تاکید ہے ۔ یہود و نصاریٰ کے اعتراضات کے جوابات ہیں ۔ جہاد و قتال کے احکام ہیں ۔ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے حدود ہیں ۔ غرض اس سارے نظام میں ایک تدریج ہے ۔ لوگوں کو آہستہ آہستہ احکام کا عادی بنایا گیا ۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں ۔ انما نزل اول ما نزل منه سورمن المفصلات فیها ذکر الجنة والنار حتی اذا تاب الناس الی الاسلام

ثم نزل الحرام والحلال . ولو نزل اول شیء لا تشربوا الخمر فقالوا لا ندع الخمر ابدا .

ولو نزل لا تزنوا فقالوا لا ندع الزنا ابدا .

لقد نزل بمکۃ (وانا جاریۃ العب) بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝ وما نزلت سورۃ البقرۃ والنساء الا وانا عندہ (باب تالیف القرآن . بخاری)

پہلے پہلے مفصلات کی سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت اور دوزخ کا ذکر تھا یہانتک کہ لوگ اسلام کی طرف آگئے .

پھر نازل ہوئے حرام وحلال اگر پہلے ہی نازل ہوتا شراب نہ پیو تو وہ کہتے ہم تو کبھی بھی شراب نہیں چھوڑیں گے .

اور اگر نازل ہوتا زنار تو کہتے ہم تو کبھی بھی زنار نہیں چھوڑیں گے .

اور یقیناً مکے میں اتری یہ آیت اور میں بچی تھی کھیلنے والی . بل الساعۃ الخ اور سورہ بقرہ اور سورہ نساء تمام کی تمام میری موجودگی میں نازل ہوئی .

مدینے میں اسلام کی مقبولیت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں :-

کان یوم بعاث یوما قدمہ اللہ لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فقدم رسول اللہ ﷺ وقد افترق ملئہم وقتلت سرواتہم وخرجوا فقدمہ اللہ لرسولہ فی دخولہم الاسلام .

(بخاری باب القسامۃ فی اهلیہ)

یوم بعاث وہ دن تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ذریعہ بنادیا یہ آپ کے مدینے آنے سے پہلے واقع ہوا تھا اس میں ہزار دن آدمی کام آچکے تھے اور گروہ گروہ قتل ہو چکے تھے یہ ان کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بن گیا .

جمعہ کے دن غسل کی اہمیت کی وجہ بیان فرماتی ہیں .

کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلہم والعوالی فیاتون فی الغبار والعرق فیخرج منہم العرق فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان منہم وھو عندی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تطہرتم لیومکم ھذا . بخاری باب الغسل)

لوگ جمعہ میں آتے تھے اپنے گھروں سے اور گرمیوں سے تو غبار میں آتے تھے اور پسینے میں اور پسینا نکلتا رہتا تھا پس رسول اللہ صلعم کے پاس انسان سے ایک آدمی آیا اور آپ میرے پاس تھے پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا کاش تم آج کے دن نہا دھو کر آتے ۔

ہمارا تحقیقی موقف

روایت ہشام میں سہو کاتب سے

"سقوط عشرہ"

یا

"سقوطِ عشرین"

ہمارا تحقیقی موقف

روایتِ ہشام میں سہو کتابت

خطاء، غفلت اور نسیان انسان کی سرشت میں داخل ہیں

سہو کتابت کی پہلی مثال :-

۱۔ جبیر بن مطعم کے باب میں مولانا شبلی وغیرہ کی غفلت

ہم اپنی تاریخی اور دوسری کتابوں میں سہوِ کتابت اور اغلاطِ طباعت کا روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی کمزوری ہے جس سے کوئی فردِ بشر مستثنیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔
یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید بھی جو لوحِ محفوظ اور لوحِ انسان میں قیامت تک محفوظ رہے گا وہ بھی جب کاتب کے ہاتھ اور ناشر کے مطبع سے نکلتا ہے تو کتابت اور طباعت کی غلطیوں سے محفوظ نہیں ہوتا۔
پھر دوسری کتابوں کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ ان کے اس درجہ محفوظ اور صحیح ہونے کا دعویٰ کیا جا سکے کہ ان میں نہ کوئی سہو کتابت ہے۔ نہ لغزشِ طباعت ہے اور نہ ہی کوئی خطاء و نسیانِ مصنف ہے۔ نہ اس کے اوراق میں کبھی دیمک لگ سکے گی۔ نہ اس کے حروف پر کبھی کوئی مکھی بیٹھ سکے گی۔ اور نہ ہی اس کے قلمی مسودات پر کبھی کوئی پانی کی چھینٹ پڑ کر اس کے حروف و نقاط کو محو کر سکے گی وغیر ذلک من الآفات۔
اب ہم آپ کے سامنے سہو کتابت اور لغزشِ قلم کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ کہ آپ آسانی کے ساتھ "روایتِ ہشام میں سہو کتابت" کے موقف کو تسلیم کر سکیں۔
آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے اپنی اسی کتاب کے صفحاتِ قریبہ میں اپنے دور کے کئی فاضل

مصنفین کی ایک غفلت کا ذکر کیا ہے۔ یہ اہم غفلت ان مستند تاریخی اور سیر کی کتابوں میں ہے جو دورِ حاضر میں سند سمجھی جاتی ہیں اور جن کے حوالے دئیے جاتے ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر حدیث کی اصطلاح میں حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ ان کتابوں کے ایڈیشن پر ایڈیشن چھپ رہے ہیں مگر کتاب کی یہ غلطی بھی حد تواتر تک تسلیم کی جا رہی ہے کہ

{ " جبیر بن مطعم کے کوئی لڑکا تھا جس سے حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کی نسبت کی تھی " }

اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کر لیں کہ خدانہ کردہ قدیم اصلی ماخذ سب کے سب ضائع ہو جائیں تو کیا ان جدید نقلی ماخذ ہی پر بھروسہ کرتے ہوئے مستقبل کا ہر مورخ یقین واثق کے ساتھ اس کذبِ واثق و مستند کو حقیقت واقعیہ بنا کر لکھتا نہیں چلا جائے گا کہ حضرت عائشہ رضؓ کی نسبت جبیر ابن مطعم کے بجائے اس کے بیٹے سے کی گئی تھی !

ہوسکتا ہے کہ اب بھی شبلی اور سید سلیمان ندوی کے عقیدتمند ایسے نکل آئیں جو اصرار کریں کہ شبلی کا لکھا ہوا صحیح ہے اور جو تم کہہ رہے ہو وہ غلط ہے۔ اتنے بڑے محقق نے جو لکھا ہے وہ تحقیق کے بعد ہی لکھا ہوگا۔ پھر جب ان دونوں کی تائید جناب نیاز فتحپوری کے جیسے بیباک نقاد اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی جیسے محتاط اور دیانتدار محقق نے کی ہے آج تک ان کی تحریرات پر کسی نے گرفت نہیں کی تو یہ اعتراض غلط ہوسکتا ہے مگر ان کا لکھا کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔

یہ بھی عین متوقع ہے کہ اگر ہم قدیم حوالہ جات ان کے سامنے پیش کر دیں پھر بھی وہ یہی کہتے رہیں کہ شبلی جیسے محقق کے مقابلہ میں جن کتابوں کے حوالے دیتے ہو ان میں غلطی ہو سکتی ہے لیکن شبلی کی کتابوں میں غلطی نہیں ہوسکتی۔

جب کسی شخصیت کی عقیدت عقیدے میں شامل ہو جائے تو عام انسانی کمزوری ہے کہ اس شخص کی غلطیاں بھی جزوِ عقیدہ بن جایا کرتی ہیں اور ان غلطیوں کی ایسی ایسی تاویلات عقیدتمندوں کی طرف سے گھڑ لی جاتی ہیں کہ عقلِ سلیم خود ان کے آگے گھونگھٹ نکال کر بیٹھ جاتی ہے

سہوِ کتابت

غرض کتابوں میں روزانہ غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور مصنفین کی زندگی ہی میں ہوتی رہتی ہیں۔ ان میں سے بعض کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ کسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اغلاط نامہ بھی شامل کر دیا جاتا ہے لیکن اکثر وبیشتر کی فحش اغلاط ایڈیشن در ایڈیشن نقل ہوتی اور حدِ شہرت

وتواتر کو پہنچتی، اور حقیقت واقعیہ کا انداز اختیار کر جاتی ہے۔

تاریخ اسلام میں اس قسم کی غلطیاں موجود ہیں اور صدیوں سے دندناتی چلی آرہی ہیں۔ جن میں سے چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

اول تو ہماری تاریخ کا ایک المیہ یہ ہے کہ کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں دو قول نہ پائے جاتے ہوں۔

جب تک واقعات ضبطِ تحریر میں نہ آئیں اس وقت تک ان کا محفوظ رہنا مشکل ہوتا ہے چونکہ پہلے لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ زبانی یادداشت ہر شخص کی برابر نہیں ہوتی۔ وقوع واقعہ کے وقت تو واقعات ذہن میں ہوتے ہیں لیکن اس کے بعد مرورِ زمانہ سے یہی واقعات ذہنوں سے محو ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے ایام و تاریخ و سنین میں اختلاف ہو جانا لازمی اور ضروری ہے۔ ان لوگوں کی یادداشتوں کو اپنے ہی حالات سے قیاس کر لیجئے۔ ہم کئی عزیزوں کی وفات کا نہ دن بتلا سکتے ہیں نہ تاریخ نہ سن۔ شادی بیاہ، مرنا جینا ہر روز گھروں میں ہوتا ہے لیکن دن، تاریخ اور سالوں کے ضبط کے ساتھ بہت کم لوگوں کے اذہان میں خود ان کے اپنے گھر کے واقعات ملیں گے۔ آپ کسی ایسے شخص سے جس کے آٹھ دس بچے ہوں ان کی پیدائش کا دن اور تاریخ پوچھ کر دیکھ لیں تو آپ کو تجربہ ہو جائے گا۔ ہماری زندگی میں اپنے وقت پر جو اہم واقعات ہوئے ہیں وقت گزر جانے کے بعد ان کا دن تاریخ اور سن سب کچھ بھول جاتے ہیں۔

ایسا ہونا انسانی خواص میں سے ہے اور اس سے نہ مفر ہو سکتا ہے نہ ہوا ہے۔

سہو کی دوسری مثال:-

۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسلامی زندگی کا سب سے زیادہ المناک اور اہم واقعہ ہے۔ آپ ؐ کی وفات کے وقت ایک لاکھ سے اوپر لوگ اسلام لا چکے تھے۔ مدینے میں جانثاروں کی کثیر تعداد تھی۔ صحابہ کے لئے وہ دن ان کی زندگی کا تاریک ترین دن تھا۔ ان کے بعد تابعین کے دور میں جن کی تعداد صحابہ سے کہیں زیادہ تھی کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں تھا جو یہ معلوم نہ کرنا چاہتا ہو کہ آپ کی وفات کونسے دن کونسی تاریخ کونسے مہینے اور کونسے سن میں ہوئی وھلم جرًا۔

۱۲ر وفات

لیکن ایک وقت، آیا کہ تاریخ کے اس اہم ترین واقعہ کے متعلق بھی اختلاف ہوگیا۔ اور خلافِ حقیقت اور خلافِ واقعہ پوری ملّت نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ " آپ کی وفات ۱۲ر ربیع الاول پیر کے دن سنہ ۱۱ ہجری میں ہوئی۔

دن، مہینہ، سال درست ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن تاریخ غلط ہے۔ آپ کی وفات ۱۲ر ربیع الاول کو نہیں ہوئی۔

لیکن آج کسی کے سامنے یہ بات کہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ شخص مسلّمات اور متواترات کا انکار کر رہا ہے۔ یا اس کی دماغی حالت درست نہیں ہے۔

ہماری سرکاری چھٹی ۱۲ وفات (۱۲ر ربیع الاول) کو ہوتی ہے۔ ہمارے سیرت کے جلسے بارہ وفات کو ہوتے ہیں۔ حتی کہ عورتوں کی زبان میں اس مہینے کا نام ہی بارہ وفات کا مہینہ ہے۔

یہ غلطی آج سے نہیں سینکڑوں برس سے چلی آرہی ہے اور دماغوں میں پک چکی ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت نے کوشش کے ساتھ اس غلطی کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ علمی حیثیت سے انہوں نے یہ بات ثابت کرکے دکھائی ہے کہ بارہ وفات غلط ہے لیکن آج کتنے لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ بات غلط ہے؟ سوائے چند اہل علم کے تمام عوام اس سے بے خبر ہیں۔ اور بارہ وفات ہی کو عینِ حقیقت وصداقت سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد جس چیز کو حقیقت سمجھنے لگے پھر اس کے حقیقت ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ کس کی جرأت کہ وہ اس تواتر کی تردید کرے اور کس میں دَم کہ پہلوں کی کتابوں کو جھٹلائے۔

۱۲ر وفات اور محقق عُلماء

جن عُلماء نے اسے غلط کہا ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ وفات سے تین مہینے پہلے جو حج آپ نے فرمایا تھا اس کا دن اور تاریخ متعین ہے۔ نو۹ ذی الحجہ جمعہ کے دن آپ ص نے حج کیا۔ وفات کا دن بالاتفاق پیر ہے۔ مہینہ بالاتفاق ربیع الاول ہے۔ تاریخ یکم ربیع الاول سے بارہ ربیع الاول تک ہے۔ جب ان مہینوں کے چاند کا حساب لگاتے ہیں تو کسی حساب سے ۱۲ر ربیع الاول کو پیر کا دن نہیں بنتا۔ تینوں مہینے ذی الحجہ، محرم، صفر تیس تیس دن کے تسلیم کئے جائیں یا انتیس انتیس دن کے تب بھی دوشنبہ نہیں آتا۔ دو تیس کے ایک انتیس کا یا دو انتیس کے ایک تیس کا تسلیم کریں تب بھی پیر نہیں بنتا۔

غرض کوئی صورت بھی لے لیں ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن نہیں آتی ۔

مشہور مورخ کلبی نے تاریخِ وفات ۲ ربیع الاول لکھی ہے ۔ اہل تحقیق نے یکم ربیع الاول ثابت کی ہے ۔

چونکہ کلبی رطب و یابس نویس ہے اس لئے اس کی روایت کا اعتبار کم ہے اور یہ تاریخ صحیح بھی اس صورت میں ہوتی ہے جب تینوں مہینوں کے چاند ۲۹-۲۹ کے تسلیم کئے جائیں ۔

"ثانی شہر" سبقتِ قلم سے "ثانی عشر" چل نکلا

بارہ ربیع الاول کی غلطی کی بنیاد بھی کلبی ہی کی روایت ہے ۔ اس کی کتاب میں الثانی شہر ربیع الاول تحریر تھا ۔ اور یہ " شہر " کا لفظ عربی اسلوب نگارش کے عین مطابق تھا ۔ کیونکہ اس زمانہ کے لوگ صرف ربیع الاول کے شروع میں " شہر " کا لفظ لکھتے تھے ۔ باقی گیارہ مہینوں کے شروع میں نہیں لکھتے تھے ۔ لہٰذا بعد کے لوگوں نے اس شہر کی جگہ " عشر " کا لفظ بطور اصلاح یا سہواً لکھدیا ۔ یا پھر " شہر " کو " عشر " ہی پڑھ لیا گیا اس لئے قدیم رسم الخط میں اعراب اور نقطے کم ہونے کی وجہ سے اور کچھ عجلت خوانی اور رواں بینی کی وجہ سے نظر اور زبان کے اچٹ جانے کے امکانات زیادہ تھے اس لئے " ثانی شہر " کو " ثانی عشر " پڑھ جانا یا لکھ جانا مستبعد نہ تھا ۔

بعد میں مرورِ زمانہ اور تصحیح کے فقدان کی وجہ سے یہی غلطی حقیقت بن گئی اور مشہور ہوتے ہوتے خبر متواتر اور طبع ہوتے ہوتے متواتر در متواتر بن گئی ۔

سہو کی تیسری مثال ۔

۳ ۔ لم یکذب ابو عبدالرحمٰن ولکنہ نسی و خطاء

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث سُنی اور فرمایا :- رحم اللہ ابا عبدالرحمٰن سمع شیئا ولم یحفظ ۔

اللہ ابو عبدالرحمٰن پر رحم کرے کچھ سُنا اور یاد نہ رکھا ۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ فرمائے :-

یغفر اللہ لابی عبدالرحمٰن انہ لم یکذب ولکن نسی وخطاء ۔

اللہ ابو عبدالرحمٰن کی مغفرت کرے اس نے جھوٹ نہیں بولا لیکن بھول گیا اور غلطی کی۔

نسیان وخطا کی چوتھی مثال۔

۴۔ عبداللہ بن عمر کے ایک نسیان کی تصحیح حضرۃ عائشہ رض نے فرمائی

غزوۂ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی نعشوں کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا:۔ ھَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حقاً۔

صحابہ رضوان نے عرض کی یا رسول اللہ آپ مُردوں کو پکارتے ہیں ؟ حضرت ابن عمر رض فرماتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا:۔ ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون ۔

تم ان سے زیادہ نہیں سُنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب یہ روایت بیان کی گئی تو انہوں نے کہا:۔ آپؐ نے وہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا:۔

انھم سیعلمون الآن انما کنت اقول لھم حقا۔

کہ وہ اب جانتے ہیں کہ میں جو ان سے کہتا تھا حق ہے

پانچویں مثال۔

۵۔ (یا اباھریرۃ) بالظن والحسب تفتی الناس

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن وعظ میں بیان کیا کہ اگر روزے کے دنوں میں کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ روزہ نہ رکھے ۔

حضرت مروان نے کسی کو بھیجکر حضرت عائشہ رض اور ام سلمہ رض سے تصدیق چاہی ۔ دونوں نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں روزہ رکھتے تھے ۔

مروان نے حضرت ابو ہریرہ رض کو بلا کر کہا " آپ یہ فتوٰی دیتے ہو اور ازواج یہ فرماتی ہیں ؟

ابو ہریرہ رض نے جواب دیا کہ " میں نے تو اپنے قیاس سے کہا تھا (کذا کنتُ احسب وکذا کنتُ اظن ۔

میرا یہی گمان تھا میرا یہی خیال تھا ۔
حضرت مروان نے کہا :-
بالظن والحسب تفتی الناس !
تو گمان اور خیال سے لوگوں کو فتوای دیتا ہے ۔

چھٹی مثال .

۶ ۔ ولکن السمع یخطئی

مسند امام احمد ، صحیح مسلم اور مؤطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعِزّۃ کے رونے سے مُردے پر عذاب ہوتا ہے ۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا :-
انکم تحدثون من غیر کاذبین ولا مکذبین ولکن السمع یخطئی .
تم بیان کرتے ہو جھوٹوں سے نہیں اور نہ جھٹلانے والوں سے لیکن سننے میں غلطی ہو جاتی ہے ۔

۷ ۔ خدا ابوعبدالرحمٰن پر رحم کرے .

ایک اور روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے شاگردوں سے بیان کیا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے ۔
لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جا کر عرض کیا تو انہوں نے فرمایا :-
خدا ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ :-
مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے ۔

۸ ۔ حضرت عائشہ رضی کی ایک اور تصحیح .

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں چار مرتبہ عمرہ کیا اور ایک مرتبہ رجب کے مہینے میں کیا۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سنا تو فرمایا کہ " رجب میں آپؐ نے کوئی عمرہ نہیں کیا .

٩- لا نعلم انها نسيت او اخطأت

فاطمہ بنت قیس نے جب زنِ مطلقہ کی سکونت اور نفقے کے متعلق اپنی روایت بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :۔

لا نترك كتاب الله بقول امرأة لا نعلم انها نسيت اواخطأت .

ہم اللہ کی کتاب کو نہیں چھوڑ سکتے ایک عورت کی بات پر ہمیں معلوم نہیں وہ بھول گئی ہے یا کوئی غلطی ہوئی

١٠- لعله اخطأ سمعك

جنگ مریسیع سے واپسی میں جب عبداللہ بن اُبی کی اشتعال انگیز گفتگو کی تو زید بن ارقم نے جو ابھی نوعمر تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی تو آپ نے فرمایا :۔

لعلك غضبت عليه .

شاید تو اس پر غصے ہوا

عرض کیا :۔ جو کچھ میں نے سنا ہے وہی آپ تک پہنچایا ہے .

آپ نے پھر فرمایا :۔

لعلك اخطأ سمعك .

شاید تیرے سننے میں غلطی ہوئی .

زید نے پھر کہا کہ میں نے وہی عرض کیا ہے جو سنا ہے .

تو آپ نے پھر فرمایا :۔

لعله اشتبه عليك .

شاید تجھے شُبہ ہو گیا .

زید نے پھر اپنی وہی بات لوٹائی کہ میں نے سُنی ہوئی بات کہی ہے .

اس کے بعد آپؐ نے قافلے کو بے کوُچ کا حکم دے دیا .

١١- يغفر الله لعائشة

حضرت عبداللہ بن الزبیر عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے . مروان نے پوچھا

آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں ۔ جواب دیا کہ :-
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھا کرتے تھے ۔
چونکہ عبداللہ بن الزبیر نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی تھی اس لئے مروان نے اس کی تصدیق حضرت عائشہ رض سے چاہی ۔
حضرت عائشہ رض نے فرمایا میں نے ام سلمہ سے یہ روایت سنی ہے ۔ پھر اس کے متعلق ام سلمہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا :-
یغفر الله لعائشة رض ۔ انها قد وضعت علی غیر موضعه ۔ اولم اخبرها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عنها ۔
(مسند امام احمد ۔ مسند ام سلمہ)
اللہ عائشہ رض کی مغفرت کرے اس نے بات کو بے موقع رکھدیا کیا میں نے اسے نہیں بتایا تھا کہ رسول اللہ صلعم نے اس سے منع کیا ۔

١٢- ان الثقة قد یروی و ینسیٰ

ابن جوزی نے تحقیق میں لکھا ہے :-
ان الثقة قد یروی و ینسیٰ ۔
قال احمد بن حنبل کان ابن عیینة یحدث ناسا ۔ ثم یقول هذا لیس من حدیثی ولا اعرفه ۔
ثقہ کبھی بیان کرتا ہے اور بھول جاتا ہے ۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ ابن عیینہ لوگوں سے حدیث بیان کرتا تھا اور بھول جاتا تھا اور کہتا تھا کہ تیری حدیث نہیں ہے میں اسے نہیں پہنچانتا ۔

١٣- خود اپنی روایت کو بھول جانا

روی عن سهیل بن صالح انه ذکر له حدیث فانکره فقال له ربیعة انت حدثتنی به من ابیك ۔ فکان سهیل یقول حدثنی ربیعة عنی وقد جمع الدار قطنی جزءفیمن حدث ونسی ۔
(نصب الرایه علی الهدایه ۔ کتاب النکاح)

سہیل بن صالح سے روایت ہے کہ اس سے ایک حدیث ذکر کی گئی اس نے انکار کیا پس ربیعہ نے اس سے کہا تو نے خود مجھ سے اپنے باپ سے یہ حدیث بیان کی اس کے بعد سہیل کہا کرتے تھے ربیعہ نے مجھ سے مجھے حدیث بیان کی دارقطنی نے ایک کتاب ان لوگوں کے بارے میں لکھدی جنہوں نے حدیث بیان کی اور بھول گئے ۔

۱۴۔ امام زہری خود اپنی روایت بھول گئے ۔

امام زہری اس مشہور روایت کے راوی ہیں :۔

ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل ۔

جو عورت بغیر ولی کے نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے ۔

لیکن ان کے تلمیذ ابن جریج نے جب ان کے سامنے کسی وقت یہ روایت رکھی تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہدیا یہ میری روایت نہیں ہے ۔

اس انکار کے باوجود محدثین اس روایت کو زہری سے صحیح تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زہری اس روایت کو بیان کرنے کے بعد بھول گئے ہیں ۔

(ابن عربی شرح ترمذی ۔ بیان حدیث ایما امرأۃ)

۱۵۔ تقاضائے عمر ایک ناقابل انکار حقیقت ہے ۔

جوانی میں آدمی کے قوٰی مضبوط ہوتے ہیں اور صحیح کام کرتے ہیں ۔ لیکن بڑھاپے میں کمزور ہو جاتے ہیں اور یادداشت بھی جواب دے جاتی ہے ۔ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری کو شاہزادے کی تعلیم کے لئے مقرر کیا اور یہ کہا کہ اسے کچھ حدیثیں لکھوا دیجئے ، امام زہری نے چار سو حدیثیں لکھوا دیں ۔

فاملی علیہ اربعمائۃ حدیث ۔

کچھ عرصے بعد زہری دربار میں پہنچے تو ہشام نے کہا ان ذلک الکتاب قد ضاع زہری نے کہا کاتب کو بلائیے ۔ کاتب آ گیا ۔ زہری نے پھر وہی چار سو احادیث زبانی لکھوا دیں ۔

اس کے بعد وہ پہلا صحیفہ مل گیا ۔ جب دونوں صحیفوں کا مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کا بھی فرق نہ نکلا ۔

قابل بالکتاب فما غادر حرفا واحدا ۔

لیکن زہری جو امام فن ہیں ان کا آخر میں یہ حال ہو گیا تھا کہ اپنی روایت کردہ روایات سے انکار کرنے لگے تھے۔ اپنی مرویات کو بھول گئے تھے۔

۱۶۔ خطائے سماعت

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے:۔
"بدشگونی تین چیزوں میں ہے۔ گھوڑے[۱] میں۔ مکان[۲] میں اور عورت[۳] میں"
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا:۔
ابو ہریرہؓ نے آنحضرت صلعم کی آدھی بات سنی ہے اور آدھی نہیں سنی۔ آپؐ نے فرمایا تھا یہود کا یہ خیال ہے کہ تین چیزوں میں بدشگونی ہے۔ ابو ہریرہ رضؓ نے پہلا جملہ نہیں سنا اور آدھی بات بیان کرنی شروع کر دی۔

۱۷۔ ترک لفظ "ابن"

تحریر کے وقت بھول چوک میں الفاظ عام طور پر رہ ہی جایا کرتے ہیں۔ مثلاً تہذیب التہذیب میں بیان اعمش میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:۔

قول ابن المنادی ان الاعمش اخذ بركاب ابی بكرة الثقفی غلط فاحش لان الاعمش ولد سنة احدی وستين فكيف يتهيأ ان ياخذ بركاب من مات قبل مولده بعشر سنين يعنی سنة احدی وخمسين كانه كان اخذ بركاب ابن ابی بكرة الثقفی فسقطت لفظة "ابن" وثبت الباقی۔
(اکمال فی اسماء الرجال)

ابن منادی کا یہ قول کہ اعمش نے ابو بکرہ ثقفی کی رکاب پکڑی بالکل غلط ہے اس لئے کہ اعمش ۶۱ھ میں پیدا ہوا۔ پس کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اس شخص کی رکاب پکڑے جو اس کی پیدائش سے دس سال پہلے مر چکا ہو یعنی ۵۱ھ میں گویا کہ اس نے ابن ابو بکرہ ثقفی کی رکاب پکڑی۔ لفظ ابن ساقط ہو گیا باقی عبارت باقی رہی۔

۱۸۔ "تسع عشرة" کا صرف عشرة رہ گیا

صفوان بن معطل يكنی ابا عمرو السلمی شهد الخندق

والمشاهد كلها وهو الذي قيل ما قيل في حديث الافك وكان رجلا خيرا شجاعا فاضلا قتل في غزوة ارمينيه شهيدا سنة عشرة وهو ابن بضع وستين -

صفوان بن معطل سلمی جس کی کنیت ابوعمرو تھی خندق میں شریک ہوا اس کے بعد ہر غزوے میں حاضر رہا یہ شخص وہی ہے جس کے بارے میں حدیث افک میں کیا گیا وہ مجاہد، بہادر، اور فاضل آدمی تھا غزوہ آرمینیہ میں ۱۰ھ میں قتل ہوا شہید ہو کر اور وہ اس وقت کچھ اوپر ساٹھ برس کا تھا -

جنگ آرمینیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۱۹ھ ہجری میں واقع ہوئی ہے ۔ ناسخ سے لفظ " تسع " لکھنے میں رہ گیا اور خالی عشرہ لکھا گیا ۔ اصل میں تھا " تسع عشرة " ۔ چونکہ تاریخی اعتبار سے ہمیں معلوم ہے کہ غزوۂ آرمینیہ ۱۹ھ میں واقع ہوا اس لئے یہ غلطی معلوم ہو گئی ۔ ورنہ عشرہ ہی صحیح خیال کیا جاتا -

ترک امام بخاری بہ سبقتِ قلم

... وهي غزوة المريسيع . قال ابن اسحاق وذلك سنة ست . قال موسى ابن عقبة سنة اربع .

(بخاری - غزوہ بنی مصطلق ص۵۱۳)

وہ غزوہ مریسیع ابن اسحاق نے کہا ۶ھ میں موسی بن عقبہ نے کہا ۴ھ میں بخاری کے حاشیہ میں اسی روایت پر تحریر ہے کہ :-

قال الحافظ ابن حجر كانه سبق قلم البخاري . اراد ان يكتب سنة "خمس" فكتب سنة "اربع" لان الذي في مغازي موسى بن عقبة من عدة طرق سنة خمس . قال السيوطي في التوشيح الذي في مغازي موسى بن عقبة سنة خمس فالذي ذكرهھنا سبق قلم البخاري . ثم قال وهذا اصح من قول ابن اسحاق .

(بخاری غزوہ بنی مصطلق . ص۵۱۳ حاشیہ مولانا احمد علی)

ابن حجر نے کہا بخاری کی سبقت قلم سے چار ہوا وہ ۵ھ لکھنا چاہتے تھے چار لکھ ہو گیا اس لئے کہ مغازی موسی بن عقبہ میں مختلف طریقوں سے ۵ھ ہے ۔ سیوطی نے توشیح

ہیں جو موسیٰ بن عقبہ کے مغازی کے بارے میں ہے ۵ھ لکھا ہے پس یہاں جو ذکر کیا گیا یہ بخاری کی سبقت قلم سے ہوا پھر کیا یہ زیادہ صحیح ہے ابن اسحاقؒ کے قول سے ۔

لیجیے امام بخاری سے سبقت قلم کی وجہ سے یہ غلطی ہو گئی کہ لکھنا کچھ چاہتے تھے لکھا کچھ گیا ۔ جب ایسے ایسے آئمہ فن سے ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں تو اوروں سے اس قسم کی بھول چوک کیوں نہیں ہو سکتی ۔ تحریر میں اس قسم کا سہو عموماً ہوتا رہتا ہے ۔

۱۹ ۔ " وانا یومئذ بنت تسع " میں سہوِ ہشام

مندرجہ بالا مثالوں سے واضح ہو گیا کہ اسم قسم کا سہو ہوتا ہی رہتا ہے چنانچہ یہی کچھ روایت ہشام میں بھی ہوا ہے ۔ روایت بھول کی وجہ سے آدھی رہ گئی ہے ۔ جیسا کہ زہری، ابن عیینہ ، اور سہیل ، امام بخاری ، ابن منادی اور صفوان بن معطل کے واقعات کی امثلہ سے ظاہر ہے ۔

خود ہشام کے متعلق میزان الاعتدال میں مذکور ہے کہ ابوالحسن قطان ہشام بن عروہ اور سہیل بن صالح کے متعلق کہتے ہیں اختلطا ۔

حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں ہشام کے متعلق لکھتے ہیں :-

فی الکبر تناقض حفظ ہشام

فی الکبر تناقض حفظہ وتغیر ولم یبق حفظہ کھو فی حال الشباب فنسی بعض محفوظہ او وھم فکان ماذا . اھو معصوم عن النسیان ولما قدم العراق فی اخر عمرہ حدیث بجملۃ کثیرۃ من العلم ، فی عضون ذلک بیسیر احادیث لم یجودھا .

(میزان الاعتدال . ذکر ہشام)

روایت تزوج عائشہ ہشام کی نسیان زدہ روایت ہے جس کی اصلاح اُمّت کے ذمّہ ہے

حافظ ذہبی کے اقرار اور معذرت سے کسی غلطی کی تلافی نہیں ہو جاتی ۔ حافظ صاحب یہی فرما رہے ہیں کہ بھول چوک انسان کی فطرت ہے ۔ اگر ہشام سے بھول ہو گئی تو کیا

ہوا۔ ایسی بھول تو ادروں سے بھی ہوتی ہے۔ علماء نقد کے اس بیان کے بعد کہ ہشام سے اخیر عمر میں غلطیاں ہوتی ہیں یہ یقین ہے کہ یہ صحیح روایت ہشام کے نسیان کا شکار ہو گئی ہے۔ اور جس وقت انہیں یہ سہو لاحق ہوا اور یہ سہو کی ماری ہوئی روایت بیان کی اس وقت، سے قبول کرنے والے تو سب تھے۔ لیکن اصلاح کرنے والا کوئی نہ رہا تھا۔ ہشام کی بزرگی اور ان کا حضرت عائشہ رضہ کے گھر کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے علماء نے اسی ناقص روایت کو قبول کر لیا۔

ترک عشرہ یا عشرین

اس روایت کی تحریر میں ہشام سے لفظ "عشرہ" یا عشرین " رہ گیا ہے۔ خواہ لفظوں میں رہ گیا ہو یا ہندسوں میں اکائی لکھی گئی ہو اور دہائی چھوٹ گئی ہو۔

۲۰۔ خود میرا اپنا حال

میں اگر ایک صفحہ لکھتا ہوں تو ایک ہی صفحہ میں چھ سات لفظ لکھنے سے رہ جاتے ہیں۔ میں نے اسی تحریر میں دیکھا ہے کہ اکثر جگہ حضرت عائشہ رضہ لکھتا تھا مگر میں صرف حضرت لکھتا چلا گیا اور عائشہ رضہ چھوڑتا چلا گیا۔ اور یہی سمجھتا رہا کہ پورا نام لکھا ہے۔ صفحہ ختم ہونے کے بعد جب دوبارہ پڑھا تو معلوم ہوا کہ مسلسل لفظ عائشہ رضہ چھوٹتا چلا گیا ہے۔ جسے پھر بعد میں درست کیا۔

علی ہذا جن کتابوں سے اقتباس لئے ہیں ان کے صفحات ساتھ ساتھ لکھتا چلا گیا جب بعد میں مقابلہ کیا گیا تو کئی جگہ ہندسوں کے نقل کرنے میں غلطی پائی گئی۔ باوجودیکہ میں لکھتے وقت کافی محتاط رہتا ہوں۔ لیکن پھر بھی ترک پر ترک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ خاص طور پر کا۔ کے۔ کی۔ پہ۔ میں وغیرہ چھوٹے چھوٹے الفاظ اکثر و بیشتر چھوٹ جاتے ہیں۔ اگر تحریر کو دوبارہ نہ پڑھا جائے تو کچھ عرصہ بعد مضمون کی اصلاح ہی مشکل ہو جاتی ہے۔ زیادہ دیر ہو جانے کی صورت میں یہ یاد بھی نہیں آتا کہ یہاں کونسا لفظ رہ گیا تھا۔

خلاصۃ الکتاب

خلاصة الکتاب

> **ھشام کی روایتِ تزوجِ عائشہ رضؓ میں "عشرۃ" یا "عشرین" کا لفظ ساقط التحریر ہے**
>
> اصل میں وانا یومئذ بنت "تسع عشرۃ". یا "تسع وعشرین" تھا۔ نقل کرتے ہوئے "عشرۃ". یا عشرین" کا لفظ چھوٹ گیا اور صرف "تسع" باقی رہ گیا۔ حضرت عائشہ رضؓ کے اپنے جملے میں "تسع عشرۃ". یا "تسع وعشرین" تھا۔ ان کے بعد عروہ کی تحریر اور بیان میں بھی "تسع عشرۃ" یا تسع وعشرین" تھا۔ لیکن ہشام بن عروہ سے سہوًا دوسرا لفظ چھوٹ گیا اور صرف تسع باقی رہ گیا۔
>
> واللہ اعلم بالصواب۔

سقوط "عشرہ" کا ثبوت

ساقط شدہ لفظ "عشرۃ" کو متیقن کرنے کے لئے مذکورہ بالا ۲۰ قرائن کے علاوہ ایک ٹھوس مثبت ثبوت حضرت عائشہ رضؓ کے بھائی بہنوں کی عمروں کا تفاوت ہے۔ اور جب ہم اس ناطق شہادت کو سامنے رکھتے ہیں تو اس کی روشنی میں مندرجہ ذیل حقائق کھل کر سامنے آجاتے ہیں:۔

ا۔ کتب سیر و رجال متفق الرائے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں :۔

ان اسماء اکبر من عائشۃ رضؓ. یا. ھی اکبر من اختھا عائشۃ رضؓ

بے شک اسماء بڑی ہے عائشہ رضؓ سے اور وہ بڑی ہے اپنی بہن عائشہ رضؓ سے۔ اور یہ ایک متفقہ فیصلہ ہے۔

۲ - سابق الایمان لوگوں میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا نمبر نواں یا بقول بعض سترھواں یا اٹھارواں ہے جیسے کہ ہم اس سے پہلے ثابت کر چکے ہیں ۔

۳ - جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی تو ۲ھ ہجری میں عبداللہ کی پیدائش ہوئی جو مہاجرین میں ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش ہے ۔ یہ بات بھی متفق علیہ ہے ۔

۴ - ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر باتفاق راے ۲۷ سال تھی ۔

۵ - حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی وفات ۷۳ھ ہجری میں ان کے بیٹے عبداللہ بن الزبیر رض کے مصلوب ہونے کے چند مہینے یا چند دن بعد واقع ہوئی ۔

۶ - وفات کے وقت حضرت اسماء رض کی عمر ۱۰۰ سو سال تھی ۔

۷ - حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عمر میں ۱۰ دس سال بڑی تھیں ۔

یہ سب متفقہ امور جو ہم نے لکھے ہیں کتب رجال و سیر سے ثابت شدہ حقائق ہیں ۔
حوالے کے سلئے مندرجہ ذیل اقتباسات پیش خدمت ہیں :-

قال هشام بن عروة عن ابيه بلغت اسماء مائة سنة ولم يسقط لها سن ولم ينكر لها عقل .

ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے نقل کیا اسماء رض سو سال کی ہوئی نہ کوئی دانت گرا اور نہ سٹھیائی ۔

وقال ابو نعيم الاصبهاني ولدت قبل الهجرة بسبع وعشرين سنة وعاشت الى اوائل سنة اربع وسبعين سنة قيل عاشت بعد ابنها عبدالله عشرين يومًا وقيل غير ذلك .

(الاصابه جلد ۴ ص۲۲۵)

ابونعیم نے کہا ہجرت سے ۲۷ سال پہلے پیدا ہوئی اور زندہ رہی اوائل ۷۴ھ تک اور کہا گیا زندہ رہی اپنے بیٹے عبداللہ کے بعد ۲۰ دن اور اس کے علاوہ بھی ذکر کیا گیا ۔

توفيت اسماء رض بمكة فى جمادى الاولى سنة ثلاث وسبعين بعد قتل ابنها عبدالله بن الزبير ولم تلبث بعد انزاله من الخشبة ودفنه الا ليالى وكانت قد ذهب بصرها وماتت وبلغت

مائة سنة . (الاستیعاب علی الاصابہ جلد ۴ ص۲۲۵)

اسماء رض نے وفات پائی مکہ میں جمادی الاولی میں ۷۳ھ اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے قتل کے بعد نہیں رہی اپنے بیٹے کے سولی سے اتارنے کے بعد اور اس کے دفن کے بعد مگر چند راتیں اور اس کی نظر جاتی رہی تھی اور مرگئی مگر سو سال تک پہنچ گئی ۔

وماتت اسماء بنت ابی بکر الصدیق بعد قتل ابنہا عبداللہ ابن الزبیر بلیال وکان قتلہ یوم الثلثاء بسبع عشرۃ لیلۃ خلت من جمادی الاولی سنۃ ثلث وسبعین .

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص۲۵۵ ذکر اسماء)

اسماء بنت ابوبکر صدیق مرگئی اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے قتل کے بعد چند راتوں میں اور اس کا قتل منگل کے دن ۱۷ جمادی الاولی ۷۳ھ کو ہوا ۔

اسماء بنت ابی بکر . واسم ابی بکر عبداللہ بن عثمان ، القرشیۃ التیمیۃ وکانت اسن من عائشۃ وهی اختها لابیها وکان عبداللہ بن ابی بکر اخا اسماء شقیقها قال ابو نعیم ولدت قبل التاریخ بسبع وعشرین سنۃ . وکان عمر ابیها لما ولدت نیفا وعشرین سنۃ اسلمت بعد سبعۃ عشر انسانا وهاجرت الی المدینۃ وهی حامل بعبداللہ . ثم ان اسماء عاشت وطال عمرها وعمیت وبقیت الی قتل ابنها عبداللہ سنۃ ثلاث وسبعین بعد قتلہ قیل عشرۃ ایام وقیل عشرون یوما وغیر ذلک .

(اسد الغابہ جلد ۵ ذکر اسماء ص۳۹۳)

اسماء بنت ابوبکر اور ابوبکر کا نام عبداللہ بن عثمان قرشیہ تیمیہ اور یہ بڑی تھی عائشہ رض سے اور یہ عائشہ رض کی علاتی بہن تھی اور عبداللہ بن ابوبکر اسماء رض کا سگا بھائی تھا ۔ ابونعیم نے کہا یہ پیدا ہوئی تاریخ سے ۲۷ سال پہلے اور اس کے باپ کی عمر اس وقت کچھ اوپر ۲۰ سال تھی اسلام لائی ۱۷ آدمیوں کے بعد اور مدینے کی طرف ہجرت کی اس وقت عبداللہ پیٹ میں تھے پھر اسماء رض زندہ رہی اور لمبی عمر ہوئی نابینا ہوگئی اور زندہ رہی اپنے بیٹے عبداللہ کے قتل ہونے تک ۷۳ھ تک اس کے قتل کے بعد کہا گیا دس دن اور کہا گیا بیس دن وغیرہ ذلک ۔

ثم ان اسماء عاشت وطال عمرها وعمیت وبقیت الی ان قتل

ابنها عبدالله سنة ثلاث وسبعين وعاشت بعد قتله قيل عشرة ايام وقيل عشرين يومًا۔ وكانت هي واختها عائشة رض وابوها وابو ابيها ابو بكر الصديق وجدها ابو العتيق وابنها عبدالله رض وزوجها الزبير صحابيين رضوان الله عليهم۔ وقد شهدت اليرموك مع ابنها وزوجها وهي اكبر من اختها عائشة رض بعشر سنين وعمرت اسماء دهرا صالحا واضرت في اخر عمرها وقيل هل هي كانت صحيحة البصر ولم يسقط لها سن وادركت قتل ولدها في هذه السنة كما ذكرنا ثم ماتت بعده بخمسة ايام وقيل بعشرة ايام وقيل بعشرين وقيل بضع وعشرين وقيل مائة يوم وهو الاشهر وبلغت من العمر مائة سنة ولم يسقط لها سن ولم ينكر لها عقل رحمها الله۔ وماتت في اخر جمادى الاخرى سنة ثلاث وسبعين۔

(البدایہ والنہایہ جلد آٹھ صفحہ ۳۴۶ ذکر عبداللہ بن الزبیر ۷۳ھ)

پھر اسماء زندہ رہی اور اس کی عمر لمبی ہوئی اور نابینا ہو گئی اور باقی رہی۔ اپنے بیٹے عبداللہ کے قتل تک ۷۳ھ تک اور اس کے قتل کے بعد کہا گیا دس دن زندہ رہی اور کہا گیا بیس دن زندہ رہی اور وہ خود اس کی بہن عائشہ رض اس کا باپ ابو بکر صدیق اس کا دادا ابو العتیق اور اس کا بیٹا عبداللہ اور اس کا خاوند زبیر سب صحابی تھے اور وہ یرموک میں شریک تھی اپنے بیٹے اور خاوند کے ساتھ اور وہ اپنی بہن عائشہ رض سے دس سال بڑی تھیں اور اسماء زندہ رہی لمبے عرصے اور اندھی ہو گئی تھی آخر عمر میں اور کہا گیا بلکہ اس کی بینائی ٹھیک تھی اور کوئی دانت نہیں گرا تھا اسی سال اس نے اپنے بیٹے کا قتل دیکھا جیسا کہ ہم نے بیان کیا پھر اس کے بعد پانچ دن کے بعد مر گئی اور کہا گیا دس دن کے بعد اور کہا گیا بیس دن کے بعد اور کہا گیا کچھ اوپر بیس دن کے بعد اور کہا گیا سو دن کے بعد اور یہ زیادہ مشہور ہے اور عمر سو سال ہوئی نہ کوئی دانت جھڑا اور نہ سٹھیائی اللہ اس پر رحم کرے اور وفات آخر جمادی الاخرہ ۷۳ھ میں ہوئی۔

اسماء بنت ابي بكر هي اسماء بنت ابي بكر الصديق وتسمى ذات النطاقين وهي ام عبدالله اسلمت بمكة قديما وقيل اسلمت بعد سبعة عشر انسانا وهي اكبر من اختها عائشة رض بعشر سنين ماتت بعد قتل ابنها بعشر ايام وقيل بعشرين يوما بعد ما نزل

ابنها من الخشبة وله ا ماتة سنة و ذلك سنة ثلاث وسبعين بمكة . روى عنها الخلق كثير .

(مشکوٰۃ ص۵۵۵) اکمال فی اسماء الرجال لصاحب مشکوٰۃ المصابیح . الشیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب .)

اسماء بنت ابوبکر یہ اسماء بنت ابوبکر الصدیق ہے جسے نطاقین والی کہا جاتا ہے ۔ یہ عبداللہ کی ماں ہے کہا گیا اسلام لائی سترہ آدمیوں کے بعد اور یہ بڑی تھی اپنی بہن عائشہ رضہ سے دس سال مرگئی اپنے بیٹے عبداللہ کے قتل کے بعد دس دن بعد اور کہا گیا بیس دن بعد جب اس کے بیٹے کو سولی سے اتارا گیا اس کی عمر سو سال تھی اور یہ ۷۳ھ تھا مکے میں اس سے بہت لوگوں نے روایت بیان کی ۔

وکانت اسن من عائشۃ رضہ ببضع عشرۃ سنۃ وقال عبدالرحمن بن ابی الزناد وکانت اسماء اکبر من عائشۃ رضہ بعشر .

(سیر اعلام النبلاء ص۱۵۲ جلد ۲ ذکر اسماء بنت ابی بکر)

اور یہ بڑی تھی عائشہ رضہ سے کچھ اوپر دس سال ۔ عبدالرحمن بن ابی الزناد نے کہا اسماء رضہ عائشہ رضہ سے دس سال بڑی تھی .

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ کی والدہ ہیں ۔ مکہ معظمہ میں شروع ہی میں اسلام لائی تھیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ سترہ آدمیوں کے اسلام لانے کے بعد یہ مسلمان ہوئیں ۔ اور اپنی ہمشیرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے دس سال بڑی تھیں ۔ آپ کا انتقال ۷۳ھ میں آپ کے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے قتل کے دس یا بیس دن بعد ہوا ۔ جو بیٹے کی محبت کی دلیل ہے ۔ اکثر لوگوں نے اسماء رضہ سے احادیث روایت کی ہیں ۔ آپ نے سو سال کی عمر پائی ۔

(مقدمہ تجرید البخاری ذکر اسماء ۔ از علامہ حسین بن المبارک زبیدی متوفی ۹۰۰ھ . ذکر اسماء ص۱۷)

اخبرنا ابو اسامۃ حماد بن اسامۃ عن ہشام عن ابیہ عن اسماء بنت ابی بکر رأیت زید بن عمرو بن نفیل قائما مسند ظہرہ الی الکعبۃ وھو یقول یا معشر قریش ، ما منکم احد علی دین ابراھیم غیری .

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ذکر سعید بن زید ص۳۸۰)

حماد بن سلمہ ابو اسامہ نے ہمیں خبر سنائی ۔ ہشام سے اس نے اپنے باپ سے اس نے اسماء

بنت ابوبکر سے میں زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کھڑے ہوئے اپنی پیٹھ لگائے کعبہ سے اور وہ کہہ رہا تھا اے گروہ قریش تم سے کوئی بھی دین ابراہیم پر نہیں میرے سوا

اخبرنا احمد بن قاسم نا محمد بن معاویة نا ابراهیم بن موسیٰ نا اسماعیل بن اسحاق نا نضر بن علی ثنا الاصمعی قال نا ابوالزناد قال قالت اسماء بنت ابی بکر وکانت اکبر من عائشة رضی اللہ عنہما بعشر سنین ونحوها رأیت زید بن عمرو بن نفیل مسند ظهره الی الکعبة وهو یقول یامعشر قریش واللہ لا آکل ما ذبح بغیر اللہ واللہ ما احد علی دین ابراهیم غیری ۔ (الاستیعاب فی اسماء الاصحاب علی الاصابہ ۔ ذکر سعید بن زید بن عمرو ابن نفیل ۔ جلد ۲ صفحہ ٤ مطبوعہ مصر)

احمد بن قاسم نے ہمیں خبر دی اس نے کہا محمد بن معاویہ نے ہمیں خبر دی اس نے کہا ابراہیم بن موسیٰ نے ہمیں خبر دی اس نے کہا اسماعیل بن اسحاق نے ہمیں خبر دی اس نے کہا نضر بن علی نے ہمیں خبر دی اس نے کہا اصمعی نے ہمیں حدیث سنائی اس نے کہا ابوزناد نے ہمیں خبر دی اس نے کہا اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے کہا اور وہ تھی بڑی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال یا اس کے قریب میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کعبے سے پشت لگائے اور وہ کہہ رہا تھا اے گروہ قریش واللہ میں نہیں کھاتا وہ ذبیحہ جو غیر اللہ کے نام پر ہو واللہ کوئی نہیں ہے دین ابراہیم پر میرے سوا ۔

عن خارجة قال سمعت سعید بن المسیب یذکر زید بن عمرو ابن نفیل قال توفی وقریش تبنی الکعبة قبل ان ینزل الوحی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخمس سنین ۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۳۸۱)

خارجہ سے روایت ہے میں نے سعید بن المسیب کو سنا وہ ذکر کر رہا تھا زید بن عمرو بن نفیل کا اس نے کہا زید نے وفات پائی جب قریش کعبے کی تعمیر کر رہے تھے اس سے پہلے کہ وحی اتری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے پانچ سال پہلے ۔

مدلول الروایات | مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر میں دس سال کا فرق تھا ۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں ۔ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا قبل از بعثت کے واقعات کی چشم دید راویہ ہیں ۔

ہجرت کے وقت حضرت اسماء کی عمر ۲۷ سال تھی ۔ لہذا ہجرت کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کی عمر ۱۱ سال کی تھی ۔

۲ ہجری میں رخصتی کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر انیس سال تھی ۔ اسی لئے ہشام نے فرمایا تھا دانا بہا یومئذ بنت تسع عشرة سنة ۔

لیکن ہشام سے تحریر میں لفظ عشرۃ رہ گیا ۔ اور ہندسوں میں تھا تو ۱۹ میں سے دہائی کا ہندسہ ایک گر گیا و خالی رہ گیا ۔

" عشرہ " کا لفظ کس سے چھوٹا

یہ غلطی یقیناً عروہ اور ہشام کے درمیان دائر ہے ۔ عروہ سے اس روایت کے راوی صرف ہشام بن عروہ ہیں ۔ ان کے علاوہ کوئی اور راوی نہیں ۔ اس لئے یہ غلطی یا عروہ سے ہوئی ہے یا ہشام سے ۔

ہشام اور ان کے والد عروہ دونوں مورخ ہیں ۔ سیر میں کافی روایات ان سے مروی ہیں ۔ ارباب سیر نے بہت سے واقعات ان کے حوالے سے لکھے ہیں ۔ تذکرۃ الحفاظ میں عروہ کے متعلق لکھا ہے

وکان عالما بالسیرۃ ۔

صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ :-

ظن البعض اول من کتب فی المغازی عروۃ ابن الزبیر ۔

امکان ضعف یہ ہے کہ یہ ترکش عروہ سے ہوا ہے ۔

ہو سکتا ہے کہ عروہ نے مغازی کے متعلق یادداشتیں چھوڑی ہوں اور ان میں یہ حضرت عائشہ رض کی رخصتی کا قصہ بھی لکھا ہو اور اس میں نادانستہ طور پر تحریر میں لفظ " عشرہ " یاد سے رہ گیا ہو ۔ اور پھر جب عروہ کی وفات کے بعد یہ یادداشتیں حضرت ہشام کے ہاتھ آئی ہوں تو چونکہ ان یادداشتوں میں صرف تسع لکھا ہوا تھا تو ہشام نے اسے حرف آخر خیال کر کے اور ایک خصوصی واقعہ خارق عادت تصور کر کے اپنے استنباط کی بنیاد اس پر رکھ دی ہو اور اسی کو نقل کرنا شروع کر دیا ہو ۔

اس وقت دنیا میں کوئی شخص ایسا تو زندہ رہا نہیں تھا جس سے اس واقعہ کی تصدیق ہو سکتی کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر کیا تھی آیا ۹ سال تھی یا زیادہ تھی ۔

چونکہ نو سال کی عمر میں بنا ایک عجیب چیز تھی اس لئے انہوں نے اس ایک جملے کو تاریخی معلومات اور ان سے استخراج کردہ نتائج کے ساتھ ملا کر تین جملوں کی ایک روایت

مرتب کر لی اور اسے مختلف عنوانات سے بیان کر دیا۔

امکان قوی یہ ہے کہ اس سہو کتابت کے ذمہ دار خود ہشام ہیں۔

عروہ سے اس روایت میں غلطی کا امکان بے حد ضعیف ہے اگر عروہ کی کتاب یا دستاویز میں یہ غلطی ہوتی تو عروہ کی وفات کے وقت سے ہی یہ روایت چل نکلنی چاہئے تھی۔ اور ۹۴ھ کے بعد ہی سے اس کے اور راوی بھی ملنے چاہئیں تھے۔

لیکن یہ روایت ہشام نے اپنی عمر کے بالکل آخر میں بیان کرنی شروع کی ہے۔ اس لئے گمان غالب یہ ہے کہ یہ نسخ اور کتابت کی غلطی خود ہشام سے ہوئی ہے۔

غالباً ایسا ہوا ہوگا کہ شروع میں ہجرت عائشہ رض کی مفصل روئیداد جس میں ان کی رخصتی کا بیان ہے بیان کی جاتی ہوگی۔ اور عروہ کی وفات کے بعد حضرت ہشام اس سیرت کے درجے کی روایت کو سناتے ہوں گے اور دانا بہو متن بنت تسع عشرہ نقل کرتے ہوں گے۔ جیسا کہ ان کے والد کی یادداشتوں میں تھا۔ لیکن آخر میں جب یہ لفظ عشرہ ان سے کتابت میں چھوٹ گیا تو انہوں نے ان روایات کو بھی جن میں حضرت عائشہ رض کے بچپن کے واقعات تھے اس روایت کے ساتھ ملا لیا۔ اور خود ان روایات میں ایسا تصرف کر دیا کہ حضرت عائشہ رض کا پورا بچپن عیاں معلوم ہو۔ مثلاً یہی روایت جس میں حضرت عائشہ رض کی رخصتی کا قصہ ہے اس کو حضرت عائشہ رض کے بچپن میں بدل دیا۔

اس روایت میں تھا کہ مدینے آکر بیمار ہو گئیں سر کے بال گر گئے۔ حضرت عائشہ رض بچیوں کے جھولے دیکھ رہی تھیں۔ اچانک رخصتی کرنے کی وجہ سے ماں کو گھبراہٹ تھی۔ انہوں نے حضرت عائشہ رض کو آواز دی۔ وہ تیزی سے آئیں۔ سانس چڑھ گیا۔ ان کو جلدی جلدی تیار کیا اور رخصت کر دیا۔

اس ساری روایت میں کہیں ان کے بچی ہونے کا ذکر نہیں تھا۔ صرف لفظ عشرہ کے ترک نے اس تمام روایت کو بچپن کے آثار میں تبدیل کر دیا۔

چونکہ یہ روایت سیرت کے درجے کی روایت تھی اس لئے علماء نے اس کی تحقیق میں کاوش نہیں کی۔

چونکہ یہ روایت بالمعنی تھی اس لئے اس میں اصل واقعہ کی روح کم اور ہشام کا ذہن زیادہ کارفرما ہوتا چلا گیا۔

ان روایات میں پہلے پہلے صرف واقعات کا بیان تھا اور عمر کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

[illegible] توفیت خدیجہ قبل مخرج الی النبی بثلاث سنین
فلبث سنتین او قریباً من ذلک ونکح عائشۃ ۔

یہ روایت اتنی تھی ۔ لیکن ہشام نے اس روایت میں وھی بنت ست سنین کے جملہ حالیہ کا اضافہ اپنی طرف سے اپنے استخراج کے بعد کیا اور اب یہ اضافہ بھی ان کے باپ کی روایت کا جزو بن گیا ۔ اس میں " وھی " سے شروع ہونے والا جملہ ادراجِ ہشام ہے ۔

ہشام کے استخراج سے پہلے لوگ حضرت عائشہ رض کی سادہ رخصتی کے واقعہ سے ضرور واقف تھے اور یہی جانتے تھے کہ نکاح اور رخصتی پوری عمر میں ہوئی ہے اور ان کی عمر ان کے اپنے بیان کے مطابق ۱۹ سال تھی ۔ یہ محض ہشام ہیں جنہوں نے ۹ سال کی عمر بیان کرکے اس پر اپنے استخراج کی بنیاد رکھی اور مدینے سے دور عراق میں جاکر اپنی آخری عمر میں اس استنباط کا اعلان عراق کے نوجوانوں کے سامنے کیا ۔

استخراج ہشام کی امکانی روئیداد

ہشام سے یہ غلطی کس طرح ہوئی :

اس کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یا تو اپنے باپ عروہ کی امالی سے نقل کرتے ہوئے ان سے لفظ " عشرہ " سہوًا رہ گیا ۔ اور لکھ لینے کے بعد ان کا اصل سے مقابلہ نہ کر سکے ۔ پھر ان متفرق یادداشتوں (امالی) کو یہ سمجھ کر کہ میں انہیں نقل کر چکا ہوں ضائع کر دیا ۔ ہشام کو خیال نہ آیا کہ مجھ سے نقل کرنے میں غلطی ہو گئی ہے انہوں نے صرف تسع والی روایت بیان کرنی شروع کر دی ، اور وہ ایک نئی ، دلچسپ ، فوق العادت اور معجزانہ چیز ہونے کی وجہ سے اعجوبہ پسند رواۃ میں کل جدید لذیذ کے قاعدے کے مطابق چل نکلی ۔

اصلاح کی کوئی صورت تھی ہی نہیں ۔ اس لئے یہ غلطی ہی حقیقت کی صورت اختیار کر گئی اور حقیقت پسند علماء نے حدیث و فقہ نے بھی لعد میں بالآخر اس جدید شہرت یافتہ " حقیقت " کو قبول کر لیا ۔

لیکن ہم ان کے اس قبول لاچارگی کو پوری نیک نیتی کے ساتھ غلط العوام فصیح کی حیثیت دیتے ہیں ۔ اور چونکہ اس " غلط العوام " کا اثر براہِ راست شانِ رسالت پر پڑ رہا ہے ۔ اس لئے ہم نے اپنا علمی اور ایمانی فرض سمجھ کر اپنی ہمہ پہلو تحقیق علماء اور طالبانِ علم کے سامنے رکھ دی ہے اور یہ کوشش از اول تا آخر رضائے الٰہی کی خاطر ہے ۔

اور اسی سے اس کے اجر اور قبولیت کی امید بھی ہے۔

استخراج ہشام ان کی زندگی میں

جب تک ہشام زندہ رہے اپنے اس استخراج کو عنعنے اور غائب کے صیغے کے ساتھ بیان کرتے رہے۔ اور روایت بالمعنی کی رُو سے اپنے خیال میں صحیح روایت بیان کرتے رہے جس کی صورت یہ رہی :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج عائشۃ وھی بنت ست او سبع. وبنی بھا وھی بنت تسع وکانت عندہ تسعا ومات عنھا وھی بنت ثمان عشر سنۃ.

کبھی یہ عنوان اختیار کیا کہ :-

نکح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ رض وھی بنت سبع او ست. وادخلت علیہ وھی بنت تسع وصحبتہ تسعا.

گویا عنعنہ ہونے کی وجہ سے کافی گنجائش رہی کہ جس طرح چاہیں بیان کریں۔

استخراج ہشام تلامیذ ہشام کے دور میں

ان کے بعد ان کے تلامیذ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حضرت شیخ نے اپنے والد عروہ سے سُنا ہے اور ان کے والد عروہ نے حضرت عائشہ رض سے سُنا ہے اس عنعنے کو " قالت واخبرت " کی صورت میں تبدیل ہو گئی اور اس کے بعد یہ روایت تزوجنی رسول اللہ ؐ وانا بنت ست سنین کی صورت میں یعنی غائب کے صیغے سے بیان کرنے کے بجائے متکلم کے صیغے سے بیان کرنا شروع کر دیا۔

استخراج ہشام مبدل بکلام عائشہ رض

اس طرح ہشام کا یہ استخراج حضرت عائشہ رض کا کلام بن گیا اور اب جو روایت چلی تو خوب زور دار ہو کر اس طرح چلی :-

تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست او سبع وبنی بی وانا بنت تسع وکنت عندہ تسعا.

پھر اس بلا واسطہ کلام میں بھی وہی تنوع پیدا کر دیا جو بالواسطہ کلام میں تھا۔

اس طرح یہ ہشام کا کلام حضرت عائشہ رض کی حدیث بن گئی۔

استخراج ہشام بلباسِ حدیث متواتر

پھر حفاظ حدیث نے اسے احکام کی حدیث بنا کر اس کثرت سے اس کی روایت کی

کہ یہ حد تواتر تک پہنچ گئی اور بعد میں آنے والے رواۃ نے اس کے متابع اس طرح پیدا کئے کہ اسی استخراج ہشام کو دوسری سندوں سے متعلق کر دیا اور اس ایک متن کے لئے بہت سے اسناد تدلیساً مہیا کر دیئے۔

حالانکہ اس پوری حدیث میں ایک جملہ بھی حضرت عائشہ رض کا نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رض کا اپنا کلام تو ہجرت والی روایت میں " داناںیومئذ بنت تسع عشرۃ " تھا جس کو ہشام نے ناقص نقل کیا۔ یعنی ان سے سہواً تحریر میں عشرہ قلم انداز ہو گیا اور صرف " تسع " باقی رہ گیا۔ پھر ہشام نے اس ناقص " تسع " پر اپنے استخراج کی بنیاد رکھ کر اس کو بالکل ایک نئی چیز بنا دیا۔ اور " تسع " کو سامنے رکھ کر اس کے لوازمات اپنے ذہن میں جمع کر کے حضرت عائشہ رض کی روایت میں بھر دیئے۔ یعنی ان کی زندگی کے بچپن کے واقعات کو بھی اسی روایت کے ساتھ ملا دیا۔ اور مجموعۃً ایک روایت بنا کر روائت شروع کر دی۔ یعنی ہجرت والی روایت کے ساتھ ارجوحہ جھولا، صواحب بنات، لعب، ماں کا منہ دھونا، سانس پھول جانا وغیرہ کا ذکر۔ جو سارا کا سارا اسی لفظ " تسع " کے تصور پر مبنی ہے یہ سب کچھ ہشام کا اپنا ذہن ہے یا ان کے کسی شاگرد کا جس کا روایت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ابن سعد کی روایت جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ظاہر کر رہی ہے کہ اصل روایت میں ان چیزوں میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں ہے۔

تاریخ کے اس دور میں ہشام کے سوا روئے زمین پر کوئی دوسرا راوی اس روایت کو بیان کرنے والا نہیں تھا۔ اس لئے تمام آئمہ فن کو ان کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ چنانچہ امام شافعی رح اور امام احمد بن حنبل رح کے اساتذہ۔ اور بخاری اور اصحابِ سنن کے استاذ الاساتذہ سب اس روایت کو ہشام ہی سے بیان کرتے ہیں۔

اس روایت کے تین متابع بیان کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے الفاظ وہی ہیں جو ہشام کی روائت کے ہیں۔

جبکہ یہ تحقیق ہو چکا کہ یہ روائت حضرت عائشہ رض کا کلام نہیں ہے بلکہ استخراجِ ہشام ہے تو پھر ظاہر ہے کہ یہ متابعات بھی خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

ہشام کا خاتمہ اختلاط پر ہوا ہے اللہ تعالےٰ انہیں معاف فرماتے | ہم دربارہ حضرت ہشام کے متعلق

تہذیب التہذیب کی عبارۃ نقل کرکے اُن کے تعارف کو مکرر تازہ کرتے ہیں۔

قدم الکوفۃ ثلاث مرات فقدم الاولیٰ وکان یقول :۔
" حدثنی ابی قال سمعت عائشۃ ۔"
وقدم الثانیۃ فکان یقول :۔ " اخبرنی ابی عن عائشۃ ۔"
وقدم الثالثۃ فکان یقول :۔ " ابی عن عائشۃ ۔"
سمع منہ بالاخرہ وکیع و محاضر وابن نمیر ۔

وقال الاجری عن ابی داؤد لما حدث هشام بن عروۃ حدیث ام زرعۃ هجرہ ۔

وقال العقیلی کان ابوالاسود یتعجب من حدیث هشام عن ابیہ وربما مکث سنۃ لا یکلمہ ۔

وقال ابن قطان قد تغیر قبل موتہ ولم نر لہ فی ذلک سلفا ولم ینکر علیہ شیء الا بعد ما صار الی العراق فانہ انبسط فی روایتہ عن ابیہ بما کان سمعہ من غیر ابیہ ۔

وقال ابن خراش وکان مالک لا یرضاہ ۔

وبلغنی ان مالکا نقم علیہ حدیثہ لاہل العراق ۔

(تہذیب التہذیب ص۴۸ جلد ۱۱)

وہ کوفے تین دفعہ آئے پہلی دفعہ آئے تو کہتے تھے میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا میں نے عائشہ رض کو سنا ۔

دوسری دفعہ آئے تو کہتے تھے میرے باپ نے خبر سنائی عائشہ رض سے ۔

اور تیسری دفعہ آئے تو کہتے تھے میرے باپ سے اس نے عائشہ رض سے ۔

اور اس سے آخر میں سننے والے وکیع محاضر اور ابن نمیر ہیں ۔

آجری نے کہا ابوالاسود سے جب ہشام بن عروہ نے حدیث ام زرع بیان کی اس نے اسے چھوڑ دیا ۔

عقیلی نے کہا ابوالاسود تعجب کرتے تھے ہشام کی حدیث سے جو وہ اپنے باپ کی طرف منسوب کرکے بیان کرتے تھے ۔ اور اکثر سال سال بھر اس سے بات نہیں کرتے تھے ۔

ابن قطان نے کہا موت سے پہلے ان کی حالت بدل گئی تھی اور ہمیں کوئی اس کا بدل نہ مل سکا ان پر کسی چیز کا انکار نہیں کیا گیا مگر جب وہ عراق گئے اور فراخی پیدا کردی اپنے

باپ سے اپنی روایات میں توان کے اہل شہر نے اُن کی روایات کا انکار کر دیا۔

اور ہشام نے اہل عراق کے لئے یہ تسہیل کر دی کہ جو اُسے اپنے باپ سے نہیں سُنا تھا اوروں سے سُنا تھا وہ بھی اپنے باپ سے بیان کرنے لگے۔

ابن خراش نے کہا امام مالک اسے پسند نہیں کرتے تھے مجھے یہ بات پہنچی کہ امام مالکؒ نے ان پر گرفت کی ہے۔ ان کے حدیث بیان کرنے پر اہل عراق کے لئے۔

ہشام کے ساتھ آخری رعایت

حضرت ہشام نے اپنی اس روایت میں نہایت بچپن کا ثبوت دیا ہے۔ بایں ہمہ ان کی اس روایت کے بارے میں ہمارا محتاط اور دیانتدارانہ موقف یہ ہے کہ ہشام سے یہ غلطی سہواً بھول چوک کے طریقے پر ہوئی ہے۔ دانستہ نہیں ہوئی۔ یعنی لفظ "عشرہ" کتابت کے دوران سہواً ان سے چھوٹ گیا ہے۔ ورنہ امام مالکؒ تو کھرے کھرے الفاظ میں فرماتے ہیں کہ:-

"ھشام بن عروۃ کذاب"

سہو کتابت نہ ہوتا تو استنباطِ ہشام کی صورتیں مندرجہ ذیل ہوتیں

ا۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت سبع عشرۃ سنۃ وادخلت علیہ وھی بنت تسع عشرۃ سنۃ وکانت عندہ تسعا۔

ب۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت سبع عشرۃ سنۃ وبنی بھا وھی بنت تسع عشرۃ ومات عنھا وھی بنت ثمان وعشرین سنۃ۔

ج۔ ... توفی عنھا وھی ثمان وعشرین سنۃ:-

د۔ فقبض رسول اللہؐ وھی بنت ثمان وعشرین سنۃ۔

ا۔ نبی صلعم نے اس سے نکاح کیا اور سترہ سال کی تھی اور رخصتی ہوئی تو وہ انیس سال کی تھی وہ آپ کے ساتھ نو سال رہی۔

ب۔ نبی صلعم نے اس سے نکاح کیا تو وہ سترہ سال کی تھی رخصتی ہوئی تو وہ انیس سال کی تھی اور آپ کی وفات ہوئی تو وہ ۲۸ سال کی تھی۔

اور جب اس استخراج کو بلا واسطہ کلام میں تبدیل کیا جاتا تو روایت اس طرح ہوتی۔

تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت تسع عشرۃ سنۃ وبنی بی وانا بنت تسع عشرۃ سنۃ وکنت عندہٗ تسعا۔ او۔ مات عنی وانا بنت ثمان وعشرین۔

مجھ سے نکاح کیا نبی صلعم نے اور میں ۱۷ سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۱۹ سال کی تھی اور میں آپ کے ساتھ نو سال رہی یا جب آپ کی وفات ہوئی تو میں ۲۸ سال کی تھی۔

اور اگر حافظ ابن حجر اور دیگر محققین کے بیان کے موافق یہ تسلیم کیا جائے کہ رخصتی ۱ھ ہجری میں ہجرت کے سات آٹھ ماہ بعد ہوئی ہے اور ۲ھ ہجری میں نہیں ہوئی ہے۔ (جیسا کہ ہشام کا خیال ہے) اور نکاح کی مدت کو پانچ ماہ سے بڑھا کر سال نہ کریں یعنی نکاح اور بناء میں صرف ایک سال کا وقفہ تسلیم کریں اور بناء کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ان کے اپنے بیان کے مطابق ۱۹ سال تسلیم کریں۔ تو پھر اس جملے وانا یومئذ بنت تسع عشرۃ سے استخراج کی صورت یہ ہوگی :۔

عن عائشۃ تزوجھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بنت ثمان عشرۃ سنۃ وبنی بھا وھی بنت تسع عشرۃ سنۃ وکانت عندہ عشرا۔ او۔ مات عنھا وھی بنت تسع وعشرین سنۃ۔

عائشہ رض سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے نکاح کیا تو اس کی عمر ۱۸ سال کی تھی اس کی رخصتی ہوئی تو ۱۹ سال کی تھی وہ آپ کے پاس ۹ سال رہی یا جب آپ کی وفات ہوئی تو ۲۹ سال کی تھی۔

اور جب اس بالواسطہ کلام کو بلا واسطہ کلام میں تبدیل کیا جائے گا تو اس طرح کلام عائشہ رض بنے گا :۔

تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ثمان عشرۃ سنۃ وبنی بی وانا بنت تسع عشرۃ سنۃ وکنت عندہ عشرا۔ او۔ مات عنی وانا بنت تسع وعشرین سنۃ۔

مجھ سے نکاح کیا نبی صلعم نے تو میں ۱۸ سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۱۹ سال کی تھی اور میں آپ کے ساتھ ۱۰ سال رہی یا جب آپ کی وفات ہوئی تو میں ۲۹ سال کی تھی۔

تصحیح کتابت کے بعد ہشام کی روایت بالمعنی ہر طرح حقائق کے مطابق ہو جاتی ہے

ہشام کی روایت بالمعنی واقعہ کے لحاظ سے غلط نہیں ہے ۔ دانا یوم سٹ زبنت تسع عشرۃ سے ماخوذ ہے اور ان تاریخی حقائق پر مبنی ہے کہ نکاح ہجرت سے چند ماہ پہلے شوال میں ہوا ۔ رخصتی ہجرت سے سات آٹھ ماہ بعد ۱ھ ہجری شوال میں ہوئی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۱ھ میں ہوئی ۔ نکاح اور رخصتی میں ایک سال کا وقفہ ہے ۔ رخصتی کے بعد ربیع الاول ۱۱ھ تک مقررہ سنین کے حساب سے آپ کی خدمت میں دس سال رہیں ۔ رخصتی کے وقت عمر تسع عشرہ ۔ اس سے ایک سال پہلے ثمان عشرہ ، رخصتی کے دس سال بعد تسع وعشرین ۔

ہشام سے پہلے لوگ اس روایت سے بالکل ناواقف تھے ۔ اور یہی سمجھتے تھے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی عمر نکاح اور رخصتی کے وقت ۱۸ ـ ۱۹ سال تھی ۔ ہشام نے اسے اعجوبہ بنا دیا " تسع عشرہ " کی صورت میں اس روایت میں کوئی استکراہ نہیں تھا ۔

ازواج مطہرات میں حضرت حفصہ حضرت عائشہ رضؓ کی ہم عمر ہیں ۔ حضرت جویریہ اور حضرت صفیہ حضرت عائشہ رضؓ سے عمر میں چھوٹی ہیں ۔ ۵ھ ہجری میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ سے نکاح کیا تو ان کی عمر بیس سال تھی ۔ اس وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر ۲۳ سال تھی ۔ اس طرح حضرت عائشہ رضؓ حضرت جویریہ سے تین سال بڑی ہیں ۔

حضرت صفیہ سے ۶ھ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تو اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال تھی ۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کی عمر اس وقت ۲۵ سال تھی ۔ اس طرح حضرت عائشہ رضؓ حضرت صفیہ رضؓ سے ۸ سال بڑی تھیں ۔

بنات میں سے حضرت فاطمہ رضؓ حضرت عائشہ رضؓ کی
ہم عمر ہیں لیکن روایتِ ہشام نے تاریخ کو کچھ بنا دیا

ذہانت اور فطانت کے اعتبار سے حضرت عائشہ رضؓ اپنی عمر کی بہ نسبت بہت زیادہ پختہ تھیں ۔ جو پختہ کاری عام آدمی بڑی عمر میں تجربہ کے بعد حاصل کرتے ہیں وہ پختہ کاری انہیں ابتداء ہی میں ذہانت کی وجہ سے حاصل تھی ۔ وہ اپنے وقت میں نابغۂ دوراں تھیں ۔ وفور ذہن اور وقعات کے تجربے میں انہیں کمال حاصل تھا ۔ نفسیاتِ

انسانی کا شعور انہیں کمال کی حد تک حاصل تھا ۔ ان کی کسی بات میں بچپن نہیں تھا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر ان کا کبھی کھیل کود سے تعلق نہیں رہا۔
ان کی عمر کا تقاضا کھیل کود نہیں تھا ۔ ان کے مقام کا تقاضا قرآن وسنت کے مسائل کو
حل کرنا اور انہیں محفوظ کرنا تھا ۔ اور وہ انہوں نے کیا اور خوب کیا ۔

عمرِ عائشہؓ کے بارے میں مزید بحث

ہشام سے ہجرتِ عائشہ رضؓ کے واحد راوی صرف علی بن مسہر ہیں

اس وقت کتبِ تاریخ وحدیث میں حضرت عائشہ رضؓ کی عمر کے بارے میں صراحۃً صرف قیاس واستنباطِ ہشام ہی ہے جو تین جملوں پر مشتمل :-

نکحها النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهی بنت ست سنین :-

وبنی بها وهی بنت تسع :-

وکانت عنده تسعًا .

نبی صلعم نے اس سے نکاح کیا تو وہ چھ سال کی تھی .

رخصتی ہوئی تو نو (۹) سال کی تھی .

وہ نو سال آپ کے ساتھ رہی .

اس استنباطِ ہشام کے راوی تو کثیر التعداد حفاظِ حدیث ہیں . جیسا کہ ہم اپنے موقعہ پر تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں . لیکن ہشام نے اپنے قیاس کی بنیاد جس روایت کے آخری جملے " وانا یومئذ بنت تسع " پر رکھی ہے اس پوری روایت کا راوی تلامیذِ ہشام میں سے کوفے کا صرف ایک شخص علی بن مسہر ہے .

یہ روایت حدیث کی صرف تین کتابوں میں آئی ہے . بخاری[1] . ابن ماجہ[2] اور سنن دارمی . جن میں سے دارمی بخاری کے ہم عصر ہیں .

یہ روایت اگرچہ مسلم میں بھی بذریعہ ابواسامہ منقول ہے لیکن اُس میں زیرِ بحث جملہ " وانا یومئذ .... " موجود نہیں ہے .

روایتِ ہجرت تعیینِ عمر کی کمزور بنیاد ہے

جب ہم نے مفصل بحث وتمحیص کے بعد

اس تمام روایت ہی کو متناً اور سنداً دونوں حیثیت سے مسترد کر دیا ہے تو پھر اُس کے ایک جملے دانا بیومشن ... کو حضرت عائشہ رض کا جملہ کہنا اور پھر اسے ناقص قرار دے کر ناقص حالت میں قیاسِ ہشام کی بنیاد تسلیم کرنا بھی برائے بحث تھا۔

ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس جملے کو بھی حضرت عائشہ رض کا جملہ تسلیم کرنا ایک بے دلیل دعویٰ کو تسلیم کرنا ہے۔ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عائشہ رض نے یہ جملہ بھی فرمایا تھا یا نہیں۔

جب کوفے میں حضرت ہشام نے اپنے اس استنباط کا اعلان کیا اُس وقت دیگر رواۃ بھی موجود تھے۔ وہ سب استنباطِ ہشام کے راوی ہیں۔ لیکن استنباط کے پہلے جملے کے بعد "فقدمنا" سے شروع ہونے والا وہ حصہ جس کے آخر میں دانا بیومشذ ... ہے محض علی بن مسہر سے منقول ہے۔

اب یہ بات بالکل معلوم نہیں ہے کہ علی بن مسہر نے یہ روایت ہشام سے علیحدگی میں کب سنی۔ جس ٹکڑے کو ہشام کے استخراج کے پہلے جملے کے ساتھ ملا کر ہشام کی روایت ظاہر کیا گیا ہے معلوم نہیں اس کی اصلی صورت کیا تھی اور علی بن مسہر نے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ "فقدمنا" سے شروع ہونے والا حصہ ایک بڑے قصہ کا جزو ہے لیکن اس میں حضرت عائشہ رض کا بچپن ظاہر کرنے کے لئے بے سروپا باتوں کا ذکر نہیں ہے۔

تعیینِ عمر کی پختہ بنیاد روایتِ بکارت ہے

روایۃ ہجرت کو کمزور ثابت کرنے کے بعد اب ضرورت ہے کہ بناء کے وقت حضرت عائشہ رض کی تعیینِ عمر کے لئے کوئی اور بنیاد بھی تلاش کی جائے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ "دانا بیومشذ ...." فی الواقع حضرت عائشہ رض کا اپنا جملہ تھا جسے ہشام نے ناقص صورت میں نقل کیا ہے۔

صحابہ میں سے حضرت عائشہ رض کی عمر کے متعلق کسی کا کوئی بیان نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رض کا اپنے متعلق صرف اتنا بیان ہے کہ "وکنت بِکراً" (اور میں باکرہ تھی) یعنی حضرت عائشہ رض نے دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں اپنے بکر پر تو فخر کیا ہے لیکن اپنی کم عمری کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ کا اپنا بیان

عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشةؓ قالت قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ارأيت لو نزلت واديا وفيه شجرة قد اكل منها ووجدت شجرة لم يوكل منها . فى ايها ترتع بعيرك قال فى التى لم يرتع منها

(بخاری باب نکاح الابکار)

ہشام بن عروہ سے روایت ہے اس نے باپ سے اس نے عائشہ رضؓ سے سنا عائشہ رضؓ نے کہا میں نے کہا یارسول اللہ صلعم کیا آپ نے دیکھا جب آپ کسی وادی میں ٹھہریں اور اس میں ایسے درخت ہوں جو کھائے گئے ہوں اور ایسے درخت بھی ہوں جو کھائے نہ گئے ہوں تو آپ چرنے کے لئے اپنا اونٹ کونسے درختوں میں چھوڑیں گے آپ نے فرمایا ان میں جو ابھی چرے نہیں گئے ۔

حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان

حدثنا محمد بن المثنى قال حدثنا يحيى عن عمر بن سعيد بن ابى حسين قال حدثنى ابن ابى مليكة قال استاذن ابن عباس قبيل موتها على عائشةؓ وهى مغلوبة قالت خشيت ان يثنى على فقيل ابن عم رسول الله ﷺ ومن وجوه المسلمين قالت ايذنوا له فقال كيف تجدينك قالت بخير ان اتقيت قال فانت بخير ان شاء الله زوجة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ينكح بكرا غيرك ونزل عذرك من السماء ودخل ابن زبير خلافه فقالت دخل على ابن عباس فاثنى على ووددت انى كنت نسيا منسيا .

(بخاری جلد دوم جزو تاسع باب ولولا اذ سمعتموه)

محمد بن مثنیٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ۔ یحییٰ بن عمر بن سعید بن ابو حسین نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی اس نے کہا ابن عباس نے عائشہ رضؓ سے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی ۔ عائشہ رضؓ کی وفات سے تھوڑی دیر پہلے اور وہ مرض الموت میں جکڑی ہوئی تھی عائشہ رضؓ نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہیں میری تعریف نہ شروع کردے ان سے کہا گیا کہ وہ رسول اللہ صلعم کا چچازاد بھائی ہے اور مسلمانوں میں سربرآوردہ ہے تو عائشہ رضؓ نے کہا اسے اجازت ہے ابن عباس نے آکر پوچھا آپ کا

اب کیا حال ہے عائشہ رض نے جواب دیا خیریت سے ہوں اگر میں متقی ہوں ابن عباس نے کہا آپ تو انشاءاللہ ہر حالت میں بخیر ہیں آپ رسول اللہ صلعم کی اہلیہ ہیں۔ آپ کے سوا کسی باکرہ سے نبی صلعم نے نکاح نہیں کیا آپ کی برأت آسمان سے اتری اور دوسری طرف سے عبداللہ بن زبیر داخل ہوئے عائشہ رض نے اس وقت کہا ابن عباس آئے اور میری تعریف کی اور میری تمنا ہے میں کچھ بھی نہ ہوتی۔

حضرت ابن عباس کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس کے وقت تک لوگ محض اس حقیقت سے واقف تھے کہ نکاح اور بناء کے وقت حضرت عائشہ رض باکرہ تھیں - صغیرہ نہیں تھیں۔ حضرت ابن عباس کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی۔ اس وقت تک نکاح صغیرہ کی نادر روائت سے کوئی واقف نہیں تھا۔ صحابہ میں سے کسی اور صحابی کا کوئی بیان نظر سے نہیں گذرا۔ تابعین میں سے بھی سوائے ہشام کے کسی کا کوئی بیان نظر سے نہیں گذرا اور ہشام کی روائتِ تسع بوجوہ ناقابل قبول ہے۔

مختلف کتبِ رجال تاریخ سے ہم نے حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رض کی عمر کے فرق کو ظاہر کیا ہے لیکن یہ سب کتابیں پانچویں صدی ہجری کے بعد کی ہیں۔ ان کے بیان باوجود ثقہ ہونے کے متقدمین محدثین کے مقابلہ میں وزن نہیں رکھتے، تاوقتیکہ ہمیں متقدمین میں سے اس دس سالہ فرق کا مستند ماخذ معلوم نہ ہو۔ اس لئے ہم نے اس دس سالہ فرق کے قول کے ابتدائی ماخذ کو تلاش کیا تو سیر اعلام النبلاء میں حافظ ذہبی کا ایک قول بلا سند نظر پڑا جس میں لکھا تھا کہ :-

قال عبدالرحمٰن بن ابی الزناد۔ مگر حافظ ذہبی کا یہ بیان ہمارے لئے ناقابل قبول تھا۔ اس لئے کہ عبدالرحمٰن کی پیدائش ۱۰۰ھ ہجری کی ہے۔ یہ پہلے مدینے میں رہے پھر بغداد جا رہے تھے۔ لہذا ان کی بغداد کے زمانے کی روایات متکلم فیہ ہیں۔

بالآخر ہماری اس مشکل کو صاحب الاستیعاب نے حل کر دیا۔ کیونکہ اس قول کو صحیح سند کے ساتھ ابوالزناد تک پہنچا دیا۔ اور یہ روائت اب مرسل ابوالزناد ہے

عمرِ اسماء و عائشہ رض میں دس سالہ فرق کے راوی ابوالزناد تابعی ہیں

حضرت اسماء کی وفات کے وقت ابوالزناد کی عمر ۸ ۔ ۹ سال تھی۔ اس لئے ان

کا براہِ راست حضرت اسمار سے سماع ثابت نہیں ۔ اس لئے لازماً انہوں نے یہ روایت اپنے اساتذہ سے سنی ہوگی کہ حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضؓ کی عمر میں دس سال کے قریب فرق تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخری دور میں اہل علم کے حلقہ میں یہ خیال معروف تھا کہ ان دونوں بہنوں میں ۹ - ۱۰ سال کا فرق تھا ۔ اسی لئے ابوالزناد نے اس فرق کو زید بن عمرو کی روایت حضرت اسمار سے نقل کرتے ہوئے بیان کر دیا ۔ اس روایت کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں ۔

حافظ ذہبی کے بیان کے مطابق عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کے بغداد جانے تک مدینے میں اہل مدینہ کا یہی خیال تھا کہ ان دونوں بہنوں میں دس سال کے قریب فرق تھا۔ عبدالرحمٰن ۱۵۰ھ کے بعد بغداد گئے ہیں ۔

موازنہ ابوالزناد و ہشام بن عروہ

اب ہمارے سامنے ایک طرف ابوالزناد کی تصریح ہے کہ حضرت اسماء حضرت عائشہ رضؓ سے دس سال کے قریب بڑی ہیں ۔ دوسری طرف حضرت ہشام کی تصریح ہے کہ بنار کے وقت حضرت عائشہ رضؓ ۹ سال کی تھیں ۔ یعنی دونوں میں بیس سال کا فرق تھا ۔ یعنی حضرت اسماء حضرت عائشہ رضؓ سے بیس سال بڑی تھیں ۔

ان دونوں اقوال میں تضاد ہے ۔

ہشام کی روایت بظاہر موصول معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں موصول نہیں ہے جیسا کہ ہم مفصل بیان کر چکے ہیں ۔

اب یا تو ہم ابوالزناد کی تصریح کو قبول کریں یا ہشام کی تصریح کو ۔ یا ان دونوں کے درمیان تطبیق کی کوئی صورت پیدا کریں ۔

ابوالزناد ہشام سے زیادہ حجّت ہیں

ہم رجال کے نقطۂ نظر سے ابوالزناد کے بیان کو قابلِ ترجیح خیال کرتے ہیں ۔

ابوالزناد اور ہشام ہم عمر ہیں ۔ لیکن آئمہ رجال کی تصریح کے موافق ابوالزناد ہشام کے مقابلہ میں ثقہ اور حجت ہیں ۔ کسی نے بھی ان پر نکیر نہیں کی ۔ اور تنقید کے نقطۂ نظر سے ان پر کوئی گرفت نہیں ہے ۔

ابوالزناد علماء رجال کی نظر میں

ابوعبدالرحمٰن کے الفاظ ہیں :-

عبداللہ بن ذکوان ابوالزناد

فقیہ و قاضی مدینۃ ۔ ابوالزناد فقیہہ تھے اور قاضی مدینہ تھے ۔

ابوالزناد نے انس بن مالک سے سماعت کی ۔ عبداللہ بن جعفر اور سعید بن المسیب سے سُنا ابوالزناد الاعرج کے خصوصی تلمیذ ہیں ۔ پھر ان سے سماعت حدیث کرنے والے امام مالکؒ ، اور امام لیث مصری جیسے آئمہ فن ہیں ۔ صالح بن کیسان بھی ان کے شاگرد ہیں ۔ لیث اور صالح دونوں عمر میں ابوالزناد سے بڑے تھے ۔ اعمش ، ہشام بن عروہ ، موسیٰ بن عقبہ ، سفیانان وغیرہ نے ان سے روایات اخذ کیں اور بیان کی ہیں گویا ابوالزناد خود ہشام بن عروہ کے بھی شیخ ہیں ۔

قال اللیث :- رأیت خلفہ ثلاث مائۃ من طالب فقہ و طالب شعر ۔

قال الامام ابوحنیفۃؒ :- رأیت الربیعۃ واباالزناد ۔ والبوالزناد افقہ الرجلین ۔

قال سفیان :- البوالزناد امیرالمومنین فی الحدیث ۔

قال مصعب الزبیری :- البوالزناد فقیہ اھل المدینۃ ۔
(تذکرۃ الحفاظ رقم ۲۶ طبقہ خامسہ ص۱۲۶)

قال الامام احمد :- البوالزناد ثقۃ ۔

قال ابن معین :- البوالزناد ثقۃ حجۃ ۔ لم یکن بالمدینۃ بعد کبار التابعین اعلم منہ ۔

قال البوحاتم :- البوالزناد صالح الحدیث ۔ صاحب سنۃ ۔ فھو ممن تقوم بہ الحجۃ ۔

قال ابن سعد :- کان البوالزناد ثقۃ کثیر الحدیث بصیرا بالعربیۃ عالما عاقلا ۔

قال النسائیؒ والعجلی والساجی والطبری :- کان البوالزناد ثقۃ ۔

قال ابن حبان :- کان البوالزناد صاحب کتاب وفقیھا ۔

قال ابن عدی :- احادیثہ مستقیمۃ کلھا ۔

قال البخاری :۔ اصح الاسانید

" ابوالزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ "

(تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۰۳ رقم ۳۵۱)

لیث نے کہا :۔ میں نے اس کے پیچھے تین سو طالب علم فقیہہ اور شعر کے دیکھے۔

امام ابوحنیفہ رح نے کہا :۔ میں نے ربیعہ اور ابوالزناد دونوں کو دیکھا ابوالزناد فقہی میں ربیعہ سے بڑھ کر تھے۔

سفیان نے کہا :۔ ابوالزناد امیرالمومنین ہیں حدیث میں۔

ابن مصعب زبیری نے کہا :۔ ابوالزناد مدینے والوں کے فقیہہ تھے۔

امام احمد نے کہا :۔ ابوالزناد ثقہ تھے۔

ابن معین نے کہا :۔ ابوالزناد ثقہ تھے اور حجۃ تھے۔ کبار تابعین کے بعد مدینے میں کوئی ان سے زیادہ اعلم نہیں تھا۔

ابوحاتم نے کہا :۔ ابوالزناد درست احادیث والے تھے۔ اور صاحب سنت تھے اور ان میں سے جن سے حجت حاصل کی جاتی ہے۔

ابن سعد نے کہا :۔ ابوالزناد ثقہ تھے کثیرالحدیث تھے عربیت میں صاحب بصیرت تھے عالم اور عاقل تھے۔

نسائی عجلی ساجی طبری نے کہا :۔ ابوالزناد ثقہ تھے۔

ابن حبان نے کہا :۔ ابوالزناد کتاب والے اور فقیہہ تھے۔

ابن عدی نے کہا :۔ ابوالزناد سے مروی احادیث درست ہیں۔

بخاریؒ نے کہا :۔ سب سے بہتر سند یہ ہے ابوالزناد اعرج سے اور وہ ابوہریرہ سے۔

مگر ابوالزناد کی روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بہنیں دس سال کے قریب چھوٹی بڑی تھیں۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ حضرت عائشہ رض کی عمر بناء کے وقت کیا تھی؟۔

اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل واقعات اور معلومات کو جمع کرنے سے خود بخود نکل آتا ہے۔

حضرت اسماء کی عمر کے مختلف مدارج

۱۔ حضرت اسماء کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی۔ اور وفات کے وقت

ان کی عمر سو سال تھی ۔ اسی لئے ابو نعیم اصفہانی نے کہہ دیا کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی ۔

ابو نعیم کا یہ بیان قیاس ہے ۔ اس لئے کہ جو شخص ۷۳ھ میں سو سال کا ہوگا وہ لا محالہ ۱ھ میں ۲۷ سال کا ہوگا ۔

۲۔ حضرت اسماء بعثت کے فوراً بعد ایمان لائی ہیں اور وہ اس وقت بالغہ تھیں ۔ بعثت سے ہجرت تک کا زمانہ ۱۳ سال ہے ۔ لہذا حساب کی رو سے

(۱۳ + ۷۳ = ۸۶ − ۱۰۰ = ۱۴)

یعنی ایمان لانے کے وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی ۔

حضرت اسماء زید کے ایک قول کی راوی ہیں ۔ اور زید کی وفات بعثت سے پانچ سال پہلے بناء کعبہ کے وقت ہوئی (۸۶ + ۵ = ۹۱) جس وقت حضرت اسماء نے زید سے اس کا قول سنا حساب کی رو سے ان کی عمر ۹ سال تھی ۔

لیکن ۹ سال کی بچی دقیق مضمون پر مشتمل یہ جملہ کہ :۔

" دین ابراہیم پر آج میرے سوا کوئی نہیں " مستبعد ہے ۔

حضرت عائشہ رضہ کی عمر بناء ۱۹ - ۲۰ سال

لہذا ماننا پڑے گا کہ زید کی وفات کے وقت حضرت اسماء کی عمر ۹ سال سے کچھ زیادہ ہوگی ۔ یعنی کم از کم ۱۱ - ۱۲ سال تو ہوگی ۔ بنا بریں بعثت کے وقت ۱۶ - ۱۷ سال اور ہجرت کے وقت ۲۹ ۔ ۳۰ سال ہوگی ۔ پھر اگر اس میں سے دس سال کم کر کے حضرت عائشہ رضہ کی عمر نکالیں گے تو ان کی عمر ہجرت کے وقت ۱۹ ۔ ۲۰ سال بنتی ہے ۔

تطبیق ابو الزناد و ہشام

اب اگر ہم اس کے ساتھ ہشام کی روایت کے آخری جملے " وانا یومئذ " کو ملالیں اور یہ مان لیں کہ ان سے اس میں سہو کتابت سے سقوط " عشرۃ " ہوا ہے جیسے کہ ہم تحقیق کر چکے ہیں تو ہشام کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے ۔

اس صورت میں حضرت عائشہ رضہ کی عمر ۱ھ میں ۱۹ سال ہوتی ہے ۔ اور اگر وہ ۷۳ سال تک زندہ رہتیں تو ۹۰ سال کی ہوتیں ۔ جبکہ ۷۳ھ میں ان کی بہن اسماء سو

سال کی ہوں۔

ابوالزناد کی روایت کو اصل مانیں اور ہشام کی روایت " وانا یومئذ " کو ناقص بالسہو تسلیم کریں (جیساکہ واقع میں ہے) تو حضرت اسماء کی عمر ۴۳ھ میں ۱۰۰ سال ہو اور حضرت عائشہ رض کی عمر ۱ہجری میں ۱۹ سال ہو تو اس صورت میں دونوں بہنوں کی عمر میں ۹۔ ۱۰ سال کا فرق بھی نکل آتا ہے۔ اور ابوالزناد اور ہشام کی روایت میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ روایتِ ہشام میں "سہو کتابت" واقع ہوا ہے۔

خلاصہ بحث

یہ ہیں ہماری وہ قرآئن جن سے متبادر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رض اور حضرت اسماء رض ہم عمر تھیں ۔ یہ نہیں کہ حضرت عائشہ رض حضرت اسماء سے چھوٹی تھیں ۔ اسی بناء پر ہمارا قیاس ہے کہ حضرت عائشہ رض کی عمر بھی نکاح کے وقت اپنی بہن حضرت اسماء کی طرح ۲۶ - ۲۷ سال تھی ۔

چونکہ ہمارے اس قیاس کے لئے ان قرآئن کے سوا جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کسی مورخ اور کسی راوی کا کوئی تحریری تائیدی بیان نہیں ملتا اس لئے اس کی واقعیت پر ہم زور نہیں دے سکتے ۔ بخلاف ہمارے پہلے بیان کے کہ بناء کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ۱۹ سال تھی ۔ اس کے لئے تاریخ میں تصریحی بیان ملتا ہے ۔

بایں ہمہ ہمارا یہ قیاسی بیان خارج از امکان نہیں ہے ۔ اور ہمارے نزدیک ہمارا یہ قیاس پہلے بیان سے کم وزن نہیں ہے ۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رض اپنی بہن حضرت اسماء رض کے ساتھ سنہ نبوت میں ایمان لائی ہیں تو ایمان لانے کے وقت ان کی عمر اگر تیرہ سال بھی ہو تو ہجرت مدینہ کے وقت ۲۶ سال بن جاتی ہے ۔ اور ہمارے اس قیاس میں اور ہشام کے ناقص جملے میں اس طرح تطبیق کی جا سکتی ہے کہ حضرت عائشہ رض نے فرمایا تھا وانا یومئذ بنت تسع وعشرین اس جملے میں عشرین کا لفظ ساقط ہو گیا اور صرف تسع رہ گیا ۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ ان عام روایات کی رو سے ایک بہن کی شادی ۲۶ ۔ ۲۷ سال کی عمر میں ہو اور دوسری کی صرف ۶ سال کی عمر میں جبکہ دونوں بہنوں کے نکاح کا زمانہ بھی ایک ہی ہو یا قریب قریب ہو تو عمروں میں نکاح کے وقت اس قدر فرق ! حالانکہ حضرت ابوبکر رض کو کوئی ایسی مجبوری بھی نہ تھی ۔ یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے اور مذکورہ بالا قرائن کی روشنی میں حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں بہنیں تقریباً ہم عمر تھیں اور دونوں کا نکاح تقریباً ایک ہی عمر میں ہوا تھا یعنی ۲۶ - ۲۷ سال کی عمر میں اور رخصتی بھی ایک ہی زمانہ میں یعنی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی ۔

عمر عائشہؓ کے بارے میں ہمارا قیاس

حضرت عائشہ رضؓ اپنی بہن کی برابر یا ان سے قدرے بڑی تھیں

اب تک ہم نے یہ تحقیق کیا کہ حضرت عائشہ رضؓ کی عمر بناء کے وقت ۹ سال نہیں تھی۔ اور اس کے لئے ہمیں جو تاریخی مواد مل سکا وہ ہم نے پیش کر دیا۔

تحقیق و تدقیق کے دوران ایسے قرائن و شواہد بھی ہمارے سامنے آتے جن کے اشارات اس طرف معلوم ہو رہے تھے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی عمر نکاح اور بناء کے وقت ۱۹ سال سے بھی زیادہ تھی۔

ہم ان اشارات کو تسلیم کرتے ہوئے اس قیاس میں حق بجانب نظر آتے ہیں کہ حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضؓ کی عمروں میں کچھ زیادہ تفاوت نہیں تھا۔ صرف ایک آدھ سال کا فرق ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی اس طرح کہ حضرت عائشہ رضؓ بڑی ہوں اور حضرت اسماء رضؓ چھوٹی۔ اور نتیجۂ قیاس یہ ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضؓ کی عمر ۲۸ سال تھی اور بناء کے وقت ۲۹ سال۔

بنائے قیاس

۱۔ ان دونوں بہنوں کی عمروں کے متعلق دورِ صحابہ میں کسی شخص کا بیان تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی ہے۔ اگر

ہشام کے قیاس کو ترک کر دیا جائے (جیسے کہ ہم اسے قابلِ ترک ثابت کر چکے ہیں) تو یہ معلوم نہیں کہ وفات کے وقت ان کی عمر کیا تھی۔

حضرت اسماء کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی ہے۔ بعد والوں کا اندازہ ہے کہ وفات کے وقت عمر سو سال تھی۔ اسی سے حساب کے قاعدے سے یہ نتیجہ نکال لیا گیا ہے کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی۔ یا کچھ منتشر تاریخی اقوال یہ ملتے ہیں کہ انہوں نے زید بن عمرو بن نوفل کو دیکھا تھا جو اسلام سے پہلے کے مشہور موحد تھے۔ جن کی وفات بناء کعبہ کے زمانے میں بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی ہے۔

دونوں بہنوں سے متعلق تسلسلِ واقعات

ابتدائے اسلام سے واقعات کا تسلسل اس طرح ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسماء کی عمر کا اندازہ کرنے میں غلطی کا امکان کم ہے۔ پھر واقعات کا یہی تسلسل ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً :-

ایمان لانے میں دونوں کی معیت

سابقون الاولون میں دونوں بہنیں شامل ہیں۔ بعثت فوراً بعد ایمان لانے میں دونوں کا شمار ہے۔ بلکہ دونوں بہنیں ایک ہی وقت میں ایمان لائی ہیں۔

ایمان کے وقت دونوں بالغہ تھیں

یہ بات ظاہر ہے کہ انسان تکلیفات شرعیہ کا مکلف ہی بلوغ کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں بہنیں شروع بعثت ہی میں بالغہ تھیں اور سنِ شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ اور اس وقت جس عمر میں حضرت اسماء تھیں اسی میں حضرت عائشہ رض بھی تھیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت دو بیویاں تھیں۔ ایک ام رومان جس سے حضرت عائشہ رض اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ دوسری قتیلہ بنت عبدالعزیٰ جن سے حضرت اسماء اور عبداللہ پیدا ہوئے۔

اس لئے ان دونوں کی عمریں ایک بھی ہو سکتی ہیں اور کم زیادہ بھی ۔
بہرحال ان کے ایمان لانے اور سابقون کی فہرست میں شمار ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایمان کی عمر میں تھیں ۔ دونوں کی عمریں ہمارے اندازے میں پندرہ سولہ سال ضرور ہوں گی ۔

حضرت اسماء کی تو اتنی عمر سب ہی تسلیم کرتے ہیں ۔ لیکن حضرت عائشہ رضہ کی عمر کا حضرت اسماء کی عمر کے مساوی ہونا ان دونوں کے ایمان لانے سے ثابت ہو جاتا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق نے دونوں کے ایمان لانے کا ذکر کیا ہے ۔ اگر ہشام کا استخراج حائل نہ ہوتا تو تاریخ میں بعثت کے وقت ہی سے حضرت عائشہ رضہ کے واقعات ملتے ۔ لیکن ہشام کے سہو نے تاریخ اسلام کو اتنا متاثر کیا ہے کہ ہمیں بعثت سے حضرت عائشہ رضہ کے حالات نہیں ملتے ۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روایت ہشام کی روشنی میں ان میں ترمیم کر دی گئی ہے یا نہیں حذف کر دیا گیا ہے ۔

سیرت ابن اسحاق میں بھی وھی یومئذ صغیرۃ کا فقرہ بعد میں درج کیا گیا ھے

بلکہ سیرت ابن اسحاق کے بیان کو بھی بعد والے لوگوں نے " وھی یومئذ صغیرۃ " کے فقرے سے ازخود مقید کر کے روایت ہشام کے ساتھ اس بیان کو مطابق کیا ہے ۔ اور ان درستی کرنے والوں نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اگر واقعی حضرت عائشہ رضہ اس وقت صغیرہ تھیں تو ان کے اسلام لانے کا ذکر ہی بے محل ہے ۔ اس وقت دوسرے جو آدمی ایمان لاتے ان کے بھی بچے تھے جن کے اسلام کا کوئی ذکر نہیں ملتا ۔ حتیٰ کہ حضرت فاطمہ کے اسلام کا بھی ذکر نہیں حالانکہ اس وقت ان کی عمر کم از کم چھ سات سال تھی ۔

لھذا یہ اضافہ غیر واقعی اور ہشام کی روایت سے تاثر کا نتیجہ ہے ۔ ورنہ ابن اسحاق کے وقت تک ذی علم حضرات کا یہی بیان تھا کہ حضرت عائشہ رضہ بعثت کے وقت ایمان لائیں اور بالغہ تھیں ۔ اسی لئے تو ابن اسحاق نے ان کا ذکر کیا ہے ۔

(۲)

اپنے والد کے متعلق دونوں بہنوں کا انداز بیان ایک ہے

ان دونوں بہنوں نے بعثت کے وقت کی اپنے والدین کی کیفیت ایک ہی ذہن اور ایک ہی عبارت میں بیان کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اسماء نے محض اپنے والد کا ذکر کیا۔ کیونکہ ان کی والدہ ایمان نہیں لائی تھیں۔ اور حضرت عائشہ رض نے اپنے والد اور والدہ دونوں کا ذکر کیا ہے اس لئے کہ ان کی والدہ ام رومان بھی بعثت کیوقت ہی ایمان لے آئی تھیں:۔

۱۔ اخبرنا محمد بن عمر حدثنی موسی بن محمد عن ابراهیم بن عبدالرحمٰن ابن عبدالله بن ابی ربیعة عن اسماء بنت ابی بکر قالت اسلم ابی اول المسلمین۔ لا والله ما عقلت ابی الا وهو یدین الدین۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص۱۷۲ مطبوعہ بیروت)

۲۔ اخبرنا محمد بن عمر قال حدثنی معمر و محمد بن عبدالله عن الزهری عن عروة عن عائشة رض قالت ما عقلت ابوی الا وهما یدینان الدین وما مر علینا یوم قط الا ورسول الله ص یاتینا فیه بکرة وعشیه۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص۱۷۳ مطبوعہ بیروت)

۳۔ حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل قال هشام اخبرنی عروة بن الزبیر ان عائشة رض زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت لم اعقل ابوی قط الا وهما یدینان الدین ولم یمر علینا یوم الا ویاتینا فیه رسول الله صلی الله علیه وسلم طرفی النهار بکرة وعشیة۔

(بخاری جلد اول باب الهجرة)

۱۔ محمد بن عمر نے ہمیں خبر سنائی اس نے کہا موسیٰ بن محمد نے مجھے حدیث سنائی ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابو ربیعہ سے اس نے اسماء بنت ابی بکر سے اس نے کہا میرا باپ اسلام لایا وہ پہلا مسلمان ہے۔ خدا کی قسم میں نے اپنے

باپ کو جب سے مجھے ہوش آیا یہی پایا کہ وہ دین اسلام کا پابند ہے ۔

۲- محمد بن عمر نے ہمیں خبر دی اس نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی معمر نے اور محمد بن عبداللہ نے زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا میں نے جب سے مجھے ہوش آیا اپنے ماں باپ کو دین اسلام کا پابند پایا اور ہم پر کوئی دن نہیں گذرتا تھا مگر یہ کہ رسول اللہ صلعم صبح و شام ہمارے ہاں آتے تھے ۔

۳- یحیی بن بکر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا لیث نے ہم سے حدیث بیان کی ۔ عقیل سے اس نے کہا ہشام بن عروہ نے کہا مجھے خبر سنائی عروہ بن زبیر نے کہ بیشک عائشہ رض زوجہ نبی صلعم نے کہا میں نے اپنے ماں باپ نہیں دیکھا ہرگز جب سے مجھے ہوش آیا مگر یہ کہ وہ دین اسلام رکھتے تھے اور ہم پر کوئی دن بھی نہیں گذرتا تھا کہ رسول اللہ صلعم صبح و شام ہمارے ہاں آتے تھے ۔

مذکورہ بالا روایت ایک وقت اور ایک ہی کیفیت سے متعلق ہے ۔ حضرت اسماء بھی اپنا احساس اپنے والد کے متعلق انہیں الفاظ میں ذکر کر رہی ہیں جن الفاظ میں حضرت عائشہ رض اپنا احساس اپنے والدین کے متعلق ذکر کر رہی ہیں ۔ اور حضرت عائشہ رض حضرت اسماء کے بیان سے زیادہ یہ بات بھی بتلا رہی ہیں کہ بعثت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز صبح و شام دو وقت حضرت ابوبکر کے گھر تشریف لاتے تھے ۔ آپ کا یہ معمول ہجرت کے وقت تک جاری رہا ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سالہ معمول کو بتلا رہی ہیں اور وہ خود اس کی عینی شاہدہ ہیں ۔

اس سے بھی یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ دونوں بہنیں بعثت کے وقت ہی اپنے کنبے کے ساتھ اسلام لائی ہیں ۔ اور دونوں کا انداز بیان یہ ہے کہ ماعقلت الا ۔ یا ۔ لم اعقل الا ..... یعنی ہم نے تو اپنے عنفوان شباب میں اپنے والد یا والدین کو دین اسلام کا دلدادہ ہی پایا ۔

دونوں کے احساسات ایک ہیں ۔ عمر ایک ہے ۔ اور ذہن بھی ایک ہے ۔ دونوں ہی کو اس بات پر فخر ہے کہ ہم اور ہمارے والدین سب سے پہلے مسلمان ہوتے ۔ اور اس پر بھی فخر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے ۔ اور ہم آپ کا یہ عمل شروع ہی سے دیکھتے رہے ہیں ۔

اگر حضرت اسماء ایمان لانے کے وقت بالغہ تھیں اور وہ ان الفاظ میں اپنے احساس

کا اظہار کر رہی ہیں تو حضرت عائشہ رض بھی ان کے ساتھ ہی ایمان لاتے وقت بالغہ تھیں۔ اس لئے وہ بھی اسی عبارت میں اپنے احساس کا ذکر فرما رہی ہیں۔ اور اپنا تیرہ سالہ مشاہدہ بیان کر رہی ہیں کہ آپ ﷺ دونوں وقت ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے۔

ابن سعد کی روایت کے راوی تو عروہ سے زہری ہیں۔ لیکن بخاری کی روایت کے راوی عروہ سے خود ہشام ہیں۔

حضرت عائشہ رض ابتدائے اسلام کے بیشتر واقعات کی راویہ ہیں

بخاری کی ہجرت والی روایت میں حضرت عائشہ رض نے بعثت سے لیکر ہجرت تک کے زمانے پر مختصر تبصرہ فرمایا ہے۔ اور یہ ایک عینی شاہد کا تبصرہ ہے۔ اپنے والد کی حبشہ کی طرف ہجرت کا بھی ذکر کیا۔ اور ابن الدغنہ کے جار کا بھی واقعہ سنایا اور کفار مکہ کے بچوں اور عورتوں کے قرآن سے متاثر ہونے کی کیفیت بھی بیان کی۔ یہ سنی ہوئی بات کا انداز بیان نہیں ہے بلکہ عملی مشاہدہ کا اظہار ہے۔

حدیث بدء الوحی کی راوی بھی حضرت عائشہ رض ہی ہیں۔ یہ روایت صحیحین میں آئی ہے اس روایت میں ہے زملونی زملونی فزملوہ حتی ذهب عنه الروع۔ ثم قال لخديجة رض اے خدیجة رض! واخبرها الخبر۔ قال لقد خشيت على نفسى قالت له خديجة البشر۔ فوالله لا يخزيك الله ابداً انك لتصل الرحم۔ وتصدق الحديث۔ وتحمل الكل۔ وتكسب المعدوم وتقرى الضيف۔ وتعين على نوائب الحق۔

(فتح الملہم جلد ۱ ص ۲۱۲)

مجھے چادر اڑھاؤ مجھے چادر اڑھاؤ یہانتک کہ خوف کا اثر جاتا رہا۔ پھر خدیجہ سے کہا اے خدیجہ اور پورا واقعہ بتایا اور کہا مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ تو خدیجہ نے کہا ہرگز نہیں خوش ہو اللہ تمہیں ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ واللہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ سچی بات کہتے ہیں اور گرے ہوتے کو اٹھاتے ہیں اور نادار کو دیتے ہیں۔ اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق فرائض میں مدد کرتے ہیں۔

اس روایت کے متعلق نووی رح کہتے ہیں:-

هذا من مراسيل الصحابة۔ لان عائشة لم تدرك هذه القصة۔

اس کے ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں ۔

ان مرسل الصحابی مایروبہ عن الامور التی لم یدرک زمانہا بخلاف الامور التی یدرک زمانہا لایقال انہا مرسلۃ ۔ بل یحمل علی انہا سمعہا او حضرہا ۔ ولم یصرح بذلک ۔

(فتح الملہم جلد ۱ صـ ۲۱۲)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو مرسل صحابی کہنا ہی صحیح نہیں ہے ۔ اس واقعہ کے وقت حضرت عائشہ رض عاقلہ بالغہ تھیں ۔ ان کا یہ بیان ایسے راوی کا بیان ہے جس نے واقعہ کا علم اس کے وقوع کے وقت حاصل کیا ہو ۔ ابتدائے اسلام کی بیشتر روایات کی راویہ حضرت عائشہ رض ہیں ۔ اسی طرح اپنے والد کے حبشہ کی طرف ہجرت کے ضمن میں بھی ابن الدغنہ کے الفاظ میں ان کی روایت ہے :۔

انک تکسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الکل وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق ۔ (بخاری باب الہجرۃ)

آپ نادار کو دیتے ہیں ۔ اور صلہ رحمی کرتے ہیں اور گرے ہوئے کو اٹھاتے ہیں اور فرائض حق کی مدد کرتے ہیں ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکارم اخلاق کا ذکر جن الفاظ میں حضرت خدیجہ نے کیا انہیں الفاظ میں حضرت ابوبکر رض کے لئے ابن الدغنہ نے کیا اور دونوں روایتوں کی راوی حضرت عائشہ رض ہیں جو دونوں واقعوں کے وقوع کے وقت مکہ مکرمہ میں موجود تھیں ۔ حضرت عائشہ رض جس واقعہ کا بھی ذکر کرتی ہیں پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کرتی ہیں اور واقعہ کی روح اسطرح بیان کرتی ہیں کہ سوائے شاہد وحاضر کے کسی سے بن نہیں آ سکتا ۔

(۳)

دونوں بہنوں کے نکاح کا زمانہ تقریبًا ایک ہے ۔

باوجود تلاش وتجسس کے حضرت اسماء رض کے حضرت زبیر بن العوام سے نکاح کا صحیح زمانہ معلوم نہیں ہو سکا ۔ کیونکہ ہجرت سے پہلے کے بیشتر واقعات پردہ

خفا میں ہیں ۔ تاہم یہ معلوم ہے کہ یہ نکاح حبشہ کی ہجرت ثانیہ سنہ نبوت سے واپسی کے بہت دیر بعد ہوا اور غالباً حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات سے کچھ پہلے ہوا ۔ کیونکہ وفات خدیجہ رضؓ کے وقت اگر حضرت اسماءؓ فارغ ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے نکاح کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوتا ۔ اور یہ ہر طرح آپ کے مناسب بھی تھیں ۔ اور پھر اس صورت میں آپکو کیا ضرورت تھی کہ آپ عام روایات کی رُو سے ایک ششش سالہ لڑکی سے نکاح کرتے اور پھر مزید تین سال انتظار بھی کرتے ، اس سے معلوم ہوا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح ثانی کی ضرورت پیش آئی اس وقت حضرت اسماءؓ کا حضرت زبیر رضؓ سے نکاح ہو چکا تھا ۔ اور اسی زمانہ میں حضرۃ عائشہ رضؓ کا بھی جبیر بن مطعم سے نکاح ہو چکا تھا ۔ لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات ہوگئی ۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو نکاح ثانی کی ضرورت پیش آگئی ۔

چونکہ وفات خدیجہ رضؓ کے وقت کفار میں اور مسلمانوں میں سخت کشیدگی پیدا ہو چکی تھی ۔ اختلاف عقیدہ کی بنا پر معاشرتی تعلقات نباہنے مشکل ہوگئے تھے اس لئے مطعم بن عدی اور اس کی بیوی اپنے دین کی حفاظت کی وجہ سے اور خود جبیر اور اس کا چچا طعیم اسلام دشمنی کی وجہ سے رخصتی لینے سے گریز کر رہے تھے ۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضؓ بھی ان نامناسب حالات سے ناگواری محسوس کر رہے تھے ۔ اور پھر حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات سے آپکو نکاح ثانی کی ضرورت بھی تھی تو یہی مناسب خیال کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضؓ کی وہاں سے خلاصی کرا کے آپ ان سے نکاح کر لیں ۔ چنانچہ کوشش کی گئی اور جبیر سے طلاق لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فوراً نکاح کر دیا گیا ۔ چونکہ رخصتی تو ہوئی ہی نہیں تھی اس لئے عدت کی کوئی ضرورت نہیں تھی البتہ رخصتی ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ منورہ جا کر ہوئی ۔

بہرحال حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کے نکاحوں کا زمانہ بالکل ایک ہے ۔ یا قریب قریب ہے ۔ تو کس قدر عجیب بات ہے کہ ایک ہی زمانہ میں حضرت ابوبکر رضؓ ایک بیٹی کی شادی ۲۶ ۔ ۲۷ سال کی عمر میں کریں اور دوسری کی شادی اتنی چھوٹی عمر میں ۔ آخر ایسا کیوں ہوا کیا مجبوری پیش آگئی تھی ۔ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی عمریں بھی ایک ہی تھیں ۔ یعنی ۲۶ ۔ ۲۷ سال ۔

(۴)

دونوں بہنوں کی عمر یں نکاح کیوقت تقریباً ایک تھیں

علماء رجال کے بیان کے مطابق حضرت اسماء کی شادی حضرت زبیر رضؓ سے ۲۶۔ ۲۷ سال کی عمر میں ہوئی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ کو آخر کیا مجبوری تھی کہ انہوں نے حضرت اسماء رضؓ کی شادی میں اس قدر تاخیر کی۔

اصل میں حضرت اسماء رضؓ کی شادی میں اسقدر تاخیر کی وجہ ان کے رواج کی گرفت تھی۔ اس کے علاوہ مناسب رشتہ ہر وقت نہیں ملتا۔ اس کے انتظار میں بھی بعض دفعہ کئی کئی سال لگ جاتے ہیں۔ ہم اپنے ماحول سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آج سے چالیس سال پہلے لڑکیوں کی شادی کی عمر عام طور سے تقریباً ۱۶۔ ۱۷ سال تھی آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پڑھے لکھے طبقے میں ۲۶۔ ۲۷ سال ہے۔ اور بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔ غرض جب حضرت اسماء رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کے نکاح تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوئے۔ اور حضرت اسماء رضؓ کی عمر اسوقت ۲۶۔ ۲۷ سال تھی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح بھی جبیر سے اسی عمر میں تسلیم نہ کریں۔

نکاح ہو جانے کے بعد اگر تعلقات خراب ہو جائیں یا معاشرتی طور پر نباہ کی امید نہ رہے تو رشتہ کو خوش اسلوبی سے منقطع کرنے میں بھی کچھ وقت لگ جاتا ہے۔ یہی صورت یہاں پیش آئی۔ حضرت عائشہ رضؓ کیلئے جبیر کا رشتہ بہت اچھا تھا۔ یہ جبیر مطعم بن عدی رئیس مکہ کا لڑکا تھا۔ لیکن شدید اختلاف عقائد کیوجہ سے نباہ مشکل تھا۔ جس کو طرفین نے محسوس کر لیا تھا۔ مطعم کا خاندان بھی رخصتی لینے میں لیت و لعل کر رہا تھا۔ ادھر حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرنے کی بہترین صورت پیدا ہو گئی تھی۔ تو نہایت حسن تدبر سے حضرت عائشہ رضؓ کا تعلق وہاں سے منقطع کرایا وہاں سے خلاصی دلائی۔ جیسا کہ ہم پہلے مفصل نقل کر چکے ہیں۔

غرض قرین قیاس یہی ہے کہ دونوں بہنوں کا نکاح تقریباً ایک وقت میں ہوا۔ حضرت اسماء کا حضرت زبیر رضؓ سے اور حضرت عائشہ رضؓ کا جبیر سے۔

چونکہ حضرت اسماء رضہ کے معاملہ میں کوئی الجھن نہیں تھی اس لئے کسی تردد کی صورت پیش نہیں آئی ۔ مگر حضرت عائشہ رضہ کے معاملہ میں الجھن پیدا ہو گئی تھی اس لئے یہ الجھن طلاق کی صورت میں ختم ہوئی ۔ فطلقها (ابن سعد)

پھر ہجرت سے چار ماہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا ۔ اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رخصتی ہوئی ۔

(۵)

زوجین میں تناسب عمری بھی عموماً ملحوظ رہتا ہے

عام طور پر باکرہ کا نکاح اس کے مناسب عمر کے نوجوان سے کیا جاتا ہے ۔ حضرت زینب رضہ کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے کیا گیا جو ان کی خالہ کا لڑکا اور تقریباً ہم عمر تھا ۔ ایسے ہی حضرت فاطمہ رضہ کا نکاح حضرت علی رضہ سے ہوا جو ہم عمر تھے ۔ بلکہ زبیر بن بکار کے بیان کے مطابق تو حضرت فاطمہ رضہ حضرت علی رضہ سے فرماتی تھیں انا اسن منک ۔ اسی طرح حضرت اسماء رضہ کا نکاح حضرت زبیر رضہ سے ہوا جو حضرت اسماء کے ہم عمر تھے ۔ بالکل اسی طرح حضرت عائشہ رضہ اور جبیر بن مطعم ایک دوسرے کے ہم عمر تھے جبیر کوئی ناسمجھ بچہ نہیں تھا ۔ جوان تھا ۔ حضور علیہ الصلوۃ و السلام کے قتل کی سازش میں شریک تھا ۔ بدر میں شریک تھا اور اسارئی بدر کی سفارش کیلئے گیا تھا ۔ اسلام دشمن جوانوں کی پارٹی کا رکن تھا ۔ جس میں طعیم بن عدی ۔ حضرت علی رضہ کے دو بھائی طالب بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب نیز خالد بن ولید ۔ عمرو بن العاص وغیرہ تھے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو عمر جبیر بن مطعم کی تھی تقریباً وہی حضرت عائشہ رضہ کی بھی تھی ۔ حضرت جبیر نے عمر طبعی کو پہنچ کر ۵۵ھ میں وفات پائی ۔ اگر ان کو غزوہ بدر کے وقت تیس سال کا تسلیم کیا جائے تو وفات کے وقت ان کی عمر ۸۵ سال کے قریب قریب ہوگی ۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی عمر بھی وفات کے وقت ۸۵ سال ہونی چاہیئے ۔

(۶)

حضرت عائشہ رضہ نے اسماء کو کبھی اُختی الاکبر نہیں کہا۔

حضرت عائشہ رضہ کے بیان میں جہاں بھی حضرت اسماء رضہ کا نام آیا اختی اسماء آیا ہے۔ اگر حضرت اسماء بڑی ہوتیں تو کہیں تو اختی الاکبر آتا۔ اس سے یہی متبادر ہے کہ حضرت اسماء بڑی نہیں تھیں یا تو چھوٹی تھیں، ورنہ ہم عمر تھیں۔

حضرت اسماء کی رخصتی مکہ میں ہوئی یا مدینہ میں

حضرت اسماء کی رخصتی کب ہوئی :-

وفی الصحیح من طریق هشام بن عروة عن ابیه عن اسماء انها حملت لعبد الله بن الزبیر بمکة قالت فخرجت وانا متمم فاتیت بقبا فولدته بقبا ثم اتیت به الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فوضعته فی حجره۔

وقد وقع فی صحیح البخاری ان الزبیر کان بالشام لما هاجر رسول الله صلی الله علیه وسلم وانه قدم بمدینة لما قدم النبی صلی الله علیه وسلم فکساه ثوبا ابیض کذلك فمتی حملت اسماء منه بعد ذلك۔ بل الذی یدل علیه الخبر انها حملت منه قبل ان یسافر الی الشام۔ (اصابه)

اور صحیح بخاری میں ہے ہشام بن عروہ اور وہ اپنے باپ سے وہ اسماء سے کہ اسے امیدواری ہوئی عبداللہ کی مکے میں اس نے کہا میں نکلی اور میرے دن پورے ہو رہے تھے پس میں قباء میں آئی اور عبداللہ کی پیدائش قباء میں ہوئی میں اسے لیکر رسول اللہ صلعم کے پاس آئی اور میں نے اس کو آپ کی گود میں رکھ دیا الخ۔ یہ بھی

اور یہ بھی صحیح بخاری میں ہے کہ زبیر شام میں تھے جب رسول اللہ صلعم نے ہجرت کی اور زبیر شام سے مدینے اسی وقت آئے جب رسول اللہ صلعم وہاں پہنچے اور رسول اللہ صلعم نے اس کو سفید کپڑا پہننے کیلئے دیا تو اس صورت میں اسماء کب اس کے بعد بار آور ہوئی بلکہ حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حمل سے تھی سفر کرنے سے پہلے (یعنی عبداللہ حمل میں تھے)

معلوم ہوا کہ حضرت اسماء کی رخصتی اس روایت کی رُو سے مکے ہی میں ہو چکی تھی۔ اور حضرت زبیر ہجرت سے پہلے اسماء کو ان کے باپ کے گھر چھوڑ کر شام کی طرف تلاش معاش میں نکل گئے تھے۔ جب ہجرت ہوئی تو اس وقت یہ مکے میں نہیں تھے۔

اگر ہشام کی یہ روایت صحیح ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ سے چند روز پہلے ہی زبیر بن العوام شام گئے ہوں گے کیونکہ ربیع الاول میں آپؐ نے ہجرت فرمائی۔ وہاں مسجد بنوائی اور اس کے پاس حجرے تیار کروائے۔ جب حجرے تیار ہو گئے اور مسجد بن رہی تھی تب آپؐ نے اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے کنبوں کو مدینے بلایا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ اس کے کئی ماہ بعد عبداللہ پیدا ہوئے۔

بعض کا خیال ہے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہ شوال ۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے اس حساب سے حضرت زبیر تقریباً آپ کی ہجرت سے ایک ماہ پہلے شام گئے اور جلدی ہی مدینے واپس آ گئے۔

حضرت عبداللہ عام روایت کے مطابق ۱ھ میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں پیدا ہوئے لیکن زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ قبا میں پیدا ہوئے۔

واقدی کا بیان ہے کہ یہ شوال ۲ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحبِ اصابہ نے واقدی کی تردید میں یہ کہا کہ:-

اذا کان کذلک فمتی حملت الخ

حضرت زبیر کا اپنا بیان ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ اپنے لڑکوں کے نام انبیاء کے نام پر رکھتے ہیں میں نے اپنے لڑکوں کے نام شہیدوں کے نام پر رکھے۔

سمیت عبداللہ بعبداللہ بن جحش و منذر بمنذر ابن عمرو

وعروة بعروة بن مسعود وحمزة بحمزة بن عبد المطلب وجعفرا بجعفر بن ابی طالب ۔ ومصعبا بمصعب بن عمیر و عبیدة بعبیدة بن الحارث وخالدا بخالد بن سعید وعمروا بعمرو بن سعید بن العاص قتل یوم یرموك ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۰ مطبوعہ بیروت)

میں نے اپنے پہلے بیٹے کا نام عبداللہ رکھا عبداللہ بن جحش کے نام پر اور دوسرے بیٹے کا نام منذر رکھا منذر بن عمرو کے نام پر اور پھر عروہ نام رکھا عروہ بن مسعود کے نام پر اور حمزہ نام رکھا حمزہ بن عبدالمطلب کے نام پر اور جعفر نام رکھا جعفر بن ابوطالب کے نام پر اور مصعب نام رکھا مصعب بن عمیر کے نام پر اور عبیدہ نام رکھا عبیدہ بن الحارث کے نام پر اور خالد نام رکھا خالد بن سعید کے نام پر اور عمرو نام رکھا عمرو بن سعید بن العاص کے نام پر جو جنگ یرموک میں قتل ہوئے شہید ہوئے ۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ کی پیدائش ۱ھ میں نہیں بلکہ کم از کم ۳ھ میں ہوئی ۔ کیونکہ عبداللہ بن جحش غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے ان کو اور حضرت حمزہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا ۔

اصل میں مسلمانوں کی مکے کی زندگی بہت مبہم اور پردۂ خفا میں ہے ۔ تاریخ سے کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچتے کہ کیا واقعات تھے ۔

بخاری کی مذکورہ بالا روائت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عبداللہ کی پیدائش قبا میں ہوئی ۔ حالانکہ حضرت عائشہ رض کی عمرہ والی روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر کا کنبہ ہجرت کرکے سنح میں رہا قبا میں نہیں رہا ۔ حضرت اسماء ان کے ساتھ تھیں ۔ گمان غالب یہ ہے کہ حضرت اسماء کی رخصتی بھی مدینے میں ہوئی ہو ۔ کیونکہ زبیر بن العوام مفلس آدمی تھے ۔ عربوں کے قاعدے کے مطابق مہر پہلے ادا کرنا پڑتا تھا ۔ جب تک مہر ادا نہ ہوتا تھا اس وقت تک رخصتی مؤخر رہتی تھی ، جیسے کہ حضرت عائشہ رض کی رخصتی کے بیان میں مفصل لکھا جا چکا ہے مہر بھی غالباً پانسو درہم ہوگا ۔ چونکہ حضرت عائشہ رض کا مہر نبی کریم سے نکاح کے وقت یہی تھا ۔ حالات کی سختی کی وجہ سے نبی کریم مہر ادا نہ کر سکے اور رخصتی مؤخر رہی ۔ ۔ بیچارے زبیر کہاں سے دیتے ۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ نکاح کے بعد ہی

تلاش معاش میں شام چلے گئے ہوں اور پھر واپس مکے نہ گئے ہوں۔ اس دوران میں ہجرت ہو گئی اور شام سے مدینے ہی آئے ہوں۔ کیونکہ ہجرت تک کے واقعات میں اسماء کے ساتھ کہیں بھی زبیر کا ذکر نہیں ہے۔ جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ اس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر وقت دوپہر کو حضرت ابوبکرؓ کے ہاں پہنچے : اور فرمایا سب کو علیحدہ کردو۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا یہاں میری دو بیٹیوں اسماء اور عائشہؓ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ غرض اسماء مدینے پہنچنے تک باپ کے کنبے کے ساتھ رہی ہیں۔ مدینے میں جب زبیر شام سے آگئے تو لڑکی کو رخصت کیا ہوگا۔ اور مالی مدد دی ہوگی۔ نیز آخر تک مالی مدد کرتے رہے۔

حضرت اسماء کا اپنا بیان ہے جسے ہم بخاری کی روائت سے پہلے نقل کرچکے ہیں :- تزوجنی الزبیر و مالہ فی الارض مال ولا مملوک ولا شیء غیر فرسہ مکثت اعلف فرسہ واستقی الماء واخرز غسرتہ۔

مجھ سے زبیر بن العوام نے نکاح کیا اس کے پاس روئے زمین پر کوئی مال نہیں تھا نہ کوئی غلام تھا نہ کچھ اور سوائے ایک گھوڑے کے میں اس کے گھوڑے کو گھاس کھلاتی تھی اور پانی لاتی تھی اور حفاظت کرتی تھی اس کی کھیتی کی۔

اس روائت سے معلوم ہو رہا ہے کہ جس وقت حضرت اسماء کا نکاح ہوا۔ اس وقت زبیر بالکل مفلس تھے۔ سوائے گھوڑے کے ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔

یہ روائت مدینے کی زندگی سے متعلق ہے۔ مکے کی زندگی کا اس میں قطعاً ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زبیر شام سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے۔ اور پانی لانے کے لئے ایک اونٹ تھا۔ اور یہی ان کی کل ملکیت تھی۔

یہ روائت بھی ہشام ہی سے ہے۔ اور بخاری کی وہ روائت بھی ہشام ہی سے ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت اسماء مکے ہی میں رہتی سہتی ہو گئی تھیں۔ یہ روائت بتلا رہی ہے کہ تزوج مدینے میں ہوا۔ ان میں تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ نکاح مکہ میں ہوا اور بناء مدینے میں ہوئی۔ اور اس روائت میں تزوج بمعنی بناء ہے۔ پہلی روائت میں باقی جمل سے متعلق مضمون ہشام کا اپنا ہے :-

وھو اول مولود فی الاسلام بعد الھجرۃ بعشرین شھرا وھو اکبر اولاد الزبیر قول من قال انہ کان یوم الھجرۃ حملا غلط من الرواۃ قالہ الواقدی قال لا اختلاف بین المسلمین فی ان

ابن الزبیر اول مولود ولد فی الاسلام بعد الهجرة بالمدینة ۔

وہ اول مولود ہے اسلام میں ہجرت کے بعد بیس مہینے بعد اور وہ اولاد زبیر میں سب سے بڑا تھا اور اس شخص کا قول جس نے یہ کہا کہ وہ ہجرت کے وقت جل میں تھا غلط ہے رواۃ میں سے یہ واقدی نے بیان کیا اور کہا مسلمانوں میں اس بارے میں بالکل اختلاف نہیں کہ ابن زبیر پہلا مولود ہے جو اسلام میں پیدا ہوا ہجرت کے بعد مدینے میں ۔

سوائے ہشام کی روائت کے تمام قرائن اور واقعات یہ بتلا رہے ہیں کہ حضرۃ اسماء کی رخصتی مدینے میں ہوئی اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ دونوں بہنوں کا پہلا نکاح اسماء کا زبیر سے اور عائشہ رض کا جبیر سے حیاتِ خدیجہ رض میں ایک ہی وقت میں ہوا تھا ۔ وفاتِ خدیجہ رض کے بعد جبیر سے حضرت عائشہ رض کو طلاق دلوائی گئی اور نبی کریم صلعم سے دوبارہ نکاح ہوا ۔ رخصتی دونوں کی مدینے میں ہوئی ۔ اور رخصتی کے وقت دونوں بہنوں کی عمر ۲۸ ۔ ۲۹ سال تھی ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

احتیاط اس میں ہے کہ حضرت عائشہ رض کی عمر کا کوئی تعین نہ کیا جائے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ ان کی عمرِ نکاح کا بیرے سے کوئی تعین نہ کیا جائے محض اتنا کہا جائے کہ نکاح کے وقت وہ پختہ عمر باکرہ تھیں ۔ شرفاء قریش جس پختہ عمر میں لڑکیوں کی شادیاں کرتے تھے اسی عمر میں حضرت عائشہ رض کا نکاح بھی ہوا ۔

ان کی بہن اسماء کا نکاح جس عمر میں ہوا اسی میں حضرت عائشہ رض کا نکاح بھی ہوا ۔

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت عائشہ رض کی عمر کے بارے میں لاطائل دلائل اور غیر واقعی توجیہات سے احتراز کیا جائے ۔ فطرت کے مسلمہ اصول کے سامنے ہشام کے استخراج کو رد کرکے اس باب میں خاموشی اختیار کی جائے ۔ شذوذ اور مستثنیات کی تلاش اور ان سے استدلال کی بجائے فطرت کے مسلمہ اصول کو تسلیم کرلینے

ہی کا سیدھا راستہ اختیار کیا جائے ۔

تاریخ کی سب سے مظلوم شخصیت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں

تاریخ کی سب سے مظلوم شخصیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں ۔
سے متعلق کہا گیا اپنوں نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ بنا رکے وقت نو سال کی بچی بنا دیا ۔ بچپن اور کھیل کا مترادف قرار دے دیا ۔ ان کے کردار کو افسانوی کردار بنا کے رکھ دیا ۔ حالانکہ ایسی صغرسنی کی بنا ، کو کوئی ادنیٰ آدمی بھی اپنے لیئے تصور نہیں کر سکتا ۔

براءتِ صدّیقہ میرے ایمان کا تقاضا تھا

ہم نے اپنے ایمانی تقاضے سے یہ تحقیق کی ہے ۔ ہماری نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ " بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر " کی مصداق ہے ۔ کوئی ایسا قول یا فعل آپ کی طرف منسوب کرنا جو مکارمِ اخلاق سے کم ہو ہمارے نزدیک حبط اعمال کا سبب اور نہایت سوءِ ادب ہے ۔ آپ کی ذاتِ اقدس خیر کے سوا کسی چیز کا صدور نہیں ہو سکتا ۔ آپ کی ذاتِ اقدس دناءت و خساست سے مبرّا اور وراء ہے ۔

ہم رجال کتب پر ایمان نہیں لاتے ہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں ۔ آپ منبع صفاتِ حسنہ ہیں ۔ حامل لواء مکارمِ اخلاق ہیں ۔ کسی عمل کا آپ سے ظہور ہوتا ہی اس کی خوبی کی دلیل ہے ۔ آپ ہمارے لئے نمونہ اور آپ کا ہر عمل ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے ۔

ہم نے ہشام کی روایت تزوج کو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اعلیٰ سے کم تصور کیا ہے اسی لئے ہم نے اس کے متن اور سند دونوں کو پرکھنا ضروری سمجھا اب ہم نے اس کتاب کی صورت میں اپنے پورے غور و فکر کو آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اس امید پر

جس غور و فکر نے مجھے بخشا سکونِ دل
ممکن ہے آپ بھی خلش کو نکال دے

اب ہم

اپنی اس ناچیز پیش کش کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر پر ختم کرتے ہیں اور جس طرح انہوں نے شانِ رسالت کی طرف سے گستاخانِ رسالت کے مقابلہ میں اپنی ہر مدافعت پر اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم کی امید کی ہے اسی طرح ہم بھی اپنی اس دفاعی کوشش پر اللہ تعالیٰ سے پورے پورے اجر کی توقع رکھتے ہیں :-

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

پس میرے ماں باپ اور میری عزت و آبرو ۔ محمدؐ کی عزت و حرمت و آبرو کیلئے تمہارے مقابلے میں ڈھال ہے ۔

تمت بالخیر

حصہ سوم یعنی روایت افک پر مبنی کتاب کا

مقدمہ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

١ اما بعد اپنی کتاب کشف الغمہ میں عمر عائشہ رض پر مفصل بحث کر چکا ہوں

٢ عمر عائشہ رض کا پانچواں ماخذ حدیث افک پیش نظر تھا۔ کیونکہ اس روایت میں انا جاریۃ حدیثۃ السن ہے۔ میں اس روایت کے مالہٗ وما علیہ پر غور کر رہا تھا۔ اس روایت کو بار بار پڑھا میں اس نتیجہ پہ پہنچا کہ روایت افک بہت ہی منکرات پر مشتمل ہے مثلاً

ا۔ استخفافِ شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

ب۔ توہین امہات المومنین رضی اللہ عنہن

ج۔ توہین صحابہ رضوان اللہ علیہم

د۔ تباغض صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ

مگر میرے پیش نظر صرف نکاح کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر کا مسئلہ تھا اور میں یہ معلوم کر رہا تھا کہ روایت افک میں یہ ادراج کس نے کیا۔ میں نے بوجوہ اس ادراج کا ذمہ دار عبدالرزاق کو ٹھہرایا (تفصیل کشف الغمہ میں ہے)

٣۔ جہاں اور ماخذ پر میں نے بحث کی ہے (پانچویں ماخذ پر بھی بحث

نوٹ: یہ کتاب علیحدہ طبع ہو چکی ہے

ضروری تھی ۔ یہ روایت علاوہ مندرجہ بالا خرابیوں کے غیر واقعی خلاف تاریخ اور متضاد امور پر مشتمل ہے ۔ میں نے اس روایت کا استقصار کیا ۔ چونکہ یہ روایت طویل ہے ۔ اس لئے استقصار بھی طویل ہوگیا۔ پھر اس مفصل روایتِ افک کی کئی متضمن روایات سامنے آگئیں مثلاً نزول عذر کی روایات مناصاۃ عائشہؓ و ترتیب رضؓ کی روایات وغیرہ۔

۴۔ مفصل روایتِ افک زہری سے منقول ہے ۔ جو انہوں نے بقول خود چار تابعیوں سے سنی ہے اور ان چار ٹکڑوں کو مجموعہ بنا کر پیش کیا ہے اب میں نے اس روایت کے متن اور سند کو پرکھا ۔ تو معلوم ہوا زہری نے اپنی ذاتی تاریخی معلومات سے دوسری صدی کے ربع اول میں یہ روایت مرتب کی ہے ۔

۵ ۔ اس کی سند کو دیکھا تو صحابہؓ کے دور میں اس روایت کا کوئی وجود نہیں ہے ۔ کوئی صحابی اس روایت کا راوی نہیں ہے ۔ دور تابعین میں اس کا وجود نہیں ہے کوئی تابعی اس روایت کا راوی نہیں ہے صرف نسبت ہی

۶ ۔ اس روایت کی اسناد کو دیکھا زہری تک سلسلہ ملتا ہے ابد آگے منقطع ہے ۔

۷ ۔ افک کی پوری تفصیل زہری کی روایت میں ہی ملتی ہے ۔ اس سے باہر اجمال، ابہام اور اہمال کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

۸ ۔ اس روایت کا ایک کوفی اجمال مسروق کوفی سے منقول ہے جو ام رومان کی نسبت سے بیان کیا گیا ہے مگر اس کی سند مشکوک اور غیر معتبر ہے

۹ محدثین نے احکام کی روایات کی خوب چھان بین کی ہے اور تاریخی روایات غیر منقح بھی قبول کر لی ہیں ۔ اس لئے طلاب حدیث کے لئے ان

روایات میں تحقیق اور تنقیح کی گنجایش موجود ہے

۱۰۔ زہری کی روایت افک کے علاوہ دیگر روایات افک کی اسناد میں یا تدلیس ہے یا ارسال ہے یا ادراج ہے وہ سب مجروح ہیں۔

۱۱۔ زہری کے حالات مفصل، رجال کی کتابوں میں نہ مل سکے اتنا معلوم ہو سکا کہ زہری مدلس بھی ہیں مرسل بھی ہیں اور مدرج بھی ہیں۔ سند کے تینوں عیوب ان کی روایات میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی متضاد روایات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کا اصل مرض نفاق تھا۔

۱۲۔ میں نے مرویاتِ زہری کو تلاش کیا کہ کسی محدث نے زہری کی مرویات کو جمع کیا ہو اس طرح زہریات ایک جگہ جمع مل جائیں گی۔ تو پتہ چلا کہ مشہور محدث امام محمد بن یحییٰ الذہلی نیشاپوری استاد بخاری نے ایک "کتاب علل حدیث الزہری" لکھی تھی امام بیہقی نے اس کا ذکر کیا ہے مگر تلاش کے باوجود اس کا پتہ نہ چل سکا۔

پھر میں نے خود مرویاتِ زہری کو مختلف کتب حدیث سے جمع کیا ان کا خلاصہ میں نے اپنی اس کتاب میں زہری کے حالات میں لکھ دیا ہے۔ اگر میں مرویات زہری پر جو میں نے جمع کی مفصل بحث کرتا تو ہزار صفحات سے اوپر ذخیرہ ہو جاتا مگر چونکہ میرا مقصد تو عمر عائشہؓ پر کام کرنا تھا اس لئے اس کو نظر انداز کرنا پڑا۔

۱۳۔ روایت افک پر ضمنی بحث کرنے کا خیال تھا مگر چونکہ یہ روایت منکرات پر مشتمل ہے۔ باب افک میں حرف آخر ہے اس لئے اس پر بحث کرنی پڑی اس لئے یہ حصّہ بھی کافی طویل ہو گیا۔ اصل کتاب کشف الغمہ کا آدھا حصّہ انہیں مباحث نے گھیر لیا۔ گویا مورسے لمبی

اس کی دم ہو گئی۔

۱۴۔ اس حصے کو میں نے مختصر کرنے کی کوشش کی مگر نہ کر سکا۔ اس لئے اصل کتاب کو بغیر ان مباحث کے شائع کیا۔

۱۵۔ زہری ذوجہات شخصیت ہیں ان کی ماہیت اور حقیقت پر مطلع ہونا مشکل ہے زہری متضاد روایات کے مرجع ہیں جن کی توجیہہ اور تطبیق مشکل ہے۔ زہری انتشار اور افتراق کے بانی ہیں۔ زہری الجھی ہوئی ڈور ہیں جس کا سرا پا لینا مشکل ہے زہری کے معمے کو حل کرنے کا آسان راستہ یہ نظر آیا ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ زہری نے زندگی کہاں اور کیسے گذاری۔ زہری جب علم سے فارغ ہوئے تو ۸۰ھ میں عبد الملک کے دربار میں پہنچ گئے۔ اور عبد الملک کی اولاد کے اتالیق مقرر ہوئے پھر ان کے احفاد کے بھی اتالیق رہے آخر کار ۱۲۴ھ میں اسی عہدے پر بنو مروان کے دربار سے متعلق تھے کہ وفات پائی یعنی ۴۵ سال بنو مروان کے ملازم رہے بلکہ تمام عمر انہیں کی خدمت میں صرف کر دی۔

۱۶۔ حقیقت میں ان میں وہ تمام صفات تھیں جو مطلق العنان بادشاہوں کے درباریوں میں ہوتی ہیں۔ نفاق۔ آقاؤں کی مزاج شناسی۔ موقعہ پرستی سخن شناسی۔ سخن سازی برمحل سخن پروری۔ بادیہہ گوئی۔ قدرتِ کلام مخالف ماحول کی برداشت۔ کامل ابن الوقتی۔ حصول مقصد کے لطیف ذرائع کا شعور اور ان کا استعمال۔ عام انسانوں کی معمول سازی۔ وغیرہ وغیرہ

۱۷۔ مرویات زہری کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ رضی اور صحابیات رضی کے متعلق زہری سخت سیئی الرائے تھے ان کی روایات میں

جا بجا اس کا اظہار ملتا ہے ۔ وہ آخرت کی باز پرس سے مستغنی تھے ان کا دل خوف خدا سے خالی تھا ۔

۱۸ روایات کی تنقیح کے متعلق ہماری کتاب کشف الغمہ میں تمام مباحث تفصیل سے آ چکے ہیں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں من یشاء فلیراجع الیہ ۔ اگر تفصیل دیکھنی ہو تو اس کا مطالعہ کریں ۔

۱۹ ۔ مگر قبول خبر کے مختصر ضوابط بیان کیئے دیتے ہیں تاکہ ان کی روشنی میں تاریخی روایات کو پرکھا جائے اور قبول کیا جائے ۔

ا ۔ نص قطعی کے خلاف روایات مردود ہوگی ۔

ب ۔ منصب نبوت کے خلاف روایت مردود ہے ۔

ج ۔ سیرت رسول ؐ کو داغدار کرنے والی روایت مردود ہے ۔

د ۔ عظمت رسول ؐ کے خلاف روایت ۔ اہانت رسول ؐ کی روایت مردود ہے ۔

ہ ۔ کردار صحابہ اسلام میں ایک مستقل قدر ہے ۔ صحابہ کی کردار کشی کی تمام روایات مسترد ہیں خصوصیت سے السابقون الاولون کیلئے رضاء الٰہی بنص ثابت ہے اس لیئے ان کی کردار کشی کی روایات بنص مردود ہیں ۔

و ۔ بنیادی اسلامی تعلیمات کے خلاف تمام روایات مردود ہیں ۔

ز ۔ یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ تاریخی روایات غیر منقح ہیں ۔ ان کی گنجائش خود محدثین ؒ نے رکھی ہے اس لیئے تنقیح کے بعد قابل قبول ہونگی ۔

ح ۔ مدلس ۔ مرسل ۔ مدرج روایات تحقیق اور تنقیح کے بعد قابل قبول ہوں گی ۔

ط ۔ خصوصیت سے مدرج روایات کی زیادہ چھان بین کی ضرورت ہے ۔ اصل روایت اور سند پہلے سے موجود ہوتی ہے ۔ ادراج بعد میں

کیا جاتا ہے اور اس کی شناخت مشکل ہوجاتی ہے۔ محض اضافہ ثقہ کے ضابطہ سے اسے قبول نہیں کریں گے۔

ی۔ صحاح ستہ میں صرف احکام کی روایات ہی نہیں ہیں بلکہ تاریخی۔ مغازی۔ ملاحم۔ فتن۔ مناقب مثالب کی روایات بھی درج ہیں۔ مؤخر الذکر روایات اکثر غیر منقح ہیں اور ان میں تسامح بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے صحابہؓ کے کردار کی روایات کو دیکھ بھال کر قبول کرنا چاہیے۔ کیونکہ صحابہؓ اسلام کا براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت یافتہ طبقہ ہے وہی اسلام کے اولین ناقل و عامل ہیں اگر وہی طبقہ کچے کردار کا قرار دیا جائے تو دین کی تمام عمارت ناقابل اعتماد ہوگی۔ اس لئے تاویل اور توجیہ کی بجائے صحابہ کو چھوڑ کر ان سے نیچے کے رواۃ پر جرح و قدح کے بعد ان کے بیان کو قبول کیا جائے یا رد کر دیا جائے۔

۲۰۔ ہم نے روایت افک کو کم عمری کے ماخذ کے طور پر لیا تھا جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ روایت نہیں افسانہ ہے کم عمری کے ماخذ کے طور سے تمام بحث "تحقیق عمر عائشہ" میں آچکی ہے۔ میری تحقیق یہ ہے کہ زہری حضرت عائشہؓ کی کم عمری کی روایت کے راوی نہیں ہیں۔ عبد الرزاق نے ایک سند میں انکا نام استعمال کیا ہے۔ زہری ۱۲۴ھ میں وفات پا گئے تھے اور کم عمری کی روایت ۱۴۵ھ میں منظر عام پر آئی۔

۲۱۔ زہری کی روایت افک میں اس کی موضوع لہا اور مرمی علیہا حضرت عائشہؓ بیان کی گئی ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ خود حضرت عائشہؓ کی اپنی زبان سے یہ واقعہ بیان کرایا گیا حالانکہ واقعہ میں یہ قصہ حضرت عائشہؓ کیساتھ پیش نہیں آیا۔ اور نہ انہوں نے کبھی اسے بیان کیا یہ زہری

کی خود ساختہ پرداختہ روایت ہے، زہری نے از خود سند میں حضرت عائشہ رضؓ اور ان کے بھانجے عروہ کا نام استعمال کیا ہے۔ عروہ سے زہری کا نہ لقا ثابت ہے نہ سماع ثابت ہے (تفصیل تحقیق عمر عائشہ رضؓ میں ہے) یہیں سے یہ عیاں ہے کہ زہری منافق ہیں اور مدلس ہیں۔ یہ روایت زہری نے تصنیف کی ہے۔ اس روایت کے سب سے پہلے راوی زہری ہیں وہی اس روایت کے موجد ہیں اور اس روایت کی تہذیب اور تشہیر عبدالرزاق نے کی ہے۔

۲۲۔ عرصے تک میں اور میرے ساتھی زہری کے حالات پر غور کرتے رہے اور زہری کی جلالتِ شان کے پیش نظر فیصلہ کرنے میں متامل رہے پھر روایت زہری کی روشنی میں اور ان کی تضاد بیانی اور صحابہ رضؓ سے سوءِ ظن کی بنا پر ہم نے طے کر لیا کہ ممنوع التکلم قرآنی افک کو رائی سے پربت بنانے والے زہری ہیں۔ اس روایت کی سند موضوع ہے۔ زہری سے اوپر اس کا وجود نہیں ہے۔

۲۳ یہ بھی ملحوظ رہے کہ مکی زندگی میں منافقین کا طبقہ نہیں تھا مکی سورتوں میں اس طبقے کا ذکر نہیں ہے۔ مدینے کی زندگی میں جب اسلام ایک طاقت بن گیا یہ طبقہ وجود میں آیا۔ مدنی سورتوں میں اس کا ذکر ہے بیشتر منافق مدنی ہیں۔ جوں جوں اسلام قوی تر ہوتا گیا یہ منافق نفاق میں شدید تر ہوتے گئے۔ پھر ان میں مفتوح ممالک کے منافقین بھی شامل ہوتے چلے گئے اور ان کی ذریت بھی بڑھتی رہی اور ان کی سرگرمیاں مخفی تر راہ اختیار کرتی رہیں۔ زہری حزب نفاق کے فرد ہیں۔ زہری کی تربیت اور راہ نمائی نے بنو مروان کو اس انجام تک پہنچایا

جو زہری چاہتے تھے ۔ زہری کی وفات کے بعد صرف ۸ سال تک یہ سلطنت باقی رہ سکی ۔ زہری کے تربیت یافتہ تلمیذ بادشاہوں کے ہاتھوں ہی یہ سلطنت ختم ہو گئی ۔ اور بنو مروان بھی ختم ہو گئے ۔ بنو مروان کے لئے زہری کا وہی کردار ہے اور کامل کردار ہے ۔ جو ابن علقمی کا کردار بنو عباس کے لئے ہے ۔ لیکن ابن علقمی کا کردار ناقص اور بھونڈا ہے زہری کا کردار کامل تام بے عیب ہے اور بے مثال ہے ۔ کوئی شخص انگلی نہیں رکھ سکتا کہ زہری کا بنو مروان کی تباہی میں ہاتھ ہے ابن علقمی نے بھی اسی کردار زہری کو برتا ہے مگر بے احتیاطی سے برتا ہے اس لئے بدنام ہو گیا ۔ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ۔ مستحق لعنت ٹھہرا ۔ اپنے مدعو اور ممدوح ہلاکو خاں کی نظروں سے بھی گر گیا اور ہاتھ بھی کچھ نہ آیا ۔ تاریخ میں انہی حزب نفاق کے ایک فرد نصیر الدین محقق طوسی بھی تھے ۔ ابن علقمی اور محقق طوسی کی ملی بھگت سے سلطنت عباسیہ تباہ ہوئی ۔

غرض سلطنتوں کے اکھاڑ پچھاڑ کے کھیل آسان نہیں اس میں بڑی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے زہری اس فن میں کامل تھے ۔

۲۴ ۔ زہری تاریخ کے امام ہیں بغیر سند کے ان کے اقوال معتبر خیال کیے جاتے ہیں واقعتہً مستور الحال ہیں ظاہر امشیخنت کے لبادہ میں ملبوس ہیں ان پر گفتگو کرنا اپنے آپ کو ہدف مطاعن بنانا ہے مگر ہم ایمان بالرسل کے مکلف ہیں اس لئے زہری پر قلم اٹھانا پڑا ۔

۲۵ زہری کسی فقہی مسلک کے امام نہیں ہیں ۔ محض تاریخ کے راوی ہیں ان کا مقام وہ نہیں ہے جو ائمہ مسلک کا ہے اس لئے زہری پر بحث سے کوئی مسلک مجروح نہیں ہوتا ۔

۲۶ زہری ائمہ نقد میں سے نہیں ہیں۔ صرف ناقلین روایت میں سے ہیں جن میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے۔

۲۷۔ حجیتہ حدیث کا ضابطہ احکام کی روایات سے متعلق ہو سکتا ہے حجیتہ روایت کوئی اصول نہیں۔ رطب و یابس میں کیا حجت ہے۔

۲۸۔ تلقی بالقبول کا اصول تاریخی روایت میں استعمال نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس کا حوالہ بے محل ہے۔

۲۹۔ اب سے بیس سال پہلے میں نے اور میرے ساتھیوں نے اعنی مولانا قاری حافظ الیف اللہ صاحب عثمانی فاضل دیوبند و مولانا حافظ عظمت اللہ صاحب فاضل دیوبند بانی مدرسہ تفہیم القرآن جھنگ صدر نے یہ مرتب کیا تھا۔

۳۰۔ یہ دونوں مضمون تحقیق عمر عائشہ، اور روایت افک عائشہ رضی اکٹھے ایک دم لکھے گئے تھے۔ اس لئے حدیث پر ابحاث اکٹھے ہی تھے بعد میں روایت افک بعض علماء کے مشورہ سے علیحدہ کر دی گئی۔ اس لئے قاری کے لئے مناسب ہے کہ پہلے تحقیق عمر عائشہ رضی کے اصولی مباحث پر نظر ثانی کرے۔ پھر اس کتاب کو پڑھے۔

۳۱۔ تکرار روایت کے پیش نظر کہیں کہیں۔ استدلال میں تکرار آ گیا ہے۔ اس کو دانستہ باقی رکھا گیا تاکہ ذہن نشین ہو جائے۔

۳۲۔ بعض جگہ تنقید میں لہجہ سخت ہو گیا ہے اس کے لئے معذرت خواہ ہوں

۲۳۔ شروع میں یہ مضمون ذاتی قلبی تسکین کے لئے لکھا گیا تھا۔ شائع کرنے کا خیال نہیں تھا مگر بعد میں عام فائدے کے لئے تحقیق عمر عائشہ رضؓ کو شائع کر دیا اس لئے اب اس حصّے کو بھی حسب وعدہ شائع کر رہا ہوں۔

۲۴۔ میں ہرگز منکر سنت وحدیث نہیں ہوں - یہ صرف ایک تاریخی روایت کی تنقیح اور تنقید ہے۔

۲۵۔ زہری پر اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا - کتب رجال میں ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہوا ہے وہی نقل کیا گیا - یعنی مدلس - مرسل - مدرج ہیں۔

البتہ ان کی مرویات کی روشنی میں ان کو ذوجہات شخصیت قرار دیا گیا۔ اور درباری خصوصیات کی بنا پر حزب نفاق کا فرد تصور کیا گیا - یہ آخری صفت ان میں میں نے اپنے مطالعے کی بنا پر معلوم کی۔

جب زہری السابقون الاولون کو ایک دوسرے کی زبان سے منافق کہلواتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں انکی یہ گفتگو نقل کرتے ہیں اور ان کی ساری گفتگو حضرت عائشہ رضؓ کی زبان سے ادا کراتے ہیں - تو اب ہمارے لئے دو ہی راستے ہیں - زہری کی رؤات پر اعتماد کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کو بے اثر تصور کریں السابقون الاولون کو جاہلیت میں گرفتار - بے کردار - نبی کی شان میں گستاخ خیال کریں - اور ازواج النبیؐ کو آپس میں حاسد تر یا چلتر کی ماہر - اور نبی کی صحبت سے غیر مستفیض - بے اثر کوری دنیادار بیویاں تسلیم کریں - اور سورۂ احزاب کی آیت :-

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں. اور فرمانبرداری والے مرد اور فرمانبرداری کرنیوالی عورتیں اور سچ بولنیوالے مرد اور سچ بولنیوالی عورتیں، اور صبر کرنیوالے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنیوالی عورتیں اور خیرات کرنیوالے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں۔ اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں، اور بکثرت اللہ کو یاد کرنیوالے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

کی مبینہ صفات سے ان کو عاری اور بیگانہ خیال کریں۔ یا زہری کی اس روایت کو ناقابل اعتماد تصور کر کے زہری کو حزب نفاق کا فرد تصور کریں اور روایت افک عائشہ رضہ کو زہری کا خود ساختہ افسانہ سمجھ کر اپنے ایمان کی حفاظت کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے مایوس اور صحابہ رضہ سے بدظن نہ ہوں۔ ہم نے روایت زہری کو ناقابل اعتماد قرار دے کر اپنے آپ کو سوءِ ظن سے

بچالیا ہم نے اہون البلیتین کا راستہ اختیار کیا۔صحابہ اور صحابیات کے کردار کو مشکوک خیال کرنے سے یہ بہتر ہے کہ کہ راوی روایت افک زہری کے کردار کو مشکوک قرار دیں ہم ایمان بالرسول کے مکلف ہیں۔ ایمان بالزہری کے مکلف نہیں ہیں۔

۳۶۔ تاریخی روایات میں محدثین کے نزدیک بھی جرح وقدح کی گنجائش ہے صحاح ستہ میں کسی تاریخی روایت کے آنے سے اس کی ماہیت نہیں بدل جاتی وہ روایت تاریخی ہی رہتی ہے۔اس کی صحت وسقم کا دارومدار سند کے رواۃ پر ہے ان کو دیکھا اور پرکھا جائے اسی سے روایت کا درجہ متعین ہوگا۔

۳۷۔ ہر مصنف سند بیان کر کے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔سند بیان ہی اس لئے کی جاتی ہے کہ دیکھو اور پرکھو۔ یہ خبر احاد ہیں انکا مرتبہ آیات منزلہ کا نہیں ہے۔

۳۸ ہر استدلال میں مجال گفتگو ہے۔انسان خطا کا پتلا ہے اس روایت پر تمام مباحث احقاق حق کیلئے ہیں۔ اگر اہل علم مجھے کسی کوتاہی پر مطلع فرمائیں گے ممنون ہوں گا۔ وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔

۳۹۔ اس تاریخی روایت کی تحقیق محض تاریخی حیثیت سے ہے اس کا تعلق کسی مکتب فکر سے نہیں ہے۔

۴۰۔ اپنے متعلق یہی عرض ہے۔ اُنْظُرْ اِلٰی مَا قَالَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی مَنْ قَالَ اِنْ اَخْطَأْتُ فَمِنِّیْ۔ وَاِنْ اَصَبْتُ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا توفیقی اِلَّا باللّٰہِ علیہ توکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

بات کو دیکھو کہنے والے کو نہ دیکھو۔ اگر مجھ سے خطا ہوئی تو میں خطا کار ہوں اور اگر میرا کیا درست ہے تو اللہ تعالےٰ کی رہنمائی سے ہے۔میری سب سعی اللہ کے بھروسے پر ہے۔ اور اسی پر میرا

توکل ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے

العبد
نیاز احمد
89/F 2
خالد بن ولید روڈ - کراچی

علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی کی تالیفات

قیمت

١) مذہبی داستانیں اور انکی حقیقت (حصہ اول تا چہارم) فی جلد 85/-
٢) شب برات ایک تحقیقی جائزہ 100/-
٣) شب برات کیا ہے؟ 15/-
٤) صحابہ کرامؓ قرآن کی نظر میں 75/-
٥) کیا ہمارا قرآن ایک ہے؟ 75/-
٦) عقیدہ ایصال ثواب 50/-
٧) فاتحہ خلف الامام 20/-
٨) تحقیق عمر عائشہؓ 15/-
٩) عقیدہ ظہور مہدی 15/-
١٠) کیا معتہ حلال ہے؟ 6/-
١١) سماع حسن بصری 6/-
١٢) اسلام میں حفظ مراتب پر ایک تحقیقی نظر 6/-
١٣) اہمیت تبلیغ 15/-
١٤) Age of Aisha (RA) 50/-
١٥) Religious Tales Fact and Fiction 250/-

علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواری کی تالیفات

١) اعجاز القرآن اور محاذ روایت ومحاذ تفسیر (اول) 175/-
٢) اختلاف قرات اور قراء حضرات (دوم) 100
٣) مثلہ ومعہ کی حقیقت 12/-
٤) مسند احمد کی حقیقت 12/-
٥) امام زہری وطبری تصویر کا دوسرا رخ 85/-
٦) انتظار مہدی ومسیح فن رجال کی روشنی میں 85/-
٧) جمع القرآن 80/-

۸) مذاکرہ ایصال ثواب کی دوسری کڑی ....-/40

۹) کیا اختلاف امت رحمت ہے؟..........-/15

۱۰) القصیدۃ الزہرہ حصہ نثر ....-/25

۱۱) القصیدۃ الزہرہ حصہ نظم ....-/50

۱۲) وصیت وراثت اور کلالہ..........-/50

۱۳) سبیل المومنین ....-/15

۱۴) اخلاقی کمزوریاں..........-/5

۱۵) نماز پنجگانہ قرآنی ثبوت ....-/35

۱۶) الطلاق مرتٰن..........-/70

الرحمٰن ٹرسٹ کی دیگر مطبوعات

۱) نفسانی خواہش کا قانون شہلا حائری (ترجمہ نگار عرفانی)..........-/180

۲) شمع حقیقت قاضی محمد علی (انڈیا) ....-/85

۳) وراثت مقبول احمد برنی..........-/15

۴) تصوف پر ہندوستانی اثر ڈاکٹر محمد عمر..........-/15

۵) اسلام اور تصوف ڈاکٹر جاوید احمد غامدی ....-/12

۶) حقیقی اہل بیت مفتی محمد طاہر مکی.......... -/12

۷) تقلید مولوی محمد (انڈیا)..........-/9

۸) رسم جہیز (قرآن کی روشنی میں) ڈاکٹر محمد نیاز.......... .....-/15

۹) معجزات نبویؑ از سلمان ندوی.......... ......-/15

۱۰) عذاب قبر محمد فاضل (مدیر الحق).......... ......-/12

۱۱) عذاب قبر السید انور مختار..........-/6

۱۲) عذاب قبر قمر احمد عثمانی.......... ......-/35

۱۳) عقیدہ نزول مسیح ومہدی مولانا عبیداللہ سندھی ....-/20

۱۴) قاتلان حسین کی خانہ تلاشی مولانا عبدالشکور فاروقی..........-/30

..........-/5

١٦) محمد رسول اللہ احمد رضا خاں رامپوری..-/25

١٧) سیرت دانائے سبل تین جلد محمد عثمان قریشی مکمل سیٹ................................-/750

١٨) مجموعہ تفاسیر لکھنوی مولانا عبد الشکور لکھنوی..-/250

١٩) عبد الست اور جینیاتی کوڈ پروفیسر ڈاکٹر ولد احمد قادر...-/15

٢٠) تاریخ قرآن مفتی عبد اللطیف رحمانی..-/50

٢١) Ethnic Cleaning And Maimi A willon Allah (Vol 1) By: Anwar H. Syed ......

ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی کی تالیفات

١) حیات سیدنا یزید محمد عظیم الدین صدیقی..-/60

٢) واقعہ کربلا اور سیدنا یزید...-/55

٣) درس توحید حصہ اول ....-/5

٤) درس توحید حصہ دوم..-/12

٥) حقیقت وسیلہ...-/25

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مصنفین کی تصنیفات دستیاب ہوسکتی ہیں

١) خلافت معاویہ و یزید محمد احمد عباسی..-/100

٢) تحقیق مزید...-/150

٣) بادشاہ بیگم اودھ ....-/40

٤) رسومات محرم و تعزیہ داری..-/12

٥) ام ہانی ....-/30

٦) حقیقت خلافت و ملوکیت..-/180

٧) تحقیق سید و سادات ....-/150

٨) مقتل حسین علی احمد عباسی...-/125

٩) دینی نفسیات مفتی محمد اسحٰق ندوی...-/150

١٠) اظہار حقیقت (فی جلد ١٠٠) مکمل سیٹ ....-/300

تاثرات

زندگی کے متفرق مسائل کو فقہ قرآن کریم کی روشنی میں سمجھنے کے لیے

''فقہ القرآن''

کے سلسلے کی دس کتابیں

١۔ ''فقہ القرآن'' : عبادات (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ)

٢۔ ''فقہ القرآن'' : خاندانی معاملات (نکاح وطلاق وغیرہ)

٣۔ ''فقہ القرآن'' : حقوقِ نسواں اور باہمی حقوق

٤۔ ''فقہ القرآن'' : شہادت ودیتِ نسواں

٥۔ ''فقہ القرآن'' : حدود وتعزیرات اور قصاص

٦۔ ''فقہ القرآن'' : رجم اصل حد ہے یا تعزیر

٧۔ ''فقہ القرآن'' : وصیت ووراثت

٨۔ ''فقہ القرآن'' : عدلیہ اور اجماع

٩۔ ''فقہ القرآن'' : سیرت طیبہ کے ازدواجی معاملات

١٠۔ ''فقہ القرآن'' : بغاوت وخارجیت اور قصاص وبیعتِ رضوان

١١۔ ہماری مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ

☆ مہدی ومسیحؑ کا مسئلہ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ و
مفکر اسلام مولانا مفتی محمد اسحاق صدیقی ندویؒ

☆ روایاتِ افک از حکیم نیاز احمد

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر A-1,7/3 ، ناظم آباد نمبر1، کراچی 74600 فون: 6601449